

سابق قادیانیوں کے قبول اسلام کی وجہ سے، ہوش ربا اور ایمان افروز داستانیں

قادیانیت کا مذہبی، سیاسی اور اخلاقی تجزیہ

قادیانیت اسلام نک

ترتیب و تحقیق:

مفتی سید حسن خاں





جب کھل گئی بطالب پھر اس کو چھوڑ دینا
نیکوں کی ہے یہ سیرت راہ ہڈی بھی ہے



درپے دنیا دیں ہم رفت آں ہم رفت واں ہم رفت
(دنیا کے درپے ہوا دین بھی ہاتھ سے گیا، وہ بھی گئی یہ بھی گیا)



گر شب پرہ چشم روز نہ بیند
چشمہ آفتاب راچہ گناہ

(اگر چکا دڑ کو دن کے وقت نظر نہیں آتا تو اس میں سورج کا کیا قصور ہے۔ سورج تورشی پھیلانے کا ذریعہ بنا ہوا ہے جو آنکھیں موند لے اور نہ کھولنے کی حتم کھانے اسے کون دکھا سکتا ہے۔)



باپ دادا نے کچے اگور کھائے اور اولاد کے دانت کھٹے ہوئے۔



ہم ایسے سادہ دلوں کی نیاز مندی سے
بتوں نے کی ہیں جہاں میں خدا بیاں کیا کیا



سابق قادیانیوں کے قول اسلام کی دلچسپ ہو شر با اور ایمان افروز داستانیں
قادیانیت کا نام ہبی سیاسی اور اخلاقی تجزیہ

قادیانیت علم

مرتبہ و تحقیق:

الحمد لله

علم و فناں پلپشرز

اردو بازار لاہور - ٹکن 34
E-Mail: ilmoirfanpublishers@hotmail.com

The image displays a massive, intricate piece of Islamic calligraphy. The central focus is the name 'Allah' written in a bold, black, flowing script. This is surrounded by numerous smaller, delicate inscriptions, including 'Muhammad' and other divine titles. The entire artwork is set against a white background and is rendered in a dark, expressive ink style.

فہرست

نمبر	عنوان	تصویر
9		اتساب
11	جذب حافظ شیخ الرحمن	لچھے! آئینہ حاضر ہے
15	جذب پروفیسر محمد غفر عادل	امول بجیدی
19	چذب مسکین فیض الرحمن	پھجان
26	حضرت مولانا اللہ و سایا	سارے داڑبے نقاب
28	محمد شمسن خالد	حی طی القلاع
35	مولانا لال حسین اختر	من بالکمات الی انور
48	زیادے سلمہ بی	دام بھر بگ زمین سے رہائی
59	مرزا محمد سلیمان اختر	زیوں قفس
82	بیشرا جمیل مصری	حق گوئی
93	ملک محمد جعفر خان	ڈھول کا پول

119	سیف اُن، جرمنی	جموٹ آخ رجھوٹ ہے!	<input type="checkbox"/>
139	م۔ ب خالد	یہ ہے قادیانیت!	<input type="checkbox"/>
143	شقیر رزا	حقائق تک رسائی	<input type="checkbox"/>
187	مرزا محمد حسین	جب قادیانیت کی حقیقت مکشف ہوئی	<input type="checkbox"/>
196	احمد نواز خاں، بریگیڈ سرجن ٹارڈ	میں قادیانیت سے تاب کیسے ہوا؟	<input type="checkbox"/>
200	رب نواز، ایئر کماؤڈور ٹارڈ	بھٹکا ہوا آہ ورم آشنا ہوتا ہے!	<input type="checkbox"/>
207	فضل احمد، سینجر جزل ٹارڈ	شرار بوسی سے چڑغ	<input type="checkbox"/>
		صلحوی تھیٹھی تک	
209	حسن محمود وہد، قسطنطین	زنجیر سچھلتی ہیں!	<input type="checkbox"/>
216	احمد ہاریادی، اٹھونیشا	میں نے مرزا نیت کیوں چھوڑی؟	<input type="checkbox"/>
225	ڈاکٹر عبداللہ خان اختر جتوی	قول اسلام کی ایمان پرور سرگزشت	<input type="checkbox"/>
240	محمد صالح نور	قادیانیت، حقائق نامہ	<input type="checkbox"/>
251	ڈاکٹر حافظ فدا الرحمن	قادیانیت سے واپسی	<input type="checkbox"/>
255	پروفیسر ڈاکٹر محمد اسماعیل	گراہی سے ہدایت تک	<input type="checkbox"/>
265	رشید احمد خالد	جب قدرت نے راہنمائی فرمائی	<input type="checkbox"/>
267	محمد الشعرا سایاڈ یروی	میں مسلمان کیوں ہوا؟	<input type="checkbox"/>
275	عزیز احمد	نااصر	<input type="checkbox"/>
285	کلیچ قحام لوہپلے، سنو پھر داستان میری	رفق احمد باجوہ	<input type="checkbox"/>
294	محترم شریٰ باجوہ	الوداع قادیانیت!	<input type="checkbox"/>

296	مولانا عبدالکریم مبہلہ	باطل سے حق کی طرف	<input type="checkbox"/>
345	پروفیسر منور ملک	میں ایک احمدی تھا	<input type="checkbox"/>
356	شیخ راجیل احمد	کفر کنندھیاروں سے اسلام کی نورانی بھاروں تک	<input type="checkbox"/>
368	محمد عالی	اسلام کی پناہ میں	<input type="checkbox"/>
371	عرفان محمود برق	نفس قادریانیت سے آقا ﷺ کے قدموں تک	<input type="checkbox"/>
385	منظرا حسین مظفر	رائی منزل مراد پاتا ہے!	<input type="checkbox"/>
392	عبداللہ رینول	سراب کا حرمٹا ہے!	<input type="checkbox"/>
396	حثمان بیری	قادریانیت سے فرار	<input type="checkbox"/>
399	رانا محمد رفیق	نداشت کے آنسو	<input type="checkbox"/>
404	مرزا قادریانی کے ایک "عقیدت مند" سید راشد علی	مرزا قادریانی کے ایک "عقیدت مند" سید راشد علی کی بغاوت	<input type="checkbox"/>
411	مولانا تاج محمد جلیل القدر "مرید"	مرزا قادریانی اپنے جلیل القدر "مرید" مولانا تاج محمد کی نظر میں	<input type="checkbox"/>





النسل

یہ ترجمہ ایک بات ہے اسلام سمجھ کر
اس کے دام فیب میں آگئے اور اب اسلام
قبول کر کے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم
مضطہن سلسلہ نبیوں کے دامت شفاعة
میں پناہ لینا پڑا ہے ہے ہے !

راتے ہی میں اندھیروں نے انہیں لوٹ لیا
چاندنی با نشے نکلے تھے جو رخساروں کی

بیجے! آئینہ حاضر ہے!

محمد مسین خالد پاکستان کے علی، اولی اور دلی طقوں میں ایک مستبر حوالہ اور مفت استخارے کا نام ہے۔ سامراجی اور نامراجی قوتوں کے گاشتوں اور قادریانیت کے خوش بھل کے لیے، مسین خالد شطر جوالہ اور برحق بے امال کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ اولیٰ حلتوں میں استخاروں میں بھل کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ اس کی ٹھیک تراکتازیوں کا ہدف استخارہ اور سامراج کے وہ ”قاب پوش گماشے“ ہیں جو دین کے قلمعے اور عقائد کی فضیلوں پر شب خون مارنا چاہتے ہیں۔ مسین خالد نے استخارہ کے ان پشوٹوں اور نٹوڑی بھیوں کو جو قادریانیت کے لبادے اور ”احمیت“ کے مقدس حیرہن میں ذیروں حامیوں کی ”سبجد ضردا“ ننانے کے لیے اپنے اصرار ہاتھ پاؤں مارتے پھر رہے تھے، اپنے ”قلم کھرے“ میں لاکھڑا کر کے اس بے باکی سے بے نقاب کیا ہے کہ ان بھجوڑوں کے لیے ”اب جائے مامن ہے نہ پائے رفتن۔“

ہمارے ہاں ادب اور صفات پر سکھ بند قم کے اوپیوں اور صحافتوں کا ناجائز قبضہ ہے۔ ان ناجائز قابیں نے اپنے چہوں پر ترقی پسندی اور روشن خیالی کے ماسک پڑھار کئے ہیں۔ ترقی پسندی اور روشن خیالی کی آڑ میں، روڈی، اسریکی اور برطانوی سفارت خانوں کے راجب پر پڑے والے یہ قلم کار اور کالم کاں، ہر اس خلک و تحریر کو ادب عالیہ کا شاہکار قرار دیتے ہیں، جس میں ٹھکی اور بخشی بھوک کو تحریک دینے والا ”سواد“ موجود ہو۔ بخشی میں یہ ”فکار“ کی بیٹھ تمنی فیشوں کے تحت ترقی پسندی کا اور اب ”خود و اللہ آرڈر“ کی تابعداری میں روشن خیالی کا ناد بھوک رہے ہیں۔ لیکن تحریروں اور عمریوں کی حلتوں سائش باہمی کارکن ہونے کی وجہ سے الکٹریاک اور پرنٹ میڈیا کے ذریعے خوب خوب تھہر کی جاتی ہے، یہیں سکرموٹی، ذرے ہاں، گنجکا کا گلداب جل آب زخم کی منہ لہرنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ اس قم کے اشتہا ایگزیور اسٹھال ایگزیئریوں کو ”اوب بمائے زندگی“ کی نمائندہ تحریریں قرار دیا جاتا ہے۔ اس کے پر گھس جب کوئی قلم کار دین کی حرمت اور حقائق کی ناموس کے تحفظ کے لیے اپنے قلم کو تھی اور قرطاس کو ڈھالنا کر زندگی کے میدان میں دین کے باغیوں کو لکھانا اور فکری حاذ پر چھاؤنے کی کوشش کرتا ہے تو ان کی یہ قاتمیں ”بیوئے خون آتی ہے اس فرد کے افسانوں سے“ کی دھائی دیتے ہوئے مظہر عالم پر آ جاتی ہیں تاکہ ایک پچھم کار کی کروائی کی جائے۔ یہ ایک ایک بحث ہے کہ اعلانے لکھنے کے پچھم کی سربندھی کے

لیے، اپنے مکر و نظر کی رحمائیوں، قلب و جگر کی توانائیوں اور دست و بازو کی سر سائیوں کو وقف کر دینے والے
متن خالد ہیے جاہد قلم کار، مطہری تمنا اور سائش کی پرواسے بے نیاز ہو کر مکری و نظری سورچل پر تیزہ کار
ہوتے ہیں۔ انھیں اپنی مکری اور غنی کاوشوں کے لیے کسی دامت ہادیتے یا لینن گرا ذیعے اوب کے خادے
”سن انتیاز“ لینے کی ضرورت نہیں ہے کہ

نظرت خود بخود کرتی ہے لاے کی حابندی

صریح افریں ”قہرہ قادیانیت“ عالم اسلام کی شرگ پر سرطان کے پھوٹے کی حیثیت رکتا
ہے۔ اس پھوٹے کو جس سے الہماز بھیجئے کے لیے جس قلم کی خیز دھار مختبرت کی ضرورت ہے، وہ متن خالد
کی تحریروں میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ متن خالد کا طفرائے انتیاز یہ ہے کہ اس نے حرمت اوب حقیقت
کرنے کے باوجود فرے باڑی اور کوکھلی خلاصی جملہ سازی سے مکمل اعراض اور اختاب کیا ہے۔
”قادیانیت ہماری نظر میں“ اور ”بیوت حاضر ہیں“ سے لے کر ”قادیانیت سے اسلام تک“
جو ”کتب ہمارے“ حقیقت و تدوین کے اس قطب نے تحریر کیا ہے، بلاشبہ وہ قاتل دلو بھی ہے اور لاائق دید
بھی..... ان تمام کتابوں کے ایک ایک جملے میں ”خلیل کتبہ قلم“ کی سخت گیرت، حیثیت، استدلال اور
مطابقیت اس طرح کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے جس طرح ناذ آہو میں ”ملک افزار“ اور فدائے حمد و حرم
میں ”قدوس“ ہوتا ہے۔

اس قلم کا شہزادہ لارڈ پیغمبر مددی حضور اور شخصی شہروں کے خریدار یہ پاری کبھی حقیقت نہیں کر سکتے۔
سم غریب یہ ہے کہ روشنی کے گل بخوارے میں عالمی گھوپ کے مسائل دیکھنے والے ”سبھیو“ یہ کہل بھول
جاتے ہیں کہ روشنی سے ماہرا بھی کچھ مذاقتیں ہیں۔ ساف خالہر ہے، جو ادب صرف روشنی کے لیے حقیقت ہو
گا، وہ صرف وہی پہنچی پیدا کرے گا اور جو ادب حقیقت کی کوکھ سے جنم لے گا، اس کی ایک ایک سطر
قہان کی چھٹوں کی طرح منور ہوگی۔ ایسا ادب ذاتی المکرم قلم کے اوب حقیقت کرنے کا تصور بھی نہیں کر
سکتے۔ روشنی کے سوکے بخواروں کے گرد مذلا نے والا ادب روشنی کی مرطی کی طرح ناپائیدار ہو گا جبکہ ایک
چھیڑیے کی پائیدار اور لازوال اقدار کا معاذخ اور چیل کار ادب لازوال، پائیدار اور سدا بہار ہو گا۔

متن خالد کی کتب کا بالاستیحاب مطالعہ کرنے کے بعد آپ بے ساخت پاکار انھیں کے کر یہ
تحریر ہے لاملا قبایل ایسے مفعض کے توک قلم سے پھوٹی ہیں جو سرتاپاتانی الرسول ہے۔

الله کرے مرطہ شوق نہ جو ٹھلا

متن خالد کو عالمی طاقتوں کے سفارت خانوں کی غلام گروہوں میں ڈالوں کی ہزاری۔ اس پر
رہن خیلی کا قرض کرنے والے کو پیلی اونچیوں اور تکاروں کی داد و چھین کی ضرورت نہیں کر دہ جن
سو فوجوں اپنے قلم اٹھاتے ہیں، قلم کی حرکت سے قبل ہی دوائے سر دش ان کی قلم کے هر کاپ ہوتی ہے۔ ان پر

قلم اخافتے ہی تائید ربانی کے ساتھ بے تار کا سلسلہ قائم ہو جاتا ہے۔

قادیانیت کے حوالے سے تین خالد کی "ڈسکورس"، اہل علم اور باخبر طفuoں سے ڈھکی چھپی نہیں۔ انہوں نے حقیقی اور اکتشافی سلیمانی اپنائی دیدہ ریزی سے کام کیا ہے اور پڑھنے والوں اور عکس کے حلاشیوں کے لیے سمجھیدہ مباحثت کے دروازے کھولے ہیں۔ تصب کی ہر آلات سے دامن بچاتے ہوئے انہوں نے حقائق بکھپتی کی کوشش کی ہے۔ قادیانیت کے ڈھول کا پہلو کھولنے کے لیے انہوں نے اپنے قلم کو صرف قصاب کا چھرا بنا کر اس جسد بے روح کی چور پھاڑنیں کی بلکہ انہوں نے اپنے قلم کو جراح کا شتر بنایا ہے، جہاں زخم لکھنا گزیر تھا، وہاں زخم لگانے اور گندہ مواد نکال باہر کرنے میں کوئی دیقت فروغ نہیں کیا اور جہاں مرہم اور پھاپا رکھنا ضروری تھا، وہاں سامان اندھاں فراہم کرنے میں کسی بھل سے کام نہیں لیا۔ وہ مریض کے نہیں بلکہ مریض اور اس کو پیدا کرنے والے جو ائمہ کے خاتمے کے لیے کھشان ہیں اور قادیانیت کے مہلک روگ کا شکار "جد ایوس" کو ناقابل طلاق تصویر نہیں کرتے بلکہ اقسام جنت کے لیے، ان کو محابلے کی تمام سہوتیں بھی فراہم کرتے ہیں۔ ان کا حقیقی کردہ تمام لٹریچر اسی درد مندی کا علاس و غماز ہے کہ ان کی تحریر اور حقیقیں کو پڑھ کر، اگر ایک بھی قادیانی راہ پدا ہے تو آ جاتا ہے تو ان کی زندگی بھر کی کاوش رنگ لے آئے گی۔ ان کا اسلوب دھوکی ہے، اس لیے جارحانہ نہیں۔ وہ ناج مخفق کے اعاز میں اپنے خاطب قادیانیوں کو اپنائی رہ بھرے اور پیار بھرے اندھاں میں سمجھاتے ہیں۔

یہ کتاب، جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے، یہ کوئی معمولی کتاب نہیں، یہ قادیانیت کے حوالے سے "حقائق نامہ" ہے۔ یہ "حقائق نامہ" قادیانیوں کی کسی حزب خلاف نے مرتب نہیں کیا۔ یہ تو "غمان راز ہائے درون میخانہ" کی سرگزشت ہے، کسی "چواغ رہگزد" کا تبرہ نہیں۔ قادیانیت سے اسلام سک" میں تین خالد نے قادیانیت کے ان ختنی و حلی کوشوں کو "قادیانیوں" کے سامنے دھوت گلر دینے کے لیے بے قاب کیا ہے جو کسی ایسی قادیانی کی بات کو اس لیے نہیں سنتے کہ یہ تو ہیں ہی ہمارے خون کے پیاسے۔ لیکن اس کتاب کی ایک سطر اور ایک ایک لفظ ان کے خون کے کسی پیاسے کے تیز دھار قلم کا ٹھکار نہیں بلکہ یہ خود ان کے اپنے گمر کے ہمیدی ہیں، جھنوں نے اپنی عمر عزیز کا ایک طویل حصہ قادیانیت کی تخلیق اور ترویج میں بُر کیا اور جب تصب، عقیدت اور تلقید کی سیاہ پیشی ان کی آنکھوں سے اتری تو قادیانیت کی حقیقت، ان کے سامنے بے غاب ہو گئی۔ قادیانیت کا اصل اور کمرودہ چھوڑ جب انہیں دکھائی دے گیا تو ان حقیقت پسند اور حق کے حللاشی پیچے انسانوں نے اس دام ہرگز زمین کا ہر یہ صید بنا گوارانہ کھا۔

"قادیانیت سے اسلام سک" جیسی شپکار کتاب کی تخلیق اور تالیف کوئی آسان کام نہیں۔ اس کے لیے تین خالد کو اپنے ٹوں کی پیش اور شبوں کا گداز، آہ نہم شی اور نالہ مسح گاہی، اس کا رخیر کی

اجام وعی کے لیے وقت کرنا پڑا۔ ایک نادر و نایاب کتاب میں بھر میں مرتب نہیں ہو جایا کرتی۔ اس کے لیے بنا کی سنجیدگی اور گلر کی ضرورت ہوتی ہے۔ غبار آگودا اور گرد گزیدہ جرائد و رسائل کے کرم خوبیہ صفات میں ادھراً ادھر اور جہاں تھاں بکھرے ہوئے مواد کو ڈھونڈنے کے لیے یقیناً کوسمی تھاںوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان مختصر اور بکھرے ہوئے حقائق کو سمجھا کر کے کتاب لٹی میں پروٹا، یقیناً جان جو کھوں کا کام ہے۔ اس کے لیے فاضل مولف کو نہ جانے کتنی لا بیری یوں کے معاذوں پر دشک دینا چاہی، کتنی کتابوں کے اور اس کمکالا پڑے اور کتنے جرائد و رسائل کے صفات اتنا پڑے۔ نیز یہ کہ خلک و ترا اور رطب و یابس مواد کی بجائے مستند اور قیع شخصیات کے رشتات گھر کا انتخاب کرنا بھی تو کسی طرح بیل سر امام محمد کرنے سے کم نہیں ہوتا۔ متن خالد لائق صد حسین ہیں کروہ۔ بحر قلمات سے ایسے لووئے لالہ ہن کرانے میں کامیاب ہوئے جن کی ضیاہ گستربی، آفتاب طرازی اور ماہتاب سازی، قادریانی عquam کے دل و فریب کی پاسارا اور تاریک گھیں میں سرپھوٹنے والے حق کے حلائیوں کو حقیقت کا آئینہ اور روشنی دکھارے ہیں۔

صلائے عام ہے یا ران بکھرداں کے لیے

قادریانی مخلالت کے تاریک طوفانوں میں بچکو لے کھاتے سخنیوں کے لیے یہ کتاب جنادہ نور کی حیثیت رکھتی ہے۔ حقیقت کی طالش میں سرگردان وہ بھولے بھالے " قادریانی " جو کھو کلے دلائیں کے طقان اخلاقیے صحراؤں میں گم کر دہ راہ ہو چکے ہیں، یہ کتاب، یہ حقائق نامہ، ان کے لیے " تقدیل رہبانی " کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ اس کتاب میں موجودہ مواد اور مصائب کا تانا بانا خانہ ساز بولیات کی کھشی پر تیار نہیں کیا گیا۔ نہ یہ کوئی افسانوی داستان ہے ہے زور قلم اور تیکن بیان سے گفتہ و شداب ہنانے کی کوشش کی گئی ہے اور نہ یہ اس میں خیال کی لائزہ سازی سے محیر الحقول اور لذیذ کہانیاں آپ کی خیافت طبع کے لیے پیش کی گئی ہیں۔ یہ تو آئینہ ہے، اور اگر کوئی آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ کر بہاما جاتا ہے تو اس کی عصی پر بھر ہاتم کرنے کے اور کیا، کیا جا سکتا ہے اور اگر کوئی آئینے میں اپنے چہرے کے خدوختل دیکھ کر اپنے نئی کوشش کو سورانے کی کوشش کرتا ہے اور گرد و خبار کو اپنی پیشانی سے صاف کر لیتا ہے تو یہی تھانے انسانیت اور مختاری کے عصی ہے۔ لبجے! آئینہ حاضر ہے!

حافظ شفیق الرحمن

کالم شمار "روز ناس دن" لاہور



انمول بھیڈی

قادیانیت بلا مبالغہ امت مسلم کی فکری وحدت اور دینی حیثیت و غیرت کے خلاف ایک اسکی گناہ فی اور سکروہ سازش ہے، جس کا مقصد امت محمدیہ کے انتہائی متفقہ اور مسلم عقیدہ "ختم نبوت" کا خاتمہ کر کے قرآن و سنت میں تسلیم و اضافہ اور دین اسلام کے بارے میں ٹکوک و شبہات کا دروازہ کھولنا ہے۔ مزید برآں نظریہ جہاد کو متروک اور دور جدید میں ناقابلِ عمل ثابت کرنا ہے تاکہ مسلمانوں کی دینی غیرت، حریت فکر اور جذبہ آزادی کو ختم کر کے اُنہیں یہود و نصاریٰ کے دام ہرگز زمیں میں پھنسایا جاسکے۔

مسلمانوں کی تاریخ میں اسلام کے خلاف کی جانے والی سازشوں میں اس سازش کی خاص بات یہ ہے کہ یہ سازش مسلمانوں کے مغلوبیت کے دور میں حکمران قتوں نے (جو اسلام کے خلاف سازشیں کرنے کا تاریخی تجربہ رکھتے ہیں) نہایت مظلوم اہمaz میں کی اور اس کی کامیابی کے لیے مسلمانوں کی اندر وہی کمزوریوں، معاشرتی مجبوریوں، معماشی پساعتی اور سیاسی احتیٰج کا بھرپور فائدہ اٹھایا گیا۔ اس طبقے میں انگریزوں نے اپنے اقتدار کی طاقت کا جس اہمaz میں استعمال کیا، اس سے ان کی اسلام دشمنی کا بھرپور امتحار ہوتا ہے۔

یہی سازش انگریزوں کے سیاسی اقتدار کے دور میں کی گئی ہوئی تو شاید اسے ایک لمحہ پہنچنے کا موقع نہ ملتا کیونکہ مسلمانوں نے بعض فروعی مسائل میں نزاع و اختلاف کے باوجود کبھی بھی فخر کا نات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عکالت پر انگشت نہال کی برداشت نہیں کی اور عقیدہ "ختم نبوت" پوری طرت اسلامیہ کی چودہ سو سالہ تاریخ میں کبھی بھی اختلافی نہیں رہا لیکن یہ سازش یہود و نصاریٰ کے ذہن کی پیداوار تھی اور برطانوی اقتدار نے اپنی سامراجی طاقت کی چھتری کے نیچے اس سازش کو پورا تحفظ فراہم کیا، پروان چڑھایا اور اب یہ بات کوئی حصہ بانہ جملہ نہیں رہا، نہ ہی اسے مقابلہ کرنا کام دیا جاسکتا ہے بلکہ یہ ایک بھرپور تاریخی حقیقت ہے کہ "قادیانیت کا ٹھیکانہ خیہ امت مسلم کی وحدت کو پاش کرنے اور ان کے جذبہ حریت کو ختم کرنے کے لیے ہندوستان میں انگریزوں نے کاشت کیا" اور اپنی ساری انتظامی مشیزی اور سامراجی طاقت کو اس کے تحفظ و پرداخت پر لگا دیا۔ قادیانیت قبول کرنے والوں پر اعلیٰ تعلیم اور انتظامی عہدوں کے تمام دروازے کھول دیے گئے۔ حکومتی ذرائع تشویش اشاعت کو اس سازش کی کامیابی کے لیے بے دریغ استعمال کیا گیا لیکن یہ عقیدہ ختم نبوت کا اعجاز ہے کہ امت مسلم کے عمومی مزاج نے کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی مرزا غلام احمد قادیانی یا ان کی تحریک قادیانیت کو ہفتی طور پر قول نہیں کیا اور تمام تر جامعہ کوششیں اور پکرش کاوشیں، ان کے ایمان کو ہجزل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔

قیام پاکستان کا بنیادی مقدمہ اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ بر صیر پاک و ہند کے مسلمان اپنے دین سے والیاں لگاؤ کی وجہ سے یہ چاہئے تھے کہ ایک ایسی اسلامی ریاست معرض وجود میں آئے، جہاں وہ اپنے انفرادی ہی نہیں بلکہ اجتماعی فیصلے بھی اللہ کے دین کے مطابق کر سکتی۔ اس مقدس و پاکیزہ جذبے کی محیل کے لیے ایک طویل و پُرآشوب تحريك کے بعد مسلمانان پاک و ہند کا میاںی سے ہمکار ہوئے اور پاکستان دنیا کے نقش پر ایک ایسی خود مختاری ریاست کے طور پر ابھرنا ہے اسلام کی عملی تحریک بگاہ بننا تھا۔

اب ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ قیام پاکستان کے فوراً بعد پاکستان میں اسلام کا کمرا سکد جاری و ساری کر دیا جاتا اور بلا تاخیر پاکستان کو ایک اسلامی ریاست کے ڈھانچے میں ڈھال دیا جاتا لیکن اگر یہ دور کی بھرتی کی ہوئی ملٹری اور سول یہود و کرسی (جن میں بہت بڑی تعداد قادیانیوں کی تھی) اور ریاست داؤں میں قادریانی گماشتوں کو یہ بات ہرگز گوارانہ تھی کہ پاکستان ایک اسلامی ریاست میں جائے کیونکہ اسلامی ریاست میں ان کی حیثیت مرتد کی ہوتی اور وہ واجب القتل قرار پاتے۔ اس کے ساتھ ساتھ قادیانیوں کے سرپرست یہود و نصاریٰ و ہندو بھی ایک اسلامی ریاست کو اپنے سامراجی عزم اُم کے راستے میں بہت بڑی رکاوٹ تصور کرتے تھے۔ اس لیے انہوں نے ایسے ایسے بڑاں کے طوقان گھرے کیے کہ نفاذ اسلام تو ایک طرف، پاکستان کا اسٹھام بھی مخلوک دکھائی دینے لگا اور بھی سازشی بلا خر پاکستان کو دو لخت کرنے میں کامیاب ہو گئے اور اب بھی قادریانی اور ان کے سرپرست، پاکستان کو اسلامی ریاست بنانے کی ہر جدوجہد اور کوشش کو سیدتا و کر دینا چاہئے ہیں۔

قادیانیوں کی سیاسی تحریک کا ریال کا پروہہ ہر دور میں امت کے علماء حق نے چاک کیا اور امت کو ان کی حیمارانہ چالوں اور مکارانہ روایہ سے پُر گاہ کرتے رہے۔ قادیانیوں کی وحدت اسلام کے خاتمه کی سازش ہو یا اسٹھام پاکستان کے خلاف ہم، امت کے مجاہد نوجوان ہمیشہ ان کے مذموم مقاصد کی محیل میں ہمالیہ بن کر گھرے ہو گئے۔ اس سازشی ٹولہ کے پاکستان و میں عزم اُم کے ساتھ بند پائیتھے کے ساتھ ساتھ علیٰ مجاز پر جس طرح قادریانوں کا تعاقب نوجوان الٰل علم نے کیا، وہ بذات خود حقدیدہ حکمت نبوت کا ایک مجوہ ہے۔ انہی نوجوانوں میں ایک نوجان، محمد سعید خالد بھی ہیں جسیں خداوند کریم نے اپنے نبی فتح الرسل کی حکمت نبوت کے تحفظ کے لیے حنیف لیا ہے۔ تحفظ حکمت نبوت کے مقدس جذبے نے ان کے قلم میں دریاؤں کی روائی اور تکوار کی کاث پیدا کر دی ہے۔ وہ نہایت سمجھیگی، پوری ذمہ داری اور انتہائی تھلکر کے بعد ایسے حیرت انگیز اور ہوش رہا اکشافات کرتے ہیں کہ قاری کی حصل دنگ رہ جاتی ہے اور اس کی نگاہوں سے پہرے اٹھتے ٹپے جاتے ہیں اور قادریانیت کا اصل پھرہ اس کے سامنے آ جاتا ہے جس کے بعد اس کے دل میں قادریانیت کے خلاف نظرت کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔ سعید خالد کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ کبھی بھی پڑھنے والے کو جذباتی انداز میں اکمل نہیں کرتے بلکہ ناقابل تدویہ علیٰ ولائل اور قادریانیوں کی امہات کتب سے ایسے ایسے ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ بڑے سے بڑا انشور بھی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ان کی حال ہی میں شائست ہونے والی کتاب ”بیوت حاضر ہیں“ اس کا بین شوت ہے۔ اس کتاب میں محمد بن خالد کی چشم بصیرت نے خود بین کے بغیر قادیانیت شایی کا حق ادا کر دیا۔ اس کتاب میں قادیانیوں کے حقانک و افکار اور تعلیمات و عزائم کو ان کی اپنی مستند کتب، ان کے اپنے اخبارات و جرائد اور ان کے اپنے قائدین اور دیگر کے پیاتاں کی روشنی میں بیان کیا ہے اور اپنی بات کو ناقابل تردید ہنانے کے لیے قادیانیوں کی ہر تحریر کی عکسی اور دستاویزی شہادتیں پیش کی ہیں۔ حقیقت و جتو کرنے والوں اور قادیانیت کے پارے میں معلومات کے خواہاں اہل فکر و راش کے لیے، یہ اپنی نوعیت کی منفرد کتاب ہے۔ یہ حققانہ کتاب جہاں تین خالد کی بے پناہ حقیقت و جتو، عجیب مطالعہ، انتہائی غور و فکر، شانہ روز محنت اور خداداد مذاہیتوں کا منہ بولتا شوت ہے، وہاں اس کا ایک ایک صفحہ کہہ رہا ہے:

ہوتا ہے جن میں نام رسول خدا بلند
ان محفلوں کا مجھ کو نمائندہ کر دیا
سرکار دو جہاں کا بنا کر مجھے غلام
میرا بھی نام تا پہ ابد زندہ کر دیا

میرا خیال ہے کہ اس کتاب کے بعد قادیانیوں کی بھیاں ک تصویر واضح کرنے کے لیے کسی محب عذر کی ضرورت نہیں اور کتاب کے صرف ایک ماہ میں دو ایڈیشن لکل جانا میری بات کا منہ بولتا ہوتا ہے۔ محمد بن خالد اگر اسی کتاب پر اکتفا کرتے تو میں سمجھتا ہوں کہ ان کی اخروی نجات کے لیے کافی تھا مگر محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام کو حقیقت بھلا کہاں جنین سے بیٹھنے دیتا ہے اور پھر یہاں تو۔
کتبِ حق کا دستور زلا دیکھا
اس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد ہوا

اور پھر یہ نوجوان ایک اور وادی میں جا لکھا۔ اب اس کی حقیقت کا میدان مختلف تھا۔ اب اس نے کتاب میں کھنکاں پلکہ دروازے لکھنکھائے۔ اب یہ علماء کی مخالف میں فیض یاب ہونے نہیں بلکہ ملک کے دور دراز علاقوں میں گرد چھانئے لکل پڑا۔ اب یہ ان لوگوں کا محتالی تھا، جو عرصہ دراز قادیانیت کی تاریخ اور پفریب را ہوں پر بھکنے کے بعد حق و صداقت کی فطری اور حقیقت جتو لیے اسلام کی دلیلیں تک پہنچ اور روشنی و نور کی بھتی میں داخل ہو گئے۔ تین خالد ایسے بہت سے افراد سے ملے، ان کے انترو یو کیے، ان سے ان کے سابقہ نہب کے پارے میں طویل گلگوکی۔ انہیں وہ حالات و واقعات بیان کرنے پر راضی کیا، جن سے گزر کر دہ آئے تھے۔ یہ تمام باتیں نہایت صبر آزماء اور مشقت طلب تھیں مگر حق نے یہ تمام مرامل دونوں میں ملے کر وادیے۔ اب ان کی ایک اور کتاب ”قادیانیت سے اسلام تک“ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ کتاب ان لوگوں کی زرداد ہے، جو قادیانی تھے اور اب مسلمان ہیں۔ اس کتاب کو پڑھ کر آپ کو اندازہ ہو گا کہ ”گھر کے پیغمبیری“ کس قدر رُبیتی اور انہوں ہیں۔ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد، میں تو یہ کہتا ہوں کہ یہ

لوگ "در اصل ہمارے ایمان کے محافظ ہیں" قادیانی کفرستان کی اندر و فی غلافت کو جس طرح ان لوگوں نے آفکارا کیا ہے، وہ ان کے سوا کوئی کرنپیں سکتا اور "ہو جب ان کا سارا گند آفکارا" تو کوئی باشور انسان ایسا نہیں جو دیکھ کر گند کہا سکے۔

یہاں میں یہ بات کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جو لوگ پیدائشی مسلمان ہیں، وہ شاید ان لوگوں کی عقائد کردار کو نہ سمجھ سکیں جنہوں نے اپنے نہب قادیانیت کو ترک کر کے اسلام قبول کیا۔ نہب ترک کرنا کوئی معمولی واقعہ نہیں اور نہ یہ، لباس بدلتا، گھر بدلتا، ملک بدلتا جیسا کوئی عمل ہے بلکہ ترک نہب کرنے والا کبھی اپنے ماحول سے بغاوت کرتا ہے، کبھی اسے اپنے والدین چھوڑنا پڑتے ہیں، کبھی وہ اپنے دوستوں کو دشمنوں میں بدلتے دیکھتا ہے۔ کبھی عزیز و اقارب کی موجودگی میں تھائی کا عذاب برداشت کرتا ہے، کبھی اسے ایمان کی خاطر اپنے مفادات کو پس پشت ڈالتا پڑتا ہے۔ کبھی کبھی اس کی اپنی اولاد بھی اس کا ساتھ چھوڑ جاتی ہے اور کبھی زندگی سے محرومی کی سزا بھی ملتی ہے۔

یہ عشق نہیں آسان بس اتنا سمجھ لجئے

اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ انتہائی اخلاص و محبت کے ساتھ اسلام قبول کرتا، اپنے سب کچھ چھوڑ کر پہ خار وادیوں میں عزیمت کی منزلیں طے کرتا ہوا آبلہ پا اسلام کی دادی اسن میں پہنچتا ہے تو یہاں کچھ منافق مفت لوگ اس پر ٹک دشہ کا انکھار کرتے ہیں۔ اس کے ہر عمل کو ایک مخصوص زاویے سے جانچتے اور دیکھتے ہیں۔ یہ بات ان مٹلاشیان حق کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے مگر قابل ستائش اور مبارک باد کے مستحق ہیں یہ اہل عزیمت، جو ہر پریشانی و مصیبتوں کا نہایت خندہ پیشانی سے مقابلہ کرتے ہیں۔ اللہ رب العزت قدم پران کی مدد فرماتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے ایمان کے لیے کسی نسلی شہادت کے حجاج نہیں بلکہ پورا معاشرہ، اللہ اور اس کے فرشتے ان کے ایمان کی گواہی دیتے ہیں۔

یہ کتاب انہی لوگوں کے ایمان کی داستان ہے۔ ایمان افروز داستان۔ لجئے اب آپ یہ داستان پڑھئے اور قصر قادیانیت کے ان گوشوں سے بھی آگاہ ہو جائیے جو کسی کتاب میں محفوظ نہیں اور اس مجاہد کی درازی عمر کی دعا لجئے، جو عشق نبی میں غرقی قادیانیت کے کمروں چہرے سے قاب اخواتا چلا جا رہا ہے۔ نہیں معلوم کہ اب اس کا قلم کہاں جا کر ظہرے گا۔ میری دعا ہے اللہ اسے بھی سلامت رکھے اور اس کے قلم کو بھی!

پروفیسر محمد ظفر عادل

گورنمنٹ کالج با غبا نہرہ، لاہور



پچان

دنیا میں کئی اقسام کے غلام ہوتے ہیں۔ کوئی اپنا غلام، کوئی کسی دوسرے کا غلام، کوئی وہنی، فکری، اقتصادی اور نظریاتی غلام اور کوئی جسمانی غلام، کوئی اپنے جذبات، احساسات اور خواہشات کا غلام، کوئی کسی دوسرے کے جذبوں اور خواہشون کا غلام، کوئی کسی پتھر، جانور اور اجرام فلکی کا غلام، کوئی اللہ تعالیٰ کا غلام، کوئی کسی انسان کا غلام اور کوئی اللہ کے ان بندوں کا غلام جو اے اللہ کی جانب راستہ دکھانے پر معمور ہوتے ہیں۔ جب سے کائنات ارضی قائم ہوئی ہے، عالمی بھی موجود ہے اور غلام بھی موجود ہیں۔ غلام کیا ہوتا ہے؟ ماں کا حکم مانے والا، اس کی فرمائی داری کرنے والا، اس کے اشاروں پر چلنے والا، اس کی رضا اور خوشی کے مطابق کام کرنے والا۔ غلام ہونے کے تین قسم ہوتے ہیں، سب سے پہلا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اسے اپنے ماں کی پچان ہو، وہ اپنے ماں کو ماں کی حیثیت سے پچانے۔ دوسرا تقاضا کہ وہ اپنے ماں کے احکام کو جانتا، سمجھتا اور اس پر عمل کرنے والا ہو اور تیرے یہ کہ وہ اپنے ماں کا ادب اور تعلیم کرے، اس کی اطاعت اور اتباع کرے اور پورے احترام و محبت سے ماں کو اس کے متعلقین والاحسن سے ماں کی مرضی اور خوشی کے مطابق سلوک کرے۔

آج ہم دو غلاموں کی بات کر رہے ہیں ایک انسان جو کہ اللہ تعالیٰ کا غلام ہے، اس کے رسول خاتم الانبیاء ﷺ اور شتم المرسلین ﷺ کا اور اللہ کے ان بندوں کا غلام، جو کہ ہر آن، ہر لمحے، اسے اللہ کی طرف جانے والے راستے پر مضبوطی سے قائم رہنے کی تلقین کرتے ہیں، اس کی راہنمائی کرتے ہیں، اس کے دل میں اللہ کی محبت اور خوف کا جذبہ بیدا کرتے ہیں، اللہ کے یہ نیک بندے، اللہ اور اس کے محبوب پاک ہی پاکی کے لوگ اور ورکر ہوتے ہیں۔ یہ سب اسی انسان کی طرح اللہ کو اپنا اللہ، اپنا ماں، اپنا رب، اپنا پالنے والا، دینے والا، مقصود، محبود اور سخود سمجھتے ہیں۔ اس کے آگے جدید کرتے ہیں، اس کی بندگی کرتے ہیں، اپنے آپ کو صرف اور صرف اسی کا بندہ اور مخلوق سمجھتے ہیں۔ اس کے فرمان کی بجا آؤ ری کرتے ہیں، اس کے فرمودات اور احکامات کے خلاف کوئی کام نہیں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو فرائض توپیں کیے ہوتے ہیں، اس کو پورا کرتے ہیں اور ان کے جو حقوق محسین کیے ہوتے ہیں، ان کے حدود کی پاسداری کرتے ہیں، اللہ کے سب رسولوں، نبیوں، پیغمبروں کو اللہ کے فرمان کے مطابق برحق سمجھتے ہیں اور مخلوقات

اللہی میں، ان کو سب سے برتر اور بزرگ سمجھتے ہیں اور حضور اقدس ﷺ کو اپنے رب عز و جل کا آخری نی، رسول اور پیغمبر اور اپنا آقا و مالک سمجھتے ہیں، قرآن حکیم کو اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب سمجھتے ہیں، ان کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ حضور سرورِ قلمین آقائے وجہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے جمل مجده کی جانب سے جراحتل علیہ السلام آخری بار وحی لے کر نازل ہوئے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی کا سلسہ بند ہو گیا اور مسلمانوں کے لیے دنیا میں اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کردہ آخری کتاب قرآن حکیم پر عمل، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اباجع اور آخری عظام اور فقہائے امت کے ہاتھے ہوئے راستے پر چنان خرودی ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، امت میں سب سے افضل، تاجیں اور ریچ تاجیں اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ لوگ اور ان کی اباجع کرنے والے اللہ تعالیٰ کے اولیاء اللہ، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے اتنی اور غلام ہوتے ہیں، یہ غلام وہ لوگ ہوتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق اہداء علی الکفار اور دحماء بینہم پر عمل ہوا ہوتے ہیں، ان کے اخلاق حسن، ان کے اطوار پاکیزہ، ان کا کروار صاف، ان کا کلام پاک، ان کی گلکوشا شستہ، ان کی تحریر شستہ اور ان کے کلام ایسے، کہ انہیں دیکھ کر اللہ کی یاد آ جائے، ان کا چال چلن یہک اور معاملات راستبازی کا گامونہ، یہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا قانون اور نظام مصطفیٰ قائم کرنے والے لوگ ہوتے ہیں، یہ صرف اور صرف شریعت ہی کو انسان کے لیے دنیا میں امن و سکون، اطمینان اور راحت کا واحد ذریعہ سمجھتے ہیں اور انسان کے ہاتھے ہوئے قانون کو انسان کے لیے باعث رنج و غم اور خوف و الم سمجھتے ہیں۔

یہ لوگ، غلاموں کا وہ گروہ ہے جو فقط اللہ تعالیٰ کے غلام ہوتے ہیں اور اس کے فرمان کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سید المرسلین اور خاتم النبیین سمجھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے باغیوں، طاغوتی اتحامی قوتوں اور منافقین کے خلاف غلبہ حق کی خاطر غیر مصالحانہ اتحادی بیک، فیصلہ کن مرحلہ تک جاری رکھتے ہیں اور ایک ایسے پر امن اور صلح معاشرے کے قیام کی جدوجہد میں مصروف عمل ہوتے ہیں کہ جس کی بنیاد، وحدت نسل انسانی اور شرف و گرامی انسانیت کے تصور پر قائم ہو، ایک ایسا معاشرہ کہ جس میں مدد و گروہی عصیتیں محدود ہوں اور اس میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی قدر سے ایسی غیر مشروط، لا محدود اور مخلصانہ دائیٰ و قادری اور جذبہ غلائی ہو کر شرک فی المنهہ کا کوئی پہلا سا شایر بھی باقی نہ ہو۔

دوسری حتم کے غلام وہ ہوتے ہیں جو کہ وہنی، فکری، نظریاتی اتصالوں اور جسمانی طور پر ان لوگوں کے غلام ہوتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ جمل مجده کے قانون اور خبروں کی شریعت کے برکھس دنیا میں انسانوں کے ہاتھے ہوئے قوانین اور ضابطوں کا نفاذ کرتے ہیں، یہ لوگ دین و نہب سے نیزار ہوتے ہیں، خوف و

غم اور جہالت کا فکار ہوتے ہیں، یہ استبداد کے الجھت ہوتے ہیں، ان کی بادشاہت بے رحم اور امارت ظالم ہوتی ہے۔ ان کے خونخوار بھجوں نے اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزاروں کی گردشی دبپنی ہوتی ہیں، ان کی زندگی کا مقدمہ نفس پرستی ہوتا ہے، یہ ابوالجهوں ہوتے ہیں، ان کے ہاتھوں ان کے ہمروکاروں اور مریدوں کے بچوں اور خواتین کی عزت و ناموس کا ہیڑ ہن چاک اور واسن عصمت تاریخ رہتا ہے، نسل انسانی اس طبقے کی وجہ سے گرفتار بلا و عذاب ہوتی ہے، ان کی ذہنیت غاصبانہ اور عقیدت غلامانہ ہوتی ہے، نوع انسان کا جسم اور عقل ان کے بھجوں میں کبھی تو جھوٹے خداوں کا روپ دھارتے ہیں اور کبھی جھوٹی نبوت اور مجددیت کا دھوئی کرتے ہیں۔ لوگ پہلے پہل ان کی دل بھانے والی باتوں میں آ کر ان لوگوں کو عالم سمجھتے ہیں اور پھر وہی اور آخراً گرفتار عقیدت ہو کر ان کے اشاروں پر ناچتے ہیں۔ یہ اپنے آپ کو ان کے سامنے "امور من اللہ" کے طور پر پیش کرتے ہیں، مکروہ فریب کی چالوں اور خلیبات و جل و فریب سے ان کو ہنی غلامی میں جکڑ لیتے ہیں اور اپنے آپ کو مافق البشیر مار کر واتے ہیں، بے نزو پا نہیں گوئیاں کرتے ہیں، اور جب کوئی نہیں گوئی پوری نہیں ہوتی تو اس کی کمی طرح تاویلات کر کے اپنے غلاموں کے اذہان کو مطمئن کرنے کی سی کرتے ہیں، یہ سخت ظالم ہوتے ہیں۔ اگر کچھ لوگ ان سے کسی محاصلہ میں اختلاف کرتے ہیں، یا ان کی مرضی کے خلاف بات کرتے ہیں، تو یہ ان کو جاہ کر کے رکھ دیتے ہیں، لفظ و خوزی زی ان کی عادت اور کمزوروں کا اتحصال ان کا چیز ہوتا ہے۔ وہ خود کو خدا کا رشتہ دار اور اہل خانہ کہتے ہیں، اپنے خاندان کو اہل بیت اور بھیوں کو امہات المومنین کہلواتے ہیں، ان کے وفادار نوکر اور غلام، بیشل صحابہ ہوتے ہیں، یہ نبوت درسالت کی خود ساختہ تاویل کر کے اس کے ابخار و دار میں جاتے ہیں، ان کے وفادار غلام خیر فردوں ہوتے ہیں اور احکام الہی کی قلطانی کر تھیں۔ یہ ان پڑھ اور سادہ لوح لوگوں کو اپنے دام تزویر میں گرفتار کرنے کے لیے اپنے ایجمنٹوں کے ذریعے ان کے مافق التلفت کر شئے اور کرامات سناتے ہیں، سادہ اور جالی لوگ نے نئے قصور اور انسانوں پر ایمان لاتے ہیں، خاص کر خواتین تھویڈ اور گذوں کے ذریعے ان غلاموں کا فکار ہوتی ہیں کیونکہ یہ صنف، ادھام اور خرافات پر جلد یقین کر لیتی ہے۔

انسانوں کو انسانوں کا غلام بنانے والے یہ دجال اور فرمودن وقت، انسانوں کو اللہ کی محبت سے دور کرتے ہیں، اللہ کا خوف ان کے گلوب سے دور کر کے ان میں اپنا خوف پیدا کرتے ہیں، یہ خود کو سب سے بڑا و ملکہ قرار دیتے ہیں اور معاشری حلل میں گرفتار عوام کا معاشرتی اور اقتصادی لفظ کرتے ہیں، ان کو سودی کا دبار میں جکڑ کر اپنا معاشری غلام بناتے ہیں، یہ خوبی اپنے بڑے ساہوکاروں کے زر خرید غلام ہوتے ہیں، افسوس کا کھاتے پینتے اور پہنچتے ہیں، اپنے آقاوں کی حکومت قائم کرتے ہیں، اپنے خاص خاص لوگوں اور رشتہ داروں کو حکومت میں بڑے بڑے ملکیت پر قائز کر کے اپنے مطلب کے کام نکلوتے ہیں،

ان منصب والروں اور حاکموں کے ذریعے معاشی قابل میں گرفتار ہیروزگار نوجوانوں کو اپنا فکار باتے ہیں، پہلے مرید طلتے ہیں پھر آہستہ آہستہ فدا میں پھر آتی، بعد میں بندہ بننے پر محبد کرتے ہیں۔ لہو دلب کے طلاوہ اخراو کے لیے انھوں نے اپنی خود ساختہ جتوں میں حور و غلام کا بندوبست کیا ہوتا ہے کہ جہاں پر خود ہمورت لڑکیوں اور لڑکوں کے ذریعے یہاں کے بند بند کو کس لیتے ہیں، یہ خود ہمورت لڑکے اور لڑکیاں بھی ان کے میوکاروں اور فدا میں کی اولاد ہوتے ہیں، جن کے لیے وہہ ہوتا ہے کہ جس کی نے جتنی لڑکیاں اور لڑکے اس خاص جہاد کے لیے مہیا کیے ہوں، ان کو جنت میں اتنا بڑا مقام ملے گا۔

ان کے سوچے سمجھے منسوبوں کو سمجھنے والے کم لوگ ہوتے ہیں اور ان کے دام تزویر کا فکار بہت زیادہ، ان سارے حالات میں بکثرتے کا لازمی تجہیب اخطا طفکر ہوتا ہے، اللہ دلش اور صاحبان علم و فکر ہمیں لا ماشاء اللہ، جو معاشی قابل میں جلا ہوتے ہیں، اخطا طفکر کا فکار ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب تخبروں اور رسولوں کے مقابلے میں اپنا نظام حیات اور طرز حکومت قائم کرنے والے یہ لوگ ایک خاص منسوبے کے تحت مہذب دنیا کے لیے سیاسی، معاشی اور تمدنی نظام پر اپنائی خاموشی سے جلد آؤ رہ کر اسے اہتر کر دیتے ہیں، تاکہ لوگ ماہیں ہو کر اس دعافت کے لیے صرف ان کی طرف دیکھیں، ان کا کوئی سہارا نہ رہے، وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو بھول جائیں، غریب اور مظلوموں الحال طبقات بھیتیوں اور عزمیوں میں مگر جائیں، ان کی زندگی ان کے لیے لخت اور عذاب میں جائے، وہ تہذیب و تمدن سے تھٹھا اور دین و مذهب سے بے زار ہو جائیں اور لکھل حیات سے فرار حاصل کرنے کے لیے اپنی جیونوں کو ان انتہمائل قولوں کی چوکھت پر جھکا دیں۔

دوسرا طرف اونچے طبقات کے افراد کو یہ میش و مخترت اور تخفیف جسمانی اور رفتی حماشیوں کا اس رسم گردیدہ بنا دیتے ہیں کہ وہ اس ولدل سے لکھا بھی چاہیں تو نہ کل سکیں۔

ذہن و فکر کو حل کرنے کے منسوبوں کا فکار ہونے والے بڑے بڑے مظکرین اور فانشوروں کو اپنے دام تزویر میں لانے کی، ان کی بات تو سمجھ میں آسکتی ہے لیکن یہ بڑے بڑے سائنسدان، فانشوں مظکرین، صحافی اور الیل علم و فن حضرات ان دجالوں کا فکار کیسے ہو گئے؟ ان بڑے بڑے ناموں کو دیکھ کر لوگوں کی اکثریت فریب کھا جاتی ہے، کیونکہ وہ باریک بینی سے ان کے منسوبوں کو سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں۔

غلام تو قتل غلام ہوتے ہیں، انھوں نے تو قتل اپنے آکاؤں کی سڑپی اور پانچ کو آئے بڑھانے اور قائم کرنے کی ڈیوبی کرنی ہوتی ہے۔ ان کے چاروں کے پیچے بڑے بڑے اذہن اور حکومتیں ہوتی ہیں۔ جن کا ہر ایک کام بہت بڑی سوچ اور منسوبے کے تحت ہوتا ہے۔ اللہ علم و دلش اور صاحبان طفکر و نظر کو متاثر کرنے کے لیے ان خاص ایکٹوں کا احتساب کیا جاتا ہے، جو پہلے سے علمی، ادبی اور دینی محتلوں میں ہماراف ہوتے ہیں، ان فحصیتوں کو پہلے ان کی شخصیت کے بارے میں یہ ہادر کرایا جاتا ہے کہ وہ ناخد

عمر ہیں۔ مباحتوں اور مناظروں کا خاص انعقاد کر کے اپنے ہی دیگر مخصوص ایجمنٹ و انسوروں، ملکروں اور علماء سے ان کو جوتا یا جاتا ہے۔ طاغوتی طاقتوں کی پوری حکومتی مشیری اور مسیدیا ان کے پیچے ہوتا ہے جس کے ذریعے ان کی جیت کی کہانیوں کو بڑھا چکا کر پیش کیا جاتا ہے اور ان کو پہلے ہائل بہت بڑے عالم اور مبلغ کے طور پر اور بعد میں مجدد، سعی موعود، رسول اور نبی ہنا کر پیش کیا جاتا ہے اور ان کے ذریعے عقاید طبقات فرقہ و نظریہ میں اپنے قلغہ حیات کو داخل کر کے نظریاتی و ملکی تسلط قائم کیا جاتا ہے۔ تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ فرامین کے مختلف ادوار میں اس حتم کے کئی ایک قلغی، دانشور، عالم، مفتق، سورخ، مشائخ، مجدد، سعی موعود اور سعی برخلاف روب میں عوام الناس کو دھوکا دینے کے لیے بنائے گئے، جنہوں نے اللہ کی پارٹی کے علماء و مشائخ میں حق، مجددوں اور رسولوں کے مقابلے میں اپنے آپ کو پیش کیا، لیکن جماعت ہمیشہ جمیعت اور سعی ہمیشہ حق ثابت ہوا اور حق کے مقابلے میں باطل ہمیشہ ڈیل و خوار رہا۔

اس حتم کے جھوٹے دعاویں کے لیے ان کے آقاوں نے مختلف ادوار میں جن قلغوں کا رواج ڈالا، ان میں مشہور قلغی، ونیا اور انسان کی حقیقت کا انکار، هر اقبہ اور کشف کو ادا ک حقیقت کا واحد ذریعہ سمجھتا، حقیقت تک پہنچنے کے لیے علم و عمل سے نہیں بلکہ وجدان کے ذریعے پہنچنا، فنا فی اللہ کے مختلف نہیں نظریات، تزکیہ لوس کے غیر اسلامی طریقے اور کئی ایک درسرے مشاغل شامل تھے۔ ان قلغوں کے زد میں نہ صرف مختلف ادیان الہی آئے بلکہ بعثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد دوسری اور تیسرا صدی ہجری میں تحرک اسلامی تہذیب و تدن پر بھی اس کی زد پڑی اور مسلمانوں کی جہد مسلسل کی روح بھی متاثر ہوئی، شریعت و طریقت کے جھگڑے اور ممالک ملک کا مستقل فرقوں میں تبدیل ہو جانا بھی انہیں قلغوں کا شاخسانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی شریعت کے مقابلے میں مختلف ادوار میں دجالین وقت اور طاغوتی طاقتیں اپنے ایجمنٹوں اور غلاموں کے ذریعے اپنا نظریہ حیات اور قلغہ زندگی پیش کرتی رہیں یعنی انگریز سارماج نے اپنے ایک انتہائی نمک خوار، اولواعزم، جانباز اور فادار غلام کے ذریعے بر صیر پاک و ہند میں 1800 صدی عیسوی کی تیسرا دہائی میں جس قلغہ کو راجح کیا، اور اس کے ذریعے مسلمانوں کے سب سے بڑے تھیار ”چہار“ کو کند کیا، وہ منصوبہ سازی کا ایک اعلیٰ ترین شاہکار ہے۔ انگریزوں کی تاریخ اپنے فاداروں کے کارہاؤں سے بھری پڑی ہے لیکن ملکہ و کشوریہ کا یہ ہیرہ، ان کا قابل قلغہ غلام، انگریز کی تاریخی منصوبہ سازی کا سب سے درخششہ اور تباہ سтарہ ہے۔ اسلام وہمن انگریز مخفیتیں، مورخین، دانشور اور علماء کو ہتنا فراہمی ملکہ و کشوریہ کے اس شاہکار کی حقیقت پر ہے، وہ درجہ نہ ان کے کسی بادشاہ اور ملکہ کو حاصل تھا اور نہ ہو گا۔

هر قوم کے اپنے ہیرہ ہوتے ہیں، وہ ہیرہ مختلف قوم کے بدترین وہمن ہوتے ہیں۔ ایک قوم اپنے وہمن سے جتنی زیادہ نفرت کرتی ہے، اسی وہمن سے اس کی قوم اسی درجہ محبت کرتی ہے۔ کسی قوم،

ملت یا ملک کے آئین کو پاہل کرنے والا اس کا بدر تین غدار اور قاتل گردن زدنی ہوتا ہے لیکن وہی شخص، وہن ملک کا سب سے بڑا خیر خواہ اور دوست ہوتا ہے۔ ہم فلاںوں کا ذکر کر رہے تھے، ایک غلام، اللہ تعالیٰ کا جل مجدہ اور اس کے محبوب پاک کا، دین اسلام کا پاسان، دین کا رکوالا، شریعت اور شعائر اسلامی کا حفاظت کرنے والا، فلسفہ توحید کے لیے سر کھانے والا، ناموس رسالت پر مر منے والا، ثمثیم نبوت کا تحفظ کرنے والا، آئین پاکستان اور دستور اسلامی کی پاسداری کرنے والا، ملک و ملت کے خلاف اٹھنے والے ہر برجان پر تراپے والا، مجاهد، عازی اور شہادت کی موت مرنے کی تمنا رکھنے والا، مسلمانوں کی آنکھ کا تار، مونتوں کے دلوں کا سرو، علمائے حق اور مشائخ ملت کے قلب کی شندک، سلم بھائی اور بہنوں کا پیارا بیارا بھائی، سلم ناؤں کا بیٹا، بیڑھ سے جوانوں اور بچوں کا ہیر، ملک کا ہیر اور ملت اسلامیہ کا ہیر، یہ اللہ کے فلاںوں کا سر خلیل اور سالارِ لٹکر ہے۔

دوسرا غلام انگریز سامر ارج اور ملکہ و ٹوریہ کا غلام، اس کا پروردہ، اس کا لگایا جواہر ہدا، اس کے گذستے کا پھول، ان کی تاریخ کا درخششہ ستارہ، طاغوت کا رکوالا، سامر ایتی حکومت کا وقار اس پاہی اور عجائب، برطانوی حکومت کو سہارا اور قائم کرنے والا، جہاد کو حرام قرار دینے والا، انگریز قوم کا ہیر، ان کا غلام، اس کی اولاد ان کی غلام، تاحیات غلام، وہ مسلمانوں کے دشمن ہندوؤں کا بھی سب سے محتد تھیار، آئین پاکستان کی شہمانیے والا، آئین کو پاہل کرنے والا، بانی پاکستان کو کافر کرنے والا، اور پاکستان کی حکومت کا تختہ اٹھنے والا۔

چند لوگ، اللہ کے بیارے لوگ، نبی آخر الزمان ملی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتنی وقیع طور پر انگریزی حکومت کے عیسیم شاطر اور ہیر و کی باتوں سے مٹاڑ ہو کر یا اپنے حالات سے مجرور ہو کر سوادا عالم اور امت کی راہ سے گراہ ہو کر کافر ہو گئے تھے، ان کے حوال مغل اور بد magg بے کار ہو گئے تھے، وہ وہنی طور پر مظلوم ہو گئے تھے، لہذا طاغوت کی چال کا فکر ہو گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ملی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نطنی پاک کے صدقہ میں اُنہیں دوبارہ سیدھے رہتے پر لگا دیا ہے، ہم دعا گو ہیں کہ ہمارے دہ بھائی جو ہم سے مجرور گئے تھے، دعا ہر ہم سے آن ملے۔

ان گراہوں کی، جنہیں اللہ تعالیٰ دوبارہ صراط مستقیم پر لے آیا ہے، داستان سننے گا کہ انہوں نے اپنے دور گراہی میں انگریز سامر ارج کے فلاںوں کو کس رنگ اور کس حال میں دیکھا؟ ان کی اصل حقیقت کیا تھی؟ اور ان کو انگریز سامر ارج نے کس روپ میں مسلمانوں کو ہو کا دینے کے لیے پیش کیا؟ یہ لوگ جو ان کے ہمارا ہے، جنہوں نے ان کے ساتھ سڑو و حضر کے لحاظ گزارے اور وہ کہ جنہوں نے ان کے ساتھ لیئن دین کیا، بھی وہ لوگ ہیں جو اصل "حقیقت" آپ کے سامنے بیان کر سکتے ہیں کیونکہ ان لوگوں نے وہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے خود دیکھ لیا، جو کہ عام مسلمانوں کی نظر سے پوشیدہ ہے، یہ سب گمراہ کے لوگ ہیں اور گمراہ کا بھیدی عیسیٰ سب بھیدوں کا واقف حال ہوتا ہے۔

میں دو غلاموں کا ذکر کر رہا تھا، آپ بخوبی سمجھ گئے کہ اگر یہ سامراج کا سب سے وفادار اور ان کا بہترین غلام کر جس کی بہترین غلامی پر وہ فخر کر سکتے تھے اور ان کی اولاد اس وقت بھی اگر یہ وہی، امریکیوں، ہندوؤں اور یہودی سیہونیوں کی سب سے قبل فخر اور قابل اعتماد غلام ہے اور جن کا سب سے بڑا ہیڈ کوارٹر حیل ابیب میں قائم ہے اور دنیا کے سب کافر ملکوں میں وہ یہودیوں کی طرح حد و جد مراعات یافتہ ہیں، بلکہ پاکستان میں بھی پاوجو آئین پاکستان کو پال کرنے کے، وہ رویہ کے مالک ہیں جیسا کہ ہندوستان میں قادیانی کے، میری مراد اگر یہ کا سب سے بڑا غلام، آپ نے پہچانا ہو گا، مرزا غلام قادریانی ہے۔

اور دوسرا غلام، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب پاک اور ان کے غلاموں کا غلام ہے، وہ غلام آپ نے پہچانا ہو گا، محمد متن خالد ہے۔ محترم متن خالد، تحفظ حتم نبوت کے حوالے سے امت مسلمہ کا درخششہ ستارہ ہے، اللہ تعالیٰ جل جہہ، برحمت سید الالمام، سرور القلیں، تاجدار کائنات، باعث تحفیت ہر دوسراء، اس ستارے کو ماہ تابیں بنا دے۔ (آئین فم آئین)

طالب دعا، ناکارہ خلاق
مسکین فیض الرحمن علی عہ

مرکزی امیر تحریک منہاج القرآن

(کیم رمضان البارک 19-1418ھ بہ طابق 31 دسمبر 1997ء)



سارے راز بے نقاب

قادیانیوں کے خلاف قلمی جہاد میں معروف لوگوں میں یہ اور عزیز جناب محمد متن خالد کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ انہوں نے اپنی شبانہ روزِ محنت و بے پناہ ریاضت، درود مندانہ غور و فکر، عینیق مطالعہ، محققانہ صلاحیتوں اور تحفظِ فہم نبوت کے خدادادِ جذبے کی بدولت ایسی محققانہ کتابوں کی تصنیف و ترتیب کی کہ بڑے بڑے محقق و دانشور حضرات رو قادیانیت کے موضوع پر ان کی تحقیقی کاوشوں کی داد دیے بغیر نہ رہ سکے۔ ان کی حال ہی میں شائع ہونے والی کتاب "شوت حاضر ہیں" دیکھ کر انہی خوشی ہوئی کہ اپنے جذبات پر قابو پانا مشکل ہو گیا۔ میرے خیال میں قادیانیت کے پرفریب دعاوی سے آگاہی کے لیے اپنی نوعیت کی یہ منفرد کتاب ہے، اس کتاب میں انہوں نے قادیانیوں کے ایک ایک کفر کو ان کی اپنی مستند کتب سے چن چن کر ایک جگہ جمع کر دیا ہے اور ہر کفر کو عکسی دستاویزی شہادتوں کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ان کی اس کتاب سے بلا مبالغہ قادیانیوں کے تمام عقائد و عزائم اور مرزا غلام احمد قادیانی کا سازشی کروار روز روشن کی طرح واضح ہو گیا ہے۔ یہ کتاب تحفظِ فہم نبوت کے کارکنوں کے لیے ایک بہترین تھیاری ہیئت رکھتی ہے۔

جناب متن خالد قادیانیت کے بہترین بعض شناس ۲۸۶ کے عقائد و علم الكلام سے پوری طرح آگاہ اور ان کے طریقہ واردات کو آچھی طرح جانتے اور سمجھتے ہیں۔ انہوں نے یہ ضروری سمجھا کہ قادیانیوں کے کفر یہ حقاند سے لوگوں کو آگاہ کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی روحانی غلطیتوں، ان کے قائدین کی اندر وونی بد کرداری، پرفریب و مکارانہ رویے کا راز بھی فاش کیا جائے۔ ان کی تازہ کاؤنٹ "قادیانیت سے اسلام کی" اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس کتاب میں ان لوگوں کے اخزدیجی، مفہامیں اور گفتگو شامل ہے جو پہلے قادیانی تھے بلکہ ان میں سے کئی حضرات، قادیانی عظیم میں اعلیٰ انتظامی عہدوں پر فائز تھے۔ مگر ان کی صالح فطرت قادیانی معاشرے کے بد بودار و قابل نفرت ماحول سے جانہ نہ کر سکی۔ ان کی حق پسند طبیعت نے زہر ہلاں کو قند کہنے سے انکار کر دیا اور یہ اسلام کی آغوش میں آگئے۔ مگر کے یہ بھیدی، قادیانی قصر غلطیت میں کھیلے جانے والے حیا سوز ڈرامے کے جسم دید گواہ بھی ہیں اور ان میں سے کئی اس کے عملی کردار بھی رہے ہیں۔ مدھب کے نام پر جو مقدس فریب، انسانوں کو دیے جاتے رہے، یہ لوگ ان کے ہر پہلو سے کمل طور پر آگاہ ہیں۔ ان کے مشاہدات، تجربات اور آپ بھی کو مدون کرنا وقت کی بہت بڑی ضرورت تھی۔ خدا بھلا

کرے تین خالد کا اک انھوں نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور یہ کتاب معرف و جود میں آگئی، جسے دیکھ کر میں بے حد خوشی و انبساط محسوس کر رہا ہوں۔ مجھے اس گناہوں خوبیوں کے مالک لو جان پر فخر ہے جس کی مسلسل سُنگ پارنی نے قلمبہ قادریت میں اتنی وقاریں ڈال دی ہیں کہ اب وہ زمین پاں ہوتا دکھائی دعا ہے۔ اس کی تازہ کلاؤں جہاں بہت سے مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت کرے گی، وہاں یہ بعض نام نہاد دانشوروں کی جسم کھلائی کے لیے کافی ہو گی، جواب بھی قادریوں سے حسن عن رکھتے ہیں کونکہ یہ لٹکا، گمرا کے بھیدپول نے ڈھائی ہے۔ اس کتاب کو آپ، تین خالد کی پہلی کتاب ”ثبوت حاضر ہیں“ کا درہ حصہ بھی کہہ سکتے ہیں، پہلے حصے میں قادریوں کے عقیدہ و فکر اور درسرے میں عملی غلطتوں، پڑا اسرار دار والوں اور پفریب مکارانہ چالوں کو آٹھکارا کیا گیا ہے۔

مجھے امید ہے کہ ان کی یہ تازہ کتاب بھی علمی طقوں میں زبردست پھریائی ہامل کرے گی۔
اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمل میں برکت نصیب فرمائے۔ (آمن)

طالب دعا

(مولانا) اللہ و سایا

ایٹھر، ہفت روزہ ”ختم نبوت“ ائمۃ علی (کراچی)

دفتر مرکزیہ

عالیٰ مجلس تحفظ ختم نبوت، ملکان



حی علی الفلاح

ایمان کی دولت انسان کی سب سے بھی متاثر ہے اور یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔ یہ دولت صرف انہی خوش نصیبوں کو بخشی جاتی ہے جن کی نہایتیں روش اور نصیر پاک ہوں، جن کے دل الطاعت اور فرمانبرداری کے جذبات سے لبریز ہوں، جو حق کو پہنچانے اور اخلاص کے ساتھ اسکی حلاش میں سرگروال ہوں۔ یہ بڑی خوش نصیبی ہے کہ کسی شخص کو ایمان کی اصول دولت نصیب ہو جائے اور یہ بہت عی بدختی ہے کہ کوئی انسان اس نور سے محروم ہو جائے۔ دراصل جو شخص اللہ تعالیٰ کے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے "لامبود اور غیر مشروط" محبت رکھتا ہو، وہ "احسن تو یم" کی بلندیوں پر فائز ہو جاتا ہے، اس کے ایمان کی بھیتی بیشہ سربز و شاداب رہتی ہے۔ اس کے بعد جو شخص حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے اپنا رشتہ توڑ کر کی "اور" سے جوڑتا ہے تو وہ بلاشبہ "اعلیٰ السالمین" کی اتحاد گھر ایسوں میں کر جاتا ہے اور اس کے ایمان کی بھیتی خراں رسیدہ ہو جاتی ہے۔ سبیا وجہ ہے کہ وہست قدرت کے بے شل اور بے مثال شاہکار حضور نبی کریم ﷺ سے "لامبود اور غیر مشروط محبت" نے حضرت ابوالکعبؓ کو "صدقی" کے مرتبہ پر فائز کر دیا اور آپ ﷺ کی توبین پر ابو الجمل کو ابدی لمحتوں کا سُقیٰ ہنادیا۔۔۔ قادیانیت، اسلام سے بغاوت کا دور راتام ہے۔ اس نہب کی بنیاد ایک سوچی گئی اور بھیاں کے سارے شر کے تحت اسلام اور حضور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توبین پر رکھی گئی تاکہ مسلمانوں کا رشتہ اپنے "نی" سے کمزور ہو جائے۔

حکیم الامت حضرت علامہ محمد اقبال، قادیانیوں کے شان رسالت میں کفریہ، گستاخانہ اور توبین آمیز روایہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

"ہمیں قادیانیوں کی حکمتِ عملی اور دنیاۓ اسلام سے متعلق ان کے رو یہ کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ باñی تحریک (مرزا اعلام احمد قادیانی) نے ملت اسلامیہ کو سڑے ہوئے دو دو حصے سے تکمیلی دی تھی اور اپنی جماعت کو تازہ دو دو حصے اور اپنے مقلدین کو ملت اسلامیہ سے مسلل جوں رکھنے سے اعتناب کا حکم دیا تھا۔ علاوه بر اس ان کا بنیادی اصولوں (نمیم نبوت) سے الکار، اپنی جماعت کا نیا نام (احمدی)، مسلمانوں

کی قیام نماز سے قطع تعلق، نکاح وغیرہ کے معاملات میں مسلمانوں سے بائیکاٹ اور ان سب سے بڑھ کر یہ اعلان کردیائے اسلام کا فریب ہے، یہ تمام امور قادر یا نبیوں کی طیبیتی پر دال ہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ اسلام سے اس سے کمتر دور ہیں، جتنے سکھ، ہندوؤں سے، کوئی نکھلے ہندوؤں سے باہمی شادیاں کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ ہندوؤں میں پوچھنیں کرتے.....” ”کسی غذی ہمی خریک کی محل رو روح ایک دن میں نمایاں نہیں ہو جاتی۔ اجنبی طرح ظاہر ہونے کے لیے برسوں چاہئے۔ خریک کے دو گروہوں (قادیانی گروپ، لاہوری گروپ) کے باہمی نژادات اس امر پر شاہد ہیں کہ خود ان لوگوں کو جو باہمی خریک کے ساتھ مذاتی رابطہ رکھتے ہیں، معلوم نہ تھا کہ خریک آگے جل کر کس راست پر پڑ جائے گی؟ ذاتی طور پر میں اس خریک سے اس وقت بیزار ہوا تھا۔ جب ایک تینی نبوت باہمی اسلام کی نبوت سے اعلیٰ تر نبوت کا دھوکہ کیا گیا اور تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیا گیا۔ بعد میں یہ بیزاری بغاوت کی حد تک پہنچ گئی جب میں نے خریک کے ایک رکن کو اپنے کانوں سے آنحضرتؐ کے متعلق ناز بنا کلات کرتے سن۔ درخت جڑ سے نہیں، پھل سے پھکانا جاتا ہے۔ اگر میرے موجودہ روپ میں کوئی تناقض ہے تو یہ ایک زندہ اور سوچنے والے انسان کا حق ہے کہ وہ اپنی رائے بدل سکے۔ بقول ایمرسن صرف پڑاپنے آپ کوئی جھلا سکتے۔“

قادیانیوں کے کفری عقائد کی بناء پاکستان کی خوب پاریٹ نے قادیانی جماعت کے دفعوں گروپوں کے سربراہوں پر 13 روز کی جریجے بعد انہیں مختصر طور پر غیر مسلم اتفاقیت قرار دے دیا۔ 1993ء میں پرمکم کوثر کے قتل نے اپنے مختصر فیصلہ میں قادیانیوں کی شان رسالت میں گستاخیوں کو قتل کرنے کے بعد اپنے مختصر فیصلہ میں لکھا:

”جہاں تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کا تعلق ہے، مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے:

”ہر مسلمان کے لیے جس کا ایمان پختہ ہو، لازم ہے کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنے بھیجن، خاندان، والدین اور دنیا کی ہر محیوب ترین شے سے بڑھ کر بیار کرے۔“ (معجم بخاری کتاب الایمان، باب حب الرسول من الایمان) کیا ایسکی صورت میں کوئی کسی مسلمان کو مورود الزام فہرستہ کیا ہے اگر وہ ایسا توہین آئیز مواد جیسا کہ مرزا غلام احمد قادری نے تحقیق کیا ہے سن، پڑھنے یاد کرنے کے

بعد اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکتے؟..... انتظامیہ کی طرف سے یا قانون شعائر اسلام (کلمہ طیب، اذان، قرآنی آیات وغیرہ) کا اعلانیہ انتہار کرنے یا انہیں پڑھنے کی اجازت دے دی جائے تو یہ اقدام اس کی خل میں ایک اور "رشدی" تحقیق کرنے کے متراوف ہو گا۔ کیا اس صورت میں انتظامیہ اس کی جان، مال اور آزادی کے تحفظ کی ضمانت دے سکتی ہے اور اگر دے سکتی ہے تو کس قیمت پر؟ خرید بہاؤ اس اگر گھیوں یا جائے عام پر جلوں ٹھالنے یا جلسہ کرنے کی اجازت دی جائے تو یہ خانہ جنگی کی اجازت دینے کے معاہد ہے۔ یہ یعنی قیاس آرائی نہیں، حقیقتاً نہیں میں پارہا ایسا ہو چکا ہے اور ہماری جانی والی نسبان کے بعد اس پر قابو پایا گیا۔ رد عمل یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی احمدی یا قادریانی سر عالم کی پلے کارڈ، ٹھیک یا پوسٹ پر کلمہ کی نمائش کرتا ہے، یا اسے دیوار یا نمائش دروازہ یا جھنڈیوں پر لکھتا ہے یا دوسرے شعائر اسلامی کا استعمال کرتا یا انہیں پڑھتا ہے تو یہ اعلانیہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام تاہی کی بے حرمتی اور دوسرے انہیاء کرام کے امامے گرامی کی توجیہ کے ساتھ ساتھ مرزا صاحب کا مرتبہ اونچا کرنے کے متراوف ہے، جس سے مسلمانوں کا مشتعل ہونا اور ٹھیک میں آنا ایک فطری بات ہے اور یہ چیز اُن عاسکو خراب کرنے کا موجب بن سکتی ہے، جس کے نتیجہ میں جان و مال کا نسبان ہو سکتا ہے۔

(S.C.M.R. August 1993)

نومبر 1997ء میں شائع ہونے والی اپنی کتاب "ثبوت حاضر ہیں" کے شروع میں دنیا کے تمام قادریانوں کو چیخ کرتے ہوئے میں نے لکھا تھا کہ:

"یہ کتاب اپنے اند قادریانی مذہب کے بانی، آنجمانی مرزا غلام احمد قادریانی، اس کے بیٹوں، اس کے نام نہاد خلقنا اور دیگر قادریانوں کی مستحق تصنیف اور اخبارات و رسائل کی قابل اعتراض اور کفریہ عبارتوں کی عکسی نقول لیے ہوئے ہے۔ قادریانی جرامم کے یہ ثبوت اتنے واضح ہیں کہ دنیا کی کسی بھی عدالت میں ان عکسی دستاویزات کی صداقت کو چیخ کرنا کسی بھی قادریانی کے لیے لمحن نہیں ہے۔ ہم اس کتاب میں درج تمام حوالوں اور عکسی نقول کی صداقت کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں اور قادریانی جماعت کے سربراہ مرزا طاہر احمد سمیت دنیا کے تمام قادریانوں (شمول لاہوری گروپ) کو چیخ کرتے ہیں کہ اگر اس کتاب میں موجود، کوئی بھی

عکس غیر حقیقی ہو، یا ایک بھی حوالہ سن گھرست پایا جائے، تو ہم اس کے لیے ہر جسم کی سزا پانے کے لیے تیار ہیں! بصورت دیگر انھیں خدا اور ہدایت و ہدایت چھوڑ کر آختر کی گلزار کرتے ہوئے اسلام کی آغوش میں آ جانا چاہیے۔ ہے کسی قادریانی میں جرأت جو ہمارے اس چیختنگ کو قبول کرے؟“

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آج تک قادریانی جماعت کے موجودہ سربراہ مرزا امر سرو راحم سمیت دنیا کے کسی قادریانی نے اس کتاب میں موجود اپنی ان کفری تحریروں میں سے کسی ایک کو بھی چیختنگ نہیں کیا۔ کویا انھیں اس کا اعتراف ہے۔ لیکن مجھے یہ بیان کرتے ہوئے بے حد خوشی و سرسرت ہو رہی ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد کئی قادریانی حضرات قادریانیت سے تائب ہو کر اسلام کی آغوش میں آ رہے ہیں۔ میں اس پر اپنے رب کا دل کی اقاہ گھبرا کیوں سے ٹکر گزار ہوں کہ جس مقصد کے لیے یہ کتاب تیار کی گئی تھی، وہ مقصد پورا ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مجھے اس محاذ پر کام کرنے کی مزید توفیق بخشے۔ آمين۔

ماہیہ ناز مفسر قرآن ابن کثیرؓ نے فالقی السحرۃ سجدین (پس بحدے میں گرے جادوگر) (ashrae 46) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فرعون کے جادوگر جو موکی علیہ السلام کے مقابلہ کے لیے آئے تھے، حضرت موکی علیہ السلام کے حسام کا مجھہ دیکھ کر بحدے میں گر گئے اور بحدے سے اس وقت سر اٹھایا جب جنت، دوزخ اور عذاب و تواب دیکھ لیا۔ ان جادوگروں نے موت کو بخوبی اختیار کرنے کا اعلان کیا کیونکہ جب جنت اور دوزخ کا مشاہدہ ہو جائے تو دنیا کی ہر سزا اس کے سامنے یقین نظر آتی ہے۔ مفسرین یہ بھی لکھتے ہیں کہ جادوگروں نے حضرت موکی علیہ السلام کا ادب کرتے ہوئے ان سے یہ دریافت کیا کہ وہ اپنا مجھہ پہلے ناٹھر فرمائیں گے یا ہم اپنی رسیوں کو پہلے ڈالیں، لہذا اس ”ادب“ کی وجہ سے انھیں ایمان کی دولت نصیب ہوئی، لیکن چونکہ جادوگر ایک خبر بر کا مقابلہ کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے تھے تو اس بے ادبی پر ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیے گئے۔

یہاں بھی قادریانیوں کی شان رسالت میں مسلسل توبین اور اس پر اصرار کی جگہ سے، سزا کے طور پر ان سے ایمان اور ہدایت کا نور چین لیا گیا اور انھیں ”ازلی لعنتوں“ کا مستثنی ہا دیا گیا..... لیکن بعض سعید روحوں کے مالک جنہیں قادریانیت کی اصل حقیقت کا علم نہ تھا اور وہ ایک سازش کے تحت قادریانیت کے چکل میں پہنچ گئے، قادریانیت کی کفری عبارات پر پریشان رہتے، اپنے ماحدل کو ایک اسلامی معاشرہ سے بالکل برکس پاتے، اپنے ضمیر کی عدالت سے فیصلہ کرتے، حق کی حلاش میں دن رات تڑپتے اور اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے، گز کڑاتے اور روتے، شان کریمی نے آنکھوں سے پہنچے والے ندامت کے ان ”آنسوؤں“ کو ”سوئیوں“ میں بدلت کر جان لیا اور ان کے دلوں کا ترکیہ کر کے نور ایمان سے ان کی دھڑکنوں کا امر کر کر دھوکہ بدلت دیا۔

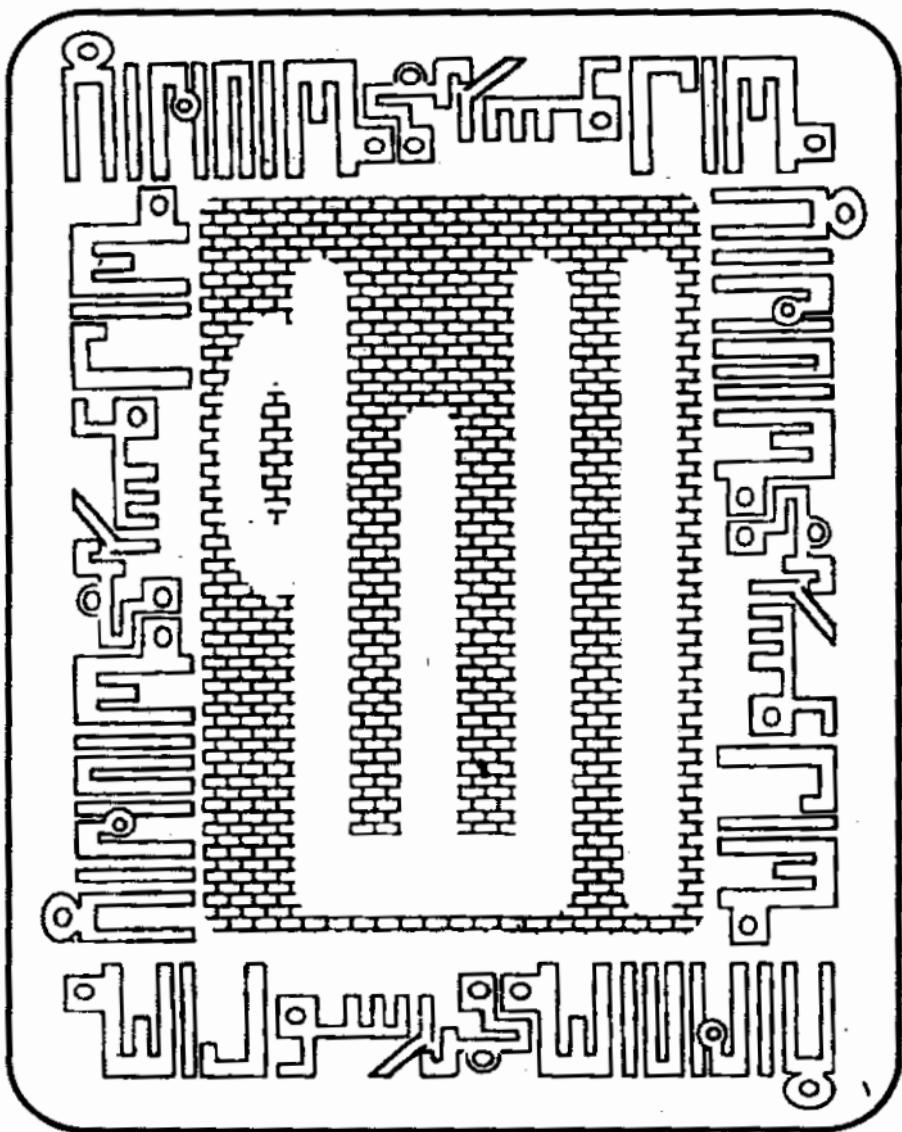
زیر نظر کتاب ایسے ہی خوش بخت اور فرخنده اقبال لوگوں کی ایمان افروز داستانوں سے مزین ہے جو قادریت سے تائب ہو کر اسلام کی دولت سے ملا مال ہو کر شاہراہ ایمان پر گامزن ہوئے۔ یہ حضرات اپنے ماحول میں جن کیفیتوں سے دوچار ہوئے، اسے انھوں نے حاسِ دل کے ساتھ قلم بند کیا۔ یہ ”تحریریں“ دراصل قادریت کی اصل ”تصویریں“ ہیں جو ان کے بیدار دل اور روشن آنکھوں نے قرطاس پر اتاری ہیں۔ اس کا مطالعہ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے خصوصاً قادریتوں سے میری درود مندانہ احیل ہے کہ وہ ضد، بہت دھرمی اور تعصب کی عینک اتار کر اپنے سابقہ بھائیوں کی ان تحریروں کو ضرور پڑھیں..... غور و فکر کریں..... اور صدق دل سے اللہ تعالیٰ سے اپنی ہدایت کی دعا مانگیں..... اس کے خنوک رسم کا سند رغیر محدود ہے۔ ان شہد اللہ اس کی رحمت آپ کو اپنی آغوش میں لے لے گی، بیٹھ لیکہ آپ اپنے آپ کو اس کا اعلیٰ ثابت کریں..... طلب اگر صادق ہو تو انسان منزل پر ہمیشہ یہ جاتا ہے
مجھے اس کتاب کے بارے میں قارئین کی آراء اور منفید مشوروں کا شدت سے انتظار رہے گا۔

محمد متین خالد





جو شخص سچائی کی خاطر قدم نہیں اٹھاتا، وہ سچائی کا انکار کرتا ہے۔



مولانا لال حسین اختر ”

من الظلامات الی النور

مناظر اسلام مولانا لال حسین اختر ” کا وجود قادریت کے لیے تازیانہ خداوندی تھا۔ آپ نے نصف صدی خدمت اسلام اور تحفظ نبوت ﷺ کا مقدس فریضہ سرانجام دیا۔ اندر وون ملک آپ کی خدمات جلیل کا ایک زمانہ مistrf ہے۔ ان گرانقدر خدمات میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، شیخ الاسلام مولانا سید انور شاہ شمسیری، قطب الارشاد مولانا عبد القادر براۓ پوری کی دعائیں، سرپرستی اور حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی رفاقت کا بہت بڑا اڈل ہے۔ ان خدمات کو اس سے بڑھ کر اور کیا خراج پیش کیا جاسکا ہے کہ ایک دفعہ شیخ الشیخ حضرت مولانا احمد علی لاہوری نے ایک مناظرہ میں مولانا لال حسین اختر ” کو نہ صرف اپنا نامہ بھیا، بلکہ ان کی فتح و حکمت کو اپنی فتح و حکمت قرار دیا۔ مولانا لال حسین اختر ” اور آپ کے گرامی قد رفقاء مرحومین کا صدقہ جاریہ عالمی مجلس تحفظ نبوت ہے۔ جب تک اس جماعت کے خدام درضا کار دنیا کے کسی بھی حصہ میں مکرین نبوت کی سرکوبی کریں گے، ان حضرات کی مقدس ارواح کو برابر ثواب و تکمیل حاصل ہوتی رہے گی۔ مولانا لال حسین اختر ” پہلے قادری تھے، بعد میں شرف پر اسلام ہوئے۔ مولانا کے اس قول اسلام کی دلچسپ اور قادریت سمجھن کہانی ان کی زبانی سنئے!

بے شمارِ حمد و شناس خالق حقیقی کے لیے جس نے تمام جہانوں کو خیست سے ہٹ کیا۔ لاکھ سوائیں اس ذات باری کے لیے جس نے جس خاکی کو اشرف الخلوقات بنایا اور اس کی محیل پر احسن تنقیم کی الہامی مہر تو سُنیت کی۔ ہزارہا درود اس مقدس وجود کے لیے جسے اللہ تعالیٰ نے سارے جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ جن کی جبرک بیٹت نے مشرق سے لے کر مغرب تک اور شمال سے لے کر جنوب تک کفر و شرک کے بہر کرنے ہوئے شطوطوں کو توحید کے چھینتوں سے مختدا کیا اور ساری دنیا میں ایک نور کا عالم پیدا کر دیا اور جن کی پاک و مقدس نظر نے جہالت و دھشت اور فتن و ف HOR کی ان تمام آلاتوں کو، جو عوارض کی صورت اختیار کیے ہوئے اشرف الخلوقات کو چھپی ہوئی تھیں، نہ صرف دور کیا بلکہ ہمیشہ کے لیے ان کا قلع قلع کر دیا۔ یہ ہادی کامل، یہ راہبر حقیقی، یہ ناسخ اکبر، یہ شافعِ محرومہ ہستی ہے، جس پر ”بعد از خدا بزرگ توئی

قصہ خنزیر کا قول اطلاق پذیر ہوتا ہے۔ جس کا نام ہی اور اس گرای حضرت سیدنا و مولانا محمد صطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ گذریوں کو شہنشاہ بنانے والے، گراہان عالم کو راہ راست دکھانے والے، گناہ گار انسانوں کو پاک کر کے خداۓ قدوس کی بارگاہ محلی تک پہنچانے والے حضور ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس قدوسوں کے فضل ایک عاصی بندہ، ایک گناہ گار انسان، جو آٹھ سال تک تاریکی کے گڑھے اور ضلالت کے اندر ہرے غار میں گلریں مارتارہا، آج ایک پر نور عالم اور روشنی کی دنیا میں داخل ہوتا ہے۔ ذالک فضل اللہ یوتھے من یشاء۔

میری نہ ہی زندگی کا آغاز تحریک خلافت کا مرہون منت ہے۔ میں اور ختل کا جگ لاءہر میں تعلیم مامل کر رہا تھا۔ اُنہیں ایام میں تحریک خلافت شروع ہوئی۔ علائے کرام نے نفس قرآنی کی رو سے حکومت کی درستگاہوں کے بائیکاٹ کا خوفی دے دیا تھا۔ اس لیے میں نے اس خوفی کی تجھیں میں کافی کو خبر باد کہا اور اپنے وطن مالوف دھرم کوٹ رندا ہوا ٹلح گوردا سپور کو جل دیا۔ مجھے اپنی بے مانگی اور پست بھتی کا پورا پورا احساس تھا۔ میری ناقابلیت بھی میرے علم میں تھی لیکن ایک خواہش تھی جو دل میں پھیلایا لے رہی تھی۔ ایک آرزو تھی جو چنانچہ بیٹھنے دیتی تھی۔ ایک ارمان تھا کہ جس نے معمورہ دل کو زیر وزیر کر رکھا تھا۔ حضرت تھی تو بھی، تمنا تھی تو بھی کہ جس طرح ہو، اپنے دین کی، ہاں بیمارے اسلام کی، خدمت کروں۔ عقل نے لاکھ سمجھایا، دوستوں اور رشتہ داروں نے قید و بند کا خوف دلایا لیکن میں نے کسی کی ایک نہ مانی اور کسی شاعر کے مشہور و معروف شعر۔

دل اب تو عشق کے دریا میں ڈلا تو کلت علی اللہ تعالیٰ

کا ورد کرتے ہوئے خلافت کمیٹی میں اپنا نام درج کروادیا۔ آٹھ تو ماہ ٹلح گوردا سپور میں خلافت کمیٹی بیان کے زیر ہدایات آزری کام کرتا رہا۔ سارے ٹلح کا دورہ کیا اور پورے زور سے خلافت کے اغراض و مقاصد کی تبلیغ کی۔ میری سرگردی اور جہود کی بیداری نے حکام کی ٹلح انتظام کیر کو مستحسل کر دیا۔ آخر مجھ پر گوردا سپور میں حکومت کے خلاف مذاہف پھیلانے کا الزام عائد کر کے میری تمن تقریروں کی بنا پر مقدمہ چلا دیا گیا۔ عدالت نے چند سرسری پیشیوں کے بعد مجھے ایک سال قید کا حکم سنایا۔ ایک سال اور بیس دن کی طویل مدت گوردا سپور جل میں گزاری۔ رہائی سے کچھ عرصہ پہلے جل میں ہی مجھے اخبارات کے ذریعے معلوم ہوا کہ سوائی شردارانہ اور آریہ سماج نے قنوار مدد کا علم بلند کر دیا ہے اور شدھی کی تحریک ہے زور شور سے جاری کی گئی ہے۔ جل سے رہا ہوتے ہی گرد و پیش کے حالات کا اندازہ کرنے کے بعد میں نے فیصلہ کر لیا کہ مجھے آریہ سماج اور شدھی کی تحریک کے مقابلہ پر تبلیغ اسلام کا کام کرنا چاہیے۔ اُنہیں ایام میں مجھے لاہوری مرزا یہوں کے چند مبلغ ملے۔ انہوں نے میرے سامنے اپنی جماعت کے تبلیغی کاروباروں کو

نہایت ہی مبالغہ سے بیان کیا اور مرزا صاحب آنجمانی کی خدمات اسلامی کے بڑھ پڑھ کر افسانے نئے اور کہا کہ ہماری جماعت کے وہی عقائد ہیں جو الٰہت و الجماعت کے ہیں۔ مرزا صاحب مدّی نبوت نہیں تھے۔ جن لوگوں نے مرزا صاحب کی طرف دھوٹی نبوت مشوب کیا ہے، انہوں نے مرزا صاحب کے متعلق جھوٹ بولا ہے اور بہتان طرازی و افتراق پروازی سے کام لیا ہے۔ اپنے اس بیان کو درست ثابت کرنے کے لیے مرزا صاحب کی ابتدائی کتابیں سے چند حوالے بھی پڑھ کر سنائے جن میں مرزا صاحب نے مدّی نبوت کو کافر، دجال اور دائرہ اسلام سے خارج لکھا ہے۔ چونکہ مرزا کی ذہب کے متعلق میرا مطالعہ صفر کے ہمارے تھے، اس لیے میں تبلیغ اسلام کے نام پر ان کے دام تزویر میں پھنس گیا اور مرزا صاحب کی مددویت و مددویت کا ہندہ اپنے گلے میں ڈال لیا۔ بیعت کرنے کے بعد انہیں کتبیں کائیں میں داخل ہوا۔ ملکت پر گئی اور ویدوں وغیرہ کا مطالعہ کیا۔ مدت میہینہ میں کورس فتح کرنے کے بعد بحیثیت ایک کامیاب مبلغ کے میں تبلیغ و اشاعت کے کام پر لگا گیا۔ اس دوران، میں نہ صرف مبلغ اور مناظری کے فرائض سرانجام دتا رہا بلکہ سکرٹری احمدیہ ایسوی ایش، ایٹھیر اخبار "پیغام صلح" اور "محصل" وغیرہ کے ذمہ دارانہ عہدوں پر بھی فائز رہا اور آخر سال تک پوری جانبی و سرگرمی کے ساتھ مرزا کی تبلیغ و اشاعت کرتا رہا۔

1931ء کے وسط میں، میں نے یکے بعد دیگرے متعحد خواب دیکھے جن میں مرزا قادری کی نہایت گھناؤنی ٹکل دکھائی دی اور اسے بڑی حالت میں دیکھا۔ میں یہ خواب مرزا سمیوں سے بیان نہ کر سکتا تھا کیونکہ اگر انہیں یہ خواب سنائے جاتے تو مجھے کہتے کہ یہ شیطانی خواب ہیں۔ نہ ہی کسی مسلمان کو یہ خواب بتا سکتا تھا کیونکہ اگر انہیں یہ خواب سنائے جاتے تو وہ کہتے کہ مرزا غلام احمد اپنے تمام دعاوی میں جھوٹا ہے۔ مرزا نے قہبہ کر لیجھے۔ میری حالت یہ تھی۔

دو گونہ رنج و عذاب است جان مجتوں را
بلائے فرقہ لسلی و صحت لعلی

خواب

اگرچہ پہلے بھی مرزا غلام احمد کے بعض "الہمات" اور اس کی چد "پیغام بیان" میرے دل میں کائنات کی طرح ملکھتی تھیں، لیکن حسن عقیدت اور غلوتیت کی طاقتیں ان خیالات کو فوراً با دینی تھیں اور دل کو تسلی دے دیتا تھا کہ مرزا نبی تو نہیں کہ جس کے تمام ارشادات صحیح ہوں۔

ان خوابوں کی کثرت سے متاثر ہو کر میں نے فوراً لکھ کیا کہ گوہاری خوابوں پر دین کا دامان نہیں اور نہ ہی یہ جھتہ بھری ہیں لیکن ان سے صداقت کی طرف را ہمنا تو ہو سکتی ہے۔ آخر میں نے فیملہ کیا کہ مرزا غلام احمد قادری کی محبت اور عداوت دعووں کو بالائے طاق رکھ کر اور ان سے صرف نظر کرتے ہوئے مرزا نے کہ صدق و کذب کو حقیقت کی کسوٹی پر پکھنا چاہیے۔

خدائے واحد و قدوس کو حاضر و ناظر کہتے ہوئے یہ اعلان کر دیا اپنا فرض کہتا ہوں کہ میں نے مرزا غلام احمد کی محبت اور عداوت کو چھوڑ کر اور خالی الذہن ہو کر مرزا کی اپنی مشہور تصنیفات اور قادری و لاہوری ہر دو فرقی کی چیزیں چیزیں کتابوں کو جو مرزا کے دعاوی کی تائید میں لکھی گئی تھیں، چہ ماہ کے عرصہ میں لاہوری ہر دو فرقی سے بطور ایک عقق پڑھا اور علماء اسلام کی تردید مرزا بیت کے سلسلہ میں چند کتابیں مطالعہ کیں۔ نظر غائر سے بطور ایک عقق پڑھا اور علماء اسلام کی تردید مرزا بیت کے سلسلہ میں چند کتابیں مطالعہ کیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جتنا زیادہ میں نے مطالعہ کیا، اتنا ہی مرزا بیت کا کذب صحیح پر واضح ہوتا گیا۔ بیان تک کہ مجھے یقین کاں ہو گیا کہ مرزا قادری اپنے دو قسمی الہام، مجددت، سیجیت، نبوت وغیرہ میں مفتری تھا۔ میں اس تنبیہ پر پہنچا کر خصوصی رسالت مائب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخوندی نبی ہیں۔ حضرت کاظم طیب السلام آمان پر زندہ ہیں۔ وہ قیامت سے پہلے ہماری دنیا میں واپس تحریف لا سیں گے۔

تمیرے بندوں پر سارے کھل گئے اسرار دین ساتی
ہوا علم الحجتین میں الحجتین حن الحجتین ساتی

اب سحرے لئے ایک نہایت خلکل کا سامنا تھا۔ ایک طرف ملازمت تھی۔ جماعت مرزا بیت کے ارکان اور افراد جماعت سے آٹھ سال کے دریسہ اور خونگوار تعلقات تھے۔ جمیشیت ایک کامیاب مبلغ و مظاہر جماعت میں رسوخ حاصل تھا۔ لیکن جب دوسری طرف مرزا غلام احمد کے مقائد قرآن مجید اور احادیث صحیح کے بالکل دیکھا تھا، ان کے الہامات اور میتھکوئیں کی دیجیاں خدائے آسمانی میں اڑتی ہوئی نظر آتی تھیں اور قیامت کے دن ان حکامہ بلالہ کی بازو پر کافروں آنکھوں کے سامنے آ جاتا تو میں لرزہ بر انعام ہو جاتا تھا۔ ایک طرف حن تھا اور دوسری طرف ہل۔ ایک طرف تارکی تھی اور دوسری طرف مفعول تور۔ ایک طرف متعقول خنوہ کی ملازمت اور آٹھ سال کے دوستاد تعلقات تھے اور دوسری طرف دولت ایمان لیکن ساتھ دینی مخلکات اور صاحب کا سامنا۔ آخر میں نے قلی قبیله کر لیا کہ چاہے ہزارہا کلائف اٹھائی پڑیں، اُنھیں بخوبی برداشت کروں گا کیونکہ حن کے احتیار کرنے والوں کو بھیشہ کلائف و صاحب کا مقابلہ کرنا پڑا ہے۔

صداقت کے لئے گر جان چلتی ہے تو ہانے دو

سیجیت پر سیجیت سر پر آتی ہے تو آنے دو

چنانچہ میں انکلبار آنکھوں اور کفر و ارتداد سے پیشان اور لرزتے ہوئے دل سے اپنے رحم و کرم خداوندوں کے خصوص کفر مرزا بیت سے تاب ہو گیا۔ قبہ کے بعد دل کی دنیا ہی بدیں چکا جی ۔

صیان ما و رحمت پور و گار ما

ایں را نہایت است نہ آں را نہایت

بمرے خپور و حیم ماںک!

عصیاں سے کبھی ہم نے کنارا نہ کیا
پر تو نے دل آزروہ ہمارا نہ کیا
ہم نے تو جہنم کی بہت کی تدبیر
لیکن تری رحمت نے گوارا نہ کیا
الحمد لله الذى هدانا لهذا و ما كا نهتدى لولا ان هدنا الله.

(الاعراف: 43)

الله تعالیٰ کا لا انتہا احسان و شکر ہے جس نے ہم کو یہاں تک پہنچایا اور اگر اللہ تعالیٰ
ہمیں ہدایت نہ کرتا تو ہم ہرگز راہ راست پانے والے نہ تھے۔ ذلك فضل الله
یو تیہ من یشاء۔

یا رب تو کریم و رسول تو کریم
صد شکر کے معمتم میان وو کریم
میں نے کم جنوری 1932ء کو ”احمدیہ الجم“ لاہور کی ملازمت سے استعفی دے دیا جو 26
جنوری کو منظور کر لیا گیا۔

ترک مرزا سیت کا اعلان

1932ء کے ابتداء میں انگریز اور ڈوگرہ حکومت کے خلاف تحریک شیخ انتہائی عروج تک پہنچی تھی۔ مجلس احرار اسلام کے ایک درجن سے زائد مجاہدین شہید ہو چکے تھے۔ مجلس کے تمام راہنماء اور چالیس ہزار سفر و شرضا کار بیتل خالوں میں مجبوس تھے۔ برطانوی حکومت نے عام اجتماعات پر پابندی عائد کر رکھی تھی۔ حالات کچھ سازگار ہوئے اور پابندیاں ختم ہوئیں تو احباب کی طرف سے ایک جلسہ عام کا اہتمام کیا گیا۔ قد آدم اشتہار شائع کیے گئے کہ ”7 مئی 1932ء بعد نماز عشاء باشیرون مسیحی دروازہ لاہور جلسہ عام منعقد ہو گا جس میں مولانا لال حسین اختر، جن کی قیمتی پر مرزا سیت نے پچاس ہزار سے زائد روپیہ خرچ کیا تھا، اور وہ جماعت مرزا سیت لاہوریہ کے مشہور مبلغ مناظر تھے، ترک مرزا سیت کا اعلان کریں گے اور ترک مرزا سیت کے وجود اور ناقابل تردید ولائل پہلان کریں گے۔ ان کی تقریر کے بعد مرزا سیت کے نمائندہ کو سوال و جواب کے لیے وقت دیا جائے گا۔“

اندرون شہر اور بیرون شہر منادی کی گئی۔ بعد نماز عشاء کم از کم تکیہ ہزار کے مجمع میں، میں نے ”ترک مرزا سیت“ کے موضوع پر تین گھنٹے تقریر کی۔ سچے کے بالمقابل مرزا ای مبلغین و مناظرین کے لیے میز اور کرسیاں رکھی گئی تھیں۔ میری تقریر کے بعد صاحب صدر نے اعلان کیا کہ حسب وعدہ مرزا ای صاحبان کو مولانا لال حسین صاحب اختر کی تقریر پر سوال و جواب کے لیے وقت دیا جاتا ہے تاکہ حاضرین، مرزا سیت،

کے صدق و کذب کا اندازہ لگا سکیں۔ لاہوری اور قادریانی مرزاں کے ملنے و مناظر موجود تھے لیکن کسی کو ہمت و جرأت نہ ہوئی کروہ میرے مقابلہ میں آ سکیں۔ صاحب صدر کی دعا کے بعد اجلاس برخاست ہوا۔

لائق اور قاتلانہ حملے

اس عظیم الشان جلسے اور مرزاں ایت کی گلست کی روادا اخبارات میں شائع ہوئی تو ملک کے طول و عرض سے مجھے تقریر کے لیے دعوتوں کا انگاثار سلسلہ شروع ہو گیا۔ مختلف شہروں اور قصبات میں میری بیسوں تقریریں اور مرزاں کے پانچ چھ نہایت کامیاب مناظرے ہوئے۔ ان ایام میں اوپنی سجدہ ان درون بھائی دروازہ لاہور کے بالمقابل میرا قیام تھا۔ میری تقریریوں اور مناظروں کی کامیابی سے متاثر ہو کر مرزاں کے ایک وفد نے مجھ سے میرے مکان پر ملاقات کی اور مجھے کہا کہ آپ نے اپنی حقیقت کی بناء پر "احمدیت" ترک کر دی ہے۔ آپ کے موجودہ عقائد کے متعلق ہم آپ سے کچھ نہیں کہتے۔ ہم یہ کہنے آئے ہیں کہ آپ کی تقریریں اور مناظرے ہمارے لیے ناقابل برداشت ہیں۔ ہمیں علم ہے کہ سوائے تقریریوں اور مناظروں کے، آپ کی مالی آمدن کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ جماعت احمدیہ آپ کو پندرہ ہزار روپیہ ہرجانہ ادا کروں گا۔ میں اسے جزوی لیں۔ اس سے جزل مرچنٹ یا کپڑے کا کاروبار شروع کر لیں اور ہمیں ہفتم لکھ دیں کہ میں پندرہ سال تک احمدیت کے خلاف نہ کوئی تقریر کروں گا اور نہ ہی کوئی تحریر یا بیان شائع کروں گا۔ اگر اس معاهدہ کی خلاف ورزی کروں تو جماعت احمدیہ کوئی ہزار روپیہ ہرجانہ ادا کروں گا۔ یہ بھی کہا کہ احمدیت کی تردید کوئی ایسا فرض نہیں جس کے بغیر آپ مسلمان نہیں رہ سکتے۔ خیلوں، اہل حدیثوں اور شیعوں میں ہزاروں علماء ایسے ہیں جو احمدیت کی تردید نہیں کرتے۔ اگر وہ تردید احمدیت کے بغیر مسلمان رہ سکتے ہیں تو آپ بھی مسلمان رہ سکتے ہیں۔ میں نے جوابا کہا کہ آپ صاحبان کو یہ ہمت کیسے ہوئی کہ مجھے لائق کے فتنے میں پہنانے کی جرأت کریں۔ میں ان علماء کرام کے طریق کار کا ذمہ دار نہیں جو تردید مرزاں ایت سے احتساب کرتے ہیں۔ میرے لیے تو استعمال مرزاں ایت کی جدوجہد فرض میں ہے کیونکہ میں نے مدت مدیہ تک اس کی نشر و اشاعت کی ہے۔ مجھے تو اس کا کفارہ ادا کرنا ہے۔ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا لائق مجھے تردید مرزاں ایت سے مخفف نہیں کر سکتا۔ قرباً ایک گھنٹے کی گلگو کے بعد مجھ سے مایوس ہو کر انہ کھڑے ہوئے اور جاتے جاتے کہہ گئے کہ آپ نے ہمارے متعلق نہایت خطرناک طرزِ عمل اختیار کر کما ہے۔ اس کا نتیجہ جاگ کن ہو گا۔

میں نے ان کے اس جارحانہ چیختن کی پرواہ نہ کی۔ حسب سابق اپنے تبلیغی سفروں، تقریریوں اور مناظروں میں منہک رہا۔ مرزاں کے اپنی سوچی بھی عظیم کے مطابق یہے بجدوں گھرے ڈیرہ بابا ناک ضلع گورا اسپور کے مناظرہ میں اور بیلوں ڈیبوزی کے جلسے کے ایام میں مجھ پر دو بار قاتلانہ حملے کیے۔ ڈیرہ بابا ناک کے حملہ میں مجھے زخم آیا۔ ایک مرزاں نے صاف الفاظ میں مجھے کہا کہ یاد رکو ہم تمیں قتل کر دیں

گے۔ خواہ ہمارا چاں ہزار روپیہ خرچ ہو۔ میں نے اسے جواب دیا کہ میر اعقیدہ ہے کہ شہادت سے بہتر کوئی موت نہیں۔ قبر کی رات کبھی گھر میں نہیں آ سکتی۔

بعد نماز عشاء، بیلوں ڈالہوزی کی مسجد میں تروید مرزا نیٹ پر میری تقریر ہو رہی تھی۔ ایک مرزا انی جس نے کمبل اوڑھا ہوا تھا، میر کے نزدیک آیا۔ ایک مسلمان نے اسے پکڑ لیا۔ مرزا انی نے کمبل میں چمرا چپا کر کھا تھا۔ سب انسکڑ پولیس جلسہ میں موجود تھا۔ اس نے اسی وقت مرزا انی کو گرفتار کر کے چمرا اپنے قبضہ میں لے لیا اور اسے قنانے کی حوالات میں بند کر دیا۔ دوسرا دن علاقہ جھسڑیٹ کے سامنے پیش کر دیا۔ جھسڑیٹ نے ملزم سے چھ ماہ کے لیے نیک طلاقی کی صانت لے لی۔ لاہور کے اخبارات میں مجھ پر ڈیرہ بابا ناٹک کے حملہ کی خبر شائع ہوئی۔ حضرت مولانا ظفر علی خان نے ”زمیندار“ میں ایک شذرہ پر در قلم فرمایا۔

مجلس احرار اسلام کے زمامہ کو مجھ پر مرزا نیٹ کے حملہ کا علم ہوا تو قائد احرار حضرت مولانا جیب الرحمن صاحب لدھیانوی نے ناظم وفتر سے ناظم وفتر سے فرمایا کہ مرزا نیٹ کی جارحیت کا جواب دینے کے لیے جلسہ کا انتظام کیجئے۔ چنانچہ کیشا التحداد پوسٹر چپاں کیے گئے۔ اخبارات میں اعلان ہوا۔ شہر کے ہر قبیلے میں منادی ہوئی کہ بااغ بیرون دھلی دروازہ بعد نماز عشاء زیر صدارت چودھری افضل حق صاحب عظیم الشان جلسہ منعقد ہو گا۔ جس میں حضرت مولانا جیب الرحمن صاحب لدھیانوی مرزا نیٹ کی جارحیت کے چیخنگ کا جواب دیں گے۔

بعد نماز عشاء چاں یس ہزار سے زائد بھج میں حضرت مولانا جیب الرحمن صاحب لدھیانوی نے مجھے ٹھیک پر کھڑا کر کے میرا تعارف کرایا۔ انھوں نے فرمایا کہ ہمارے اس نوجوان نو مسلم عالم نے مناظر ہوں میں مرزا نیٹ کو ذمیل تین ٹکٹیں دی ہیں۔ مرزا انی ان کے دلائل کا جواب نہ دے سکے تو ڈیرہ بابا ناٹک اور ڈالہوزی میں ان پر قاتلانہ حملہ کیے گئے۔ میں مرزا نیٹ سے نہیں، ان کے ظیفہ مرزا محمود سے کہتا ہوں کہ اگر تم پر کمیل کیلتا چاہیے ہو تو میں حصہ چیخنگ دینا ہوں کہ مردمیدان بنو۔ اب لال حسین اختر پر حملہ کراؤ پھر احرار کے فدا کاروں کی پورش اور قربانیوں کا اندازہ لگانا۔ ایک کی جگہ ایک ہزار سے انتقام لیا جائے گا۔ ہم خون کو رائیگاں نہیں جانے دیں گے۔ ہماری تاریخ تمہارے سامنے ہے۔ ہم محلاتی سازشوں کے قائل نہیں۔ ہم میدان میں ڈٹ کر مقابلہ کرنے والے ہیں۔ ہمیں جو عمل کرنا ہوتا ہے، اس کا واشگاف الفاظ میں اعلان کر دیتے ہیں۔ حضرت مولانا کی تقریر کیا تھی، شجاعت و ایثار اور حقائق کا خلاصہ مارتا ہوا سمندر تھا۔ بار بار غرہ ہائے گجر بلند ہوتے تھے۔ فرمایا ہم میں احرار ہیں، جن کے 2 درجن سے زائد رضا کار، اسلام اور مسلمانوں کی عزت پھانے کے لیے سینوں پر ڈو گرہ حکومت کی گولیاں کھا کر شہید ہوئے ہیں اور چاں یس ہزار نے قید و بند کی مصیبتوں بخوشی برداشت کیں۔

خواب

ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ ایک چیلی میدان میں ہزاروں لوگ تھے اور پہنچان کھڑے ہیں۔ میں بھی ان میں موجود ہوں۔ ان کے چاروں طرف لوہے کے بلند والائسون ہیں اور ان پر زمین سے لے کر قد آدم کیک خاردار تار پہنچا ہوا ہے۔ تار کے اس طبقے سے باہر لٹکنے کا کوئی دروازہ یا راستہ نہیں۔ ہزاروں اشخاص کو اس میں قید کر دیا گیا ہے۔ ان میں چند بھری شناسا صورتیں بھی ہیں۔ میں نے ان سے درپیادت کیا کہ نہیں اس سبب میں گرفتار کیوں کیا گیا ہے؟ انھوں نے مجھے جوہا کیا کہ ہمیں احیت کی وجہ سے خالقین نے یہاں بند کر دیا ہے۔ یہاں سے کچھ فاصلہ پر ”سچ مودود“ پہنچ پر سوئے ہوئے ہیں۔ انھیں ہماری خبر نہیں کہ وہ ہماری رہائی کے لیے کوشش کر سکیں۔ ہم میں سے کسی کے پاس کوئی اوزار نہیں کہ جس سے خاردار تار کا کاث کر باہر لٹکنے کا راستہ ہایا جائے۔ میں نے خاردار تار کے چاروں طرف گھونٹا شروع کیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک ہجھ سے زمین کی سطح کے قریب کا تار ڈھیلا ہے۔ میں زمین پر پہنچ گیا اور اس تار کو اپنے دائیں پاؤں سے مجھے دھایا تو وہ تار زمین کے ساتھ چالا۔ سر کے قریبی تار کو ذرا سا اور اوپر کو دھکا دیا تو دونوں تاروں میں اس قدر فاصلہ ہو گیا کہ میں تار سے باہر کل آیا۔

مجھے کافی فاصلہ پر پہنچ پر نظر آیا جس پر مرزا قلام احمد قادریانی چادر اوزیر سے لیٹا ہوا تھا۔ میں نہایت ادب و احترام سے پہنچ کے قریب آتی گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اس نے اپنے چہروہ سے چادر سر کاٹی تو اس کا منہ قرباً دوٹ لبا اور ٹھل خنزیر کی ہے۔ ایک آگہ بالکل ہے تو راور بند قبی۔ دوسرا آگہ ماش کے دانے کے ہمراہ قبی۔ اس نے کہا بھری بہت بھری حالت ہے۔ اس کی ہلا واڑ کے ساتھ شدید قسم کی بدبو پیدا ہوئی۔ اس کی ٹھل اور بدبو سے میں کانپ گیا اور بھری نیند اچھاٹ ہو گئی (اور بھری نیند جاتی رہی اور بھری آگہ کمل گئی)

دوسرے خواب

ایک رات خواب دیکھا کہ ایک عصی مجھ سے قریباً دو سو گز آگے جا رہا ہے۔ میں اس کے پیچے پیچے ٹھل رہا ہوں۔ تانت (جس سے روئی و حقی جاتی ہے) کا ایک سر اس کی کمر میں بندھا ہوا ہے اور دوسرا سر ابھری گردن میں۔ ہمارا سفر مغرب سے شرق کی طرف ہے۔ دومن سفر راستہ پر دائیں طرف ایک نہایت وجہ عصی نظر آئے۔ سفید رنگ، درمیانہ قد، روشن آنکھیں، سفید گھوڑی، سفید لمبا کردہ، سفید شلوار، سکراتے ہوئے مجھے فرمایا کہ کہاں جا رہے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ جہاں میرے آگے جانے والے مجھے لے جا رہے ہیں۔ کہنے لگے جانتے ہو یہ کون ہے؟ اور تم کہاں لے جا رہا ہے؟ میں نے کہا مجھے معلوم نہیں کہ یہ کون ہیں اور مجھے کہاں لے جا رہے ہیں۔

فرمانے لگے یہ غلام احمد قادریانی ہے۔ خود جہنم کو جارہا ہے اور حسین بھی وہیں لیے جا رہا ہے۔ میں نے کہا کہ دنیا میں کوئی ایسا انسان نہیں جو جان بوجہ کر جہنم میں جائے اور در دروں کو بھی جہنم میں لے جائے۔ انہوں نے کہا کہ مسلمہ کذاب کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ کیا اس نے نبوت کا جھونٹا دعویٰ کر کے عمر اجہنم کا راستہ اختیار نہ کیا تھا؟ میں ان کی اس دلیل کا جواب نہ دے سکا تو فرمائے گئے غور سے سامنے دیکھو۔ میں نے سامنے نگاہ کی تو مجھے دور حد نگاہ پر زمین سے آسان سکھ سرفی دکھائی دی۔ انہوں نے پوچھا جانتے ہو، یہ سرخ رنگ کیا ہے؟ میں نے کہا میں نہیں جانتا۔ کہنے لگے میں تو جہنم کے فحٹے ہیں۔ میں حسب سابق چل رہا تھا۔ وہ بھی میرے ساتھ ساتھ قدم الٹائے جا رہے تھے۔ وہ غالب ہو گئے۔ میں بدستور اس شخص (غلام احمد قادریانی) کے پیچے پیچے جا رہا تھا۔ ہم سرفی (جہنم کے شعلوں) کے قریب ہو رہے تھے۔ اب تو مجھے حرارت بھی محسوس ہونے لگی۔ وہ وجہہ شخصیت پھر نمودار ہوئی۔ انہوں نے تانت پر ضرب لکائی۔ تانت ثوٹ کی اور میں خندے سے بیدار ہو گیا۔

مرزا صاحب کے عقائد باطلہ

اسلام اور مرزا صاحب قادریانی کے عقائد میں بعد المشرقین ہے۔ مرزا صاحب نے اپنے میون مرکب عقائد کی تائید کے لیے خواہشات نفسانی سے ایسے خلاف شریعت الہام گز لیے تھے جیسیں اسلام سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ اُنکی خلاف قرآن و حدیث الہامات کے صدقے میں محدثیت، مجددیت، مہدویت، مسیحیت، محدثیت، کریمیت، سنتگریت، تلیت، برداشت، نبوت وغیرہ کے دعاویٰ کر رہیں۔ اس پر بھی میں نہ کی اور صبر نہ آیا تو فضب یہ دعا دیا کہ خدا کا بیٹا بنے۔ مسئلہ ارقاء کے ماتحت ترقی کی تو خود خدا ہونے کا اعلان کر کے نئے زمین و آسمان پیدا کرنے کے بعد تحقیق میں نوع انسان کا دعویٰ کر دیا۔ آخری میدان یہ مارا کر اپنے پیدا ہونے والے بیٹے کی مثال اللہ تعالیٰ سے دی اور لکھ دیا۔

فرزند طبیعت گرای وار جند مظہر الاول والآخر مظہر الحق والعلاء کان اللہ نزل من السماء یعنی میرا پیدا ہونے والا بیٹا گرای اور جند ہو گا، اول و آخر کا مظہر ہو گا اور وہ حق اور غلبہ کا مظہر ہو گا۔ گویا خدا آسمان سے اترے گا۔

مرزا صاحب کے اسی حتم کے عقائد باطلہ تھے جن کی بنا پر علاجے اسلام نے مرزا پر کفر کا لغوی لگایا۔ اس وقت ہم اپنی طرف سے ان اقوال پر زیادہ جرس اور تحدید نہیں کرنا چاہتے بلکہ مرزا صاحب کے دعاویٰ اور عقائد اُنہیں کے الفاظ میں ناطرین نکل پہنچا دیتے ہیں۔ مرزا صاحب اپنی نسبت لکھتے ہیں:

(۱) ”میں محدث ہوں۔“ (”تمامت البشری“ صفحہ ۷۹)

ان الفاظ میں مجددیت کا دعویٰ کیا ہے:-

(2)

رسید مردہ ز غیم کہ مکن ہاں مردم

کہ او سجد ایں دین و راجنا باشد

(ترجمہ) "مجھے غیب سے خوبخبری ملی کہ میں وہ مرد ہوں کہ اس دین کا سجدہ اور راجنا ہوں۔"

(”درشیں“ فارسی صفحہ 122)

انی مہدوت کا اعلان کرتے ہیں:

(3) ”میں مہدی ہوں۔“ (”معیار الایخاء“ صفحہ 11)

آئت مبشر اپنے رسول یا تی من بعدی اسمہ احمد کا صدقان اپنے آپ کو قرار دیتے

ہوتے لکھتے ہیں:

(4) ”اور اس آنے والے کا نام جو احمد رکھا گیا ہے، وہ بھی اس کے مثل ہونے کی طرف اشارہ ہے

کیونکہ محمد جلالی نام ہے اور احمد جمالی۔ اور احمد اور عیسیٰ اپنے جمالی معنوں کی رو سے ایک ہی

ہیں۔ اسی کی طرف اشارہ ہے مبشر اپنے رسول یا تی من بعدی اسمہ احمد کر ہمارے نبی

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتنۃ احمد نہیں بلکہ محمد بھی ہیں۔ حقیقی جام جلال و جمال ہیں لیکن آخری

زمان میں بر طبق پیشگوئی مجدد احمد، جو اپنے اندر حقیقت عیسویت رکھتا ہے، بیجا گیا۔“

(”ازال اواہم“ صفحہ 673)

اگرچہ اس جہالت میں مرزا صاحب نے لکھ دیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتنۃ احمدی

نہیں بلکہ محمد بھی ہیں۔ حقیقی جام جلال و جمال ہیں۔ ان الفاظ کے لکھنے سے صرف یہ مقصود نظر آتا ہے کہ اگر

ابتداء میں یہ صاف طور پر لکھ دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احمد نہیں تو عامت اسلامیین تنفس ہو جائیں

گے۔ لیکن آئت کا صدقان اپنے آپ کو قرار دیا ہے، جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی

پیشگوئی مندرجہ سورۂ مف حضرت سیدنا و مولانا صطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے نبھی بلکہ مرزا غلام احمد

قادیانی کے لیے تھی۔

”تریاق التلوب“ میں مرزا صاحب لکھتے ہیں:

(5) تم سُجّ زمان و تم کلیم خدا

تم محمد و احمد کر بھجنی باشد

(ترجمہ) ”میں سُجّ زمان ہوں۔ میں کلیم خدا یعنی مویں ہوں۔ میں محمد ہوں۔ میں احمد بھجنی

ہوں۔“ (”تریاق التلوب“ صفحہ 3)

دوسری جگہ اس کی حریت پر تشریع کرتے ہیں:

(6) ”خدا تعالیٰ نے مجھے تمام انبیاء علیہم السلام کا مظہر شہر لایا ہے اور تمام نبیوں کے نام میری طرف

منسوب کیے ہیں۔ میں آدم ہوں۔ میں شیث ہوں۔ میں فوح ہوں۔ میں ابراہیم ہوں۔ میں احراق ہوں۔ میں اسائیل ہوں۔ میں یعقوب ہوں۔ میں یوسف ہوں۔ میں موئی ہوں۔ میں داؤد ہوں۔ میں عیسیٰ ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کا میں مظہراً تم ہوں۔ یعنی
ظلی طور پر محمد اور احمد ہوں۔” (حاشیہ ”حقیقت الحق“ صفحہ 72)

اپنی اسی کتاب میں بھرپور لکھا ہے:

(7) ”دنیا میں کوئی نبی نہیں گز راجس کا نام مجھے نہیں دیا گیا۔ سوجیسا کہ ”براءین الحمدیہ“ میں خدا نے فرمایا ہے کہ میں آدم ہوں، میں نوح ہوں، میں ابراہیم ہوں، میں احراق ہوں، میں یعقوب ہوں، میں اسائیل ہوں، میں موئی ہوں، میں داؤد ہوں، میں عیسیٰ بن مریم ہوں، میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں، یعنی روزی طور پر، جیسا کہ خدا نے اسی کتاب میں یہ سب نام مجھے دیے اور میری نسبت جو ریال اللہ فی حل الانبیاء فرمایا۔ یعنی خدا کا رسول نبیوں کے چڑیوں میں۔ سو ضرور ہے کہ ہر ایک نبی کی شان بھی میں پائی جائے اور ہر ایک نبی کی ایک صفت کا میرے ذریعہ ظہور ہو۔“ (ترجمہ ”حقیقت الحق“ صفحہ 84-85)

اپنی مہدوہت اور مہدوہت کی شان کو دو بالا کرنے کے لیے یوں گواہ ہے ہیں:

میں کبھی آدم کبھی موئی کبھی یعقوب ہوں

نیز ابراہیم ہوں شلسیں ہیں میری بے شمار

(”براءین الحمدیہ“ حصہ ثالث و ”درشیں“ صفحہ 100)

ناظرین کرام! حالات بالا سے روز روشن کی طرح خاہ برہو گیا ہے کہ مرتضی اصحاب تے کس دیدہ ولیری سے تمام اننبیاء علیہم السلام کے نام اپنی طرف منسوب کیے ہیں اور دعویٰ کیا ہے کہ ہر نبی کی شان بھی میں پائی جاتی ہے گویا تمام اخیاء کے مقابل پر اپنے آپ کو پیش کیا ہے کہ فرما فردا ہر نبی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکماں عطا کیے گئے تھے، مجھوں طور پر وہ سارے کے سارے مکالات مجھ (مرزا) کو دیے گئے ہیں۔ مرتضی اصحاب کلے القاظ میں اعلان کرتے ہیں:

آدم نیز احمد عمار

دریم جامہ بھر احمد

آنچہ داد است ہر نبی را جام

داؤ آں جام را مرا جام

(”درشیں“ قاری، صفحہ 163)

(ترجمہ) ”میں آدم ہوں، نیز احمد عمار ہوں۔ میں تمام نبیوں کے لباس میں ہوں۔ خدا نے جو

پالے ہر نی کو دیے ہیں، ان تمام پالوں کا مجموعہ مجھے دے دیا ہے۔“

لا ہوری احمد! خدا کے لئے انصاف سے حواب دو کہ کیا مرزا صاحب کے ان اشعار کا یہ
مٹیوں نہیں کہ مرزا صاحب اپنے آپ کو تمام انبیاء علیہم السلام کے کمالات کا مجموعہ کہہ رہے ہیں؟ اور اپنے
آپ کو کسی نبی سے درجہ میں کم نہیں سمجھتے۔ اسی ادعا ناروا کو اس شعر میں دہرا یا ہے۔

(10) انبیاء گرچہ بودہ انہ بے
من برقان نہ کترم ز کے

(”درشیں“ قاری، صفحہ 163)

(ترجمہ) ”اگرچہ دنیا میں بہت سے نبی ہوئے ہیں، میں مرقاں میں ان نبیوں میں سے کسی
سے کم نہیں ہوں۔“

حیرت ہے کہ مرزا صاحب نے صرف اتنا یہ نہیں کہا کہ میں نبوت کی ایسی میون ہوں جو تمام
نبیوں کے کمالات سے مرکب ہوں بلکہ اس سے اور پھر ایک اور چلا گل لگا کر دیا کو اطلاع دی ہے کہ میں
وہ تھیں اہوں کہ جس میں تمام نبی بھرے پڑے ہیں۔ چنانچہ مرزا صاحب لکھتے ہیں:

(11) زندہ شد ہر نبی یادم
ہر رسول نہاں بہ ہدایم

(”درشیں“ قاری، صفحہ 165)

(ترجمہ) ”میری آمد کی وجہ سے ہر نبی زمہ ہو گیا۔ ہر رسول بھرے ہدایوں میں چھپا ہوا ہے۔“

معاذ اللہ من هذا الھفوّات (آخر)

ایک جگہ اپنی بڑائی کا تکمیل ان الفاظ میں کیا ہے:

(12) ”اس زمانہ میں خدا نے چاہا کہ جس قدر راست باز مقدس نبی گزر پکے ہیں، ایک ہی شخص کے
وجود میں ان کے نمونے ظاہر کیے جائیں۔ سو وہ میں ہوں۔“ (”ہماں احمدیہ“ حصہ چوتھا، صفحہ 90)
لا ہوری مرزا کیوں! جب مرزا صاحب اپنے آپ کو تمام راست باز اور مقدس نبیوں کے
کمالات کا مجموعہ یا اعلقہ قرار دے رہے ہیں تو عماڑ کہ تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت کلی کامی ہونے میں
کون سی کسریاتی رہ گئی ہے؟ حواب دیتے وقت سوچ لیتا کہ تمہارے سامنے کون ہے۔

خُلُل بہت پڑے گی رہا کی چوتھ ہے

آئینہ دیکھئے گا ذرا دیکھ بھال کر

مرزا صاحب فرماتے ہیں:

روضہ آدم کے حق وہ ناکمل اب تک
محرے آنے سے ہوا کامل بھلہ بگ و ہار
(13) ("درشمن" اردو، صفحہ 112)

معزز ناظرین! اس شرمنی مرزاد اصحاب کس ہند آنگلی سے اعلان کر رہے ہیں کہ تذبذب،
شرافت، تمدن اور معاشرت انسانی کا جو باعث حضرت آدم طیبہ السلام نے لگایا تھا، وہ اب تک ادھورا اور
ناکمل تھا۔ اب میرے آنے کی وجہ سے وہ انسانیت کا باعث پھولوں اور پھلوں سے بھر گیا ہے۔ یعنی میرے
آنے سے دنیا کا کارخانہ ناکمل ہوا ہے اور جب تک میں نہیں آیا تھا، دنیا ناکمل تھی۔ اگر میں پیدا نہ ہوتا تو یہ
تمام جہان بھی عالم وجود میں نہ آتا۔ نہ چاہی، سورج اور سارے ہوتے، نہ زمین بھی، نہ سل انسانی کا نام و
نشان ہوتا۔ نہ انہیاء علمیم السلام مبouth ہوتے، نہ قرآن مجید ناصل ہوتا۔ فرضیکر زمین و آسمان کا ہر ذرہ غلام
احمق اریانی کی وجہ سے قی پیدا کیا گیا۔ جیسا کہ مرزاد اصحاب نے اپنا الہام بیان کیا ہے:

(14) لولاک لما خلفت الا للاتک.

(الہام متدرج "البشریٰ" جلد دوم، صفحہ 112)

(ترجمہ) اے مرزا! "اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔"



زیڈ اے سلمہ ری

دام ہمنگ زمین سے رہائی

جاتب زیڈ اے سلمہ معرفہ بزرگ صحافی اور دانشور تھے۔ اسلام اور پاکستان کے ساتھ ان کی بہت والہانہ تھی۔ انہوں نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ قائد اعظم کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے۔ انہوں نے قادیانیت کی آخوشی میں آنکھ کھوئی۔ سن شعور کو پہنچنے پر قادیانیت کی حقیقت آٹھ کارا ہوئی تو تائب ہو کر شرف بالسلام ہوئے۔ دلیل غیرت و حیثت کے پیش نظر مسلمان ہونے کے بعد اپنے والد کا جائزہ پڑھانے اپنی والدہ کا اور نہ اپنے بھائی کا، کیونکہ وہ قادیانی تھے۔ یہ اسلامی غیرت و حیثت کی بات ہے۔ وہ ایک عرصہ سکے ڈلی نہز اور روز نامہ جنگ سے واپس رہے۔ ان کے مظاہر میں آج بھی اسلام اور پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ زیر نظر مضمون میں انہوں نے قادیانی نفیات کا جس باریک مبنی سے تجویز اور معاکسہ کیا ہے، قادیانی خالق تحریروں میں اسے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ آئیے! جاتب زیڈ اے سلمہ ری کی یہ شاہکار اور یادگار تحریر پڑھتے ہیں۔

میں سیالکوٹ میں ایک نیچے متوسط گرانے میں 6 جون 1913ء کو پیدا ہوا۔ سیالکوٹ میں جو سال میں نے گزارے، وہ کسی طور پر غیر معمولی نہ تھے۔ پھر میری ایک بہن کی شادی قرار ہوئی پائی، تو میں نے لفظ قادیان سنا۔ معلوم ہوا کہ میرے والد سالانہ جلسے پر قادیان گئے تھے اور وہاں کسی صاحب سے میری بہن کی نسبت کر آئے ہیں۔ مجھے شادی کا اچھی طرح یاد نہیں، لیکن کچھ عرصے بعد میری بہن سیالکوٹ سے چل گئی۔ اس سے اگلا واقعہ یہ ہوا کہ ہم سب خود قادیان پڑے آئے، ہوا یوں کہ والد صاحب غالباً حیدر آپا دکن جا رہے تھے اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ ہم سیالکوٹ میں رہنے کی بجائے قادیان پڑے جائیں، وہاں ہماری بہن بھی ہو گی، چنانچہ ہم قادیان پڑے آئے اور میں وہاں تعلیم الاسلام ہائی سکول کی تیسری جماعت میں داخل ہو گیا۔

اب مجھے معلوم ہوا کہ والد صاحب ”احمدی“ ہیں۔ بھی نہیں، بلکہ انہوں نے میری والدہ کے خاندان کو بھی ”احمدیت“ سے مسلک کروادیا ہے۔ میں نے قادیان علی سے میڑک کا امتحان پاس کیا، اس کا مطلب ہے کہ میں قریباً آٹھ سال تک قادیان میں رہا۔ میرا یہ وقت کم وہیں نہ مددھوٹی میں گزرا۔ مجھے

سوائے قلمیں اور کھیل کے کسی اور چیز سے بچنے کی نہ تھی۔
 اب جو قادریان کی زندگی پر غور کرتا ہوں تو وہ عجب عالم ہے خبری میں گزری معلوم ہوتی ہے۔
 بچک جیسے جیسے میری عمر بڑھتی گئی، مجھے محسوس ہوتا گیا کہ قادریان کوئی معمولی قصبہ یا گاؤں نہیں۔ وہاں بعض اوقات، سالانہ جلسے کے دنوں میں، جو دیمبر کی آخری تاریخوں میں منعقد ہوتا، خاص گھما گھنی ہوتی، باہر سے ہزاروں لوگ آتے، ہم لڑکے مہماں کی خدمت پر بھی مامور ہوتے، ان دو مشاغل قلمیں اور کھیل نے میرے ذہن میں کسی اور شوق و استفزاق کے لیے جگہ نہیں چھوڑی، میں دوسرے لڑکوں کے ساتھ مذہبی ارکان بجالاتا، لیکن میں قادریانیت کے انوکھے مفہوم سے ناواقف رہا۔ میں نے اکثر خلیفہ محمد احمد کا خطبہ جمع نہ، ان کی باتوں سے مترشح ہوتا تھا کہ قادریانی کوئی خاص خلقوں ہیں۔ ”هم زندہ مسلمان ہیں، غیر احمدی مسلمان مردہ ہیں“، ان کا خاص موضوع ہوتا اور کبھی قادریان سے باہر جانے کا اتفاق ہوتا تو اس نظرے کی صدائے بازگشت نایابی دیتی اور میں دوسرے مسلمانوں کو دیکھتا کہ وہ کس اعتبار سے ہم سے بچپے ہیں، لیکن جہاں مذہبی طور پر مجھے میں قادریانیت کے مختلف خاص تینون نہ پیدا ہوا تھا، وہاں ادبی طور پر میرا ذوق پختہ ہو رہا تھا، مجھے انگریزی کے علاوہ اردو سے بہت شفقت تھا..... اسی دوران مجھے علامہ اقبال کے کلام سے شناسائی ہوئی۔ بچپنی بات توبیہ ہے کہ کلام اقبال نے میری زندگی کی کایا کو پلٹ کر رکھ دیا۔ ان کے قلغم حیات کے جس لکھنے مجھ پر خاص اور گہرا اثر کیا، وہ یہ تھا:

زیادہ راحت منزل سے ہے نشاطِ حیل

اس کے بعد میری نظروں میں منزل کی خاص و قعت نہیں رہی، لیکن یہ بعد کی پیش رفت ہے۔
 قادریان میں طالب علمی کے زمانے میں اردو ادب اور کلام اقبال کا مجھ پر ضرور اثر تھا کہ مجھے پکھ زبان کا چکا پڑ گیا تھا۔ کسی بات کی تو ضرور اہمیت ہوتی ہے، لیکن طرزِ ادبی ایسی اور اسلوب بیان بھی کوئی بچپنے ہے، اب اس معیار پر، جو آہستہ آہستہ، با خاموشی اور غیر محسوس طور پر ادب کا مجالہ مجھ میں استوار کر رہا تھا، قادریانی خطبات، تحریریں، شاعری، استدلال اور بحث و مباحثہ پورا ارتبا نہ لگتا تھا۔ اس لیے قادریانی ماحول میرے اندر ایک چھپتی خطوط اور قلمی رخنہ پیدا کر رہا تھا اور میں زندگی میں قادریانی موقف سے غیر جانبدار ہوتا چلا جا رہا تھا، لیکن یہ ایک ذوقی اور وجدانی راہ انحراف تھی، اس میں وہ فکری جذبہ بخاوات نہ تھا جو بعد ازاں عمر کی زیادہ ارتقا کی منزل میں متولد ہوا۔

لیکن، کیا یہ ذوقی وجدانی راہ انحراف میرے تبدیلی عقیدہ کے لیے کافی تھی۔ آبائی مذہب چھوڑنا آسان نہیں۔ خصوصاً جب مجھے اپنے والد سے گہر اقبلي کا ذات تھا تو پھر میرے خیالات اتنے بنیادی طور پر کیسے بدلتے؟ یہاں یہ سوال اس لیے ضروری ہے کہ میں نے جوانی کے شروع میں ہی، بلکہ لڑکپن کے ایام میں یہ، قادریانیت کو مانتے ہے انکار کر دیا تھا، یہ کسمی یوں سمجھ سکتی ہے کہ انسان قرآن کریم کے اس لکھنے پر غور

کرے کر رشد و ہدایت کا فتح صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ وہ جسے چاہے ہدایت کرتا ہے، جسے چاہے گراہی میں پڑا رہنے دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو قلبِ سلیم لے کر آئے، اسے ہم چاہی کا رستہ دھاتے ہیں، لیکن یہ قلبِ سلیم کون عطا کرتا ہے؟ یہ بھی اس کی دین ہے۔ بعد کے تجرباتِ زندگی نے مجھے اس عقیدے پر پہنچ کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کرم کے بغیر زندگی کی کسی جہت اور معاملے میں بھی ہدایت نہیں حاصل ہوتی۔ سب امور کتاب میں درج ہیں، اس لیے میں تجربے کی حد تک تو یہ کہتا ہوں کہ میں ذوقی و وجدانی طور پر ایک ایسے مقامِ ہم پر پہنچا، جو قادریانیت سے ابا کرتا تھا، لیکن حقیقت بھی ہے کہ

ایں سعادتِ بزورِ بازو نیت

تا نہ بخشدِ خدائے بخشندہ

قادیانی میں آٹھ سالِ مستقلِ رہائش کے بعد میں روحِ قلب کو اس سادہ صورت میں لے کر کل آیا، جس حالت میں اسے لے کر، میں وہاں داخل ہوا تھا۔ تعلیمِ قادیانی میں ضرور حاصل کی، لیکن قادیانی کی روح سے غیر متأثر رہا۔

من و تو سے پیدا، من و تو سے پاک

لیکن، نقطہ انحرافِ سیکھ پہنچنا ایک جتنا اور جذباتی درثیے سے نجات حاصل کرنا بالکل جدا، اس کے لیے محسوسِ جدوجہد کی ضرورت پڑی۔ اس جدوجہد میں کتنی اور عوامل شامل ہوئے، جن کا میں بعد میں ذکر کروں گا۔ یہ میری زندگی کا بہت سبرا آزمادور تھا، ابھی میری عمر سترہ سال ہی کی تھی اور میرے دل و دماغ میں پہنچی نہ آئی تھی کہ میں اپنے ذہنی عقیدت کو تک دشی کی تھا سے دیکھ رہا تھا، میرے لیے اس کی بنیاد حربوں ہو چکی تھی۔

یہ پانچ سال کی داستان ہے۔ ان سالوں میں میرے ذہنی خیالات کی نشوونما کے ساتھ ان کی تلمیز و تدکیر بھی ہوئی۔ جب تک میں سکول کے زمانے میں قادیانی میں رہا، میں کسی اور دنیا کو نہ جانتا تھا۔ میرے لیے ذاتی طور پر قادیانی کا ماحول پر سکون تھا۔ جیسا میں نے عرض کیا، مجھے تعلیم اور تکمیل کے سوا کسی اور چیز سے غرض نہ تھی، لیکن کبھی کبھی میرے کان میں عجیب و غریب افواہیں پڑتیں۔ عبدالرحمن مصری کا قصہ سننے میں آیا، وہ غالباً مدرسہ احمدیہ کے پڑھاتے، اُسیں تکال دیا گیا۔ اسی طرح فخر الدین کتب فروش اور مسٹری عبدالکریم کے نام سننے میں آئے۔ میں مختار میں کچھ تھنھی سینڈلِ منڈلاتے تھے۔ بعض وقت دیواروں پر جوش زبان میں پوشرچپاں نظر آتے تھے۔ زیادہ تر خلیفہ بشیر الدین محمود کی ذاتِ الزادات کا مرکز تھی، لیکن میں نے کبھی ان معاملات میں دلچسپی نہیں لی۔ سزا میں یقیناً سمجھیں ہوں گی، کیونکہ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ کئی لوگوں نے قادیانی فرقے کو چوڑ کر لاہوری جماعت سے وابستگی اختیار کر لی ہے۔ ان لوگوں میں ان کے خلیفہ اول حکیم فور الدین کے لڑکے مولوی عبدالنان بھی شامل ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ

بھی انہی حالات میں ربوہ سے علیحدہ ہوئے، جن حالات نے مولوی محمد علی کو 1914ء میں قادریان چھوڑ کر لاہور کی انجمان احمدیہ کا سنگ بنیاد رکھتے پر مجبور کیا تھا، یعنی وہ بھی قادریانی فرقے کے تیرے خلیفہ مرزا انصار احمد کے مقابل خلیفہ محمود احمد کے جائش بننے کے دعویدار تھے اور کہتے ہیں کہ اس جماعت کے کافی لوگ ان کے حق میں تھے، بہرحال جو لوگ قادریان یا ربوہ چھوڑ کر لاہوری جماعت سے واپسی ہوئے، ان کے حرکات ذاتی تھے، عقیدتا وہ بھی مرزا غلام احمد کے دعاویٰ کو صحیح مانتے تھے، اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ قوی اسلامی نے احمدیت کو خارج از اسلام قرار دینے کے ضمن میں قادریانی اور لاہوری فرقوں کے درمیان تخصیص کو ناقابل اعتنا قرار دینے میں بالکل ٹھیک فیصلہ کیا۔

لیکن، ان واقعات کا میرے تکمیل جذبات کے عمل میں کوئی دخل نہیں، جس چیز نے میری آنکھیں کھولیں، وہ بالکل مختلف ہے۔ پہلے تو جیسا میں نے کہا، میں وجدانی اور ذوقی لحاظ سے اپنے آپ کو قادریانی انداز استدلال سے غیر متاثر پاتا تھا۔ مجھے ان کی تحریر و تقریر میں کوئی جاذبیت اور کشش محسوس نہ ہوتی تھی، لیکن، چونکہ، میں ابھی بہت نو عمر تھا اور میں نے قادریانیت کے بنیادی دعاویٰ کو تجویز کی روشنی میں نہ دیکھا تھا، میں ایک قسم کی غیر مرمری غیر جانبداریت کے سوا اور کوئی طرزِ عمل اختیار نہ کر سکتا تھا۔ چونکہ، ہر طرف قادریانی ہی قادریانی تھے، میں ان کے طور طریق میں کوئی نمایاں پہلو نہ دیکھتا تھا، لیکن جب میں شملہ اور دلی آیا، تو وہاں کی قادریانی جماعت مجھے ایک نئی اور ممتاز صورت میں نظر آئی۔ اس کا انتیاز یہ تھا کہ مسلمانوں کے درمیان رہ کر بھی اس نے اپنی ڈیڑھ ایکٹ کی الگ مسجد بنائی ہوئی تھی۔

اب میں نے دیکھا کہ قادریانی نہ صرف مسلمانوں سے نہیں و جامعی طور پر الگ تھلک تھے، بلکہ وہ سیاسی طور پر بھی مسلمانوں کے معاملات سے کوئی لچکی نہ رکھتے تھے، ان کا انداز عمل کچھ ایسا تھا کہ گویا مسلمانوں اور دوسروں کے درمیان ان کی کوئی غیر جانبداری پوزیشن ہے۔ بالفاظ دیگر، ان کی حیثیت مسلمانوں کے جد قوی کے ایک جزو لایٹنگ کی نئی کہ ان کا مرنا اور جینا ان کے ساتھ مقدر ہو۔

قادریانی جماعت مسلمانوں کے بھرائی سے کوئی سرد کار رکھتی معلوم نہ ہوتی تھی، بلکہ میں قادریانی زعم سے یہ سن کر ہکا بکارہ جاتا تھا اور یہ الفاظ میں نے خود خلیفہ بشیر الدین محمود کی زبان سے بھی سنے کہ ”انگریز احمدیوں کو قابل اعتماد سمجھتے ہیں اور ملازمتوں میں دوسرے مسلمانوں پر ترجیح دیتے ہیں“ شاید اسی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے حکومت برطانیہ نے چوہدری ظفر اللہ خاں قادریانی کو واکرائے کی ایگزیکٹو نسل کارکن بنایا تھا۔ ان کی تقرری پر خلیفہ صاحب نے کہا تھا۔ ”لوگ متوجہ ہیں کہ ایک احمدی کو اس اعلیٰ ہدہ سے کے لیے کیوں منتخب کیا گیا، آخراً احمدیوں کو بھی تو ان کا حصہ ملتا ہے، خواہ وہ کتنا ہی قلیل کیوں نہ ہو۔ حصہ بخشی اکثریت کے بجائے اقلیت سے کیوں شروع نہیں ہو سکتی؟“ میں نے دیکھا قادریانی، حکومت کی ملازمتوں کو حاصل کرنے کی خاص کوشش کرتے تھے اور ظفر اللہ خاں کے زمانہ میں اُنہیں نوکریاں ملنے میں سوچتیں بھی

حاصل ہو گئی تھیں، وہ سرکاری افسر ہونے کو اس سیاسی طاقت کے حصول سے تبیر کرتے، جن کا ان کے ساتھ ”اللہ“ وحدہ کیا گیا ہے۔ ظفر اللہ خاں قادیانی نے اپنی پوزیشن کا ناجائز فائدہ اٹھا کر کئی نوجوانوں کو قادیانی بھی بنایا، جب کوئی پڑھا لکھا ان کے پاس سفارش کے لیے جاتا تو اس پر تبلیغ شروع کر دیتے، جب لوگوں نے یہ دیکھا کہ حصول ملازمت کا طریقہ یہ یہ رہ گیا ہے، تو بعض تو جاتے ہی احمدیت میں اپنی وچکی کا اعلیٰ ہمار شروع کر دیتے۔ شملہ میں ظفر اللہ قادیانی کی مشہور سرکاری کوشی ریٹریٹ میں ہوتی تھی اور امیدواران ملازمت کے لیے سنہری موقع میبا کرتی، وہاں ظفر اللہ خاں جس نئے چہرے کو دیکھتے، اس پر مہربان ہو جاتے، ان پاتوں سے مجھے یقین ہو گیا تھا کہ قادیانیوں کو رصیر کی آزادی سے کوئی رغبت نہیں۔ اگر وہ مسلمانوں سے ہمدردی جاتے ہیں، تو محض ان میں اپنا اثر و سوخ پھیلانے کو، جدو جہد کشمیر میں حصہ لیا تو اس تحریک کی لیڈر شپ پر اجارہ داری جانے کے لیے، لیکن اصلاً وہ ^{عہد} مسلم مفاد سے بے اعتنائی برستے، اور اس بیانی رجحان کا بھرم تحریک پاکستان کے دوران کھل گیا، وہ رصیر کی آزادی کے تو قالل نہ تھے، لیکن مسلمانوں کے حق خود ارادت کے مقابل لگلے، چنانچہ انہوں نے، چہاں مسلمانوں کی بجائے آزادی سے پہلو تھی اختیار کی تھی، وہاں مسلم لیگ کی قیادت سے بھی قطعی تجارتی طرز عمل اختیار کیا۔ مرحوم احمد قادیانی خلیفہ نے قائد عظم کو لکھا کہ ”ان کی جماعت بہت اثر و سوخ کی مالک ہے اور اس کی طاقت روز افزوس ترقی پر ہے۔ اگر مسلم لیگ اس کے تعاون کی خواہش مند ہے تو اس سے شرکت عمل کی شرطیں طے کرے، ورنہ وہ کامگیر کا ساتھ دے گی۔“ اس سے ظاہر ہے کہ وہ مسلمانوں کے مفاد کو اپنا مفاد نہ سمجھتے تھے، تاوقیتکاری کی سے کوئی عہد محابہ نہ ہو جائے۔ میں نے مسلمانوں کے معاملات سے قادیانی غیر جانبداری کی ذہنیت کا مظاہرہ پاکستان بننے کے بعد بھی دیکھا۔

٦

قادیانیوں کو میں نے شروع ہی سے مسلمانوں سے الگ پایا تھا۔ مثلاً قادیانی کی زندگی میں ہمارا ان محدودے پرندے مسلمانوں سے کوئی واسطہ نہ تھا، جو وہاں رہتے تھے۔ قادیانی کا ایک بازار، بڑا بازار، کہلاتا تھا اور اس میں زیادہ تر ہندوؤں اور مسلمانوں کی دکانیں تھیں، جب میں اس بازار سے گزرتا تو بھی کبھی ایک بزری کی دکان پر کھڑا ہو جاتا، جس کے مالک کا لڑکا ہمارا ہم جماعت تھا، مجھے میری اس حرکت پر سرزنش کی گئی کہ میں کسی ”غمیر احمدی“ سے سکول کے باہر کیوں قلع رکھتا ہوں، پھر قادیانیوں کی مسلمانوں سے رشتہ داریاں بھی نہ ہوتیں، قادیانی مردوں کے لیے مسلمان لڑکیاں تو جائز تھیں، لیکن قادیانی لڑکی کا کسی مسلمان لڑکے سے رشتہ قطعی ناجائز تھا۔ جب کبھی خاندانی تعلقات کی بنا پر ایسا ہو جاتا، تو ” مجرم“ کا بایکاٹ ہوتا، قادیانیوں کے لیے مسلمانوں کے پیچھے نماز پڑھنے کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا تھا، وہ مسلمانوں کی نماز جنازہ تک پڑھنے کے روادارہ تھے، چنانچہ ظفر اللہ خاں نے قائد عظم کا جنازہ نہیں پڑھا اور لاکھوں کے مجمع میں الگ بیٹھے رہے، جب چھپری صاحب سے پوچھا گیا کہ وہ مسلمانوں کا نماز جنازہ کیوں نہیں پڑھتے، تو انہوں

نے جواب دیا کہ جو ہمیں کافر کہیں، ان کا ہم جنازہ نہیں پڑھتے، اسی سانس میں انہوں نے بڑے فخر سے بتایا کہ قائدِ عظیم ہندوستان کی مرکزی اسمبلی کے ذوں میں (جب ظفر اللہ خاں وہاں ریلوے مبر تھے) ان کے مرح تھے اور انھیں مسلمان سمجھتے تھے۔ (اگر اسے سچ مان لیا جائے) تو سوال المحتا ہے کہ پھر آپ نے قائدِ عظیم کا جنازہ کیوں نہ پڑھا؟ وہ آپ کو کافر بھی نہ سمجھتے تھے اور آپ کے عسکر بھی تھے کہ ان کے علاوہ پاکستان میں کس کو جرأت ہو سکتی تھی کہ ظفر اللہ خاں کو وزیر خارجہ بنادے..... مسلمانوں سے الگ تشخض قائم کرنے کی وجہ میں وہ اتنی دور گئے کہ انہا ایک کینٹر بھی اختیار کر لیا، لیکن اس زمانے میں، میں قادریانی زندگی کی ان خصوصیات کی وجہ کو سمجھنے سکتا تھا۔ اب قادریان سے باہر، وسیع تر میدان میں جب میں نے قادریانوں کے مسلمانوں سے غیر جانبدارانہ بلکہ معاند انہ طرزِ عمل کو دیکھا، تو اس کی وجہات پر غور کرنے پر مجبور ہوا۔ مسلمانوں میں فرقہ بازی نبی چیز نہیں، کئی فرقے ہیں، لیکن قادریانوں کا باوا آدم نرالا ہے، ان کا الگ مذہبی وجود ہی نہ ہے بلکہ وہ اپنے منفرد سیاسی وجود پر بھی مصر ہیں۔

جب میں نے ان کے عقائد کا مطالعہ کیا تو بنیادی خرابی ان کے عقائد میں یہ نظر آئی کہ مرزا غلام احمد قادریانی نبی ہیں، جبکہ نبوت تو لا محالہ ایک الگ امت کی مقاضی ہوتی ہے، اگر مرزا غلام احمد قادریانی دعویٰ نبوت کر کے مسلمانوں سے الگ امت کے بانی بن جاتے تو لوگوں کو انتیار تھا کہ اس دعویٰ کو اپنے اپنے معتقدات کی روشنی میں پرکھ لیتے، مسلمانوں کے لیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد، جو خاتم النبیین ہیں اور جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے بیان نویں انسان پر اپنی حمت دیں مکمل کر دی ہے، کسی اور رسول کی محبیش نہ تھی، لیکن غیر مسلم جو چاہے، وطیرہ اختیار کرتے۔ ایران میں بہاء اللہ نے یہی طرزِ عمل اختیار کیا، لیکن قادریانیت کی جس خصوصیت نے مسلمانوں میں خفشاں لایدا کیا، وہ یہ تھی کہ اسے حقیقی اسلام کے طور پر پیش کیا جاتا تھا، گوئی نے اس وقت مذہبی استدلال نہیں کیا، لیکن یہ امر مجھ پر بالکل صاف ہو گیا تھا کہ اگر مجھے مسلمانوں کے امور سے تعلق منظور ہے، تو میں قادریانی جماعت کا فرد نہیں رہ سکتا۔ مجھے ان سے آزاد پوزیشن اختیار کرنی پڑے گی، مجھے مدد و نعمت سے طبعی نعمت ہے اور میں جب اس دونوں نتیجے پر پہنچا، تو میں نے اپنے گمراہوں اور دوستوں سے اس کا برطاذ کر کیا۔

اب قادریانوں نے ایک صنعت کو بہت پروان چڑھایا ہوا ہے اور وہ ہے تاویل کی صنعت، ان کی تاویل تراشی پر عالمہ اقبال کا یہ شعر صادق آتا ہے۔

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے منفر
تاویل سے قرآن کو ہنا سکتے ہیں پازند

یہ اسی تاویل کا کرشمہ ہے کہ قادریانوں نے حکومت انگلشیہ کو، عنود بالله، حاکم برحق کا درجہ دیا، گویا کرشمہ انہوں نے تاویل کے ساتھ اصطلاح قرآنی کو سخ کرنے سے حاصل کیا، یعنی جائے اولوا الامر عکم کے صرف اولوا الامر کہا، کسے پاشد، ان کی بسا سے، مسلمانوں پر جو چاہے حکومت کرے، صرف شرط یہ ہے کہ

قادیانی مقرنین کی صفت میں شامل ہوں، انگریزوں کو حاکم تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ جہاد کا منسوب قرار دیا جانا، قادیانی مذہب کے لیے ناگزیر تھا، کیونکہ ایک طرف مسلمانوں کو انگریزوں کے اتباع کی تلقین کی جائے اور دوسری طرف وہ ان کے خلاف جہاد پر آمادہ ہو جائیں تو خدمت سرکار کا اہتمام نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ بھی فرماتا ہے کہ بات سیدھی کہو۔ ادھران کی تاویل آمیز تفاسیر میں الجھاؤ ہی الجھاؤ تھا، موقع ملے تو بال کی کھال اتارنے سے دریغ نہیں کرتے اور منطق کام نہ آئے تو ”الہای“ حوالے دیے جاتے ہیں، جس کا اس کے سوا اور کیا جواب دیا جاسکتا کہ۔

حکوم کے الہام سے اللہ بچائے غارت گر اقوام ہے وہ صورت چکیز

لیکن، یہ بہت بعد کی باتیں ہیں۔ مرزاعہ مجدد احمد نے دھوئی کیا کہ انھیں قرآن کریم کی تفسیر خوابوں میں سمجھائی گئی، اب انسان کسی عام سکھتے پر تو بحث کر سکتا ہے، لیکن اس سکھتے پر کیا اطمینان رائے کرے، جو خوابوں کے ذریعے کسی کی طبیعت رسائی پر وا اور مکشف ہوا ہو، ان کے خوابوں میں کسی اور کا کیسے گزر ہو سکتا تھا۔ مجھے عمر کے ساتھ ساتھ قادیانیت کے حرکات اور مضرات پر سوچ پھر کا موقع ملا اور میں اپنی تلقین کے نتائج کسی مناسب جگہ پیش کروں گا، لیکن اس وقت بھی مجھے ایسا عحسوں ہوتا تھا کہ اس جماعت کا مقصد اولیٰ، امت مسلمہ کی وحدت و تسلیم کی جڑیں کاشنا ہے، وہ مسلمانوں سے ایسی صورت میں وابستہ رہنے پر اصرار کر رہے تھے، جب ان کے جماعتی مفادات ان کے قطعی خلاف تھے، اول تو وہ بر صیری میں انگریزوں کے زوال کے تصور کو ہی ناگزین سمجھتے تھے، ان کی تمام تریاست کا گھیرہ انگریزوں کا مستقل قیام تھا، وہ اگر مسلمانوں کے ساتھ نظر آتے تھے تو اس لیے کہ مسلمانوں کے سیاسی حقوق پر اپنا حق جائیں۔ آخر ظفر اللہ خاں و اسرائیل کی ایگزیکٹوں کو نسل میں مسلمان کہلانے کی نہاد پر پہنچے، یہ امر انگریزوں اور قادیانیوں دونوں کو راس اس طرح انگریزوں کو وقاردار نائب ملت تھے اور قادیانیوں کو تفہیم انعامات میں خصوصی حصہ، دوسری طرف وہ کامگرلیں سے بھی رابطہ رکھتے تھے کہ دہلی طور پر انتقال اقتدار ہوا تو وہ بہت بڑی جماعت کی حیثیت سے اکثر صوبوں کے حاکم ہوں گے اور وہ یقیناً انگریزوں کی طرح اسی جماعت کو استعمال کرنا چاہیں گے، جس کا ایمان علی اولوا الامر کی اطاعت ہے، لیکن جب یہ سیاسی گوگھوکی حالت زیادہ عرصہ قائم نہ رہ سکی اور افق پر جگ کے آثار سے یہ ظاہر ہونا شروع ہو گیا کہ انگریز کو ہندوستان کے متعلق فیصلہ کرنا پڑے گا، تو قادیانی اصلاحیت اٹھر من القس ہو گئی اور انھوں نے صاف طور پر بر صیری کی تسلیم کے خلاف اکھنڈ بھارت کے تصور کو ترجیح دی۔ بات یہ تھی کہ جب تک انگریز کا سایہ عاطف قائم تھا، ان کے لیے دو طبقے پن کی نجباش تھی، وہ اپنے آپ کو مسلمانوں کا ہمدرد بھی ظاہر کر سکتے تھے اور ہندوؤں سے سیاسی لین دین بھی کر سکتے تھے، لیکن انگریز کے بعد کی صورت حالات میں انھیں دو میں سے ایک تبادل کا اختاب کرنا لازمی ہو گیا، اکھنڈ بھارت میں ان کے پیشے کے زیادہ امکانات ہیں یا پاکستان میں؟ اب انھیں صاف نظر آیا کہ ایک

خالص اسلامی مملکت میں ان کا گزار انہیں ہو سکتا اور اس کے مقابل، اکھنڈ بھارت میں، جہاں کا گرلیں، سیکولر طرز حکومت قائم کرنا چاہتی ہے، انھیں اپنی جمیعت کو مغضوب کرنے کا خاصا موقع ملے گا، پھر وہ تو ازالی و قادر ہیں، کا گرلیں انھیں مسلمانوں پر ہر حال ترجیح دے گی، جن کی سرشت میں غیر مسلمانوں کے خلاف بغاوت لکھی ہوئی ہے اور جن کی اکثریت تحریک پاکستان کی موجود ہونے کی وجہ سے راندہ درگاہ ہو گی۔ سو قادیانیوں نے اپنا پورا وزن بر صیریکی سیاست کے ترازو..... مسلم لیگ کے خالف پڑے میں ڈال دیا۔

بے شک یہ پیش رفت اس زمانے سے تعلق جنہیں رکھتی، جب میں قادیانیوں کے متعلق سوچ رہا تھا، لیکن ان کی باتیں سن کر ان کا طرز عمل دیکھ کر میرے دل میں کوئی شک و شبہ نہ رہا تھا کہ بلا خود کس طرف جائیں گے۔ درخت اپنے پہل سے پہچانا جاتا ہے، ہم عموماً اپنے قوم کی تسلیم دلیلوں اور لفظوں کے استعمال میں ذمہ دھوتے ہیں، لیکن قرآن کریم مشاہدے پر زور دھاتا ہے۔ پوچھا کر ہم مرنے کے بعد دوبارہ کیسے انھیں گے؟ جواب ملاؤ آپ ہیدا کیسے ہوئے تھے؟ جو خالق ایک بار ہیدا کر سکتا ہے وہ دوسرا بار بھی اٹھا سکتا ہے۔ علم کا اصل ٹھیک عی مشاہدہ ہے اور میرے مشاہدے نے میرے اندر بد رجہ اتم یہ ایقان ہیدا کر دیا کہ قادیانیوں کا مسلمانوں سے کوئی علاقہ نہیں اور میں اپنے لیے مسلمانوں کا راستہ انتساب کر چکا تھا۔ قادیانیت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کے ہیدا کار مرزا صاحب کی پیشگوئیوں پر بہت اعتماد کرتے ہیں، بات بات پر ان کی پیشگوئیوں کا حوالہ دیتے ہیں اور اس کے پڑا ہونے کی تصحیح کرتے ہیں، ضمناً ان کی ایک پیشگوئی قلعی مسلمانوں کے حق میں نہ تھی۔ جب بھاگل کے ہندو قسم بھاگل، جو عین مسلمانوں کے قائدے میں تھی، کے خلاف تحریک چلا رہے تھے، تو مرزا صاحب کو الہام ہوا کہ ”دیکھی کی جائے گی“ اب جب 1911ء میں قسم کے فیصلے کو منسوخ کر دیا گیا تو حیثاً دیکھی کی ہندوؤں کی ہوئی، قادیانی حضرات کہہ سکتے ہیں کہ اس سے غرض نہیں، پیشگوئی کس کے حق میں پوری ہوئی، انھیں تو اس کے اہتمام سے غرض ہے۔ قادیانی پیشگوئیوں کی صداقت کے اس قدر قائل ہیں کہ وہ انھیں بروئے کار لانے کی بھی کوشش کرتے ہیں، چنانچہ ایک پیشگوئی کے مطابق حضرت سعید علیہ السلام کی بخش ہائی دعشق کے ایک کنارے پر ہوگی۔ چنانچہ ایک طرف تو قادیان میں بینارہ اسح خواجہ گیا۔ رہتی کسر مرزا محمود احمد صاحب نے پوری کردی کہ جب وہ سفر یورپ پر جا رہے تھے یا آرہے تھے، دشمن تھہرے اور وہاں کی مسجد کے چینارے پر چڑھے، وہ خود تو ”سچ مسعود“ نہ تھے، ان کا دعویٰ صرف ”صلح مسعود“ ہونے کا تھا، لیکن جس حد تک وہ مرزا صاحب کے فرزند اور ظیفہ ہونے تک ان کی فائدگی کر سکتے تھے، انھوں نے اس پیشگوئی کو اپنے باپ کی طرف سے پورا کر دیا۔ میرا پیشگوئیوں کے متعلق تفصیل تاتا نے کا مخدود یہ اقسام جماعت ہے کہ قادیانی انھیں اپنے مستقبل کا دار و مدار بھتھتے ہیں، اب ایک اہم معاملے میں مرزا صاحب کی پیشگوئی سے بالکل اٹ تجھہ ہیدا ہوا۔ قادیان، جس کے متعلق ان کا ایک شر ہے۔

زمن قادیان اب محترم ہے
ہجوم ملک سے ارض حرم ہے

جس قدر قادیانیوں کو محبوب ہو سکا ہے، اس کا اندازہ لگانا شکل نہیں، قادیان کے تھقہ مرزا صاحب نے پیشگوئی کی تھی کہ وہ اتنی ترقی کرے گا کہ اس کا ایک سرا دریائے بیاس تک جاتے گا اور اس کی شان و شوکت دیکھ کر لوگ کہنی گے کہ کبھی لاہور ہوتا تھا، مطلب یہ ہے، اس وقت اس کی عظمت کے سامنے لاہور نات ہو گا۔ اب خدا کا کرنا کیا ہوا کہ تقسیم بر صیرت سے قادیان غالباً متزوکہ شہروں میں سب سے زیادہ متاثر و ماذف ہوا کہ مشرقی چنگاپ کے دوسرے شہر تو مسلمانوں کے کلآل آنے پر ہندوؤں اور سکھوں نے آباد کر دیے، لیکن قادیان کی کوئی تجارتی یا دوسری اہمیت نہ تھی۔ اس کی اہمیت بھی تھی کہ وہ مرزا نیوں کا مرکز ہے، جس تک رحلے لائے بھی اس لیے پچھائی گئی کہ چونہری ظفر اللہ خاں و ائمڑائے کی کوشش کے رحلے ہے، مبہر تھے، ورنہ مسافروں کی آمد و رفت اس کے لیے کوئی جواز مہیا نہ کرتی تھی۔ اس لیے تقسیم پر قادیانی تو اسے چھوڑنے پر مجبور ہو گئے کہ جان کا خطرہ تھا، لیکن ہندوؤں سکھوں نے اسے آباد کرنے کے لائق نہ جانا اور میں نے سن کہ اب وہاں ہمارے مکانوں میں گدھے بندھے ہیں، گویا قادیان کی صرف رونق یعنی ضائع نہ ہوئی، وہ بالکل ویران ہو گیا۔ اس سے زیادہ پیشگوئی کے غلط ہونے کا اہتمام نہ ہو سکتا تھا، چونکہ میں 49ء سے لندن میں تھا اور مجھے تقسیم کے بعد، قادیان کی کمل جماعت کے بارے میں قادیانیوں کے روڈل کا علم نہ تھا، اس لیے جب 1950ء میں وائیک آیا تو پھر معلوم کرنے کے لیے بہت مجس تھا کہ اس لیے کا ان کے دلوں میں کیا اثر ہوا، لوگوں کے قدم تو اس پیشگوئی کی تعبیر ملکوں سے ڈال گئے ہوں گے، لیکن میری حراثی کی انتہا تھری، جب میں نے دیکھا کہ اس حداثی سے ان کے کالوں پر جوں تک نہ ہو گئی۔ یہ احساس کا فہمان تھا یا تاویلیوں کی تاثیر، ان کے ایمانوں میں کوئی فرق نہ پڑا تھا۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ ایک کوشش بھی نہیں ہوئی، اسلام میں کسی اور نسبت کے اجراء کے لیے دروازہ نہ کھولا گیا، یہ جارت صرف ہندوستان میں اگریزیوں کی علمداری میں ہوئی، قادیانیت، اگریزیوں کی عینیوں کے لئے پروان چڑھی۔ قادیانی نسبت سراسر دوراز کارتا و ملات کی تصنیف ہے، کہیں سچ علیہ السلام کی بحث ٹانی کا سہارا لیا گیا ہے، کہیں ضعیف حدیثوں پر انحراف کیا گیا ہے، کہیں پوچ استدلال پر، مثلاً یہ ولیل کہ انعامات خداوندی کبھی بند نہیں ہوئے، تو نبوت کا دروازہ کیسے بند ہو سکا ہے، جسے ایک قادیانی شاعر نے گھری سے تشبیہ دی ہے۔

کیا فائدہ رکھنے کا گھری جیب میں یارہ

جب وقت کی پڑتال پر پائے ہو گھری بند

لیکن، جب اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے اپنی صحت پوری کر دی تو آپ کو خاتم الانبیاء قرار دیا۔ اسلام نیامہ ہب نہیں، یہ وعی پیغام ہے جو حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام پر وقی کیا گیا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس پیغام کی تحلیل ہوئی

اور اس تجھیل اور اہم نبوت کا خاصا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ لیا، جب کہ تورت اور انجیل کے متعلق اس حکم کی ذمہ داری نہیں اختیاری اور اسی وجہ سے ان میں تحریف ہوئی، ان صریح احکامات میں کسی تاویل کی مجبوگش نہیں، چونکہ، اسلام میں یہ نکات بنیادی تھے، ان پر پوری امت کا اعتماد ہوا اور اسلام میں چودہ سو سال تک کسی نے دوئی نبوت نہیں کیا، تا آنکہ قادریان سے مرزاقلام احمد نے اپنی صدالائی، اگر یہ کہا جائے کہ ہندوستانی "نبوت" کی اس لیے ضرورت پڑی کہ فی زمانہ مسلمانوں کی حالت بہت گریجی تھی تو امت پر اس سے پہلے بھی ہرے ہرے ہوئے۔ برقان آئے، جب کسی "نبوت" کا بندوبست کیوں نہ ہوا؟ پھر قادریانوں نے اول کام علی یہ کیا کہ وہ مسلمانوں سے کٹ گئے اور انہوں نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الک تیریکی، پھر انہوں نے صرف مسلمانوں سے سروکار علی نہ رکھا، بلکہ ان کے خلاف کام کیا۔

قادریانوں نے اپنی "نبوت" کے جواز میں عجیب دلیلیں دی ہیں۔ ایک یہ کہ مرزاقلامی کی "نبوت" سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام اور بلند ہوتا ہے کہ ان کے اتنی بھی "نی" بخے کی صلاحیت رکھتے ہیں، یہ ایک دفائلی دلیل ہے کہ کہیں یہ نہ کہا جائے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کی ہے، ورنہ اس سے صاف معلوم ہوتا کہ

۲ چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است

اگر انہوں نے ایک طرف یہ کہا تو دوسری طرف ان سے اپنی حفاظت میں یہ بیان بھی سنائی گیا کہ اگر چوہدری غفرالله خاں جیسا لائق آدمی (یہ بات ان طوں خاص طور پر کہی جاتی تھی، جب چوہدری صاحب و اسرائیل کو نسل کے رکن تھے) مرزاصاحب کو "نی" مانتا ہے تو اس سے زیادہ ان کی "صداقت" کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے اپنی پوچ باتوں نے مجھے قادریانی موقف سے بیزار کیا، مجھے یقین ہو گیا کہ قادریانوں نے سمجھی گی سے نبوت کے متعلق سوچا ہیں یا ان میں سمجھیدہ فکر کی امیت ہی نہیں۔ پھر مجھے خیال آیا کہ اگر وہ اپنے عقیدے سے وابست ہیں تو دنیا میں لوگ طرح طرح کی بو الجھوں کی ملتے ہیں، انسانی ذہن ہر عقیدے کا جواز ڈھونڈ لیتا ہے، لیکن، بھر حال قادریانیت کو اسلام کے اس عالمگیر مقدمہ سے کوئی تعلق نہیں اور اس کا کوئی درک نہیں جوان الدین عند اللہ الاملام میں مقرر کیا گیا ہے کہ اسلام کل انسانیت کے لیے ہے اور اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوری نوع انسانی کے لیے مسجوت فرمائے گئے تھے وہ کسی خاص قوم کے لیے نہیں آئے، جیسا کہ حضرت عیسیٰ کا مقدمہ نبی اسرائیل کے دین کی تجدید ہے، وہ خاتم النبیین تھے، جس کا مطلب ہے اسلام دنیا کے قیام سے آخر تک انسانیت کو راہ ہدایت دکھاتا رہے گا اور وہ اس کے سوا اور کوئی نجات اخزوی کا ذریعہ نہ پائے گی۔ اس عظیم الشان مشن کا تھا صاحبا کر قرآن کریم مکھوڑ رہا اور اس کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لے رکھی ہے اور تاریخ کی شہادت ہے، وہ چودہ سو سال بعد بھی حرف بحرف وہی ہے جو رسول اللہ زندگی میں تھا اور تا قیامت اسی طرح یہ تحریف سے مکھوڑ رہے گا اور دوسرے امت مسلمہ کا وجود تاثیت و سالم رہے گا، کیونکہ اگر وہ مختصم، مفترق اور منشر ہو گئے، تو اسلام کی قوت نفوذ ختم ہو

جائے گی۔ اسلام کی سرمدی تعلیم مسلمانوں کے ٹھوں جد سیاست کی متفہی تھی، وہ ایک دھرے کے لئے لازم و طور تھے، اب تاریخ اس امر پر بھی شاہد ہے کہ باوجود اس حقیقت کے کہ مسلمانوں پر ہر حرم کی فکری و جماعی اور سیاسی آفتیں آئیں، ان کا قلب سمجھ اور زندہ رہا۔ بے شک درجنوں فرقے پیدا ہوئے، مسلمانوں پر عروج کے ساتھ زوال آیا اور وہ اختیار کے وست گمراور تالیح بھی بنے، لیکن ان میں اپنی وحدت کا جذبہ کبھی سردنہ پڑا اور صداقت نکلی ہے کہ وہ ہر احتیاط اور آزمائش کے بعد اجرے
 ۷ اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کرلا کے بعد

وحدت کا ناقابل بھلت اور زندہ احساس جو ہر زمانے میں مسلمانان عالم میں جاری ساری رہا، کارکن اعلیٰ اور عالیٰ اعظم وہ گہرا تعلق ہے جو مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پا بر کات سے رہا، اور جو اسی طرح قائم رہ سکا کہ وہ خاتم النبیین تھے اور کوئی اور نبی یا پیغمبر مسلمانوں اور رسول اللہ کے درمیان حائل نہیں ہوا، یہ ناقابل تردید نقیابی حقیقت ہے کہ اگر خدا خواست کوئی تیرا عالیٰ کسی شخص یا ادارے کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کی درمیان حائل ہو جاتا تو یہ قطبی تعلق، جو مسلمانوں کو رسول اللہ سے محوس ہوتا ہے اور جس پر ہر دھر اتعلق قربان کیا جاسکتا ہے، قائم نہ رہ سکتا، جس کا مطلب ہے، امت کی وحدت معرفت انتشار میں پڑ جاتی۔ اس حقیقت کے ثبوت میں خود قادر یا بخش کے طرز عمل کی مثال دی جاسکتی ہے۔ کہنے کو تو وہ رسول اللہ سے بہت عشق و محبت کا اظہار کرتے ہیں، لیکن علیٰ صورت کیا ہے؟ ان کے گھروں میں ہر وقت مرزا صاحب کا ذکر ہوتا ہے۔ مرزا صاحب سے ان کے ہر دوں کے تعلق کے تعلق وہ خود ایک لطفہ ہیں کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک آدمی کے تعلق مرزا صاحب کو معلوم ہوا کہ وہ ان کے تعلق بحث کے مطلعے میں کسی مسلمان سے ٹھپ پڑا، مرزا صاحب نے اسے کہا کہ جسیں نہیں لڑتا چاہیے تھے، تو اس شخص نے جواب دیا کہ آپ تو اپنے آقا (یعنی رسول اللہ) کے بارے میں ہر ایک سے لوتتے ہیں، میں اپنے آقا (مرزا صاحب) کے بارے میں کیوں نہ لڑوں؟ اس قادیانی کے لیے آقا کا منفیم بدل گیا، رسول اللہ اس کی نظروں سے بوجھل ہو گئے، رسول اللہ کے لیے خاتم النبیین کے مقام کا تھیں لیکن ان کی عقائد کے ائمہ کے لیے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی اس تدبیر کے ماتحت ہے کہ اسلام ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دین انسانیت ہا دیا گیا ہے اور اس تدبیر کو عملی جامہ پہنانے کے لیے نہ صرف قرآن کریم بلکہ محفوظ رہے گا، بلکہ امت مسلمہ کا وجود سالم و تابت رہے گا اور جس کا اسر انجام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مسلمانوں کے تعلق پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ تدبیر اتنی عی فیر مبدل ہیں جیسے کائنات کا نظام۔ سونج مشرق سے چڑھے گا اور مغرب میں غروب ہو گا، زمین سونج کے گرد گوش کرتی رہے گی اور چاہزمن کے گرد چکر لگاتا رہے گا، دن بات کے تعاقب میں لگا رہے گا اور رات دن کے جب مردہ شہر پر پانی رہے گا تو اس سے ہر حرم کی سبزیاں اُکیں گی، نا آنکہ یہم موجود آجائے لور زمین اپنے رب کے نور سے منور ہو جائے۔



مرزا محمد سلیم اختر

رُودا دِ قفس

قبل ازیں خاکسار نے قادیانیت سے علیحدگی کے متعلق ایک مختصر سالوٹ "المیر" میں لکھا تھا، جس پر میرے بعض دوستوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں تدریے تفصیل کے ساتھ ان دجوہات پر روشنی ڈالوں جو میری قادیانیت سے علیحدگی کا باعث بنیں۔

ابتداءً مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر اپنا تعارف بھی کروادوں۔ میں جماعت ربہ کی طرف سے وہ سال تک پاکستان کے مختلف شہروں میں بطور مبلغ کام کرتا رہا ہوں۔ 1970ء میں ربہ جماعت سے علیحدگی کے بعد، میں جماعت لاہور کی طرف سے مختلف مقامات پر بطور مبلغ کام کرتا رہا۔ 1974ء میں لاہوری جماعت کی طرف سے جو وفد پاکستان نیشنل آئیلی میں چیل ہوا، اس کا ایک ممبر میں بھی تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ لاہوری جماعت کا تمام کیس میرا ہی تیار کرده ہے۔ نیشنل آئیلی میں Spokeman کو حوالے فراہم کرنے پر بھی، میں ہی تینی تھا۔

میں نے ربہ اور لاہور میں کیا دیکھا، یہ ایک دلچسپ اور دل گداز داستان ہے، جس کی تفصیل کے لیے کئی دفتر درکار ہیں۔ سروست میں چند واقعات کا نہایت اختصار کے ساتھ مذکورہ کروں گا جو بہبود میرے لیے معہ بہے اور میں ان دلوں جماعتوں کے متعلق کچھ سوچتے پر مجبور ہوا۔ میں اس بات کی توجیح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ان سطور کی تحریر سے میرا مقصد کسی کی دل آزاری نہیں، میں نے ان دلوں جماعتوں میں شامل رہ کر، جو کچھ دیکھا، اسے من و عن چین کر رہا ہوں۔ اللہ کرے کوئی سعید روح ان سطور کے مطالعہ کے بعد اس دام ہرگز زمین سے نکلنے کی کوشش کرے، جس میں وہ پوری "یک نئی" اور "اخلاص" سے پہنچی ہوئی ہے۔

ربہ میں قادیانیوں کی ایک دینی درسگاہ ہے جس کا نام "جامعہ احمدیہ" ہے۔ دینی تعلیم کے حصول کی خاطر جب میں اس درسگاہ میں داخل ہوا تو جو فتحہ مجھے اس درسگاہ کے مبلغین کا تباہی کیا تھا، وہ اس سے بہت مختلف تھے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ طلبہ کی ایک خاصی تعداد "تمثیل اسلام" کے جذبے سے سرشار تھی مگر ان سادہ طبعوں کو میری طرح قطعاً معلوم نہ تھا کہ وہ ایک عیار فکاری کے چکل میں پہنچے ہیں، جو اپنے

نہ موم مقاصد کی تجھیل کے لیے انھیں استعمال کرے گا۔ جس طرح بیگار کیپ میں کسی نو گرفتار کو بے دست و پا کر دیا جاتا ہے، اسی طرح جامد احمد یہ میں بھی ہوتا ہے۔ طباء کو بعض امتحانات کے لیے خلیفہ صاحب سے اجازت لئی پڑتی ہے اور خلیفہ صاحب کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ کوئی طالب علم پڑھ لکھ کر کار آمد وجود نہ بن جائے۔ اس لیے وہ اس راہ میں سد سکندری بن کر حائل ہو جاتے ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بعض طباء نے خفیہ طور پر بعض امتحانات دیے تو ان سے باز پس کی گئی، گویا علم حاصل کرنا بھی ایک جرم ہے۔ خلیفہ صاحب کا حاصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ صرف ہماری دلیلیز پر ہی جبہ سائی کرتے رہیں اور اپنی معیشت استوار کر کے معاشرہ میں باوقار زندگی گزارنے کے قابل نہ ہو سکیں۔

یہی وجہ ہے کہ جب کسی بھلجن کو خلیفہ صاحب کی طرف سے سزا ملتی ہے تو اسے معافی مانگنے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہیں آتا۔ کیونکہ جو علم کلام اس نے پڑھا ہوتا ہے، مارکیٹ میں اس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ وفات سچ تاثب کرنے پر ایک قادریانی جماعت ہی ہے جو ذیڑھ سور و پیہ دیتی ہے۔ درسے لوگوں کو اس مسئلے کی ضرورت ہی نہیں ہے اور اسے خود بھی اچھی طرح یا احساس ہوتا ہے کہ عمر کا یقینی حصہ تو میں یہاں تباہ کر چکا ہوں، اب جاؤں کہاں؟ اپنے معاشرہ سے مصاہیرت و مناکحت کے رشتے وہ پہلے ہی تو ٹوڑ چکا ہوتا ہے اور ان کی تکلیف و اذیت پر استہزا کرنا اس کا معمول بن چکا ہوتا ہے۔ ایک شخص کو نبی مان کر جس معاشرہ کے افراد کو وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج اور ان کے بیچھے نماز اور جنائز تک حرام سمجھتا ہے، ان کے ساتھ تعلق رکھنا، وہ کس طرح گوارا کر سکتا ہے؟ ناچار سدھائے ہوئے پرندے یا جانور کی طرح والہیں آنے کا بوجھتا ہے اور جب یہ ”محبوب ہزار شہو“ بھی اسے منہ نہیں لگاتا تو اسے زمین و آسمان گھومنے نظر آتے ہیں۔ ناچار، وہ خلافت کی چوکھت پر سرڈاں دیتا ہے اور اس کا یہ معافی مانگنا خلیفہ صاحب کا مجرمہ بن جاتا ہے کہ انھوں نے اپنی روحانیت کے زور پر اس بے کس کے کس مل نکال دیے ہیں۔ ان مبلغین کو عمر بھرنا جان ہویں کا محتاج رکھا جاتا ہے تاکہ یہ کہیں بھاگ نہ جائیں اور ان کی بے کسی سے فائدہ اٹھا کر ان کو سو روں سے تشبیہ دی جاتی ہے اور ایسا اس لیے کیا جاتا ہے کہ وہ کسی طرف جانے کے قابل ہی نہیں ہوتے اور اگر خلیفہ صاحب انھیں آزاد بھی کر دیں تو وہ خلافت کی ڈگنگی بجانے پر سدھائے ہوئے، پھر وہیں آ جاتے ہیں۔

اگر یہ لوگ دین دار ہوتے تو دین کی خاطر زندگی وقف کرنے والے ان میں سب سے زیادہ معزز و کرم ہوتے۔ مگر خلیفہ صاحب ان کو مزید رسوایا کرنے کے لیے انھیں ایسے امیروں کی گمراہی میں دے دیتے ہیں جو خلیفہ کی تعالیٰ کو تجلی سمجھ کر اس پر وادہ وادہ کے ڈوگرے بر سانے کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ جس سے ان کی زندگی ایک مستقل عذاب بن جاتی ہے اور وہ ہر وقت یہ دوزخ میں پڑھے رہتے ہیں۔ خلیفہ ربوہ کے نزد یک والق فزندگی کی وقعت ایک کوڑی کے براء بھی نہیں۔ ہاں جو انھیں سیکھڑوں ہزاروں روپے نذرانہ پیش کرے، خواہ رشتہ لے کر ہی دے، وہ ملکیتیں کے زمرہ میں شامل ہو جاتا ہے۔

ظیفہ صاحب نے "امور عامہ" اور "کار خاص" دو شعبے قائم کیے ہوئے ہیں جو ہر گھن و مسائے لوگوں کی "بداعمالیوں" کی رپورٹ انھیں پہنچاتے رہتے ہیں۔ یوں سمجھتے کہ وہ نازی گشاپ ہے، جس سے ہر آدی ہر وقت لرزہ بر انداز رہتا ہے، کہ ابھی میری رپورٹ ہوئی اور میں "شیا سے تحت الورلی" میں گرا یوں، خاوند کے خلاف اور بچے، باپ کے خلاف رپورٹیں کرتے رہتے ہیں تاکہ ظیفہ صاحب کے عتاب سے مامون رہیں۔ ظیفہ کے اس گشاپ نے تمام لوگوں کا ڈھنی اور قلبی سکون بر باد کر کے رکھ دیا ہے۔ اس گشاپ کے پاس ایک فنڈ ہوتا ہے جسے ربودہ کی دفتری زبان میں غ۔م/جی۔ ایم یعنی غیر معنوی فنڈ کہتے ہیں۔ اس میں سے لاکھوں روپے سیاسی و غیر سیاسی مخصوص "مقاصد" کے حصول کے لیے خرچ کر دیے جاتے ہیں۔ اس فنڈ کو کوئی آڈیٹر چیک نہیں کر سکتا۔ ہزارہا روپیے گورنمنٹ کے دفاتر میں کام کرنے والوں کو بطور "نذرانہ" پیش کیا جاتا ہے، تاکہ اگر ان کے خلاف گورنمنٹ کوئی کارروائی کر رہی ہو، تو وہ انھیں مطلع کر دیں۔ اس تعلق میں ایک واقعہ سماعت فرمائیے۔ گورنمنٹ کی طرف سے ربودہ میں سی۔ آئی۔ ڈی کا ایک آدی متعین تھا۔ اس نے ربودہ والوں کے خلاف گورنمنٹ کو کوئی رپورٹ بھجوائی۔ چند دنوں بعد ربوائی تھانیدار عبدالعزیز بھاجبڑی نے اپنے دفتر میں اسے چائے پر مدعا کیا اور اس کی اصل رپورٹ میز پر رکھ کر کہا کہ یہ رپورٹ آپ نے گورنمنٹ کو ارسال کی تھی۔ وہ طالزم آدی تھا۔ ان سے ایسا خوف زدہ ہوا کہ آئندہ اس نے ان کے خلاف رپورٹ بھجوائا ہی ترک کر دیا۔ اس سے آپ اندازہ فرماسکتے ہیں کہ "تبیخ اسلام" کے نام پر حاصل کیا جانے والا چندہ کن "کارہائے خیر" میں صرف کیا جاتا ہے۔

صمدانی ثریوں میں چودھری امیر الدین نای ایک قادریانی نے پیش ہو کر کہا کہ ظیفہ صاحب ہمارے فنڈز خرد بردار کرتے ہیں۔ قادریانوں کے وکیل اعجاز ٹھین بیالوی نے اس سے سوال کیا کہ آپ کے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ ظیفہ صاحب آپ کے فنڈز خرد بردار کرتے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ ہم لوگ تبلیغ اسلام اور اشاعت قرآن کے لیے چندہ دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس غرض کے لیے چندہ دیا جائے، وہ اسی جگہ پر خرچ ہونا چاہیے۔ مگر ظیفہ صاحب نے اس چندہ میں سے ہزاروں روپیے آپ کو فیس دے دی ہے۔ کیا ہم نے آپ کو فیس دینے کے لیے چندہ دیا تھا۔ یہ خرد بردنیں تو اور کیا ہے، اعجاز صاحب ایسے چپ ہوئے کہ پھر بول نہ سکے۔

ناگفتني، گفتني

مجھے جامعہ احمدیہ میں داخل ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزر اتھا کہ میاں محمود صاحب کے ایک صاحبزادے نے، جو آج کل "شعار اللہ" میں سے ہیں، ایک ایسے فعل کا ارتکاب کیا، جس پر شرعی حد واجب ہوتی ہے۔ اس نے خود تحریری طور پر اپنے جرم کا اعتراف بھی کیا اور اس کی رپورٹ ایک "خالد احمدیت" نے اپنے ریمارکس کے ساتھ ظیفہ صاحب کی خدمت میں پیش کی۔ رپورٹ کنندہ کو ظیفہ صاحب

نے انکی جھاڑ پلانی کر اس کی آئندہ نسلیں بھی توبہ کر انھیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ چونکہ یہ معاملہ میرے بیٹے کا ہے، اس لیے میں اسے محکم قضا کے پروردگر تھا ہوں۔ محکمہ قضا والے ”غالد احمدیت“ کی درگت بخت دیکھ کچے تھے۔ پھر وہ خلیفہ صاحب کے ملازم بھی تھے۔ خلیفہ صاحب کے ایک اشارے سے ان کی قضا آجائی تھی۔ انھوں نے ہمارے بعض اساتذہ کو محکمہ قضا میں بولایا کہ وہ اس معاملہ کی شہادت دیں۔ کس کی جرأت تھی کہ شہادت دینا اور محکمہ قضا کی کیا طاقت تھی کہ خلیفہ صاحب کے صاحجزادے کے خلاف فیصلہ کرتا۔ لہذا یہ معاملہ یونہی رفع دفع کر دیا گیا اور اس کا کچھ بھی فیصلہ نہ ہوا اور صاحجزادے صاحب اس ”کارخیر“ کے بعد اپنے ”حضور“ یعنی کی کار میں فراٹے بھرنے لگے۔

ہم یہ سمجھتے تھے کہ غالب کے اڑیں گے پر زے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے، پر تماشا نہ ہوا

عقائد یا بازیجھہ اطفال

1953ء میں جب قادریانی جاریت اور منصوبہ سازیوں سے مجبور ہو کر مسلمانوں نے تحریک شروع کی اور میاں محمود احمد صاحب منیر اکوائزی کورٹ میں پیش ہوئے تو انھوں نے کمال بزرگی کے ساتھ اپنے پہلے عقائد سے رجوع کر لیا اور جس مرزا صاحب کو ماننا وہ جزو ایمان قرار دیا کرتے تھے، اس سے الکار کر دیا۔ اگر مرزا صاحب فی الواقع نبی ہیں تو ان کا ماننا جزو ایمان کیوں نہیں اور یہ جواب کس قدر لائیعنی اور لغو ہے کہ نبی تو وہ ہیں مگر ان کا ماننا جزو ایمان نہیں۔

مسئلہ کفر و اسلام کے متعلق بھی ایسا یہ احتیار کیا گیا کہ مرزا صاحب نبی تو ہیں مگر ان کے انکار سے کوئی فحض کافر نہیں ہوتا۔ کیا دنیا میں کوئی ایسا نبی بھی ہوا ہے جس کا مکر مومن ہو۔ مسئلہ جنائزہ کے متعلق کہا گیا کہ اب ہمیں مرزا صاحب کا ایک خط موصول ہوا ہے، جس پر ہم غور کریں گے۔ خلیفہ صاحب نے پہلے تو یہ غلط بیانی کی کہ یہ خط ہمیں اب ملا ہے۔ سہی خط ایک دفعہ انھیں 1915ء میں بھی ملا تھا۔ پھر یہ خط مُسئلہ اڑیں سال غائب رہا۔ پھر اچاک 1953ء میں دوبارہ دستیاب ہو گیا اور اس کے بعد آج تک غائب ہے اور انشاء اللہ غائب ہی رہے گا۔

یہ بات بالکل صاف ہے کہ اگر مرزا صاحب کو آپ نبی مانتے ہیں تو نبی کا حکم اس کے پیروکار بala چون وچرا مانتے ہیں۔ وہ اس کے حکم پر نصف صدی سے زائد عرصہ تک غور نہیں کرتے رہے کہ نبی کے اس حکم کو مانیں یا نہ مانیں۔ کیا دنیا میں کسی نبی کے ماننے والے آپ نے اس طرح کے بھی دیکھے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب جیلے بازی اور کذب آفرینی، اپنے بچاؤ کے لیے کی جا رہی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا جب میرے دل میں خلیفہ کے متعلق خیال پیدا ہوا کہ وہ اپنے عقائد میں تلاعف نہیں اور جھوٹ بولنا ان کا روزمرہ کا شعار ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ خیال بھی آیا کہ تم اپنے عقائد پر قائم رہو اور اپنے کام سے کام رکھو۔

قادیانی خلیفہ اول حکیم نور الدین کے فرزند کا بائیکاٹ

اس کے بعد 1956ء کا زمانہ آیا تو خلیفہ صاحب نے اپنی جماعت کے بعض افراد اور خصوصاً پہلے خلیفہ حکیم نور الدین کے صاحبزادے عبدالمنان عمر کے سطلاق جو کچھ کہا اور کیا، اس سے میرے دل پر سخت چہ کالا۔ میں نے ان کا ذکر خاص طور پر اس لیے کیا ہے کہ یہ میرے استاد رہے ہیں اور میں ان سے اچھی طرح واقف تھا۔ ان کا بائیکاٹ کر دیا گیا۔ بازار والوں کو سودا دینے سے منع کر دیا گیا، دودھ دینے والوں کو روک دیا گیا۔ ان کے مکان کے ارد گرد خدام الاحمدیہ کے خلافے شخاذ ہیے گئے۔ وہ عشاء کے بعد ان کے گھن میں اتر کر قص کرتے، غرض ہر طرح سے ان کا ناطقہ بند کر دیا گیا۔ ان کا قصور کیا تھا۔ خلیفہ صاحب کو خیال پیدا ہوا کہ کہیں میرے بیٹے ناصر احمد کی بجائے یہ خلیفہ نہ میں جائے۔ ان کی اس کمپرسی کے عالم کو دیکھ کر اللہ یار بلوچ ناہی ایک شخص کے دل میں کچھ ہمدردی کے جذبات پیدا ہوتے۔ وہ جب اپنے سودا سلف کے لیے بازار جاتا تو ان کے لیے بھی ضرورت کی کچھ چیزیں لے آتا اور چندی چھپے ان کے گھر پہنچا دتا۔

خلیفہ صاحب کے جاسوسوں کو جب اس کی اس "غیر اسلامی" حرکت کا علم ہوا تو انہوں نے دن دہائے بھرے بازار میں مار مار کر اس کی پلیاں توڑ دیں۔ جب اس واردات کی پلیس میں اطلاع ہوئی تو "موسین" کی اس بیتی نے اپنی "شانِ ایمانی" کا اکھار یوں کیا کہ سب لوگ اس قوم سے ہی مکر ہو گئے کہ ہمیں تو علم ہی نہیں کہ اس جگہ کوئی ایسا واقعہ ہوا ہے۔ یہ ہے "امورت یعنی حقیقت اسلام"۔

مجھے چودھری عبداللہ خان مرحوم ساکن چک 81 جتوی سب اسپکٹر پولیس نے تباہا کر میں تین سال ربوہ پولیس چوکی میں ستمیں رہا ہوں۔ ہر روز وہاں کوئی نہ کوئی واردات ہوتی۔ جب ہم گواہ طلب کرتے تو کوئی آدمی گواہی دینے کے لیے تیار نہ ہوتا۔ امور عامہ والے سب کو منع کر دیتے کہ کوئی آدمی گواہی نہ دے۔ تجھے یہ ہوتا کہ پولیس بے بس ہو جاتی۔ دوسرے لفڑوں میں وہ ہربات میں امور عامہ کی حقانی پر مجید ہو جاتی۔ کہنے لگے ایک دن بھک آ کر میں امور عامہ کے دفتر میں گیا اور ربوہ آئی حقانیدار عبدالعزیز بھانڈڑی سے کہا کہ آپ لوگ نہایت "پارسا، متقی اور مستہماز" ہیں۔ یہم ملکہ پولیس سے تعقیل رکھتے ہیں۔ ہمیں کیس مکمل کرنے کے لیے گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپ کی ساری بیتی "راست بازوں" کی ہے۔ لہذا آپ اس طرح کریں کہ کچھ جوٹے لوگ باہر سے لا کر ربوہ میں آباد کریں تاکہ پولیس والوں کا بھی تھوڑا کام چلتا رہے۔ کہنے لگے پہلے تو انہوں نے اپنی راست بازی کا مجھے ہزار عرب دکھایا۔ پھر کچھ دیر بعد کہنے لگے آپ فرنہ کریں، آپ کا کام بھی ہو جایا کرے گا۔ چودھری صاحب کہتے تھے کہ اس کے بعد خود ربوہ والوں نے ہمارے سامنے ایسے ایسے جھوٹ بولے کہ الامان والخطیط۔ نیز انہوں نے مجھے یہ بھی سنایا کہ ربوہ میں وہ کچھ ہوتا ہے، جو لاہور میں بھی نہیں ہوتا۔

خلیفہ صاحب نے 1956ء میں اپنی جائشی کے سلسلہ میں زبردست تقاریر کیں اور اپنے جائشیں

کے تحلق وہیت کی کہ اس کا انتساب پوپ کی طرح ہوا اور ساتھ ہی یہ اعلان بھی کر دیا کہ میں اسلامی شوریٰ کے طریق کو منسوخ کرتا ہوں اور آپ حیران ہوں گے کہ کمال بے فیرتی کے ساتھ ساری جماعت ایک اسلامی حکم کی منسوخی کا اعلان سنتی اور بالکل اُس سے مس نہ ہوئی۔ موجودہ خلیفہ کا انتساب اسلامی شوریٰ کے طریق پر نہیں ہوا بلکہ پوپ کے انتساب کی طرح ہوا ہے۔ حق ہے اگر یہ کی اس پروردہ جماعت کو اپنی خلافت کی سند بھی اپنے آئے تو اسی نتھ سے عیلانی چاہیے گی۔

مرزا محمود احمد کا بر انجام

میاں محمود احمد پر جب قائمؒ کا حملہ ہوا اور ان کا دماغ کام کرنے سے بالکل جواب دے گیا تو موجودہ خلیفہ صاحب جماعتیں کے دورہ پر نکلے اور جگہ جگہ کہنے لگے کہ "حضور" بالکل ٹھیک ہیں۔ آپ انھیں دعا کے لیے خلطوں لکھیں، یہ کریں، وہ کریں۔ یہ ایسا سفید جھوٹ تھا، جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ وہ بالکل شل اور حملہ ہو چکے تھے۔ خاکسار نے انھیں ذمہ رتبہ بیماری کے دوران دیکھا ہے۔ وہ چار پائی پر لینے بکری کی طرح سردارتے رہتے تھے اور بالکل حواس باختہ ہو چکے تھے۔ انھیں نماز و فیرہ کی بھی کوئی سدھ بده نہ تھی اور ان کے فرزند ارجمند جو طالب المودی نبیل کے مکاونہ کے مطابق خلیفہ بنے ہیں، لوگوں کو یہ توبیدنار ہے تھے کہ "حضور" بالکل ٹھیک ہیں اور خلافت کے سارے کام خودی سرانجام دیتے ہیں۔ اصل بات یہ تھی کہ لوگ ان کی بیماری کے باعث ملاقات کے لیے نہیں آتے تھے۔ نذرانہ میں جو کمی واقع ہوئی تو جماعت کو تلقین کی جانے لگی کہ "حضور" بالکل ٹھیک ہیں، یعنی آؤ اور عیسیٰ نذرانہ دوتا کر لکھن کا کاروبار چلے۔

جلسہ سالانہ پر ہر سال ان کی افتتاحی اور دیگر تقاریر کا اعلان کر دیا جاتا۔ میں دل عی دل میں سوچتا کہ وہ تو رہیں بستہ باش ہو چکے ہیں۔ یہ لوگ جبوٹے طور پر کہوں ان کی تقاریر کا اعلان کر دیتے ہیں۔ پھر بعد میں سمجھ آیا کہ اس اعلان کو پڑھ کر باہر کی جماعتیں بکثرت شمولیت کریں گی کہ "حضور" اس دفعہ تقریر کر رہے ہیں۔ اس طرح انھیں جلسہ پر بکثرت پیش مل سکے گا۔

خلیفہ صاحب کی بیماری کے دوران میں نے کمی مرتبہ سوچا کہ یہ عجیب اللہ کے پیارے ہیں جو خود عی اگر تواریخ دباب ہیں اور ہر کام سے ناکارہ ہو چکے ہیں۔ ان کی محنت کے لیے میں نے جماعت کو مسلسل کئی سال پانچوں نمازوں کے علاوہ تجدیں میں بھی دعا کرتے دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ خلیفہ صاحب کو محنت دے۔ کراچی سے لے کر پشاور تک اتنے بکرے بلور صدقہ دیے گئے کہ اگر ان کا خون کسی دریا میں ڈالا جائے تو دہ لا لار رنگ ہو جائے مگر نہ دھائیں سنی گئیں اور نہ صدقات کام آئے۔

مجھے یاد ہے میں نے اپنے ایک دوست سے کہا کہ یا تو خلیفہ صاحب کے مظالم اس قدر ہیں کہ دھائیں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتیں یا جماعت عی رانہ درگاہِ اٹھی ہے، جس کی آہ و بکا کی اللہ تعالیٰ کے نزد دیک کوئی وقت نہیں اور وہ ان کی دھائیں سمجھائے قبول کرنے کے ان کے منہ پر مارتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ

اس جماعت کی دس سالہ دعاؤں اور صدقات سے خلیفہ صاحب کی بیماری میں ایک لختہ کے لئے بھی افاقت کی صورت پیدا نہیں ہوئی۔ اس بات نے بھی میرے دل پر خاص طور پر اثر کیا۔

مرزا بشیر احمد کا جنازہ اور ناصر احمد

خلیفہ کے چھوٹے بھائی بشیر احمد نے وفات سے قبل یہ وصیت کی کہ میرا جنازہ مولوی غلام رسول صاحب راجیکی پڑھائیں۔ ان کی اولاد کی بھی بھی خواہش تھی کہ جو کچھ ہمارے والد نے زندگی کے آخری لمحوں میں کہا ہے، اس کا احترام ہونا چاہیے۔ مگر میاں ناصر احمد نے کہا یہ ہمارے خاندان کی عزت کا سوال ہے اور زبردستی امام بن کر خود جنازہ پڑھادیا۔ آپ ان مذہبی حرکات کے پس منظر میں ان کی نعمیات کا جائزہ لئی تو میاں ناصر احمد کی ساری روحانیت شست از بام ہو جاتی ہے۔ مجھے اس بات پر بڑی حیرت ہوئی کہ اس خاندان کی عزت بھی عجیب ہے جو کسی دوسرے آدمی کے جنازے پڑھانے سے برپا ہو جاتی ہے۔ اصل بات یہ تھی کہ میاں ناصر احمد کو یہ خیال آیا کہ میرا باب تو مرنے ہی والا ہے، پھر انے مرتے وقت جنازہ پڑھانے کے لئے جس آدمی کا نام لیا ہے، اس کے متعلق لوگ خیال کرنے لگیں گے کہ میاں بشیر احمد نے اس کو زیادہ نیک سمجھ کر جنازہ پڑھانے کے لئے کہا ہے۔ کہنی ایسا نہ ہو کہ کل خلافت کے لئے بھی اس کا نام پیش ہو جائے اور ہم ہاتھ لٹتے رہ جائیں چونکہ اس خاندان کی عزت، خلافت کے ساتھ ہی وابستہ ہے، اس لیے انہوں نے یہ پیش بندی کی کہ کہنی خلافت کے پڑھانے سے ہم بے عزت نہ ہو جائیں۔

مرزا ناصر احمد کی خلافت

میاں محمد احمد نے اپنی وفات سے بہت عرصہ پہلے اپنے بیٹے ناصر احمد کو خلیفہ بنانے کے لئے راہ ہموار کرنا شروع کر دی تھی۔ انھیں وہنوں میں خطرناک لکھت کھانے کے باوجود صدر خدام الاحمد یہ بتایا گیا۔ پھر انصار اللہ کا صدر بتایا، پھر پوری امجمعن کا صدر بتایا اور مرنے سے چند سال گذرتا ان پر آسمانی نور گردیا۔ اسی "لائق" فرزند کو خلیفہ بنانے کے لئے اسلامی شوریٰ کے طریق کو منسون کر کے پوپ کے انتخاب کے طریق کو اختیار کیا گیا۔ اس صاحبزادے کو خلیفہ کن لوگوں نے چنا، خاندان کے افراد نے، صدر امجمعن اور تحریک جدید کے تنوع دار طلاز میں جو پہلے ہی میاں ناصر کے ماتحت تھے اور چند پالتو مولویوں نے۔ آپ کے لیے یہ امر باغث تجہب ہو گا کہ پاکستان میں کام کرنے والے کسی مبلغ کو ووٹ کا حق نہیں دیا گیا۔ اس انتخاب میں قاضی قیم الدین کو تو ووٹ کا حق دار قرار دیا گیا مگر اس کے استاد اور جماعت رہوں کے مشہور مناظر اور عالم قاضی محمد نزیر کو ووٹ دینے کا اعلیٰ نہیں سمجھا گیا۔

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

مرزا ناصر احمد کے روحانی کمالات

پاکستانی مبلغین کو ووٹ دینے کا حق اس لیے نہیں دیا گیا کہ وہ جناب میاں ناصر احمد کے "علی،

عملی، اور روحانی کمالات" سے خوب آگاہ تھے۔ اس تعلق میں دو باتیں ساخت فرمائیے۔

مرزا ناصر احمد کے ہاں ایک گورت بطور طازمہ کام کرتی تھی۔ ایک دفعہ ماہ رمضان میں پیغم ناصر احمد نے طازمہ سے کہا کہ آج میں بھی روزہ رکھوں گی، سحری کے وقت مجھے جگا دیں۔ سحری کے وقت جب اس خادم نے پیغم صاحب کو جگانے کی کوشش کی تو پیغم صاحب نے اس غریب گورت کو وہ ملاقات سنائیں کہ الامان اور کہا کہ تو نے میری نیند کیوں خراب کی ہے۔ تو دس بجے کے قریب پیغم صاحب بیدار ہوئیں تو طازمہ سے کہنے لگیں کہ آج تم نے مجھے جگایا تھیں، میں نے تو آج روزہ رکھنا تھا۔ وہ بھاری خاموش ہو رہی۔ اس طازمہ کا بیان ہے کہ بالکل اسی طرح میاں ناصر احمد بھی رمضان شریف کا "اجرام" کرتے ہیں۔

جب لاہور سے تعلیم الاسلام کانٹج، ریبوہ ختل ہوا تو خاصورتی کے لیے بعض پھول دار پودے بھی کانٹج میں لگوائے گئے۔ میاں ناصر احمد کانٹج کے پرپیل تھے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ریبوہ کے دھوپی فیروز نامی کا بکرا وہاں آ لکھا اور اس نے ایک آڈھ پوڈا خراب کر دیا، یا کھالیا۔ میاں ناصر احمد نے اسے وہیں ذبح کروا کر اس کا گوشت اپنے خادمان میں تضمیم کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد دھوپی بھی بکرے کی ٹلاش میں ادھر آ لکھا اور دیکھا کہ بکرے کی روح اللہ تعالیٰ کے حضور اور اس کا گوشت میاں ناصر احمد اور ان کے خادمان کا تو شہ بن چکا ہے۔ وہ گم سم کمرا تھا کہ میاں ناصر احمد نے اسے بلا کر پوچھا کہ یہ بکرا تمہارا ہے۔ اس نے ڈرتے ڈرتے اثبات میں جواب دیا تو میاں صاحب "جلال اللہی کا مظہر" بن کر اس پر بر س پڑے اور اسے ایک قرودے کر کہا کہ اسے دفتر امور عامہ میں لے جاؤ۔ جب وہ فریب دفتر امور عامہ میں پہنچا تو فرتو والوں نے اسے ہر یہ ستر روپے جسمانہ کر دیا۔ زمین کا کونہ کونہ چھان ماریئے، چماخ ہاتھ میں لے کر اکناف عالم میں گھوم جائیے، اس قسم کے اولیاء اللہ آپ کو ریبوہ کے سوا کہیں نہیں مل سکتیں گے۔

ریبوہ کے "خلافاء اور محبوبان الہی" کی ایک خاص طامت یہ بھی ہے کہ قرض لے کر دامن کرنا، گناہ تضمیم خیال کرتے ہیں۔ مجھے ریبوہ جماعت کے ایک دوست تھے۔ ان کے پاس ریبوہ کے مغلک قضا کی 29 ڈگریاں تھیں۔ جن میں سے اکثر خادمان خلافت سے متعلق تھیں اور ایک ڈگری "خالد احمدیت" کے خلاف بھی تھی۔ یہ صاحب فوت ہو چکے ہیں۔ ان کی اولاد کے پاس آج بھی یہ ڈگریاں محفوظ ہیں۔ وہ آدمی سالہاں سال میاں ناصر احمد سے تقاضا کرتا رہا کہ قضاء نے مجھے ڈگری دے دی ہے، اب تو مجھے میری رقم دے دیں۔ یاد رہے ریبوہ کا مغلک قضا خادمان خلافت کے خلاف ڈگری کا اجر اپنیں کرو اسکا کیونکہ وہ خود ان کے ماحت ہے۔ اس نے تھک آ کر مجھے کہا کہ آپ ان ڈگریوں کو کسی اخبار میں شائع کروادیں۔ میں نے اُسیں مشورہ دیا کہ آپ ان سے ایک بار ہر یہ دریافت کر لیں، اس کے بعد کچھ کریں گے۔ اس نے ظیفہ صاحب کو خلط لکھا، اس کا جو جواب خلیفہ صاحب نے دیا، وہ میں نے خود دیکھا اور پڑھا ہے۔ اس میں لکھا تھا، خدا کے رجسٹر سے آپ کا نام کاٹ دیا گیا ہے۔ اب تابعیے اس سے زیادہ بھی کوئی فریب کاری ہو سکتی

ہے کہ ایک آدمی اپنی رقم کا مطالبہ کرتا ہے، ربودہ کا محکمہ قضاں کے حق میں ذکری دیتا ہے اور ”حضور پر نور“ اس کا نام خدا کے رجسٹر سے کائیتے پھرتے ہیں۔

وہ آدمی بھی بڑا دلچسپ تھا۔ اس نے خلیفہ صاحب کو لکھا کہ ”کیا اس رجسٹر سے میرا نام کا نام گیا ہے جو آپ کے وفتر میں پڑا ہے یا اس رجسٹر سے میرا نام کاٹ آئے ہیں جو خدا کے پاس محفوظ ہے۔“
یہ صرف میاں ناصر کی بات نہیں، اس حمام میں سب ہی نگئے ہیں۔

قادیانی سے میاں محمود جب پاکستان آگئے تو انھوں نے کہا کہ قادیانی کا کوئی آدمی اپنا کلیم واخی نہ کرے کیونکہ ہم نے جلد قادیانی واپس جانا ہے۔ اس اعلان کو سختے ہی بے شمار لوگ کلیم دینے سے دست کش ہو گئے۔ ان میں سے بعض کو خاکسار نے دیکھا ہے جو آج بھی خلیفہ صاحب کے اس اعلان کی ہمکت سے دربدار کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ قادیانی کس نے جانا تھا اور کس نے جانے دینا تھا۔ بات دراصل یہ تھی کہ قادیانی کی زمین خلیفہ صاحب نے اپنے مریدوں کے ہاتھ فروخت کی ہوئی تھی، لیکن ان کے نام رجسٹر نہیں کروائی تھی۔ جیسے آج تک ربودہ میں ہوتا رہا ہے۔ اس طرح ان ظالموں نے پاکستان گورنمنٹ کو یکیں ادا نہ کر کے لاکھوں روپے کا نقصان پہنچایا ہے۔ جب ملک تعمیم ہو گیا تو جن لوگوں نے قادیانی میں زمین خرید کی ہوئی تھی، انھوں نے اس کے کلیم دینے تھے اور خلیفہ صاحب کا فرماڈ مظہر عالم پر آ جانا تھا۔ انھوں نے اس فریب کاری پر پردہ ڈالنے کے لیے مرزا صاحب کے بعض الہامات کا سہارا لیا اور اعلان کر دیا کہ ہم قادیانی واپس جائیں گے، اس لیے قادیانی کے احمدی کلیم واخی نہ کروائیں۔

ادھر لوگوں کو کلیم واخی کروانے سے منع کر دیا گیا اور دوسری طرف خود اپنی زمین کا کلیم واخی کروا کر سب کچھ الٹ کروالیا، کیونکہ گورنمنٹ کے کاغذات میں تو قادیانی کی زمین انہی کے نام تھی۔ اس طرح جماعت کو دوبارہ احتق بنا کر لوٹا۔ قادیانی میں ان سے زمین کی قیمت لے لی اور زمین ان کے نام نہ کروائی اور تعمیم ملک پر ان کو کلیم دینے سے منع کر دیا اور خود ساری جائیداد اپنے نام ختم کروالی۔

لفت توب تھا کہ جب گورنمنٹ نے ان کو زمین الٹ کر دی تھی تو ان تمام لوگوں سے کہتے کہ جتنی زمین کے تم قادیانی میں مالک تھے، اسی قدر اس زمین میں سے لے لو، جو ہمیں الٹ ہوئی ہے۔ ایک صاحبزادے نے تو ایک سینما بھی الٹ کر دیا تھا۔ کیا آپ نے دنیا کے پردہ پر اس قدر عقل و خود سے عاری کوئی جماعت دیکھی ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں کیا بلکہ بوس کلیم بھی واخی کروائے گئے اور بعض ان لوگوں نے بھی یہاں جائیدادیں حاصل کیں جو نہیں کے رہنے والے تھے۔ ان سب باقیوں کا دستاویزی ثبوت میں اپنی زیرِ تصنیف کتاب میں پیش کروں گا۔ ان شاء اللہ۔

عام قادیانی کی بے بی

ان واقعات کے مطالعہ کے بعد ممکن ہے، آپ کے ول میں سوال پیدا ہو کر ایسے حالات کے

مشابہ کے بعد لوگ انہیں چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟ اس کے حباب میں واضح ہو کر وہ ظلیفہ اور جماعت کو چھوڑ کر جائیں کیاں؟ مسلم صاحرہ کو وہ کفار کا صاحرہ سمجھتے ہیں۔ اگر ظلیفہ کے خلاف کوئی بات کریں تو ظلیفہ کے جاسوں ہر آن سائے کی طرح ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔ رشتہ داروں اور مزمنوں سے وہ "ملکیں" ہونے کی وجہ سے صحیح تعلق کر پکے ہوتے ہیں۔ اس بھروسی دنیا میں، اتمیہار جمیعتی کرنے والا بھی کوئی نظر نہیں آتا، اس لیے وہ حقائق سے باخبر ہونے کے باوجود منافع نہیں برمکرتے ہیں۔ اگر خدا غافلہ کوئی بات کر دیں تو جان سے بھی ہاتھ دھونے کا خطرہ ہوتا ہے اور ظلیفہ کی خوشبوتوی کی خاطر ہر چاہزہ و نیایا ز کام کو کاررواب بھکر کر نے والے وہاں بہت سے افراد موجود ہیں۔ اس جگہ ایک والدہ خالی اور دُبھی نہ ہوگا۔ میاں محمد کے چھوٹے بھائی میاں شریف کی فوجیوں کی پر میاں مجدہ المیان مر نے لاحدہ سے تحریرت کے لیے رہے آتا تھا۔ ان کے کسی دوست نے اُنہیں اطلاع دی کہ آپ یہاں نہ آئیں۔ آپ کے تل کا مشروب بن چکا ہے اور تابوت بھی چادر کو الیکا ہے۔ جس میں بند کر کے آپ کو چناب کی بیرون کے پرڈ کر دیا ہے گا۔ میاں مجدہ المیان مر بر جمداد اس اطلاع کے اپنے خاندان کے چھوڑو کے ہمراہ رہ جاؤ گے اور تحریرت و فیرہ سے قارئ ہو کر شام کو وہیں لاہور پڑے گے۔ رہائی ہی۔ آئی ڈی کے چاہوں نے خیال کیا کہ آپ ابھی دامنی نہیں گئے بلکہ سینیں اپنی ہماقی کے گمراہ قیام پر ہیں اور رات بھیں گزوی ہی گے۔ چانپ ان کی ہماقی کے مکان کے اندر گرد طبع لاک پورے بدحاش مکوا کران کی ذیوفتنی کا دی گئی اور اُنہیں بڑا ہات کی گئی کہ بات کو جو آئی اس مکان سے باہر لٹکے اسے قابو کرلو اتفاق لیا جاؤ کہ کسی ضرورت کے لیے میاں رشید اور باہر لٹکے اور بدحاشوں نے اُنہیں اچک لیا۔ وہ شدھ ہاتے نہ ہے کہ میاں رشید ہوں۔ انہوں نے کہا ہمیں نہیں پوچھ کون ہو۔ جب بدحاش اُنہیں امور عالم کے دفتر میں لے کر آئے تو پہنچا کر یہ قمیں مجدہ المیان نہیں۔ آخران کی ہماقی کے گمراہ میں گس کر مکان کی ٹھانی لی گئی بلکہ سادہ والے مکان کی بھی ٹھانی لی گئی کہ وہ کہیں بھاگ کر اہر نہ آگئے ہوں۔ مستورات جو خلاف اور جسے چڑی تھیں، ان کے اوپر سے خلاف کھینچ لے گئے۔ جب ہر طرح سے ناکاہی ہوئی تو کہنے لگے۔ خدا ہجھے سے کل گما ہے۔

آپ فرمائیں کہ ایک شخص تحریرت کے لیے آتا ہے۔ وہ ظلیفہ کا رشتہ دار بھی ہے۔ اس کا باپ ظلیفہ کا استاد ہے۔ ایک مرگ کے موقع پر اس کے تل کا پوک گرام ہنا کس قدر قیامت گئی ہے کیا انکی شنیدی کی کوئی مثال دنیا میں موجود ہے؟ انہی صاحب کا ایک اور واقعہ بھی سن لیجئے۔ میاں محمد یہ پہ کے دوسرے سے والیں آنے والے تھے۔ ان کی خاافت اور استقبال کے لیے ایک کمیٰ ترتیب دی گئی۔ جس کے ایک ممبر میاں مجدہ المیان صاحب بھی تھے۔ میاں ناصر احمد نے چھڑھری مجدد عبداللہ صاحب سابق صدر عموی رہے کو اُنہیں بڑائے کے

لیے بیجا۔ انہوں نے شمولیت سے مخدود کر دی۔ وہ پھر دوبارہ آئے اور باوجود ان کے دوبارہ مخدودت کرنے کے وہ پیشے رہے اور کہنے لگے میاں ناصر احمد نے مجھے کہا ہے کہ اگر تم اسے ساتھ لے کر نہ آئے تو میں جمیں جماعت سے خارج کروں گا۔ اس لیے آپ میرے ساتھ ضرور چلیں۔ ایسا نہ ہو کہ میں جماعت سے قارغ ہو جاؤں۔

جب یہ میاں ناصر احمد کے مکان پر پہنچے تو میاں ناصر احمد جلدی سے ان کے لیے گمراہ شربت لانے کے لیے گئے۔ انہوں نے بہت کہا کہ مجھے پیاس نہیں گردہ اندسے ایک شربت کا گلاں لے آئے اور اصرار کرنے لگے کہ آپ اسے ضرور چلیں۔ میاں عبد المتن عرنے صرف ایک گھونٹ اس گلاں سے لیا۔ گمراہ میں آئے ہی انہیں عجیب و غریب حرم کی تھے آئی۔ اس موقع پر ایک طبیب بھی تھے مجھے۔ انہوں نے ملاحظہ کے بعد بتایا کہ آپ کو زہر دیا گیا ہے۔ (یہ روایت مجھے سے کئی دوستوں کے درمیان خود میاں عبد المتن عرنے پیان کی) اب آپ خور فرمائیں کہ کوئی کس طرح حق گولی کی جرأت کر سکتا ہے؟ حسن بن صباح کے باپ کو بھی آدمیوں کو قتل کرنے کے وہ شخص یاد نہ ہوں گے جو ان نام نہاد خلیفوں کو یاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو ان کے شر سے بخوبی رکھے۔

ایک قصہ ”آپ نبی“ سے

واقعات تو بے شمار ہیں انہیں کہاں سمجھ لکھتا جاؤں۔ آخر میں اپنا قصہ بیان کرنا ہوں۔ 1970ء میں ہم تینوں بھائیوں کو ربوہ بلایا گیا۔ پہلے تو ہر کوئی بھی سمجھا کہ شاید مجھا کیلئے ہی کو بلایا گیا ہے۔ اتفاق کی بات ہے سب سے پہلے میں ہی ربوہ پہنچا اور دفتر سے معلوم کرنے کی کوشش کی کہ مجھے کیوں بلایا گیا ہے؟ گر کی نے کچھ نہ بتایا۔ آخر میرے ایک دوست نے بتایا کہ امور عامہ کے ناظر تمہارے دفتر میں آئے تھے۔ انہوں نے آپ کے ناظر سے کوئی بات کی ہے جس کے بعد آپ تینوں بھائیوں کو ربوہ آنے کے لیے تاریخیے گئے ہیں۔ جب ہم اسکے ہوئے تو سب سے زیادہ حیرت ہیں اس بات پر تھی کہ ہم نے کسی جرم کا ارتکاب تو کیا نہیں، ہمیں بلایا کیوں گیا ہے۔ اسی دوران میں، میرے ایک دوست نے اطلاع دی کہ آپ لوگوں پر ایک زبردست کیش بخایا گیا ہے۔ اس اطلاع نے ہمیں خوبی حیرت میں ڈال دیا، کیونکہ ہمیں کوئی علم نہ تھا کہ ہمارا قصور کیا ہے اور کیش نے ہم سے کیا دریافت کرنا ہے؟ بلا خر ہم تینوں بھائی باری باری کیش کے رو برو چھیٹ ہوئے۔ ان کے سوالات سے ہم پر یہ امر واضح ہوا کہ خلافت ماب کو اپنی خلافت کے پائے لرزتے نظر آ رہے ہیں۔ وہ کسی طرح یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ہم ظیفہ صاحب کی پر نسبت میاں رفیع احمد کے ساتھ زیادہ قطع رکھتے ہیں۔ جب انہیں اس حالت میں خخت ناکا کی ہوئی تو اتفاقاً میرے چھوٹے بھائی کو ملازمت سے قارغ کر دیا گیا اور ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم اس سے قطع تعلق کر لیں۔ نیز ہمیں یہ بھی کہا گیا کہ آپ دلوں بھائی ربوہ آ کر دفتر اصلاح و ارشاد میں کام کریں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

کیم اگست 1970ء کو ایک ترمیتی کلاس ہونے والی تھی۔ جس میں پاکستان بھر سے مردوں اور عورتوں نے شرکت کرنی تھی۔ میاں ناصر احمد کی منظوری سے مجھے اس کلاس کا انچارج مقرر کیا گیا۔ جس روز کلاس کا انقلاب ہوتا تھا، میں مختلف کاغذات لے کر ابھی مسجد سے باہر ہی کھڑا تھا کہ ایک آدمی نے مجھے پیغام دیا کہ آپ دفتر چل کر بیٹھیں۔ میں نے جواب دیا کہ میرے پاس تو سارا پوگرام ہے، میں دفتر جا کر کیا کروں گا؟ اتنے میں ایک اور ووست آئے اور کہنے لگے، مولوی ابو العطا صاحب کہتے ہیں کہ آپ دفتر میں جا کر بیٹھیں۔ مجھے کچھ سمجھنا آیا کہ یہ صاحبہ کیا ہے؟ ختم میں وہاں سے دفتر چلا آیا۔ ابھی میں نے کاغذات میز پر رکے بھی نہ تھے کہ ایک میٹنگ صاحب برہنہ پا دوڑتے ہوئے آئے اور کہنے لگے مولوی ابو العطا صاحب نے کہا ہے کہ آپ اس احاطہ سے باہر چلے جائیں۔ مجھے اس پر بلاطیش آیا اور میں کاغذات وہیں پھینک کر اصلاح و ارشاد کے دفتر میں آ گیا۔ کیا وہ کہتا ہوں کہ یہ بھائی صاحب، وہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ مجھے کہنے لگے آپ تو اس کے انچارج ہیں، ادھر کیسے؟ میں نے انھیں سارا واقعہ سنادیا۔ میرے دریافت کرنے پر وہ کہنے لگے، مجھے انھوں نے کہا ہے کہ آپ وہاں سے اپنے دفتر چلے جائیں اور میں وہاں سے چلا آیا ہوں۔ خیر ہمیں اس بات کا احساس ہوا کہ وال میں کچھ کالا ضرور ہے۔

ہمارے آنے کے بعد میاں ناصر احمد نے اپنی انتہائی تقریر میں ہمارے چھوٹے بھائی پر غانتہ خدا میں کھڑے ہو کر یہ افترا پردازی کی کہ وہ میرے دورہ افریقہ کے دوران بدوعائیں کرتا رہا ہے کہ میرا جہاز Crash ہو جائے، اور اس کے بیٹے بھائی کو یہاں انچارج مقرر کیا گیا تھا۔ ایسے لوگوں سے جو ظیفہ کے سقط بدوعائیں کرتے ہیں، یا ان کے بھائی بند ہیں، آپ لوگوں کو کیا روحاںی قائدہ پہنچ سکتا ہے؟

انقلاب کے بعد بھائی قابضدار صدیع زہمانیزی ہمیں بلا کر کہنے لگے، آپ کو طلازت سے فارغ کر دیا گیا ہے اور آج شام سے پہلے پہلے آپ رہو سے چلے جائیں۔ ہم نے پوچھا ہمارا قصور کیا ہے؟ کہنے لگے وہ جہاز والا واقعہ۔ ہم نے کہا ہمیں تو کسی جہاز کا علم نہیں اور نہ ہم کسی جہاز کے پائلٹ تھے۔ کہنے لگے حضور نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ گویا ان کے "حضور" جو کہہ دیں اس پر کسی محتکوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہم نے ان سے کہا آپ ہمارا پر اویٹنٹ قٹڈے دیں، ہم چلتے جاتے ہیں۔ کہنے لگے صر کے وقت پڑھ کرنا۔ صر کے وقت جب ہم اس قدریانی انس۔ ایج۔ او کے مکان پر گئے تو ہمیں روحانیت سے کہنے کا تم کون ہو؟ جاؤ جا کر اپنے ناظر سے پڑھ کرو۔ ہم اپنے ناظر کی طرف جا رہے تھے کہ راستہ میں ہی ان سے ملاقات ہو گئی۔ وہ قطبی سلیک سے بھی پیزار نظر آئے، کہنے لگے مسجد میں اعلان ہو گیا ہے، اب ہم آپ سے محتکوںہیں کر سکتے۔ میں نے کہا آپ بیکٹ مکٹکوںہ کریں، ہمارا پر اویٹنٹ قٹڈے ہمیں دے دیں۔ کہنے لگے آپ اس وقت چلتے جائیں، ہم بعد میں آپ کو گھر کے پڑھ پر بھجوادیں گے۔ ہم نے کہا اگر ہمیں ضرورت ہو اور ہم جلد لیتا چاہیں تو ربوہ آنے کی کیا ستمبل ہے۔ وہ ہمارے ساتھ ہمانیزی صاحب کے مکان پر آئے۔

انھوں نے کہا، ربوہ آنے کے لیے پہلے یہ درخواست دیں کہ ہم یہاں آنا چاہتے ہیں، اگر ہم اجازت دیں تو آ جائیں۔ گویا ربوہ پاکستان کے اندر ایک خود مختاریت ہے جس میں انسان ویراستے پر عی داصل ہو سکتا ہے۔ ہم نے کہا اس وقت تو ہم گرفتاریں بخیج سکتے۔ کہنے لگے، احمد گھر پڑے جائیں، یہ ربوہ سے دو میل کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے، مگر ہمارے وہاں بخیج سے پیشتر، یہ وہاں کی جماعت سے کہہ آئے کہ ان کے آنے پر کوئی آدمی ان سے کسی قسم کی گفتگو نہ کرے۔

عبدالعزیز بھانبری صاحب کے تعارف میں ایک بات کا لکھنا بہت ضروری ہے۔ وہ یہ کہ ربوہ جماعت کے ایک امیر جماعت کا مقولہ ہے کہ اگر غبیث ترین دس انسپکٹر پولیس ایک طرف ہوں تو بھانبری اکیلا ہی ان پر بھاری ہے۔ میں اس پر حلف اٹھا سکتا ہوں کہ انھوں نے یہ بات مجھے کہی تھی۔ یہ اپنی خبائشی خوبیوں کے باعث خلیفہ صاحب کے خاص معتقد ہیں۔ حق ہے انسان اپنی سوسائٹی سے پہچانا جاتا ہے۔

قصہ کوتا یہ کہ اس اعلان کے بعد میں نے میاں ناصر احمد کو چھپی لکھ کر میلہ کا جھنچ دے دیا۔ مگر آپ جانتے ہیں میدان میلہ میں قدم رکھنا بزرگوں کا کام نہیں۔ میاں ناصر احمد اس جھنچ کے بعد یوں خاموش ہوا جیسے اسے سانپ سوکھ گیا ہو۔ اس دوران میرے دوست مجھے ملتے رہے اور بعض از راه ہمدردی یہ مشورہ بھی دیتے رہے کہ آپ "حضور" سے معافی مانگ لیں۔ میں نے انھیں جواب دیا کہ میں ایک کذاب اور مفتری کے آگے جھکنا اپنی توہین سمجھتا ہوں۔

راہ خودداری سے مر کر بھی بھک کئے نہیں
ٹوٹ تو کئے ہیں ہم لیکن پچ کئے نہیں
اس کے بعد میں نے کہیں اس جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی۔

ایک دفعہ ہم تینوں بھائیوں کو لاہور جانے کا اتفاق ہوا تو ہم احمد یہ بلڈنگ میں بھی چلے گئے۔ انہوں کے جزوں سیکریٹی سے طاقتات ہوئی، کچھ مخفی گفتگو بھی ہوئی۔ سیکریٹی صاحب نے اس خواہش کا اٹھا کر کہ ہم ایک دو دن احمد یہ بلڈنگ میں قیام کریں۔ چنانچہ ہم ان کی خواہش کے احراام میں وہاں ٹھہر گئے۔ بعض دوست ربوہ جماعت کے بالمقابل مولوی محمد علی صاحب کے علمی کمالات کا اٹھا کر بھی کرتے رہے، جنھیں ہم نہایت خاموشی سے سنتے رہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ہم لاہوری جماعت کے علم کلام سے کچھ متاثر نہ ہوئے۔ اس کے بعد نہیں دوبارہ دعوت دی گئی اور ہم کئی روز بک روز انہیں نوبجے سے بارہ بجے تک ایک قابل لاہوری سے گفتگو کرتے رہے اور وہ نہیں اپنے عقائد کی صحت کے متعلق سمجھاتے رہے۔ آخر یہ بھجو کر کہ یہ جماعت، ربوہ جماعت سے اچھی ہے، کیونکہ ختم نبوت کی مکفر نہیں، اجرائے نبوت کی قائل نہیں، مرزا صاحب کو نبی ماننے سے انکاری ہے اور مکفر مسلمین سے مختسب رہتی ہے۔ ہم میاں عبدالمنان مذکور کے پر زور اصرار پر اس جماعت میں شامل ہوئے مگر چند دن بعد ہمیں یہاں اپنی اخلاق کی قسمی کمل گئی۔

ایک سازش کا اکٹھاف

ربوہ والوں کو جب اس بات کا علم ہوا کہ ہم لاہوری جماعت میں شامل ہو گئے ہیں تو ایک دن ان کے مبلغ محدث فتح اشرف جبکہ ہم مولیٰ دروازہ باغ میں جلسہ سن رہے تھے، وہاں ہم سے ملنے آگئے اور میرے بڑے بھائی سے علیحدگی میں گفتگو کرنے لگے۔ میں نے جب ان کی گفتگو میں شمولیت کرنا چاہی تو مبلغ صاحب، طرح دے گئے۔ کہنے لگے ہم چونکہ آپ سے بڑے ہیں اور کچھ علیحدگی میں باقی میں کرنا چاہتے ہیں، اس لیے آپ ہم سے الگ رہیں۔ میں الگ ہو کر جلسہ سفارہ میں کوئی ذیورہ دو گھنٹہ کی گفتگو کے بعد بھائی صاحب واہم آئے تو میں نے ان سے دریافت کیا کہ مبلغ صاحب کیا کہتے تھے؟ کہنے لگے وہ کہتے ہیں کہ خلیفہ صاحب نے آپ کے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس پر سب اہل ربوبہ نے اکٹھار افسوس کیا ہے، دفتر بھی چاہتا ہے کہ آپ لوگ واہم آ جائیں۔

اب آپ لوگ اس طرح کریں کہ چودھری قفراللہ خاں کے چھوٹے بھائی اسداللہ خاں کی کوشی پر مسح ملکی جائیں۔ وہاں سارا پروگرام ترتیب دے کر یہ سب محالہ ٹھیک کر دیا جائے گا۔ مگر ساتھ ہی یہ شرط بھی لگادی کہ مرزا اسمیم آپ کے ساتھ نہیں ہونا چاہیے اور چودھری اسداللہ سے کہہ دینا کہ ہمیں مبلغ صاحب نے بھجوایا ہے..... جب بھائی صاحب نے یہ بات سنائی تو میں نے کہا یہ ایک سوچی بھی سازش ہے، آپ ہرگز وہاں نہ جائیں۔ پہلے تو وہ نہ مانے جب میں نے دلائل سے ثابت کیا کہ یہ سازش ہے تو انہوں نے وہاں جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ میں نے بھائی صاحب سے کہا کہ پہلے تو یہ بات ہر سرے سے فلٹ ہے کہ اہل ربوبہ خلیفہ کے فیصلے پر برائیار ہے ہیں، انہوں نے ایسا اکٹھار کر کے جوئے کھانے ہیں پھر جبکہ ہمارا بائیکاٹ ہو چکا ہے، ایک مبلغ کی کیا جسارت ہے کہ وہ ہم سے گفتگو کرنے تیرے مبلغ کا یہ کہنا کہ چودھری اسداللہ خاں کو یہ کہہ دینا کہ ہمیں مبلغ نے آپ کے پاس بھجوایا ہے، اسے اس بات کی ضرورت کیا ہے کہ وہ اسداللہ خاں کے لوٹ میں یہ بات لائے کہ میں ایسے آدمیوں سے بولا ہوں، جن کا خلیفہ نے مقاطعہ کیا ہے، کیا آپ امراء اور مبلغین کے تعلقات سے آگاہ نہیں۔ پھر یہ شرط عائد کرنے کی کیا ضرورت ہے کہ مجھے آپ کے ساتھ نہیں ہونا چاہیے۔ بھائی صاحب کو کچھ آگئی کہ محالہ اتنا سیدھا نہیں ہتنا میں سمجھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے شرے محفوظ رکھنے کے لیے ہماری اس طرح موفرمائی کر ربوبہ سے ہمارے ایک عزیز نے ہمارے ایک بھی خواہ (یہ صاحب خلیفہ صاحب کے نہایت قریبی عزیزوں میں سے ہیں) کو خبر دی کہ ان بھائیوں کو زہر دینے کا منصوبہ طے پاچا ہے۔ لہذا جس قدر جلد ممکن ہو سکے آپ انہیں اطلاع کریں، کہیں وہ لقراء بلند نہ بن جائیں۔ یہ گفتگو مبلغ صاحب نے عشاء کے بعد ہم سے کی اور وہ بھتی بھتی اسی رات ربوبہ سے لاہور آئی۔ صحیح ہم اپنے کمرے میں بیٹھے تھے کہ ہمیں ایک ٹلی فون آیا کہ فوراً میرے گھر پہنچو۔ چنانچہ ہم اپنے اس بھی خواہ کے گھر گئے، میں نے اُنہیں گزشتہ شب کا قصہ سنانا شروع کر دیا۔ انہوں نے ساری

گفتگوں کر کہا کہ آپ کے متعلق یہ فیصلہ ہو چکا ہے اور آج اس کی تحریک بھی ہو جانی تھی، اچھا ہوا آپ نہیں گئے۔ میں آپ کو یہ صحت کرتا ہوں کہ کسی ربوائی سے کوئی چیز نہ لیں، یہاں تک کہ سادہ پانی بھی نہ بخکش۔ چنانچہ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہم پر ان کی سارش کا انکشاف کر کے ہمیں بچالیا۔

لاہوری جماعت کی حقیقت

اس بات کا تذکرہ تو جملہ مחרضہ کے طور پر آگیا تھا اب لاہوری جماعت کی سنئے۔ اس جماعت کے بانی مولوی محمد علی صاحب ہیں۔ انھیں خیال تھا کہ حکیم نور الدین کی وفات کے بعد انھیں مرزا صاحب کا جائشیں بنایا جائے گا۔ جب ان کی اس خواہش کی تحریک نہ ہو سکی 1914ء میں لاہور آگئے اور ایک اجمن کی بنیاد رکھی اور اس کے پہلے امیر قرار پائے۔ مسلمانوں میں نفوذ حاصل کرنے کے لیے انھوں نے مرزا صاحب کی نبوت سے انکار کر دیا اور کہا کہ چونکہ میاں محمود، مرزا صاحب کو نبی مان کر مسلمانوں کی تکفیر کرتا ہے، اس لیے ہم اس سے علیحدہ ہو گئے ہیں۔

اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہوتا چاہیے کہ مولوی محمد علی صاحب جناب مرزا صاحب کو نبی مانتے رہے ہیں اور اس سے انکار کرنا، ہوا میں گردہ لگانے والی بات ہے۔ بہر کیف لاہور آ کر ان کی جائشی کی خواہش کی حد تک پوری ہو گئی۔ اس جماعت کے ہر فرد کا یہ دعویٰ ہے کہ ہمارے عقائد جمیع الامم اسلام سے اچھے ہیں اور واقعی یہ اتنے اچھے ہیں کہ انھیں سوائے چند آدمیوں کے اور کوئی قول کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتا۔

چند سال بعد مولوی محمد علی صاحب نے ایک تفسیر ”بیان القرآن“ کے نام سے شائع کی جو حقیقت میں حکیم نور الدین صاحب کی ہے۔ مگر مولوی صاحب کا یہ کمال ہے کہ انھوں نے اسے اپنے نام سے شائع کیا ہے۔ اس میں کچھ تصرفات بھی مولوی صاحب نے کیے ہیں اور جہاں جہاں مولوی صاحب نے اپنے اہم قلم کی جولائی دکھائی چاہی ہے، وہیں منہ کی کھائی ہے۔

عربی زبان سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اس کے بعض محاورات کا ترجمہ بھی غلط کیا ہے۔ ان سب امور کا مفصل تذکرہ میں اپنی کتاب میں کروں گا۔ ان شاء اللہ

اس جماعت کو جماعت کے نام سے موسوم کرنا لفظ جماعت کی توہین ہے، یہ تو چوں چوں کا مرہب ہے۔ اس جماعت کی پاگ ڈور مولوی محمد علی صاحب کے رشتہ دار سرماہی داروں کے ہاتھ میں ہے جن کی ”روحانی کارگزاریوں“ کا تذکرہ بھی کمکی ملکی اخبارات میں بھی شائع ہوتا رہتا ہے۔ پارٹی بازی نے اس نام نہاد جماعت کا ہیڑا اغرق کر دیا ہے اور یہ بالکل ایک جد بے روح ہے، جو چندہ آتا ہے وہ میثکوں کی نذر ہو جاتا ہے۔ سال کے 365 دنوں میں اس جماعت کی 366 میثکیں ہوتی ہیں اور نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات اور مرغ کی ایک ٹاگ۔

جس طرح ربودہ میں میاں محمود کا خاندان جماعت کے ہر شعبہ پر حاوی ہے، اسی طرح یہاں مولوی محمد علی صاحب کے خاندان کا حال ہے اور وہ اس انجمن کو اپنا اور شیخیاں کرتا ہے۔ مولوی صاحب کے رشتہ داروں میں سے ایک اینٹ آبادی ”خان بہادر“ ہیں، جو آرزوئے امارت کو سینہ سے لگائے، گارڈن ٹاؤن میں ذیڑھ اینٹ کی ایک الگ مسجد ہنا کر یہاں برا جان ہو گئے ہیں اور مع خاندان اس تک میں ہیں کہ کب مولوی صدر الدین صاحب کو پیغام اجل آئے اور میں عروں امارت سے ہمکنار ہوں۔ جہاں ”خان بہادر“ صاحب میں اور بہت سی ”اچھی صفات“ ہیں، وہاں یہ افتراض پروازی میں بھی اپنا ہائی نہیں رکھتے اور ایک دفعہ جھوٹ بولنے کے بعد ان سے اس کا اعتراف کرنا مشکل ہی نہیں، نامکن ہے۔ بہر حال ہمیں ان کی مستقل مزاجی اور جھوٹ پر ثابت قدمی کی داد دینی پڑتی ہے۔

آزاد کشمیر اسلامی نے جب قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کی قرارداد پاس کی تو خاکسار نے چند مگر دوستوں کے دستخطوں کے ساتھ ایک درخواست انجمن کے جزل سیکرٹری کو بھجوائی کہ آپ جماعت ربودہ سے علیحدگی کا اعلان کریں کیونکہ ہم مرزا صاحب کی نبوت کے قائل نہیں، نہ قائم نبوت کے مذکور ہیں، نہ اجراء نبوت کو مانتے ہیں، نہ غلط مسلمین کرتے ہیں۔ مگر اس جماعت کی منتظر نے یہ فیصلہ کیا کہ ہم ربودہ والوں سے علیحدگی کا اعلان نہیں کریں گے۔ مجھے اس وقت سمجھ آئی کہ یہ جماعت اپنے انکار و نظریات میں یکیتہ منافق ہے۔

1974ء میں جب مسلمان قادیانیوں کی دلوں بیانات کے خلاف شعلہ جوالا بنے ہوئے تھے، خوکیپس کے ایک طالب علم کا خط بخت روزہ ”چنان“ میں شائع ہوا۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ جامدہ مجاہب کے قریب مرزا صاحب کا ایک اڈہ ”دارالسلام“ کے نام سے تحریر ہوا ہے اور یہاں سے ہوشیاروں میں انتشار پڑتی ہے کیا جاتا ہے تاکہ مسلمانوں کی نسل کو گمراہ کیا جائے۔ جب مجھے اس خط کا علم ہوا تو میں نے بعض دوستوں سے گفتگو کی کہ اس خط کا جواب انجمن کی طرف سے دیا جائے اور یہ امر واضح کر دیا جائے کہ ہمارا اہل ربودہ سے کوئی تعلق نہیں۔ جب اس خط کا جواب لکھ کر ہمیہ ٹکڑے نے سیکرٹری صاحب کی خدمت میں دستخطوں کے لیے پیش کیا تو سیکرٹری صاحب نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا اور وہ خط بغیر دستخطوں کے ایڈیٹر ”چنان“ کو ارسال کر دیا گیا۔ جب یہ خط آنا شوش مرجم کو ملا تو انہوں نے بتایا کہ آپ کے دفتر سے ایک خط بغیر دستخطوں کے آیا ہے۔ میں ایسے گرام خطوط شائع نہیں کیا کرتا مگر بیچ میں اسے شائع کر رہا ہوں اور ساتھ ہی کہنے لگے مجھے معلوم ہو رہا ہے کہ انجمن کے دفتر میں کوئی بڑا بے ایمان اور ربودہ کا اینٹ پیٹھا ہوا ہے۔ جو اب کہا گیا کہ آپ کا قیاس بالکل صحیح ہے۔ اگر اس جماعت نے اس آدمی کو سیکرٹری شپ نہ دی تو یہ ربودہ کے لئے خاندان میں مر جنسی پیس رہا ہوتا۔

آپ اس بات پر تجھب ہوں گے کہ آخ سیکرٹری کو دستخط کر دینے سے کیا تکلیف ہوتی تھی؟ تو واضح رہے کہ سیکرٹری انجمن کا وہی عقیدہ ہے جو اہل ربودہ کا ہے بلکہ ساری انجمن کا وہی عقیدہ ہے۔ اگر نہیں تو

انہوں نے اہل رہبہ سے علیحدگی کا اعلان کیوں نہیں کیا۔ ورنہ مجھے بتایا جائے کہ سیکرٹری نے اپنی اجمن کے عقائد پر دھنکت کیوں نہیں کیے۔ کیا جماعت نے اس قتل پر اس سے جواب ملی کی؟ ہرگز نہیں۔ کیا سیکرٹری کے اندر یہ جوأت ہے کہ وہ ماہناہ ایک ہزار روپیہ مشاہرہ اور رہائش کے لئے ایک پورا اوارہ قابو کر کے اس اجمن کے عقائد کی خلاف ورزی کر سکے۔ صاف ظاہر ہے کہ سب نے ملی بھجت کی ہوئی ہے۔ میں نے خود اس جماعت کے ایک لیڈر سابق پولیس آفیسر سے متعدد مرتبہ سنائے کہ اگر میاں محمود کا خاندان طیفہ نہ بنے تو ہم ان کی بیت میں شال مونے کو تیار ہیں۔ اس بات سے یہ اصرار بخوبی واضح ہوتا ہے کہ 1914ء میں اہل بھج اقتدار کی تھی۔ اگر ایسا نہ تھا تو یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ ہم صرف ایک شرط پوری کر دینے پر ان کی جماعت کے ممبرین جانے کو تیار ہیں۔

پاکستان بھی اسیلی میں چیل ہونے کے بعد جب ہم لاہور والیں آئے تو جماعت کے بعض افراد سے ہم نے طرح طرح کی باتیں میں گرم ہم عدا خاموش رہے۔ چند ماہ بعد ایک بیٹھ کی ہجروں ملک روانگی پر مقامی جماعت لاہور کی طرف سے اس کے اہزاد میں ایک جلد منعقد کیا گیا۔ میں عموماً مقامی جماعت کے جلوسوں میں شمولیت نہیں کرتا تھا مگر اس دن ایک دوست کے اصرار پر جلد میں شال مونے کیا۔ مقامی جماعت لاہور کے صدر جو کمل ہونے کے باوجود ایک مل اخذ کے پرنسپل سیکرٹری ہیں، انہوں نے میاں ناصر احمد کی طرح خانہ خدا میں کھڑے ہو کر صریح خطا میانی سے کام لیتے ہوئے ہم پر یہ الزام عائد کیا کہ ہم نے جماعت لاہور کے عقائد کو بھیل اسیلی میں سخ شدہ صورت میں ریکارڈ کروایا ہے۔ اس پر میں نے اچھا جا اجمن کے سیکرٹری کو چھپی لکھی کہ میں اس وفد کا ایک ممبر تھا جو بھیل اسیلی میں چیل ہوا تھا، اس لیے میں ذاتی علم کی ہمارے کہتا ہوں کہ مقامی جماعت کے صدر خط نہایات ذھنی سے افتر اپردازی کی ہے۔ اب یا تو وہ اس الزام کا ثبوت پیش کرے یا بھروسہ دیگر محاذیں مانگے لوراں چھپی کی نقول میں نے عقید جماعتوں کو بھی ارسال کیں۔ سیکرٹری صاحب نے اپنی مسونخ فطرت کے میں مطابق کمال بدیوانی سے مجھے یہ جواب بھجوایا کہ مقامی جماعت کے صدر نے بھیل اسیلی میں داخل کردہ بیان پر تبصرہ کیا ہے۔ مجھے ان کی اس خط میانی پر بڑا میں آیا اور میں نے انھیں لکھا کہ اسیلی میں داخل کردہ بیان تو ایک کافی بھی فضل دستاویز ہے، اس پر تبصرہ چھپتی دار ہے؟

جب سیکرٹری صاحب نے دیکھا کہ میری کذب بیانی پر منبوط گرفت ہوئی ہے تو دھرے وہ انہوں نے مقامی جماعت کے صدر کا ایک مخدود نام بھجوایا، جو عذر گناہ بدر از گناہ کی مثال تھا۔ میں نے اس مخدود نام پر جو حکم کر کے لکھا، یہ مخدود نہیں بھیل القاعد کے طور پر میا اڑائے گئے ہیں۔ اس کا الزام دو حال سے خالی نہیں۔ یہ الزام چاہے یا جھوٹا، اگر چاہے تو ثبوت پیش کریں اور اگر جھوٹا ہے تو محاذیں مانگے۔ اس پر سیکرٹری صاحب نے مجھے دفتر میں جلایا اور کہا کہ آپ نے ساری جماعت

میں ایک خطراب بیدا کر دیا ہے۔ آپ ذرا سیکھی صاحب کی دیانت ملاحظہ فرمائیں، جو آدمی ایک مجھ
عام میں کسی پر جمعنا الزام لگاتا ہے، وہ اُن کا دلیٹا ہے اور جو آدمی اس الزام کا ثبوت طلب کرتا ہے، وہ
جماعت میں خلقشار بیدا کرتا ہے۔

تمہاری زندگی میں آئی تو حسن کہلانی

” تیرگی جو مرے نامہ سیاہ میں ہے

اس قسم کی اتنی سخشن اُبجمن کے سیکھی کی کھوپڑی میں عیسیٰ ساکنی ہے اور کسی میں یہ بنا
کہاں ہے۔ ہاں اس کے ساتھ سیکھی صاحب نے مجھے یہ بھی کہا کہ میں نے اور ڈاکٹر سید احمد نے اس کو
سرپرداش کی ہے۔ میں نے کہا مجھے اس بات کی سمجھنیں آسکی کہ الزام تو جلد عام میں لگایا جا رہا ہے اور
سرپرداش کی کے ڈرائیکٹر یونیورسٹی کی جاری ہے۔ ان دھومن باتوں میں کوئی مانسیت نظر نہیں آتی۔

بہر کیف میں سمجھ گیا کہ اگر اس جماعت کے حقاً کو وہی ہوتے، جن کا یہ پرچار کرتی ہے تو یہ
بیٹھ اصلی میں چیزیں ہونے والے ڈیلی گیعنی پر الزام نہ لگاتی، کیونکہ ڈیلی گیعنی نے تو وہی حقاً کو ڈیلیں کیے
تھے جن کا انہمار یہ لوگ کرتے ہیں۔ بہر حال میں نے ان لوگوں کا تعاقب جاری رکھا، تو انہوں نے ایک
تحجیجاتی کمیشن قائم کیا مگر وہ صرف کاغذات میں عیا ہوا۔ ان کو اس بات کا پڑھ مل گیا تھا کہ اب یہ ہمارا
ہماڑہ چورا ہے میں پھوڑ دیں گے۔ چھ ماہ تک میری ان کے ساتھ سکھش ری کی آپ مجھے اپنے حقاً کو
تباہیں جو سچے ہوئے ہیں مگر وہاں ایک خاصی تھی، سب کے جواب میں۔ مناسب مطہم ہوتا ہے کہ میں
اُبجمن کے اس سیکھی کا سرپا یا بھی لکھ دوں جس کی ساری عمر در فیر پچھہ سائی کرتے گزری ہے۔

” فیر پر ہیئت مر جکائے دکھا

کوئی ایسا داغ بجهہ میرے نام پر نہیں ہے

۔ دراصل یہ جماعت لاہور کا عزیز بہمانیزی ہے۔ پستہ قد، گردان کتاب، چنپا تاک، لب بیف، برگ،
آنکھیں زنبور اصر، رنگ سیاہ، دل سیاہ، روح سیاہ، گفتار نامحکامہ، کروار مناقشانہ، طبیعت فکاری، حراج
بچپانی، یہ ہے لاہوری اُبجمن کا سیکھی۔

ایک لاہوری ولی کو دعوت مبلطفہ

اب اس بکھست کا بدل لینے کے لیے سب نے مشورے کر کے ایک ایٹ آبادی ”ولی اللہ“ کو
آئے کیا۔ جس نے اپنی دلاحت کے زور پر ایسے ایسے جمبوت تصنیف کیے کہ بس لطف عی آگیا۔ یہ صاحب
بھی اپنے آپ کو مجدد سے کم نہیں سمجھتے۔ انہیں صرف تمیں باتوں کا شوق ہے۔ ایمیر جماعت بننے کا، نماز
پڑھانے اور درس دینے کا۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ ان تینوں باتوں کی الیت ان کے اندر موجود نہیں۔
میں نے رہبہ والوں اور لاہور والوں میں ایک فرقہ دکھا ہے۔ رہبہ میں جو شخص کو بھی کھائے، اسے الہام

شروع ہو جاتے ہیں اور لاہور میں جو الف، ب پڑھ جائے وہ اپنے آپ کو ضرر قرآن سمجھنے لگتا ہے۔ اس ایبٹ آبادی ”ولی اللہ“ نے ہمارے خلاف ایک پھلٹ شائع کیا اور کمال مہربانی سے مجھے بھی بچوایا۔ میں نے اس پھلٹ کو پڑھ کر اس کا جواب لکھا اور اس نام نہاد ”ولی اللہ“ کو مبلغ کا جعلیج بھی دیا اور لکھا کہ اب ہم میں سے جو میدان مبلغہ میں حاضر نہ ہو، اس پر خدا کی لعنت، مگر آج تک انھیں میرے سامنے آئنے کی جوائیں نہیں ہوئی۔ اس کے بعد، میں نے متعدد خلوط لکھے کہ آپ نے جو اذامات کا گئے ہیں ان کے ثبوت دیجئے۔ باوجود ”خان بھادر“ اور ”ولی اللہ“ ہونے کے ایسے چپ ہوئے کہ گویا مردی گئے ہیں اور آج تک گارڈن ٹاؤن کے قبرستان کے نزدیک ان کا بے جان لاش برداشت پیدا کر رہا ہے۔ میں پوری بصیرت سے اس بات پر قائم ہوں اور جیسا کہ میں نے گزشتہ صفات میں ثابت کر دیا ہے، ان جماعتیں کے لیے رخاں طور پر پر لے درجے کے کذاب اور بے دین آدمی ہیں اور میں پورے لقین سے کہتا ہوں کہ یہ جماعتیں سیدہ اسلام پر ایک رستا ہوا نہ سود ہیں۔ ان کا آپ نیشن جس قد رجلہ ہو، اتنا یہ اچھا ہے۔

اب مجھے اس طرف توجہ مبذول کرنا پڑی کہ اگر مرزا صاحب کی آمد کی غرض اس قسم کے خبیث، بے دین اور کذاب لوگ پیدا کرنا تھی، تو حقیقت معلوم شد۔ کیونکہ درخت اپنے پھلوں سے بیکھانا جاتا ہے اور ان جماعتوں میں جو خدا کے مقرر کردہ ظلیلے ہیں یا خدا کے مقرر کردہ ظلیفہ کے جائشیں ہیں، وہی سب سے زیادہ بے ایمان ہیں، تو دوسروں کا اللہ تعالیٰ حافظ ہے۔

میں نے جناب مرزا صاحب کی جسمانی اور روحانی دلنوں قسم کی اولاد کیسی ہے اور جو کمالات ان دلنوں قسم کی اولاد میں موجود ہیں، ان سے بھی میں اچھی طرح آگاہ ہوں۔ میرے نزدیک لاہور کے گندے نالے کے اندر بھی اتنا تخفیں موجود نہیں، جتنا ان کے اندر ہے۔ میں نے عمراً ان کی جنسیاتی بیانوں کا تذکرہ کرنے سے اترزاں کیا ہے کیونکہ میں اپنے قلم کو لیکی باتوں کے ذکر سے آلوہ نہیں کرنا چاہتا۔

لاہوری جماعت کی اس سے بڑہ کر ذات اور رسولی اور کیا ہو گی کہ اس کے کارکنان جب استغفاریے ہیں تو اس میں صریح الفاظ میں لکھتے ہیں کہ چونکہ تم لوگ بے ایمان ہو، اس لیے ہم آپ کی ملازمت سے عینہ ہوتے ہیں۔ جناب غلام نبی صاحب مسلم ایٹھیٹر ”پیغام صلح“ اور جناب مرزا محمد حسین صاحب ایٹھیٹر ”لائٹ“ اس کی واضح مثال ہیں۔

میں نے ارادہ ان لوگوں کی بے ایمانیوں اور دعا ندیوں کا تذکرہ نہیں کیا، جن کا اکھوار ایکش کے موقع پر ان لوگوں سے ہوتا ہے۔ ان باتوں میں بھی، میں نے ان کا بہتر مقابلہ کیا ہے بلکہ ان کے بعض ایکش کا الحرم قرار دلوائے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ایکٹھیں طور پر ایکش میں بے ایمانی کا مقابلہ ہو تو ساری دنیا کو لاہوری انجمن کا اکیلا سیکرٹری ہی ملکت قاش دے دے۔ اس جماعت کے گھناؤنے کردار کو دیکھ کر میں نے اس سے عینہ گی احتیار کر لی اور جناب مرزا

صاحب اور ان کی جماعت کے عقائد و نظریات کا تختیہ مطالعہ شروع کر دیا تو مندرجہ ذیل امور میرے سامنے آئے۔

مرزا صاحب کے ہنی کمالات

مرزا صاحب نے مسلمانوں میں ہنی خلقدار بیدا کرنے کے لیے اس قسم کے القاٹ استعمال کیے ہیں، جن سے خواہ توہا ایک جھٹکے کی صورت بیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً لفظ "نی" کا استعمال ہے۔ اب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی مسلمان کسی آدمی کو نبی حسین بن حسن کو سکتا، کیونکہ آپ پر نبوت فتح ہو چکی ہے۔

یہ بات خود مرزا صاحب کو بھی مسلم ہے کہ اس لفظ "نی" سے مسلمانوں کے اندر ایک تفرقة بیدا ہوتا ہے، مگر اس کے باوجود اس لفظ کو استعمال کر رہے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ ہمارا دھوٹی ہے کہ تم نبی اور رسول ہیں۔ پھر کہتے ہیں اگر میں نبی ہوں تو مسلمان نہیں ہو سکتا اور اگر مسلمان ہوں تو نبی نہیں ہو سکتا۔ کبھی کہتے ہیں میں نے تو لفظ نبی کو صرف ہنی محتوں میں استعمال کیا ہے اور دوسرا جگہ کہتے ہیں کہ لخت اور اصطلاح میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ جب بھی ان پر احتراف کیا گیا تو انہوں نے طرح طرح کی تاویلات کا سہارا لیا کہ میری مراد اس لفظ نبی سے یہ ہے اور وہ ہے۔ پھر جو وضاحت انہوں نے کی، اس پر خود ان کی دلوں ہماتوں کا اتفاق نہیں اور اکثر یہ آج بھی اُنہیں حقیقی محتوں میں نبی سمجھتی ہے۔ ثابت نبوت کے بعد اجرائے ثابت کا قطف ایک لختی قطف ہے اور کوئی مسلمان اسے حسین کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تہیں کے مترادف ہے۔

ای طرح جاب مرزا صاحب نے حضرت سعیؑ علیہ السلام کے متعلق نہایت سخت کلامی سے کام لایا ہے۔ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ ایک نبی کی بھک کے مرکب ہوئے ہیں، تو کہنے لگے میں نے یہ القاٹ حضرت سعیؑ علیہ السلام کے متعلق استعمال نہیں کیے بلکہ میں تو یہ القاٹ اس یسوع کے متعلق استعمال کر رہا ہوں، جو یہاں یسوع کا فرضی خدا ہے۔ سوال بیدا ہوتا ہے کہ جب آپ کو خود مسلم ہے کہ یسوع ایک فرضی اور وہی موجود ہے، تو فرضی اور وہی وجود کے متعلق سخت کلامی کی کیا بھک ہے؟ پھر خود ہنی انہوں نے بے شمار مقامات پر حضرت سعیؑ علیہ السلام کو یہ یسوع قرار دیا ہے، بلکہ اپنے آپ کو یسوع کا مثیل بھی قرار دیا ہے۔ کبھی کہتے ہیں ایک فرضی وجود ہے اور کبھی اس کے مثیل بننے پڑتے ہیں۔

کوئی تلاذ کر ہم تھامیں کیا

حضرت علیؑ اور حضرت امام حسینؑ کے متعلق بھی انہوں نے ایسے ہی القاٹ استعمال کیے ہیں۔ جب پوچھا گیا کہ آپ نے ایسے سخت القاٹ ان بزرگوں کے متعلق کیوں استعمال کیے ہیں، تو صاف الفکار کر گئے اور کہنے لگے میری مراد حضرت علیؑ اور حضرت امام حسینؑ نہیں بلکہ شیعوں کے خیالی اور حسین مراد

ہیں۔ خیالی چیزوں کا تو کوئی وجود نہیں ہوتا۔ آخراں پر اتنا زور قلم صرف کرنے کا کیا مطلب تھا؟ جہاد کے متعلق تحريم و تنخ کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ جب گرفت ہوئی کہ آپ ایک عظیم اسلامی رکن کو منسون کرنے کی کیا اتحارثی رکھتے ہیں، کیونکہ اسلامی شریعت کا کوئی حکم قیامت تک منسون نہیں ہو سکتا۔ کہنے لگے میری مراد حرام اور منسون کرنے سے ملتی کرتا ہے۔ لیکن یہ بھی کہا کہ مجھے مان لینا یعنی مسئلہ جہاد کا انکار کرتا ہے۔

سچ کے صعود الی السماء پر مرزا صاحب اور ان کی جماعت نے بہت کچھ لکھا ہے اور اسے باطل قرار دینے کے لیے یہ بھی کہا ہے کہ اسکی کوئی مثال دنیا میں موجود نہیں کہ کوئی انسان مع جسد عصری آسمان پر گیا ہو اور جتاب میاں طاہر احمد نے اپنی تالیف ”osal ابن مریم“ میں مودودی صاحب کے اس جواب کا بڑا معلقہ اڑایا ہے کہ یہ ایک ہی واقعہ ایسا ہوا ہے، اس لیے اس کی مثال کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ میاں صاحب موصوف کہتے ہیں بھی تو اس کے باطل ہونے کا ثبوت ہے کہ اس کی کوئی مثال دنیا میں موجود نہیں۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ جب سے دنیا میں سلسلہ بیوت کا آغاز ہوا ہے، کیا کوئی مرزا صاحب کی طرح امتی نبی بھی ہاتا ہے۔ اگر اس کی بھی کوئی مثال دنیا میں موجود نہیں تو مرزا صاحب کیسے نبی بن گئے۔ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کے نظریات اللہ تعالیٰ کی سنت قدیمة کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل ہیں۔ مرزا صاحب نے اگر بڑی حکومت کی وہ تعریف کی ہے کہ بُس حد ہی کر دی ہے۔ نبیوں کی یہ شان نہیں ہوتی کہ وہ حکومتوں کے قصائد لکھتے ہیں۔ اگر بڑی ایک عاصب اور ظالم قوم ہے۔ اس نے سو دا گری کے بھیں میں آ کر ہمارے ملک پر قبضہ کر لیا اور مسلمانوں کے خون کو پانی کی طرح بھایا۔ اس خون ریزی میں مرزا صاحب کے والد نے پچاس گھنٹوں کے ساتھ ان کی مدد کی اور ان کے بڑے بھائی صاحب نے تمون گھاٹ پر مسلمانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رکھے اور مرزا صاحب نے اپنے پر یہ فرض شہرا لیا کہ میں ہر تعنیف میں اگر بڑوں کی مدد کروں گا اور بھرا اپنی تصادیف کو ایران، روم، عرب اور افغانستان تک پھیلا کر اگر بڑی حکومت کو لکھا کر جیسی میں نے آپ کی خدمت کی ہے، اسی کسی نے نہیں کی۔

اصل بات یہ ہے جیسا کہ قرآن کریم نے اس کی توضیح کی ہے کہ بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں، تو وہاں کے جا گیرداروں اور محرز لوگوں کو ذلیل و رسوا کر دیتے ہیں۔ مرزا صاحب کا خاندان بھی چونکہ جا گیرداروں کا خاندان تھا، اس لیے انہوں نے سمجھا کہ اب اپنی جا گیر اسی صورت میں محفوظ رہ سکتی ہے کہ اگر بڑوں کی مدد کی جائے۔ چنانچہ انہوں نے اگر بڑوں سے مل کر اپنے ہی بھائیوں کا خون بھایا اور کریں شین رکھیں قرار پائے..... اگر بڑوں کی تحریف مور امداد کا مقصد صرف اپنی جا گیر کی حفاظت کرنا تھا اور بھی طریق دوسرا جا گیرداروں نے بھی اختیار کیا تھا۔

مرزا صاحب نے اپنے صدق و کذب کا معیار ایک لڑکی سے شادی کرنا قرار دیا ہے۔ کیا نبیوں کی صداقت کا معیار لڑکیوں سے شادی کرنا ہوتا ہے کہ اگر فلاں لڑکی سے شادی ہو گئی تو سچا نہیں ہوں گا اور

اگر نہ ہوئی تو جھوٹا اور پھر لطف کی بات یہ ہے کہ اس لڑکی سے آپ کی شادی بھی نہ ہو سکی۔ ہاں آسانوں پر لکھاں پڑھا گیا، نہ وہاں پر کوئی گیا اور نہ کسی نے دیکھا۔

”سیرۃ المهدی“ جو ربوہ جماعت کے ”قرآنیاء“ اور مرزا صاحب کے بختی صاحبزادے کی تالیف ہے، اس میں لکھا ہے کہ مرزا صاحب ایک ناجرم عورت سے اپنا جسم دیوبایا کرتے تھے۔ ہر چند یہ ایک بیہودہ بات ہے مگر اس سے بھی کہیں بڑھ کر بیہودہ روایات اس کتاب میں موجود ہیں، جن کو پڑھنے والے آج بھی زندہ موجود ہیں۔

جب ان روایات پر ہر طرف سے اعتراضات کی یو چھاڑ ہوئی تو وہ ایڈیشن تکف کر دیا گیا۔ ربوہ جماعت کے مشہور مناظر ملک عبدالرحمن خادم ”سیرۃ المهدی“ کی روایات کو بالکل جھٹ نہیں مانتے تھے، مگر میرے لئے یہ بات بڑی حیرت اور تجھب کا باعث ہے کہ خادم صاحب میاں بشیر احمد کو ”قرآنیاء“ تو مانتے ہیں مگر ان کی بیان کردہ روایات کو بالکل قابل اعتراض نہیں سمجھتے۔ معلوم نہیں اتنے کچھ آدمی کو وہ ”قرآنیاء“ مانتے پر کیوں مجبور تھے۔

اس جماعت کے افراد کو یہ تبیہت دی گئی ہے، بلکہ یہ بات ان کی کھٹی میں داخل ہے کہ جب کوئی شخص مرزا صاحب پر اعتراض کرے تو تم فوراً حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ کر دیا کرو۔ ربوہ ای اصطلاح میں اس سلطے کا نام ”الزایی جواب“ ہے۔ میانوالی کے مباحث میں جب قاضی نذیر محمد صاحب لاہل پوری پر یہ اعتراض کیا گیا کہ مرزا صاحب ناجرم عورتوں سے اپنا جسم دیوبایا کرتے تھے تو انہوں نے بلاہل حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فداہ نقشی وروقی وابی وابی پر حملہ کر دیا اور کہا کہ ایک حدیث کی کتاب میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹ پر سوار تھے، تو آپ کا جسم ایک ناجرم عورت کے جسم کے ساتھ مس کر رہا تھا جو آپ کے بیچھے سوار تھی۔

قاضی صاحب نے اس بات کی تقطیع پر وہ نہیں کی کہ یہ بات میں کس ذات اقدس کے متعلق کہہ رہا ہوں۔ جس حدیث سے میں استدلال کر رہا ہوں، وہ کس پائی کی حدیث ہے آیا وہ قابل جھٹ ہے بھی یا نہیں۔ پھر اگر وہ صحیح بھی ہے تو میں جو مقابل کر رہا ہوں، وہ بھی درست ہے یا نہیں۔

یہ علم کلام ہے جو ربوہ جماعت کو مرزا صاحب کی ورافت سے طالا ہے۔ اس سے آپ اندازہ فرمائے ہیں کہ کسی شخص کی عزت ان کے حملوں سے محفوظ رہ سکتی ہے؟ جو لوگ میاں بشیر احمد کی لچمیات کو ثابت کرنے کے لئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ کرنے سے بھی نہیں چکتے، ان سے کوئی دوسرا آدمی کیسے فکر کتا ہے۔

اُنکی جماعت سے حذر، ایسے امام سے حذر

مرزا ای لیڈر ووں کی ہفتوات

میاں محمود احمد نے اپنے ایک خطے میں کہا ہے کہ ان ان ”مُحَمَّدُ رَسُولُ اللَّهِ“ سے بڑھ سکتا ہے۔

نحوہ باللہ من ذالک۔ اس سے بڑھ کر ناپاک خیال اور کیا ہو سکتا ہے۔ جس کی شان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ذلی دنی فتدی لی فکان قاب قوسمن او ادنی اس سے آگے بڑھ جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں فکرانی کا گزربھی مکن نہیں۔

جج، جوارکان اسلام میں سے ہے، جس کی اوائیلی مکہ مکرمہ میں ہوتی ہے۔ اس کے متعلق میاں محمود احمد نے کہا کہ جج کا قائدہ اب مکہ میں حاصل نہیں ہوتا بلکہ قادریان میں ہوتا ہے۔ گویا خدا تعالیٰ نے اب لغو اور عبیث طور پر اسے مقرر کر رکھا ہے۔ اس سے بڑھ کر شعائر اسلام کی اور کیا توہین ہو سکتی ہے؟ پھر یہ بھی کہا کہ مکہ کی چھاتیوں سے دودھ خلک ہو گیا ہے۔ وہ مقام جسے اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لیے با برکت قرار دیا ہے گویا اس کی برکات ختم ہو گئی ہیں اور اب اس کی بجائے وہ قادریان میں خلک ہو گئی ہیں۔ نحوہ باللہ من ذالک۔

میاں محمود نے اس صحابیؓ کو جس نے حضرت عزػ سے دریافت کیا تھا کہ آپ نے یہ قیص کہاں سے بنوائی ہے، شیطانی روح قرار دیا ہے۔ اس درپیدہ وہن کو اتنا علم نہیں کہ یہ سوال کرنے والے حضرت سلمان فارسی تھے (بحوالہ عمر فاروقؓ مولویہ ططاویؓ) جن کے متعلق حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ سلمان هنا اهل البیت اور لطف کی بات یہ ہے کہ خود مرزا صاحب اپنے آپ کو ان کی اولاد خاہر کرتے ہیں اور اگر وہ (نحوہ باللہ) شیطانی روح تھے تو آپ کیا ہوئے؟ یہ عظیم اور جملی القدر صحابی کی شان میں وہ گستاخی کرتا ہے جبکہ اس کی اپنی حیثیت ان کے بیت الغلام کی ایمٹ کے برادر بھی نہیں۔

آیت قرآنی و بالآخرہ ہم یوں فونوں کی تشرییر یہ کی جاتی ہے کہ اس سے مراد مرزا صاحب کی وحی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ دیگر انبیاء کی وحی پر تو لوگوں کو ایمان لانے کی دعوت دی جاتی ہے اور مرزا صاحب کی وحی پر یقین کرنے کی یہ تشریردیگر قرآنی آیات گے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل ہے اور آج تک کسی مفسر قرآن نے اس طرف اشارہ بھی نہیں کیا۔

میں نے صرف اشارہ بخش باتوں کا ذکر کر دیا ہے۔ ان شاء اللہ اپنی زیر تصنیف دوسری کتاب میں مع حوالہ جات پوری تھیصیل کے ساتھ ان باتوں کے علاوہ دیگر باتوں پر بھی مدل بحث کروں گا۔ اس ختم کی لا یعنی باتوں کو دیکھ کر میں نے قادریانیت سے علیحدگی اختیار کی ہے۔ یہ تحریک توہین رسولؐ توہین صحابہؐ اور توہین اسلام کے لیے کام کر رہی ہے اور استھمار کی اجتنب ہے۔ اللہ تعالیٰ جمع اہل اسلام کو اس کے شرے محفوظ رکھے۔ آمين۔



بیشراحمد مصری

حق گوئی

الحافظ بیشراحمد مصری 1914ء میں ہندوستان کے قصبہ قادیان میں پیدا ہوئے۔ آپ نے گورنمنٹ کالج لاہور سے عربی میں لی۔ اے آزرمیں ڈکری لی۔ آپ جامحمد الازھر (مصر) کے شعبہ عربی کے بھی قارئغ انسٹیلیشن چین اور لندن سے صحافت (Journalism) میں بھی سند یافت ہیں۔ آپ کی زندگی کے میں برس شرقي افریقہ میں بس رہوئے جہاں وہ ہائی سکول کے ہیئتہ ماشر کے علاوہ بہت سی انجمنوں اور سماجی اداروں کے ذمہ دارانہ عہدوں پر کام کرتے رہے۔ 1961ء میں آپ نے الگینڈ بھرت کر لی۔ 1964ء سے 1968ء تک پانچ برس آپ ماہماں "اسلامک ریویو" کے ایڈٹر ہے۔

بیشراحمد مصری صاحب کے والد عبدالرحمن مصری قادیانی خلیفہ مرزا محمود کے دست راست تھے۔ مرزا محمود ایسا ہوں پرست، خواہشات نفسانیہ کا بھاری اور زنا کار کا یونیپاری تھا کہ اپنے دوستوں کی اولاد پر ہاتھ صاف کرنا، یا ان کی عزتوں سے کھلیانا اس کی لخت میں کوئی محبوب نہ تھا۔ اس نے اپنی ہوں کا نشان ع عبد الرحمن مصری کے خاندان کو بنایا۔ مصری نے مرزا محمود کو ایسے دلہمندانہ خطوط لکھئے جس نے مرزا محمود کی تقصیں مابی کو خاک میں طاری۔ خطوط میں مصری نے اپنی مقلومیت کو ایسے انداز میں ثابت کیا ہے، جسے پڑھ کر دل کا پکان پ جاتا ہے۔ عبدالرحمن مصری نے مرزا محمود کے کروٹ دیکھ کر لاہوری گروپ میں شمولیت اختیار کر لی تھی۔ آسمان سے گر، بکھر میں انکا۔ حضرت مولانا محمد علی جاندھری فرماتے تھے کہ عبدالرحمن نے غلط کار پایا محمود کو اور مرزا اس کے ابا مرزا قادیانی کو، کہ وہ پہلے اسے نبی مانتے تھے پھر ولی مانتے گے۔ حافظ بیشراحمد مصری، لاہوری گروپ کے مرکز و دکنگ مسجد لندن کے امام بن گئے۔ 11 فروری 1968ء کو مناظر اسلام مولانا اللال حسین اختر نے دکنگ مسجد لندن میں تقریری۔ تقریر کے اختتام پر حافظ بیشراحمد مصری نے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا اور مسجد مسلمانوں کے پروردگری۔ آج بھی وہ مسجد الال اسلام کے پاس ہے۔ مرزا طاہر نے جب مبلہ کا جنپی دیا تو اس کی کالپی حافظ بیشراحمد مصری کو بھی بھجوائی۔ خدا کا کرم دیکھنے مصری صاحب نے اس کا جواب لکھا۔ مرزا محمود سے مرزا طاہر تک اس کے تمام خاندان کو زانی، شرافی، بدکار، افلام باز، نہ معلوم کیا کچھ تقریر کیا۔ مرزا طاہر کو سانپ سوکھے کیا۔ مصری نے اس کا اردو اور انگلش ایڈیشن شائع کرایا۔ مصری صاحب ہر سال ثبوت کا نظریں برطانیہ میں شرکت کرتے تھے۔ غالی مجلس کے رہنماؤں سے ان کے والہاں تعلقات تھے۔ چند سال ہوئے فوت ہو گئے ہیں۔ قدرت ان سے اپنے رحم و کرم کا معاملہ فرمائے۔

الحافظ مصری صاحب بہ طانیہ میں ایک انتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ ریڈ یو پر آپ کے خطاب، شلبی یون پر تقاریر و مکالمات اور مختلف جرائد میں معاہدین نے بہ طانیہ میں انہیں ایک قاتل رٹک اور بیان اور قاضلانہ مقام دیا۔ ان کی ایک کتاب اگریزی اور عربی میں ”الرفق بالحیوانات فی الاسلام“ (اسلام میں جانوروں کے حقوق) The Islamic Concern for Animals کے عنوان سے چھپی، جس میں سو کے قریب آیات قرآنی اور بیجاں کے قریب احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ جات سے اس موضوع پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ کتاب ساری دنیا میں خصوصاً مغربی ممالک میں بہت مقبول ہو رہی ہے۔ اسی موضوع پر آپ کی دوسری کتاب جو بہت جائی ہے ”اسلام اور حیوانات“ کے عنوان سے اگریزی میں زیر طبع ہے۔ موضوع ان کے علاوہ کئی دوسری کتابوں کے بھی مصنف تھے جو انگلش میں ہیں۔

زیر نظر مضمون میں الحافظ مصری صاحب نے اپنے ذاتی مشاہدات پر مبنی اپنے خیالات کا اعتماد کیا ہے، جو سب مسلمانوں کی آنکھیں کھول دے گا۔ خصوصاً ان سید ہے ساہبے نوجوانوں کے لیے جو قادر یانجھ میں نہ ہی دوکر بازوں کے دام فریب میں پھنس سکتے ہیں یا ان کی مظلومیت سے متاثر ہیں۔

میرے بہت سے دوستوں نے متعدد مرتبہ مطالبه کیا ہے کہ میں قادریانیت پر مبنی اپنے مشاہدات اور خیالات قلم بند کروں، تاکہ میری زندگی میں ہی وہ ضبط تحریر میں آ جائیں۔ اس مختصر مضمون میں یہ ممکن نہیں کہ تفصیلات میں جایا جائے، اس لیے میں اختصار کے ساتھ صرف ان حالات کا خلاصہ درج کر رہا ہوں جن کی بنا پر میں نے قادریانیت کی بے راہ روا اور مناقشانہ سرگرمیوں سے توبہ کی۔

1914ء میں سوئے اتفاق سے میں قادریان میں پیدا ہوا۔ میری بیدائش کی جائے قوئی کا حادثہ میری 74 سالہ زندگی میں کلکٹ کا نیکہ بنا رہا۔ بچپن میں مجھے یہ ذہن شین کرایا گیا کہ ”احمد یوں“ کے علاوہ دنیا بھر کے سب مسلمان کافر ہیں۔ یہ درس و تدریس اس انہما تک تھی کہ خدا کی ذات پر ایمان بھی نہیں ہو سکتا، جب تک کہ ”احمدت“ کے بانی مرتضی اغلام احمد کی نبوت پر ایمان نہ ہو..... نیز یہ کہ اس کے جاشین ہی اب بندے اور خدا کے درمیان دیلہ ہیں۔

لیکن اس کے بعد جب میں نے سن بلوغت میں قدم رکھا تو اپنے اردو گرد قادریانیوں کی اکثریت کو بد کردار، عیار اور مکار پایا۔ اس میں نہ کہ نہیں کہ ان لوگوں میں چہار دلیلے بھی تھے، جو اس سلسلہ کے ابتدائی ایام میں اخلاق کے ساتھ اس جماعت میں شامل ہوئے تھے اور اس دھوکے کا فکار ہو گئے تھے کہ یہ تحریک اسلام میں ایک تجسسی تحریک ہے، لیکن اس حرم کے تخلصین کی تعداد بہت کم دیکھنے میں آئی اور پھر جن کو نیک و مغلص پایا، ان میں بھی اکثر یا تو اتنے سادہ لوح تھے کہ ان میں اپنے گرد و نواح کے ناموں ماحول پر تاقتانہ نظر ڈالنے کی صلاحیت ہی نہیں اور یا پھر اپنے حالات کی مجبوریوں میں اتنے لاچار تھے کہ

کچھ کرنے پاتے تھے۔

میں نو عمری کے زمانہ میں اس قابلِ تونہ تھا کہ ڈنی اعتبار سے اس بات کی اہمیت کو سمجھ سکتا کر تحریک قادریانیت نے کس طرح اسلام کے مذہبی عقائد میں فتوڑہ اتنا شروع کر دیا ہے، البتہ ان لوگوں کے خلاف میرا بتدائی روپ میں بدکار بیوں کی وجہ سے تھا۔ میری ڈنی اور روحانی نیاتی کی اس غیر پنجی کی حالت میں ہی قادر لقدیر نے مجھے طاغوتی آگ کی بھٹی میں پھیک کر میری آزمائش کی۔

میں ایک 18 برس کا صحیح الجسم اور سرتی نوجوان تھا، جب مجھے ظیف قادریان پیر الدین محمود کا پیغام طاکر وہ کسی بھی کام کے سلسلہ میں بلاتے ہیں۔ یہ وہ دور تھا کہ جب میں اس شخص کو شم دیجتا سمجھا کرتا تھا اور اس جذبہ کے تحت میں نے اس پیغام کو باعثِ عزت و فخر کے طور پر لیا۔ مجھے گمان ہوا کہ ”حضور“ میرے ذمہ کوئی ایسا نہیں کام لگانا چاہتے ہیں جو رازِ دارانہ تم کا ہو گا۔

ہماری بھلی ملاقات پااضابطہ اور مقتدرہ اسلوب کے مطابق رہی۔ ظیف محمد سے ادھرا ہر کے ذاتی سوالات پوچھتا رہا اور میں بالدب و احترام جواب دیتا رہا۔ رخصت ہوتے وقت مجھے یہ ”حکم“ دیا گیا کہ میں اس ملاقات کا کسی سے ذکر نہ کروں اور دوسرا ملاقات کا تھیں کر دویا۔ اس کے بعد حیرید ملاقات تھیں بند دیج فیر رکی ہوتی گئیں اور مجھے رہبত دلائی گئی کہ میں ایک مخصوص ”علقہ دلائی“ میں شامل ہو جاؤں۔

پہلے چلا کر اس شم دیجتا نے زنا کاری کا ایک خیریہ اداہ نہ کھا ہے، جس میں مکوہ، غیر مکوہ جی کی محرومات کے ساتھ کھلے بندوں زنا کاریاں ہوتی ہیں۔ اس عیاشی کے لیے اس نے دلالوں اور کلینیوں کی ایک منڈی مفلکم کر رکھی ہے، جو پا کہاں گھور توں اور مصوم دشیز اؤں کو بہلا پھسلا کر مہیا کرتی ہیں۔ جو عورتیں اس طرح درغلائی جاتیں، وہ اکثر ان خاندانوں کی ہوتی تھیں، جو اکھاویٰ لخاڑ سے جماٹی نکام کے دست گھر ہوتے تھے یا جن کے دماغ اندری تقدیم سے مغلل ہو چکے تھے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی وجہات اور مجبوریاں بھی تھیں، جن کے باعث بہت سے لوگ اس خالمانہ فربت کے خلاف حرامت کی ملاقات نہ رکھتے تھے۔ گاہے بگاہے جب بھی کوئی ایسا شخص لکلا، جس نے سرکشی کی تو اس کا منہ بند کرنے کے لیے اسے جماعت سے خارج کر دیا جاتا، اس کا مقاطعہ کر دیا جاتا یا شہر بدری کا حکم صادر ہو جاتا اور اس کے خلاف مفلکم طریق طروہ استہزا کی ہم شروع کر دی جاتی تاکہ اس کی بات پر کوئی مجبور و سندہ کرے۔

مرزا خاندان نہیں اڑ و سوچ کے علاوہ قادریان اور گرد و فواح کی اکٹو زمینوں پر حقوق جا گیرداری بھی رکھتا تھا اور روحانی عقیدت کے ساتھ ساتھ ساکنان قادریان، قوانین جا گیرداری میں بھی جکڑے ہوئے تھے۔ اپنے مکانوں کی زمینیں خریدنے کے باوجود بھی انھیں مالکانہ حقوق نہیں ملتے تھے اور ان کی زمین و مکانات جا گیردار کی اجازت کے بغیر غیر مقولہ ہی رہتے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو اپنا سب کچھ جمع کر قادریان کی نام نہاد مقدس بھتی میں اپنے بیوی بچوں کو بوانے کے لیے لائے تھے۔ اس قسم کے حالات

میں اور خصوصاً اس زمانہ میں کون جرأت کر سکتا تھا کہ اس خاندان کا مقابلہ کرے۔ جن لوگوں نے ذرہ بھی صدائے احتجاج بلند کی، وہ یا تو اس طرح مار دیے گئے کہ ظاہراً کسی حادثہ سے مرے ہوں اور یا پھر ایسے لاضمہ ہو گئے کہ ان کا نام و نشان بھی نہ رہا۔ جب یہ سب تمہارے پار سائی ہو رہے ہے تھے، مسلمان علماء سادگی میں یہ گمان کیے بیٹھے تھے کہ مرزا نعیت کو عقائد کی رو سے مناظروں اور مباحثوں کے مچانوں میں بگست دے دیں گے۔

جب میں اس انتہائی ذلیل اور وحشیانہ باحوال سے دوچار ہوا تو اپنی لاچارگی کے احساس سے دماغِ عمل ہو گیا۔ مجھے ابھی تک وہ بیدار راتیں یاد آتی ہیں جن میں، میں بے یار و مددگار خاموش آنسوؤں سے اپنے سکھے تر کیا کرتا تھا۔ اس خیال سے کہ میری بالتوں پر یقین نہیں کیا جائے گا، میں اپنے والدین کو بھی نہیں بتا سکتا تھا کہ کیا اودھم مچا ہوا ہے؟ اسی طرح اپنے دوستوں سے بھی ان حالات پر تابدله خیالات نہ کر سکتا تھا کہ کہیں وہ ظیفہ کے قبروں سے ذکر نہ کر دیں۔ میرے لیے ایک راستہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ کہیں روپوں ہو جاؤں، لیکن اس کا ایک نتیجہ یہ ہوتا کہ یونورشی میں میری تعلیم چھٹ جاتی۔ اس کے علاوہ یہ اخلاقی ذمہ داری بھی مانع تھی کہ اپنے والدین کو ان بدجلیوں اور بدکاریوں سے لاطمی کی حالت میں چھوڑ کر فرار ہو جانا، ان سے دعا کرنے کے متراوہ ہو گا۔

اس وقت بیکھش کی حالت میں یہ خیال بھی آتا کہ اس مذہبی دھوکہ باز کو قتل کر دوں، لیکن باوجود کم عمری کے سختی اس تدلیل غالب آ جاتا کہ قتل کی صورت میں عموم الناس یہ فقط نتیجہ تکال لیں کے کہ قاتل کوئی مذہبی تتصبب تھا اور مقتول کو تاریخی اسناد ایک شہید کا درجہ دے دیں گی۔ پھر یہ بھی سوچتا تھا کہ فوری اور تاکہانی موت اس شخص کے لیے عقوبت کی بجائے ایک نعمت بن جائے گی۔ اس قسم کا شخص تو انکی موت مرنے کا مستحق ہوتا ہے جو مخدعا نہ ہو، مخفی اس لیے نہیں کہ وہ اس قسم کے پاجیانہ اور خالماں اتفاقیں کرتا ہے، بلکہ خصوصاً اس لیے کہ وہ یہ افعال مذمومہ خدا اور مذہب کے نام پر کرتا ہے۔

چنانچہ بعد کے حالات نے میری توجیہات کی تصدیق کی۔ انجام کاری یہ شخص (مرزا بشیر الدین محمود) قانع میں جلا ہو کر کئی سال تک گھشتار ہا اور ایڑیاں رکڑتے جہنم رسید ہوا۔ ایک ڈاکٹر نے جو آخری ایام میں اس کا ماحلاً تھا، بتایا کہ وہ انتہائی ضعیف الحصل ہو چکا تھا اور کلمہ یا اور کسی دعا کی بجائے، جس انہاں شناپ بکتے اس نے دم توڑا۔

ان سب توجیہات کے علاوہ ایک وجہ اور بھی تھی، جس کے ماتحت میں اس نتیجہ پر پہنچا کر اس ایک فرد کا قتل بنے نتیجہ اور بے اثر ہو گا۔ مجھ پر یہ حقیقت واضح ہو چکی تھی کہ قادریاں کے محاشرہ میں اس قسم کی بدجلیاں اور بدمعاشیاں اس ایک شخص کے مرجانے سے فتح نہ ہوں گی۔ صرف یہ بذاتِ شخص اکیلا بھی خط میں جلانے تھا، بلکہ اس کے دفعوں بھائی اور نام نہاد ”خاندان نبوت“ کے اکثر افراد بھی اسی رنگ میں

رکے ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ اس جماعت کے سرکردگان جو ذمہ دارانہ عہدوں پر فائز تھے، ان میں سے بھی اکثر نمائی داڑھیوں کو لبراتے اپنے اپنے سیاہ کاربیوں کے اڈے بھائے بیٹھتے تھے اور یہ سب کچھ ان لوگوں کی آئیں میں اس خاموش تفہیم کے ساتھ ہوا تھا کہ ”تم میری داڑھی نہ لوچو تو میں تمہاری داڑھی نہ لوچوں گا۔“ درحقیقت قادیانی کے نظام میں اٹلی عہدوں پر تقریباً کتو ہی قیاش کے لوگوں کا ہوتا تھا خور ردا خاندان کے اسلوب زرعی اور ان کی جنی قدرتوں کو اپنایتے تھے، یعنی اس خاندان کی مطلق العنان جنی قدرتوں کے مطابق جس خاندان کو یہ لوگ ”خاندان نبوت“ کے نام سے میوم کرنے کی جماعت اور گستاخی کرتے ہیں۔

یہ کوئی غیر متوقع بات نہ تھی کہ اس حرم کی اخلاقی قیود سے آزاد ہوا شیخوں کی اونائیں باہر بھی پھیلا شروع ہو گئیں اور باہر سے اپاٹاں لو جان اس جماعت میں شامل ہونے لگے تاکہ ان جنی پانچ بیویوں سے آزاد ہو جائیں جو ایسا یہی تہذیب و تھافت ان پر عائد کرتا ہے اور اس طرح یہ شیخیت ماب دارہ و سچی ہوتا چلا گیا۔

ظیفہ کے اس خیر الاء سے قطع حلقوں کے بعد میری زرعی دائی طور پر خطرہ میں رہنے لگی۔ اس کے خذلوں نے سایہ کی طرح میرا تھاں کرنا شروع کر دیا۔ ایسکی بایوں کن اور پر مختل حالات میں میرے لیے کوئی چارہ نہ تھا، سو ایسے اس کے کھلم کلام مقابلہ پر اتر آؤں اور انہام خدا پر چھوڑ دوں۔ چنانچہ میں ظیفہ سے ملنے کیا اور اسے ایک تحریر کی نقل دکھائی جس میں، میں نے اس کی کروتوں کی غاصل لکھی تھیں اور اس کے شرکائے جم کے نام، تاریخیں وغیرہ درج کی تھیں۔ میں نے اسے بتایا کہ اس تحریر کی نقول میں نے بعض ذمہ دار احباب کے پاس بخوبی کراں ہیں اور انھیں ہدایت کی ہے کہ ان اتفاقوں کو میری موت یا میرے لامپتہ ہو جانے پر کھول لیا جائے۔ اس حکمت محلی نے مطلوبہ مقدمہ پورا کر دیا اور میں بلا خوف و خطر، آزادی سے قادیانی کے گلی کوچل میں پھرنے لگا۔

بھی چیزے بھو پر قادیانی کے اس گندے ماحصل کا اکشاف ہوتا گیا، اسی نسبت سے میں مذہب سے بیزار ہوتا گیا۔ صرف قادیانی مذہب سے ہی نہیں، بلکہ جمیونی طور پر مذہب کے ادارے سے اور بین الراجی پر مالک دہرات تک پہنچ گئیں اس کے ساتھ ساتھ اس تھیم حالت نے ایک روحانی خلاء بھی پیدا کر دیا، جس کو پر کرنے کے لیے میری تھاڑات میں طاقت نہ تھی۔ مجھے اپنے والد صاحب کو یہ سب حالات تھاں پڑے جو مطبعاً ان کے لیے ابھائی صدمہ کا باعث ہوئے۔ قدرتاً وہ ایک پچھے کی ہاتوں کو بلا تصدیق مان ہیں سکتے تھے، لیکن انہوں نے حمال طور پر تحقیقات کرنا شروع کر دیں اور کچھ عرصہ میں ہی ان پر ثابت ہو گیا کہ میں حق کہہ رہا ہوں۔

میرے والد صاحب نے اس نام نہاد ظیفہ کو ایک خدا کیا جس میں مطالبہ کیا کہ وہ ان الزامات کی مکذب کرے یا اپنی بد کار بیویوں کا کوئی شرعی جواز پیش کرے یا پھر خلافت سے ممزول ہو جائے۔ اس خطا

کا خلیفہ نے کوئی جواب نہ دیا، لیکن دو مزید خطوط کے بعد اس نے اعلان کر دیا کہ شیخ عبدالرحمن مصری (یعنی میرے والد صاحب) اور ان کے خاندان کے سب افراد کو جماعت سے خارج کر کے ان کا مقاطعہ کیا جاتا ہے۔ میرے والد صاحب کے یہ تینوں خطوط اس زمانہ میں چھپ گئے تھے۔

اس حتم کے مقاطعہ کے اصل ہجمنڈے یہ ہوتے تھے کہ کسی شخص یا خاندان کا کلیتاً بائیکاٹ کر کے اس کا "حقہ پانی" بند کر دیا جاتا تھا۔ ان حالات میں ہمارے خاندان کی جانبی اتنے خطرہ میں تھیں کہ حکومت کو ہماری حفاظت کے لیے فوجی پولیس کے دستے تھیں کرتا پڑے جو 24 گھنٹے ہمارے مکان کے گرد پہنچ دیتے تھے۔ ہم میں سے کسی کو بھی بغیر پولیس کی نگرانی کے گھر سے جانے کی اجازت نہ تھی، لیکن باوجود اس حتم کی خاصیتی پیش ہندیوں کے، بھوپال اور میرے دو ساتھیوں پر قادیانی کے ہڈے بازار میں دن دھاڑے جملہ ہو گیا۔ میرے ایک سن رسیدہ ساتھی کو چاقو کا گھاڑا لگا، جس سے ذہ جاں بحق ہو گئے۔ دھرے سے ساتھی کو گروں اور کندھے پر چاقو سے زخم آئے اور اُسیں کافی عرصہ ہپتال میں رہنا پڑا۔ مجھے پروردگار نے اس طرح بچالیا کہ میرے ہاتھ میں ایک پھاڑی ڈھڑا تھا، جو میں جملہ آور کی کھوپڑی میں اتنے زور سے مارنے میں کامیاب ہو گیا کہ اس کے سر سے خون پہنچنے لگا۔ اس زخمی جملہ آور کو اس کے شرکاء جنم سہما دے کر آنا قاتا غائب ہو گئے اور اسے ایک ایسی پوشیدہ جگہ میں چھپا دیا جو پہلے سے سجن کر کی تھی، لیکن پولیس اس کے سر سے پہنچے ہوئے خون کے قطرات و کچھ کروہاں پہنچ گئی اور اسے گرفتار کر لیا۔ عدالت عالیہ میں اس کا جرم ثابت ہوا اور اسے پھانسی دی گئی۔ اس زمانہ کی قادیانی "ریاست" میں اس وقایون کی اتنی برخلاف تحقیقی کمی کہ قاتل کی سیست کا جلوس و حکم دعام سے لالا گیا اور خلیفہ نے خود تماز جتنازہ پڑھائی، جو قادیانی مریدوں کی نظر میں بہت بڑی عزت افرادی بھی جاتی تھی۔

اس حادثہ کے بعد مسلمانوں کی ایک جماعت "محلل احرار الاسلام" نے ہماری حفاظت کے لیے رضاکاروں کے حق پیغمبا شروع کر دیے، جو فوجی پولیس کے علاوہ تھے۔ ان رضاکاروں نے ہمارے بٹگلے کے گرد میدان میں خیہے نصب کر دیے اور ہمارا گھر ایک محصور قلعہ کی طرح بن گیا۔ اس اثناء میں مرزاں نو لے نے میرے والد صاحب کو جعلی مقدمات میں ابھانا شروع کر دیا، تاکہ جماعت میں ان کی ساکھ انہوں نے جائے، نیز یہ کہ ان پر مالی بوجہ پڑے۔ الغرض وہ تمام کیسی چالیں جلیں گیں، جن سے ان کی زندگی اچیز ہو جائے۔ اپنے گوارہ بچوں پر مشتمل کنجی کی پروش کے لیے نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ انہیں خاندانی زیورات اور گھر کے ساز و سامان پہنچ کر گزارا کرنا پڑا۔ ان آفات انگیز حالات کا سب سے بڑا سانحہ یہ تھا کہ اس دوران خاندان کے بچوں کی تعلیم کے سلسلہ میں خلل پڑ گیا۔ ہم اس جملہ اور دیگر زیادتیوں کے حالات ہندوستان کے اخبارات میں باقاعدہ سمجھتے رہتے تھے۔

ہمارے خاندان کو سرکاری افسران اور بہت سے شخص دوست احباب کی طرف سے بھی یہ

ترغیب وی جاری تھی کہ ہم قادریان سے نقل مکانی کر لیں اور ہم طوعاً و کر حلاہو خلیل ہو گئے۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے، میرا بیان بحیثیت مجموعی ہر ذہب سے اٹھ چکا تھا، اس لیے میں نے اپنے آپ کو ان بندھوں سے آزاد رکھا۔ زندگی کے اس دور میں میرا تعلق مجلس احرار الاسلام کے سرکردہ احباب سے بڑھنا شروع ہو گیا، جو میرے لیے بہت روح افزا ثابت ہوا۔ ان بزرگوں میں سے بعض کے نام درج کرنا ضروری محسوس کرتا ہوں۔ مثلاً سید عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب، مولانا جیب الرحمن صاحب لدھیانوی، چوہدری افضل حق صاحب، مولانا مظہر علی صاحب انہر وغیرہ۔ ان سب کو قریب سے دیکھنے پر احساس ہوا کہ یہ لوگ نیک میرت مسلمان اور پرمخلوم دوست ہیں۔

گوئیرے والد صاحب نے میری دہریت کو ظاہراً تسلیم درضا کے ساتھ قول کر لیا تھا، لیکن میں جانتا تھا کہ دل میں یہ صدمہ ان کے لیے سوہن روح بنا ہوا ہے، وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میرے لیے بہت دعائیں کرتے ہیں اور مجھے بھی بصحت کرتے رہتے تھے کہ میں دعاوں کے ذریعہ اللہ سے ہدایت کا طالب ہوں۔ اس کا جواب میں یہ دیا کرتا تھا کہ آپ مجھ سے ایک ایسی ہستی سے دعا کرنے کو کہہ رہے ہیں جس کا وجود ہی نہیں۔ ایک عرصہ کے بحث و مباحثہ کے بعد انھوں نے یہ مشورہ دینا شروع کیا کہ میں اپنی دعاوں کو مشردی رنگ میں کیا کروں۔ اور میں نے اس حتم کے انہاں شتاب الفاظ میں دعائیں کرنا شروع کر دیں، ”یا اللہ! مجھے یقین ہے کہ تمیری کوئی ہستی نہیں، لیکن اگر تمیری ہستی ہے تو اس کی کوئی علامت مجھ پر ظاہر کر، ورنہ مجھے قابل الزام و طامت نہ پھرہا تا کہ میں تمہر پر ایمان نہ لالیا“، وغیرہ وغیرہ۔

اس میں کوئی نیک نہیں کہ راجح العقیدہ مونتوں کی نظر میں اس حتم کی دعا کلہ کفر کے مترادف ہیں اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی شان پاک میں بے ادبی ہے، لیکن اس کے ہاں جو دیری اس طرح کی دعا نہیں میرے لیے ایسکی کارگر ثابت ہوئیں کہ ایک سال کے عرصہ میں ہی ان کے روحانی نتائج کل آئے۔ مجھے قواتر کے ساتھ دخواب دکھائے گئے۔ چونکہ، وہ خواب شخصی اور نفسیاتی کیفیت کے ہیں، اس لیے ان کے میان کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔ صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہو گا کہ یہ خواب، خصوصاً دوسرا خواب بہت لمبا، آسانی سے سمجھ میں آنے والا اور مریبو ط تھا۔ ایسا کہ مجھا ایسے گھنہار کے لیے بھی اللہ جبار و تعالیٰ کی ذات پر کسی نیک و شہر کی گنجائش ہاتی نہ رہی۔ یہاں پر اتنا تابدینا مناسب ہو گا کہ دوسرے خواب کے آخری لمحات میں مجھے مرزاںی خلیفہ کا چہرہ دکھایا گیا جو بسیار کم طور پر سیاہ قام اور فرق و غور سے منسخ شدہ تھا۔

ان خواہوں کے بعد میرے دل و دماغ سے بہت بڑا بوجھا تر گیا اور میں نے فیصلہ کیا کہ اپنی کتاب زندگی کا نیا درجہ النا کر باضابطہ اسلام قبول کرلوں، چنانچہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری مجھے اپنے ساتھ مولانا محمد الیاس صاحب کے ہاں مہروںی لے گئے۔ مہروںی، دہلی سے چند میل پر وہ قصبہ ہے جہاں مولانا محمد الیاس صاحب نے تبلیغی جماعت کی بناؤں تھی۔ اس طرح 1940ء میں، میں مولانا محمد الیاس صاحب جیسے

بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کر کے مسلمان ہوا۔ اس مبارک موقع پر یہ حسناتفاق تھا کہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب بھی موجود تھے۔ مغرب کی تماز پڑھانے کے بعد مولانا محمد الیاس صاحب اور چالیس 40 کے قریب معتقدین نے میرے حق میں دعا کی۔

1941ء میں، میں مشرقی افریقیہ ہجرت کر گیا۔ ہندوستان کو خیر باد کہتے ہوئے میرے احساسات مسرت والما مرکب تھے۔ بھتی کی بندرگاہ میں جہاز کے عرشہ پر کھڑے زیرلب میں قرآن مجید کی یہ آیت حلاوت کر رہا تھا ”اور تمہارے پاس کیا عذر برات ہے کتم ان ضعیف و سبے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی مد کے لیے اللہ کی راہ میں جنگ نہیں کرتے، جو آہ و زاری سے دعا کیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اس بھتی سے نجات دلو، جس کے باشندے ظالم ہیں۔“ (سورۃ النساء: 75)

افریقہ میں میں سال کی سکونت کے بعد میں نے 1961ء میں الگینڈہ ہجرت کر لی، جہاں پہلے 4 برس کے قریب، بطور طالب علم، اپنی تعلیمی کمزوریوں کو دور کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اس کے بعد ”اسلام ریبوی“ رسالہ کا بالاشتراك ایٹھیٹر بن گیا اور 1964ء میں شاہ جہاں مسجد و دوکنگ کا سب سے پہلا مسلمان امام مقرر کیا گیا۔ یہ مسجد برطانیہ میں سب سے پہلی مسجد تھی اور اس زمانہ میں سارے یورپ کے اسلامی مرکز کی حیثیت رکھتی تھی۔ پانچ سال کی امامت کے بعد 1968ء میں مستشفی ہو کر بذریعہ کار قریباً 43 ممالک کا تین برس تک دورہ کرتا رہا، جن میں زیادہ تر اسلامی ممالک تھے۔ اس دورہ کا اصل مقصد اپنی ایک دیرینہ خواہش کو پورا کرنا تھا کہ بلوتوسط، چھشم خود مسلط کروں کر اسلامی دنیا میں، عوام ا manus کس طرح اسلامی قدرتوں کو علی طور پر بھار ہے ہیں۔ میری ہنگامی اور تزاہی زندگی میں خدا نے جو سب سے زیادہ مسرت بخش اسلام کی خدمت کرنے کی بھتی تو فتنہ دی، وہ یہ تھی کہ دوکنگ مسجد کی امامت سے مستشفی ہونے سے قبل ایسے حالات پیدا کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ اس مسجد اور مرکز میں اب بھتی بھی کسی مرزا کی امام کا تقرر نہیں ہو سکتا۔ وہ **توفیق الال بالله**۔

چونکہ میرے اذمات اخلاقی خباثت اور بھنسی گناہ ہائے کبیرہ کو فاقش کرنے سے متعلق ہیں، جن میں اس حسم کی کریبہ با تسلی بھی کہنا پڑیں گی۔ جن کا ذکر عام طور پر لظریف معاشرے میں نہیں کیا جاتا۔ اس لیے اس کی توضیح کرونا ضروری ہے کہ کن و جوہات کی ہمایہ پر میں اس حسم کی شرمناک باتوں کو تلمیز کرنا بھض بجاوی نہیں بلکہ اپنا اخلاقی فرض سمجھتا ہوں۔

عام طور پر کسی ایک فرد کو یہ حق نہیں ہوتا کہ وہ دوسرا فرد پر ناقہ بن کر بیٹھ جائے لیکن جب کوئی مغض کسی اہم اور اخلاقی ذمہ داری کے عہدہ پر فائز ہوتا ہے تو اس کی انفرادیت ادارہ کا جزو بن جاتی ہے۔ اسکی صورت میں اس کے انفرادی اختیارات و حقوق، ادارہ کے حقوق و اختیارات میں غم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ ہر مہذب معاشرہ میں ڈاکٹر، مدرس کے معلمین، مجاہین کے اداروں اور یتیم خانوں

کے کارکنان، غرضیکہ ہر اس قسم کے کارندوں پر سرکاری قوانین کے علاوہ اخلاقیات اور یک چلنی کے قواعد کی پابندی بھی عائد ہو جاتی ہے۔ باوجود اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کے معاشرے میں نہیں ڈھونکنے اور جلساز اخلاقی قواعد کی پابندی سے آزاد رہے ہوئے سادہ لوح اور کم تسلی لوگوں کو دھوکہ دیتے رہے ہیں۔ اس قسم کے نہیں ڈھونگیوں پر اخلاقی پابندیاں اس لیے عائد کرنا مشکل ہوتی ہیں کہ دنیوی حکومتیں نہیں معاملات میں خل دینا پسند نہیں کرتیں۔ وہ اسی میں عافیت بھی ہیں کہ اخلاقی لفڑ و نقش کی پابندی نہیں اداروں پر ہے۔ اس طرح نہیں اداروں پر تنقیدی نظر رکھنا معاشرے کی ذمہ داری بن جاتی ہے۔

ان کریبہ باتوں کے بیان کرنے کی دوسری وجہ مقول یہ ہے کہ قادیانی جماعت کے سرکردہ گروہ نے جو جسی اور اخلاقی قواعد کی خلاف ورزی شروع کی ہوئی ہے، وہ انفرادی یا شخصی حیثیت سے نہیں کی جا رہی بلکہ ان بد اعمالیوں کو ایک جماعتی اور عالمی کاروپ دے دیا گیا ہے اور طرہ یہ کہ یہ سب کچھ اسلام کے نام پر کیا جا رہا ہے۔ اگر یہ لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہلانا چھوڑ کر ایک نئے نہب کا اعلان کر دیں اور اپنی جماعت کا نام ”احمدی“ کی بجائے کوئی بھی اور غیر مسلم نام رکھ لیں تو مسلمان ان سے نہیں معاملات میں البتہ بند کر دیں گے۔

میرے افراد قادیانی جماعت کے ہر شخص کے خلاف ٹھنڈیں، اس جماعت میں بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں، جو دیانت داری اور اخلاق سے قادیانی عقائد پر امانت رکھتے ہیں۔ یہ علمجہد بات ہے کہ وہ عقائد غلط اور غیر اسلامی ہیں۔ ہم نہیں عقائد میں اختلافات کی بنا پر کسی سے مارہیت نہیں شروع کر دیتے لیکن جب کوئی متفہم گروہ نہب و عقائد کے روپ میں معاشرہ کے طریقہ ماند و یوں میں تحریک پیدا کرنا شروع کر دے، تب ہی عموم الناس اس تحریک کی روک تھام کے لیے ایسا واد ہوتے ہیں۔ اگر نی نوع انسان میں اس قسم کے ناخلف اور بے غیرت لوگ موجود ہیں، جو اپنی قوم بہو بیٹھوں اور تو عمر بیٹھوں کی آبرو اور عصمت کو اپنے بدھن بیڑوں کی پر جوش عقیدت پر قربان کر دینے کے لیے تیار ہیں تو ایسے بھیڑوں کو کون بچا سکتا ہے۔ بحث طلب مسئلہ تو آبرو دار معاشرے کے لیے ہے جس میں سادہ لوح انسان نادانست اس قسم کے دھوکوں کا دھکار ہونے لگیں۔ ایسی حالت میں معاشرہ کو اختیار ہو جاتا ہے کہ وہ شرقاء کو مار آئیں سے خبردار کریں۔

”میں اللہ تعالیٰ کی حتم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر میں جو بنا بیان دوں، تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کی لخت ہو اور میں ایک سال کے عرصہ میں مر جاؤں کر“

(الف) مرزا طاہر احمد (چونقا قادیانی ظیفہ) کا والد مرزا بشیر الدین محمود احمد (جو بانی سلسلہ احمدیہ، مرزا غلام احمد کے تین بیٹوں میں سب سے بڑا بیٹا اور قادیانی جماعت کا ظیفہ ہائی تھا) بذکار تھا، اور منکوحة وغیر منکوحة عورتوں کے ساتھ زنا کرنے کا عادی تھا، حتیٰ کہ خاندان کی ان عورتوں کے

ساتھ بھی زنا کیا کرتا تھا جن کو نہ صرف اسلامی شریعت نے، بلکہ سب الہائی مذاہب نے محرمات قرار دیا ہے۔

(ب) مرزا طاہر احمد کا پوری چچا مرزا بشیر احمد (جو مرزا غلام احمد کے تین بیٹوں میں درجے نمبر کا بیٹا تھا اور جسے قادریٰ "قر الانجیاء" کہتے ہیں) لواطت کا عادی تھا اور بالخصوص، اسے فوجہ لڑکوں سے بغلی کی بہت عادت تھی۔

(ج) مرزا طاہر احمد کا پوری چچا مرزا شریف احمد (جو مرزا غلام احمد کے تین بیٹوں میں تیرے نمبر کا بیٹا تھا) لواطت کا عادی تھا اور مرزا بشیر احمد کی طرح اسے بھی فوجہ لڑکوں سے بغلی کی بہت عادت تھی۔

(د) مرزا طاہر احمد کا بھائی مرزا ناصر احمد (پسر مرزا بشیر الدین محمد احمد قادری، مرزا غلام احمد کا پوتا اور قادریٰ جماعت کا ظلیفہ ثالث) زبانی ہونے کے علاوہ لواطت بھی کیا کرتا تھا۔

(ر) مرزا طاہر احمد کی دادی کا بھائی (یعنی مرزا غلام احمد کی بیوی کا بھائی) میر احاظ قادریٰ جماعت کے نظام میں ایک بلند اور باعزم حیثیت رکھتا تھا اور محدث کے خطاب سے سرفراز ہوا تھا۔ وہ بھی لواطت کا عادی تھا۔ قادریان کے شیخ خانہ کے حاصل ہونے کی حیثیت میں گشتوں میں بیگارے کم من شیخی پیچے اس کی روشنی خواہشات شہوانی کے قدر ہوا کرتے تھے۔

اگر میں چاہوں تو بہت سے ایسے ناموں کی فہرست لکھ سکا ہوں جو قادریٰ جماعت میں ہرے ہرے عہدوں پر مأمور تھے اور جو اپنے اثر و سورخ کے مل بھتے پر اپنی شہوانی گشتوں میں اخلاقی پابندیوں سے آزاد تھے، لیکن ان گشتوں کی زیادہ تفاصیل لکھنے کی ضرورت نہیں۔

براہین حال، میں نے مذکور بالا الزامات کو صرف مرزا خاندان تک محدود رکھا ہے، تاکہ اس تنقیح طلب امر میں کسی غلط چیز کا امکان نہ رہ جائے اور آپ کو اس مسئلہ کے ضابطے سے کوئی راہ فرار نہ رکھا جو ہے کہ مرزا خاندان سے بھی دھرمی اور تیری نسلوں کے کسی فرد کو اس فہرست میں شامل نہیں کیا۔ اس خاندان کی خواتین کے نام شامل نہ کرنے کی زیادہ توجہ یہ ہے کہ ان پر ترس آتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ان خواتین میں بعض الکی بھی تھیں، جنہوں نے اس قسم کی قوم حکمات میں اپنی رضامندی سے حصہ لیا، لیکن ان میں بہت سی الکی بھی تھیں جو قصور دار نہ تھیں اور اس دام فریب میں مجبوراً بھنسی ہوئی تھیں، ان کے لیے اپنے مردوں سے تھاون کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا، ان کی حالت تقدیر کی بجائے رحم کی مستحق تھی۔

میں اپنے مسلمان بھائیوں اور بہنوں کو ایک مشورہ دینے کی جگات کرتا ہوں، اس تو قص پر کر مسلم اکابرین اور اسلامی حکومتوں کے سربراہ ان خیالات اور جذبات کو کاہر، اہمیت دیں گے۔ میرے یہ تاثرات قادریٰ نسل کے ساتھ عمر بھر کی آدیش اور تجویبات پر تھی ہیں۔ مرزا نسبت کے عقائد اور فرقہ بندیوں

میں اب اسلام کے لیے کوئی خطرہ باقی نہیں رہا۔ اس مذہبی فریب کا بھوٹا چورہ مت سے بے قاب ہو چکا ہے۔ اسلام میں بطور دین حق کے، پوری صلاحیت ہے کہ اس حرم کی غیر شرعی تحریکوں کا مقابلہ کر سکے گیں مرتزاقیت کی طرف سے اب ایک بیٹھنے کا خطرہ پیدا ہوا ہے۔ قادریانی تو بلے نے اب میں الاقوای سیاست میں بھی ناٹک کھیلنا شروع کر دیا ہے اور دشمنان اسلام کے پاس چوری پیچے اپنی خدمات پیچنا شروع کر دی ہیں۔ جاسوسی کا پیش، بیسہ پر منفعت ہوتا ہے، لیکن جب غیر ممالک میں جاسوسی کے اڑے مذہب کے نام پر تبلیغی سراکار کے بھیں میں کھولے جائیں تو یہ کامیابی سودمند ہونے کے ساتھ خطرہ سے آزاد اور آسان بھی ہو جاتی ہے۔ غیر مسلموں کا عام طور پر یہ خیال ہے کہ ہماری طرف سے مرتزاقیت کی تھالفت بھی نہیں تھب کی ہے اپر ہو رہی ہے، وہ یہ حقیقت نہیں کہ پرانے کر مقام کے اختلافات کے طلاوہ قادریانی مذہبی کو اسلام دشمن قوموں نے خرید رکھا ہے اور انہیں اسلامی ممالک میں اپنے سیاسی اور اقتصادی فوائد کو فروغ دینے کے لیے شریک کا ہمارا کھا ہے۔ ان سب طلاققات کے طلاوہ مرتزاقیت کی تھالفت کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ مسلم شرقاء کے دلوں میں یہ تشوش رہتی ہے کہ قادریانی محاشرہ کا زندانہ ریگ، کہنیں ان کے اپنے توجہ ان پر نہ پڑھ جائے اور ان کی اخلاقی قدریوں کو گھن نہ لگا دے۔



ملک محمد جعفر خان

ڈھول کا پول

ملک محمد جعفر خان ایک کے رہنے والے تھے۔ قادیانی خاندان کے چشم و چماغ تھے۔ 1970ء کے ایکش میں میپڑ پارٹی کے گھنٹ پر خلیج راولپنڈی سے قوی آسمانی کے رکن غصب ہوئے۔ پڑھے کہے زیریک، بیکھدار اور محالہ فلم تھے۔ انہوں نے "تحریک احمدیہ" نامی ایک کتاب لکھی جو قادیانیت زدہ افراد کو سمجھانے کے لیے ایک کامیاب کوشش ہے۔ اس کے اقل میں اپنے ایک عزیز کے نام خط لکھا جس کا ایک ایک لفڑ درد سے بمراہوا ہے۔ کتاب کے بعض مقاتات پران کی رائے انفرادیت کی حالت ہے۔ تاہم بہت یہ عمدہ تصنیف ہے، جو پڑھے کہے لوگوں کو متاثر کر سکتی ہے۔

اکثر لوگ مذہب کے معاٹے میں دین آباء کی یادی کرنا ایک فطری امر تصور کرتے ہیں اور مختلف مذاہب کی نسبت تحقیق اور باہم موازنہ کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔ عادتاً میں بھی اس اکثریت سے مختلف نہیں ہوں لیکن پاکستان اور بالخصوص پنجاب کے حالات نے مجھے احمدیت کے بارے میں تحقیق مطالعہ کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اس مطالعہ کے بعد جماعت احمدیہ کے نظریہ نبوت اور دیگر مختلف امور کے بارے میں جو تائیگ، میں نے اخذ کیے ہیں، وہ میں پیش کر رہا ہوں۔

میرے خیال میں سب سے معقول چیز جو احمدیت کی نسبت لکھی گئی ہے، وہ علامہ اقبال کے مفہامیں اور خطوط ہیں، جو انہوں نے عرصہ ہوا پنڈت نہرو کے ساتھ ایک سیاسی نویسیت کی بحث کے دوران لکھتے تھے۔ ان مفہامیں کا اردو ترجمہ ایک مختصر رسالہ کی صورت میں شائع بھی ہو چکا ہے۔

جن بہت سی وجہو نے مجھے یہ کتاب لکھنے پر مجبور کیا ہے، ان میں سے ایک احمدیہ جماعت کے مولویوں کی قابلِ رحم حالت ہے۔ مولویوں سے یہاں میری مراد جماعت کے تجوہ دار ملنے اور کارکن ہیں۔ میں یہ جانتا ہوں کہ میرے اس دھومنی کی خود مولویوں کی طرف سے نہلعت شدت سے تردید کی جائے گی، لیکن میں اپنے ذاتی علم اور ان ذرائع کی ہاتھ پر جھنسیں باور نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں، کہتا ہوں کہ اس وقت جماعت احمدیہ کے تجوہ دار مبلغوں اور کارکنوں کی اکثریت منافقت کی زندگی گزارنے پر مجبور ہے اور یہ ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔ منافقت سے میری مراد مرحوم اسلام احمد صاحب کے دعاوی کی نسبت ان لوگوں کے

اعقاد کی کیفیت نہیں ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس بارے میں ان کے خیالات میں کوئی تبدیلی آئی ہے یا نہیں۔ میری مراد یہ ہے کہ ان میں سے پیشتر اس وقت امام اور جماعت کی تحریم سے خفر ہیں۔ لیکن معاشری احتیاج اور بے بُسی کی وجہ سے جماعت میں شامل رہنے پر مجمور ہیں۔ معاشر کے لحاظ سے بُسی ان کا حال حد درجہ زبول ہے۔

خواہیں بہت تھوڑی ہیں۔ ان میں سے بُسی کئی قسم کے چندوں کی کٹوتی ہو جاتی ہے اور آخر میں صرف اتنا دیا جاتا ہے جس سے جنم و جان کا رشتہ پر مشکل قائم رکھا جاسکے (ٹھارلوں کے چدائلی عہدیدار اس صورت سے مستثنی ہیں لیکن یہ خوش بخت لوگ زیادہ تر مرزا صاحب کے خاندان سے تعلق ہیں) لیکن معاشری بدحالی کے باوجود جماعت کے یہ کارکن سلسلہ سے بغاوت نہیں کر سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے سامنے کوئی تباول ذریعہ معاشر نہیں۔

اس وقت احمدیہ جماعت کی بنیاد نہیں عقائد کے بجائے ایک خاص تحریم پر ہے۔ اس تحریم کے بندرگاہ اس قدر رخت اور بیچ در بیچ ہیں کہ ان کو توڑنا ایک بہت بڑی جائیں چاہتا ہے، جس کا اہل ہر شخص نہیں ہو سکتا۔ جماعت کی تحریمی صورت موجودہ حالت تک کس طرح تھی، یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ مختصر یہ کہ جماعت کی موجودہ تحریم زیادہ تر موجودہ امام صاحب کی سماںی کا نتیجہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غلیظہ اذل کے وقت میں ہی وحنت فریحات کے کروہ پیدا ہو گئے تھے۔ ایک دو مرزا صاحب کے مشن کے طی پہلو سے متاثر تھے لیکن ان کی ذات اور خاندان سے وہ والہاۓ حقیقت نہ رکھتے تھے، جو عام طور پر مریدوں کو روحانی پیشوادیں سے ہوتی ہے۔ ان کے مقابلے میں وہ راگروہ خبر پرست تحریم کے لوگوں کا تھا۔ مولوی نور الدین صاحب کی وفات پر موخرالذکر گروہ کی امامت موجودہ ظیفہ صاحب نے سنبلی۔ جو سبق انہوں نے پیشاہیں کیا ٹیکھی گی سے اخذ کیا، وہ یہ تھا کہ اب جماعت کو اپنے مخطوط پر مسلم کیا جائے کہ مزید انتشار اور بغاوت کے امکانات کم سے کم رہ جائیں۔ شاید آپ کو یہ کرتھت ہو، لیکن یہ حقیقت ہے کہ اپنی خلافت کی سنبلتے ہی مرزا محمود احمد صاحب نے وہ کام شروع کر دیا، جس کا نتیجہ 1953ء کی تحریک ثم نبوت کی صورت میں ظاہر ہوا۔ مرزا غلام احمد کی تعلیمات میں دلوں طرح کا مواد موجود تھا۔ اس کا ایک حصہ وہ تھا جس سے مرزا صاحب کی حیثیت مغلی ایک مجدد اور مصلح کی ثابت ہوتی تھی اور وہ را وہ جس میں انہوں نے اپنے آپ کو ایک حقیقی کے طور پر پیش کیا تھا۔ جماعت کے دو گروہوں نے اپنی اپنی مصلحوں کی بنا پر ان تعلیمات کو آئیں میں تقسیم کر لیا۔ مرزا محمود احمد صاحب کے متصد کے لیے وہ را حصہ منفرد تھا، اس لیے انہوں نے اسی پر زور دیا اور مرزا غلام احمد صاحب کے دھوٹی نبوت کی بنیاد پر موجودہ ظیفہ صاحب نے ایسے احکام جاری کیے جن پر عمل کرنے کی وجہ سے اس وقت معاشری لحاظ سے جماعت احمدیہ کا دیگر مسلمانوں سے بہت کم اشتراک رہ گیا ہے۔ اس میں سب سے اہم معاملہ نکاح کا ہے۔

احمدیوں کے لیے ضروری فرار دیا گیا ہے کہ وہ ازدواجی تعلقات صرف اپنی جماعت کے اندر ہی محدود رکھیں۔ چنانچہ اس کی ابتداء س حکم سے کی گئی کہ احمدی عورتوں غیر احمدی مردوں سے نکاح نہ کریں لیکن مرد غیر احمدی عورتوں کو اپنے نکاح میں لا سکتے ہیں۔

مکن ہے اس میں خلیفہ صاحب کے پیش نظر یہ مصلحت بھی ہو کہ احمدیوں کو اپنی غیر احمدی برادریوں سے جدا کرنے کا عمل مذکوجی طور پر کامل کرنا چاہیے۔ چنانچہ کچھ عرصہ یہ صورت جاری رہی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایسی قابل نکاح عورتوں کی تعداد زیادہ ہو گئی، جن کے لیے جماعت کے اندر رشتہ ماننا مشکل تھا۔ اس پر یہ حکم دیا گیا کہ اب غیر احمدی عورتوں سے نکاح کرنا بھی منع ہے۔ الفرض بہت عرصہ سے ان دونوں احکام پر بڑی تختی سے عمل ہو رہا ہے اور خلاف ورزی کی صورت میں مقاطعہ اور اخراج کی سزا میں دی جاتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ جماعت کی بنیاد بذریعہ عقیدہ کی، بجائے نسل پر قائم ہو رہی ہے۔

اب نماز اور جنازہ کے سوال کو لو۔ احمدی کسی غیر احمدی امام اصولہ کے پیچے نماز پڑھنا جائز نہیں سمجھتے۔ اس پابندی پر بھی انتہائی شدت سے عمل ہے۔ کسی احمدی کے لیے یہ خیال بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اس حکم کی خلاف ورزی کرے۔ تم جانتے ہو کہ بہت سے احمدی نوجوان باقاعدہ نمازوں پر منع، بعض ایسے بھی ہیں جو بالکل نہیں پڑھتے۔ یہ سب لوگ جماعت کے لیے قابل برداشت ہیں۔ کم از کم میرے علم میں کوئی ایسا واقعہ نہیں کہ کسی شخص کو نمازوں ترک کرنے کی وجہ سے جماعت سے نکال دیا گیا ہو لیکن اگر کسی کے متعلق یہ اطلاع آجائے کہ اس نے غیر احمدیوں کے ساتھ نمازوں پر بھی ہے تو اس شخص کو فوراً جماعت سے خارج فرار دیا جائے گا۔ یہ ایک ایسا بدیکی معاملہ ہے کہ اس کے لیے کسی باقاعدہ اعلان کی ضرورت نہ ہو گی۔ اس شخص کا یہ فعل ہی جماعت سے قطع تعلق کرنے کے لیے کافی ہو گا۔ بھی صورت جنازہ کی ہے۔ احمدیوں کے لیے دوسرے مسلمانوں کی نمازوں جنازہ پڑھنا منع ہے۔ اس ممانعت میں نیک، بد، موافق، مخالف سب شامل ہیں۔

ان احکام پر گزشتہ تقریباً نصف صدی سے عمل ہو رہا ہے اور نتیجہ یہ لکھا ہے کہ اس وقت احمدیت نمہب کم ہے اور جماعت زیادہ ہے اور میرے کام میں جو اس وقت پیش نظر ہے، یہ کام سب سے بڑی دشواری ہے۔ اس وقت ایک احمدی کے لیے اپنے عقاقد چھوڑ دینا آسان ہے، لیکن جماعت چھوڑنا بہت مشکل ہے۔ جماعت چھوڑنے کے متن خاندان، برادری اور قوم کو چھوڑنا ہے۔ اپنی مثال ہی لے لو۔ تمہارے والد صاحب احمدی ہیں، بھائی احمدی ہیں، بیوی احمدی ہے، بیوی کے رشتہ دار احمدی ہیں۔ (مگر یہ خلیفہ صاحب کی پالیسی کے باوجود وہ، دوست احمدیوں سے باہر بھی ہیں) اور آگے گے ان رشتہ داروں کے رشتہ دار احمدی ہیں۔ اگر تم احمدیت چھوڑ دو تو ان کا رد عمل کیا ہو گا؟ یہ میں بتا سکتا ہوں۔ بعض کو تو تم سے فرا نفرت ہو جائے گی اور تعلق منقطع کر لیں گے اور دوسرے قطع تعلق پر مجبور کیے جائیں گے، یا مجبور ہو جائیں

گے۔ ان میں سے اگر کوئی حصہ ملتا بھی چاہے گا تو جرأت نہ کرے گا، اس خوف سے کہ کہیں دوسرا احمدی دیکھنے لے اور اس طرح اس کا اخلاص مشتبہ نہ ہو جائے۔ یہ تو تمہارے حالات ہیں۔ کمی دوسرے لوگ ہیں جن کی مجبوریاں اس سے بھی زیادہ ہیں۔ مثلاً بہت سے ہیں جن کے رہو ہے میں مکانات ہیں، کمی ایسے ہیں جن کے رشتہ دار انجمن کے ملازم ہیں۔ حقیقت میں یہ مرکز میں مکان بنانے کی تحریک بھی غلیظہ صاحب نے جماعت پر اپنی گرفت قائم رکھنے کے لیے جاری کی تھی۔ قادیانی میں مکان بنانے کی خاص طور پر ترغیب دی جاتی تھی۔ اس ترغیب کا مایاب ہوتا آسان بھی تھا۔ مرزا محمود احمد صاحب کی علیحدگی پسند پالیسی نے احمدیوں کے لیے دیہاتی برادری کے قدیم رشتے کمزور کر دیے تھے اور وہ اپنے ہی وطن میں اجنبی ہو کر رہ گئے تھے۔ اس لیے طبعی طور پر بھی یہ چاہتے تھے کہ اپنی تھی برادری میں جا کر آباد ہوں۔ پھر مرزا صاحب کی پیش گوئی تھی کہ قادیانی کا شہر مکمل کر بیاس تک پہنچ گا۔ اس پیش گوئی کو بھی پورا کرنا تھا۔ اس لیے احمدیوں کی عام خواہش یہ ہوتی تھی کہ کاروبار کی مصیبتوں سے فارغ ہونے کے بعد ”دیارِ سعی“ میں جا کر آباد ہوں۔ (ٹھہر ہے ہمارے بزرگوار..... کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی تھی، ورنہ ہمیں دو وفعہ بھرت سے دوچار ہوتا پڑتا)۔

بہر حال ابھی قادیان بیاس سے ”کچھ“ ادھر ہی تھا کہ ملک تعمیم ہو گیا اور قادیان کی احمدی آبادی بست کر مرزا صاحب کے آبائی محلے تک رہ گئی۔ مرزا محمود احمد صاحب، صاحب کشف و رؤيا ”بزرگ“ ہیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے کشف کی رسائی ملک کی تعمیم کے واقعات تک نہ ہو سکی تھی اور انہوں نے ابھی قادیان پھوٹھنے کے لیے اپنے آپ کو تیار نہ کیا تھا کہ پھوٹھنا پڑ گیا۔ مرکز کا ہاتھ سے چلا جانا احمدیہ تحریک کے لیے ایک بہت خطرناک بات تھی۔ شروع میں انجمن کے دفاتر اور تعلیمی ادارے لاہور میں قائم کیے گئے۔ جہاں تک مکانات دفیرہ کی نسبت انجمن کی ضروریات تھیں، وہ غالباً لاہور اور اس کے مضافات میں پوری ہو سکتی تھیں۔ لیکن جیسا کہ کہا گیا ہے لاہور ”روشنیوں کا شہر“ ہے اور یہاں خلائقی ماحول پیدا نہ کیا جاسکتا تھا۔ اس کے لیے ایک الگ تملک مقام کی ضرورت تھی، چنانچہ جنگ کے مغل میں ایک نئی آبادی قائم کر لی گئی، جس کا نام صیلی علیہ السلام کے حالات سے متعلق ایک قرآنی آیت کی مناسبت سے ”رہو“ رکھا گیا ہے۔ اب اس نئے قبیسے کی وسعت اور آبادی کی نسبت پیش گوئیاں شروع ہو گئیں اور تخلصیں کافرض ہو گیا کہ ان پیش گوئیوں کو پورا کریں اور وہاں مکان بنائیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اب رہو ہے ایک خاص آباد شہر ہے اور ظاہر ہے آبادی سب احمدیوں کی ہے۔ اب جن لوگوں نے یہاں مکان بنائی ہیں، ان کے لیے یہ ایک زائد مشکل ہے، جو ان کی آزادی سے مذہب کے بارے میں سوچتے میں حاصل ہیں۔

لیکن ان تمام دقوں کو جانتے ہوئے بھی، میں ماہیں نہیں ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ جس تحریک کی بنیاد علطاً نظریات پر رکھی گئی ہو، اس کو عارضی طور پر تھی پابندیوں سے قائم رکھا جاسکتا ہے۔ لیکن بالآخر اس کا ثتم ہو جانا مقدر ہے۔ ایک لحاظ سے یہ وقت میرے کام کے لیے سازگار ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس

وقت جماعت کے نوجوانوں کا ایک خاصہ طبقہ بغاوت لے لیے تیار ہو رہا ہے۔ کئی ماہ سے جماعت کے سرکاری آرگن "الفضل" نے اپنے کالم منافقین کے خلاف جہاد پر وقف کر کے ہیں اور جس جوش اور شدت سے یہ جہاد جاری ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا محمد احمد صاحب کے لیے حالات کافی تشویش ناک ہو گئے ہیں۔ جو لوگ اس وقت برآہ راست زیر عتاب ہیں، ان کے نام اخبار میں چھپے ہیں۔ ان کی تعداد کوئی زیادہ نہیں ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اور بہت سے لوگ ہیں جن کی وفاداری پر شبہ کیا جاتا ہے۔ میں ان منافقین کے موجودہ روایت سے چندال پر امید نہیں ہوں۔ (احمد یہ قیادت کی طرف سے ان اصحاب کے لیے منافق کی اصطلاح کا استعمال بھی ایک عجیب معاملہ ہے۔ یعنی جب تک کوئی شخص خلیفہ کے ہاتھ چھڑتا رہے، خواہ دل سے اسے رہا ہی سمجھے، وہ شخص اور مومن ہے، لیکن اگر اعتراض کا لکھن زبان پر لے آئے تو بُس منافق ہو گیا!)

ان لوگوں میں چند جماعت کے سابق مبلغ اور کارکن ہیں اور مولوی نور الدین صاحب کے دو بیٹے نمایاں حصہ لے رہے ہیں۔ یہ لوگ زیادہ تر اس بات پر خطا ہیں کہ موجودہ خلیفہ صاحب اپنی ذات اور خاندان کے اخراجات کے بارے میں (اگر اس کے لیے نرم سے نرم القاظ استعمال کیے جائیں) اسراف سے کام لیتے ہیں اور دوسرا الزام یہ ہے کہ خلیفہ صاحب اس کوشش میں ہیں ہیں کہ ان کے بعد ان کا بڑا ایتنا ظیفہ بنے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ خلیفہ اقل کی اولاد کو خاص طور پر اس دوسرے الزام کی وجہ سے ڈکھات ہے۔ شاید ان کو خیال ہے کہ اب پھر ہمارے خاندان کو موقع ملتا چاہیے! لیکن میرے نزدیک ان لوگوں کے اعتراضات معقولیت پر مبنی نہیں۔ مرزا محمد احمد صاحب کی معرفانہ زندگی اور ان کے خاندان کا انتدار بلاشبہ قابل اعتراض باقی ہیں لیکن دیکھنا یہ چاہیے کہ یہ صورت حال مرزا اعلام احمد صاحب کی تعلیم کے خلاف پیدا ہوئی ہے یا اس پر عمل کرنے سے۔ میری رائے میں خاندانی انتدار یہاں وجاہت قائم کرنا مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت کا ایک لازمی جزو تھا۔

خطیب پابندی کے بعد میرے لیے ایک بڑی وقت تمہارے لیے احمد یہ عقائد کو فلسطین ثابت کرنا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم جانتے ہی نہیں کہ تمہارے عقائد کیا ہیں؟ اب جو چیز حصیں معلوم ہی نہیں اس کا غلط ہونا کیسے ہاتھ کیا جائے؟ ایک زمانے میں احمدیوں کے تعلق مشورہ تھا کہ یہ لوگ دوسرے مسلمانوں کی نسبت مذہبی علوم میں زیادہ دسترس رکھتے ہیں۔ اس وقت یہ بات ایک حد تک درست تھی۔ چونکہ یہ ایک نیا فرقہ تھا اور انھیں اکثر دوسرے فرقوں سے بحث کرنا پڑتی تھی، اس لیے مجبوراً کم از کم چند نزدیکی امور سے انھیں واقفیت رکھنی ہوتی تھی۔ لیکن کچھ عرصہ بعد بحث کرنے کا کام تجوہ وار مسلمین کے پرداز ہو گیا اور دوسرے احمدی اس ضرورت سے بے نیاز ہو گئے اور اب تو اس طرح کی مذہبی بحث کا طریقہ ہی متروک ہو رہا ہے۔ اس لیے اب صورت پہلے سے بالکل عرکس ہے۔ اب مولویوں کے طبقے سے باہر مذہب کے بارے میں احمدی نوجوان دوسرے مسلمانوں سے زیادہ بے علم ہیں۔ اس کی کمی وجہ ہیں۔ علم کی جگہ "دھک"

سے پیدا ہوتی ہے۔ شک کو وجود میں لانے کے لیے ایک طرح کی آزادی فکر کی ضرورت ہوتی ہے۔ احمدیت نے نہ ہی معاملات میں اپنے ہیروؤں کی آزادی فکر سلب کر لی ہے۔ یہ بات احمدیت سے خاص نہیں، جہاں بھی ہرگز پرستی ہو گی، وہاں بھی حال ہو گا اور احمدیت سے ہرگز پرستی کی صورت ہے۔

احمدیت کی بحث میں سب سے اہم موضوع قسم نبوت سمجھا جاتا ہے۔ میرے نزدیک اس موضوع کا عقل کی قطعیت کے نظریے سے گمراحتقہ ہے۔ یہاں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ خدا احمدیت کے پرکھے میں عقل سے کام لو۔ جس دلیل کو تمہاری عقل قبول نہ کرے، اسے روکر دو۔ خواہ اس کی تائید میں سختی ہی بڑی سند پیش کی جائے۔ یہ کہنے میں، میں نہ کوئی حقیقتی بات کہہ رہا ہوں اور نہ کوئی ناجائز مطالبہ کر رہا ہوں۔ قرآن میں تقریباً تمام حقیقوں کے بیان میں یہ الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ ”تم تذہب کیوں نہیں کرتے؟ تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے؟“ ظاہر ہے کہ یہ مطالبہ سوائے اس یقین کے نہ تھا کہ عقل دینی اور دنیاوی تمام امور میں درست رہنمائی کرنے کے قابل ہے۔

اگر ہم اس ایک بات پر تفہیق ہو جائیں کہ نہ ہی تقریبات میں عقلی استدلال اسی طرح برداشت کار لایا جاسکا ہے، جس طرح کسی دیگر علمی شعبہ میں تو میرا کام نہایت کھل ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں میرا مطالبہ صرف یہ رہ جاتا ہے کہ اپنے آپ کو عالم مسلمان فرض کرو۔ اس حادثہ کو ہن سے نکال دو کہ تم ایک احمدی گمراہے میں پیدا ہوئے ہو۔ یہ فرض کرو کہ چلی بار مرزا صاحب کے دعاویٰ تمہارے سامنے پیش کیے گئے ہیں اور حصیں بلور ایک باشور آزاد انسان کے مرزا صاحب کی صداقت کا فیصلہ کرنا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر تم اپنے آپ کو ان حالات میں رکھ کر سوچو تو ضرور درست تیجے تک پہنچ جاؤ گے۔

یہاں سے حصیں اس سوال کا جواب بھی ملتا ہے جو میرے سامنے بار بار پیش کیا گیا ہے۔ میرے اکثر احمدی احباب کہتے ہیں کہ کیا تم ہی اتنے بڑے افالاطون آگئے ہو۔ احمدیہ جماعت میں اتنے بڑے بڑے حق اور وکیل اور پروفیسر شامل ہیں، اگر احمدیت اتنی ہی بے بنیاد ہے تو ان لوگوں کی بحتجہ میں یہ بات کہوں گے آتی۔ حقیقتاً یہ سوال بڑا دیگر پس ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فی الواقع میرے یہ بزرگ عقلی ذراائع کی مخالفت میں بھی کسی پختہ بنیاد پر مقام نہیں ہیں۔ اگر دینی امور کی صداقت پر کھے کے لیے عقل بے کار ذریعہ ہے تو ظاہر ہے کہ ان بڑے بڑے دانشوروں کا احمدیت قبول کرنا ایک غیر متعلق بات ہے۔ میرے خیال میں غالباً اس دلیل سے مراد یہ ہے کہ جب اتنے بڑے بڑے عقلی مندوگ دینی تحقیقیں میں عقل سے کام نہیں لیتے، تو تم کیوں خواہ گواہ اس ذریعہ کے استعمال پر مصر ہو اور سیکھی بات حقیقت کے زیادہ قریب ہے۔ میرے لیے یہ لوگ باوجود اپنی علمی اور عقلی بزرگی کے کوئی سند نہیں ہیں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ انہوں نے زندگی کو دو اگلے اگلے شعبوں میں تعمیم کر رکھا ہے۔ مثلاً اگر یہ حق ہیں تو گواہ کی صداقت اور جمیٹ میں تیز کرنے کے لیے انہوں نے عقلی بنیادوں پر اصول قائم کیے ہوئے ہیں، جن سے وہ استفادہ کرتے ہیں

لیکن جب مرزا صاحب کا معاملہ درجیں ہو تو ان سب اصولوں کو خیر باد کہہ دیتے ہیں اور خواب، روایا، استخارہ اور وجدان پر انحصار کرتے ہیں۔ اور یہ ذرائع کسی قاعدے یا قانون کے پابند نہیں ہیں۔ لیکن کہا جا سکتا کہ کسی خاص شخص کو وہ کس نتیجے پر پہنچا میں گے؟

ویسے یہ بات بجاۓ خود درست نہیں ہے کہ کئی اصحاب علم نے احمدیت قول کر لی ہے۔ جن معروف شخصیتوں کا اس ضمن میں ذکر کیا جاتا ہے ان میں سے پیشتر یہ ائمہ احمدی ہیں۔ چنانچہ ان کے بارے میں تو صرف یہ سوال رہ جاتا ہے کہ وہ اب تک احمدیت پر کیوں قائم ہیں؟ اس کی وجہ کی طرف میں ابھی اشارہ کر چکا ہو۔ بہر حال یہ بات احمدیت قول کرنے سے بالکل عتفہ ہے۔

امہمت کی تحقیق کے معاطلے میں ہم خوش نصیب ہیں کہ اس دور میں پیدا ہوئے ہیں۔ اس وقت ہمارے سامنے سوال نہیں کہ مرزا صاحب نے ایک غلط دعویٰ کیوں کیا یا اس زمانے کے چند یوں اور عالم لوگ اس دعویٰ پر کیوں اعتمان لے آئے؟

مرزا صاحب کے حالات کی روشنی میں ان کے الہامات اور دعاویٰ کا نقیای تجربہ یقیناً ایک دلچسپ اور خیال آفرین مطالعہ ہو گا۔ آج سے کوئی بھی سال پہلے علامہ اقبال نے اس مطالعے کی اہمیت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا تھا:

”بانی احمدیت کے الہامات کی اگر دلتن خاطری سے تخلیل کی جائے تو یہ ایک ایسا مہر طریقہ ہو گا، جس کے ذریعہ سے ہم اس کی شخصیت اور اندر وہی زندگی کا تجربہ کر سکیں گے۔ اس مسئلے میں، میں اس امر کو واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ مولوی منظور الہی نے بانی احمدیت کے الہامات کا جو مجموعہ شائع کیا ہے، اس میں نقیای تحقیق کے لیے متعدد اور مختلف مواد موجود ہے۔ میری رائے میں یہ کتاب بانی احمدیت کی بیرت اور شخصیت کی کنجی ہے اور مجھے امید ہے کہ کسی دن نفیات جدید کا کوئی حسلم اس کا سنجیدگی سے مطالعہ کرے گا۔ اگر وہ قرآن کو اپنا معيار قرار دے (اور چند وجوہ سے اس کو ایسا کرنا ہی پڑے گا، جن کی تشریع یہاں نہیں کی جاسکتی) اور اپنے مطالعہ کو بانی احمدیت اور ان کے ہم صر فیر مسلم صوفیاء جیسے رام کرشنا بھگالی کے تجربوں تک پہنچائے تو اس کو اس تجربہ کی اہل ماہیت کے متعلق بڑی حرمت ہو گی جس کی بنابر بانی احمدیت نے نبوت کا دعویٰ کیا۔“

ابھی تک کسی نفیات کے حسلم نے یہ کام نہیں کیا لیکن احمدیت کی حقانیت کا فیصلہ کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں کر اؤل یہ معلوم کیا جائے کہ کن خارجی اور داخلی مورثات کے تحت مرزا صاحب کی شخصیت اور ان کے دعاویٰ نے قائم لیا ہے۔ اگر یہ دعاویٰ فی الواقع قائم ہیں تو ہمارے لئے یہ کافی ہے۔

ہم اس لئے خوش نصیب ہیں کہ احمدت کا عملی نمونہ ہمارے سامنے آگیا ہے اب مرزا صاحب کی وفات کے تین گھنے کے ہارے میں قیاس پر انحصار کنا ضروری نہیں ہے۔ مرزا صاحب کی بیٹت پر تقریباً 1935 سال کا عمر صد گزر چکا ہے۔ حمیریک اپنے اواکل سے گزر کر عروج پر پہنچی اور اب اس کے انحطاط کا وہ شروع ہو چکا ہے۔ اس لئے ہر سے میں جو تین گھنے ہوتے تھے اور معاشرے پر اس حمیریک نے جواہرات ڈالنے تھے وہ مل میں آپکے ہیں۔ اس لئے ہمارے لئے مرزا صاحب کی حمیریک کا کام نہیں آسان ہے۔

تم اس بات سے قیاس کرو کہ طلام اقبال ہمیشہ شخصیت ایک وقت میں احمدت سے حائزہ رکھی ہے۔ اگر اس بات کی ناقابل تردید شہادت موجود نہ ہوتی تو خود طلام اقبال کا اپنا اعتراف دہکاتا ہے میں کسی ہادرنہ کرتا کہ "خطبات" کا صرف "ہمایں احمدیہ" سے حائزہ رکھتا ہے۔

اس فہریں میں احمدیوں سے میری گزارش ہے کہ اگر اقبال کی طرف سے احمدت کی خلافت آپ کے خذیل کوئی سن نہیں تو ان کی اس جماعت کے حلقوں ایسی رائے کیوں کرایک ایسی ولیل ہو سکتی ہے اور "ذرا سچیل" سے یہ عرض کرنا ہے کہ اقبال کی صفت اس میں نہیں کہ وہ احمدت سے بھی حائزہ رکھئے تھے بلکہ اس میں ہے کہ زیر اڑ آنے کے بعد انہوں نے اس حمیریک کا ہاں ہونا معلوم کر لیا تھا یہ بھی ان کی صفت کا ایک پہلو ہے کہ انہوں نے اپنے سابق رجحان سے الٹا کر لیا تھا کیا۔ 1935ء کے قریب جب طلام اقبال کی ایک سابق تحریر کی طرف لالائی گئی، جس میں انہوں نے احمدت کے ہارے میں موجودہ رائے کا انکھار کیا تھا تو آپ نے اس کی توجیہ میں فرمایا:

"جہاں تک مجھے یاد ہے یہ تحریر میں نے 1911ء میں یا اس سے قبل کی تھی اور مجھے یہ تعلیم کرنے میں کوئی باک نہیں کہ اب سے رائے میں ہر چیز میں حمیریک سے احمدت تک کی ایسی تحریر کی امید تھی۔ اس سے بہت پہلے مولوی چانغ علی مرروم نے جو مسلمانوں میں کافی سرہ آورده تھے وہ اگر یہی میں اسلام پر بہت سی کتابیں کے صرف بھی تھے، پالی حمیریک کے ساتھ تعلوں کیا تھے جہاں تک مجھے معلوم ہے کہ کتاب موسوم ہے احمدیہ میں انہوں نے میش قیمت مدینہ بھائی ٹیکن کی میں ہی حمیریک کی اہل روح ایک دن میں نمایاں نہیں ہوتی۔ اسے ایسی طرح کا ہر ہونے کے لئے برسوں چاہئیں۔ حمیریک کے دو گروہوں کے باہمی نژادیات اس اہر پر شاہد ہیں کہ خود ان لوگوں کو جو ہائی حمیریک کے ساتھ وہ اتنی رابطہ رکھتے تھے، معلوم نہ تھا کہ حمیریک آگے مل کر کس راستے پر چڑھائے گی..... درست جس سے نہیں، پہلے سے پہنچانا جاتا ہے۔ اگر میرے موجودہ رویہ میں کوئی تناقض ہے تو یہ بھی ایک زندہ اور سوچنے والے انسان کا حق ہے کہ وہ اپنی رائے بدل سکے۔ جوں "نہریں" صرف

پھر اپنے آپ کو نہیں جھلا سکتے۔“

میری مراد یہ ہے کہ جب ڈاکٹر اقبال جیسا عظیم مفکر اس غلط فہمی میں جلا ہو گیا تھا تو دوسرے لوگوں کا ایسا سمجھ لینا کوئی حرمت کی بات نہیں۔ ایک موقع پر انہوں نے

احمد یہ تحریک کے اسباب کی نسبت اپنا خیال ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے:

”میرے خیال میں وہ تمام ایکثر جنوں نے احمدت کے ذریعے میں حصہ لیا ہے،
روان اور انحطاط کے ہاتھوں میں بخشن سادہ لوح کٹ پلی ہے ہوئے تھے۔“

ہندوستان کے جمالت و روایات زدہ ماحول میں تجھ بس بات پر نہیں کہ کیوں چد لوگوں نے مرزا صاحب کو مان لیا، بلکہ اس بات پر ہے کہ کیوں صرف چد نے ہی مانا اور ایک بھاری اکثریت نے مرزا صاحب کے دھوے کو رد کر دیا۔

اب اس دور سے لے کر اس وقت کی تاریخ پر غور کرو۔ لکھ میں علمی، سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی لحاظ سے اہم تبدیلیاں مغل میں آئی ہیں۔ بخششیت جموئی ہم نے ہر لحاظ سے ترقی کی ہے۔ جمالت کی بجلد علم ہے، غلامی کی بجائے آزادی ہے اور معاشرے کی پہلے سے زیادہ مساوات اور انصاف کی پہنچا دوں پر عظیم کی جاری ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس ترقی میں احمد یہ تحریک کس طرح اثر انداز ہوئی ہے؟ اگر تم انصاف کی نظر سے دیکھو تو اس سے اتفاق کر دے گے کہ ترقی احمدت کے سبب نہیں بلکہ اس کے باوجودہ ہوئی ہے۔ ان تمام شعبوں میں احمدت نے ایک رجعت پسند (Reactionary) جماعت کا کروار ادا کیا ہے۔ یہاں انفرادی طور پر احمدیوں کے کروار سے بجٹ نہیں ہے بلکہ جماعت کی عمومی پالیسی اور حراج زیر غور ہے۔ مثلاً سیاسی آزادی کو ہی لو۔ سب سے اہم بھی بھی ہے کونکہ فیروزگلی استبداد سے رہائی حاصل کیے بغیر زندگی کے دنگر شعبوں میں کوئی قابل لحاظ ترقی ممکن نہ تھی۔ اس بات کے شوتوں کے لیے کسی بھی دلیل کی ضرورت نہیں ہے کہ احمد یہ پالیسی ہی یہ آزادی کے خلاف رہی ہے اور اس پالیسی کے لیے مرزا محمود احمد صاحب ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ یہ مرزا قلام احمد صاحب کی تعلیم کا لازمی اور راه راست تھی ہے۔ ایک شخص احمدی لازمی طور پر غلامی پسند ہو گا۔ اگر کسی احمدی نے آزادی کی تحریک میں حصہ لیا ہے (جسے کسی ایسے صاحب کا علم نہیں) تو اس نے مرزا صاحب کی تعلیم کے خلاف پڑھتے ہوئے ایسا کیا ہو گا۔

فرض کرو ہندوستان کی سب آبادی احمدت اختیار کر لئی۔ (ایسا سوچتے میں کوئی عیوب نہیں، کیونکہ اگر احمدت خدا کی طرف سے ہے تو یہ بات نہایت مناسب تھی کہ سب لوگ اس میں داخل ہو جاتے) آزادی حاصل کرنا تو رہا ایک طرف، کیا اس صورت میں آزادی کی تحریک شروع بھی کی جاسکتی تھی؟ پڑھنے سیاسی آزادی کو چھوڑ یہے۔ اس راہ میں تو مرزا صاحب کے لیے کتنی وقتیں تھیں۔ اگر غالباً علمی اور وہ بھی اسلامی علم کے شعبے کو لیا جائے تو تم دیکھو گے کہ مرزا صاحب نے اسلامی علم کے احیاء اور

ترقی میں کوئی قابل ذکر حصہ نہیں لیا۔ ویسے کہنے کو مرزا صاحب نے پوری 84 کتابیں لکھ دیں ہیں۔ کم ہی صرف اس تعداد کے نصف تک بھی پہنچ ہوں گے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ مرزا صاحب نے ان کتب میں کون ساختاں یا پیغام پڑھ کیا ہے؟ میرا خیال ہے کہ مرزا صاحب پہلے نبی ہیں جن کی تخبری پیغام سے خالی ہے۔ اس میں تک نہیں کہ مرزا صاحب نے کچھ نئی باقی ضرورتی ہیں اور بعض مسائل کے بیان میں ایک ایسا اعماز اختیار کیا ہے کہ ایک خاص وقتی رجحان کے لوگوں کے لیے اس میں کچھ کشیدہ ہو گئی لیکن مجھ کی طرف پر اس دور کے دمگ مصلحتیں کے مقابلے میں مرزا صاحب کا کوئی مقام نہیں۔ اسی وجہ سے مرزا صاحب کی طرفی قابلیت کی کوئی نہیں بلکہ مخدود کا خور ہے۔ مرزا صاحب کا سارا مشن اپنی ذات اور خاتم الانبیاء کی محدود تھا اور انہوں نے جو کچھ لکھا ہے اس میں کوئی سانسی رکھ کر لکھا ہے۔ ویسے انہوں نے تفسیر، حدیث، فتن، تاریخ، فاطل ادیان وغیرہ تقریباً ہر شیج پر کچھ نہ کچھ (بلکہ بہت کچھ) لکھ دیا ہے لیکن ہر جگہ ایک ہی مخدود سانسی رکھا ہے۔ یعنی اپنی نبوت اور مجددیت کو ثابت کرتا۔

پہنچ اخراج کرنا پڑتا ہے کہ مرزا صاحب کی تحریر ایک طرح کی فکارانہ صفت سے خالی نہیں۔ خلاصہ اکثر جگہ انہوں نے اپنے اہل مخدود کو جیان نہیں ہونے دیا اور کسی قدر کامیابی سے یہ پیارہ بنا کیا ہے کہ گواہ اہل مخدود اسلام کی برتری ثابت کرتا ہے۔ مثال کے طور پر وفات کیج کے مسئلہ کو لو۔ غالباً مرزا صاحب نے اس سے زیادہ اسی موضوع پر لکھا ہے۔ مرزا صاحب کے دوسرے کے ثبوت کے لیے کوئی آسان پر زندہ موجود ہو تو زمین میں سچ کی مجھائش عی پیدا نہیں ہوتی، اس لیے مرزا صاحب کے لیے حیات کیج کے حقیقتی کی ترویج لاحد لازمی تھی، لیکن جب تک اس ذاتی ضرورت کو توی ضرورت کی صورت میں پہنچنے کیا جاتا، کام نہ مل سکتا تھا۔ یہ کام مرزا صاحب نے اس طرح کیا کہ نہایت شدت اور بھروسہ کے ساتھ مسلمانوں کو حیات کیج کے حقیقتی سے بیدا ہونے والے خطرات سے آگاہ کیا۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ حیات کیج کا حقیقتی میساں ہم کے ہاتھ میں ایک زبردست حریب ہے کیونکہ اس سے میساں کی یہ ثابت کرتے ہیں کہ صحت، تحریر اسلام سے انہل ہیں بلکہ ایک طرح سے حضرت مسیحی کی الوریت اس سے ثابت ہوتی ہے۔ ممکن ہے بعض میساں ہم کی طرف سے عامہ زانہ طور پر یہ دلیل پیش بھی کی جاتی ہو، لیکن فی الواقع حیات کیج میں مسلمانوں کے لیے کوئی حقیقی خطرہ نہ تھا۔ اس کے لیے اتنا کہہ دیا کافی ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت اب بھی (حقیقتی) حیات کیج کی قائل ہے۔ لیکن اس وجہ سے اس نے اسلام چھوڑ کر میساںیت اختیار نہیں کی۔

اہی طرح اپنے الہامات کا جواز پیدا کرنے کے لیے مرزا صاحب نے یہ استعمال استعمال کیا کہ الہام کے اجراء سے الکار کی صورت میں خالی صفات میں لفظ واقع ہوتا ہے۔ اسلام کا خدا، زندہ خدا ہے۔ وہ چیز پہلے کلام کرتا تھا، اب بھی کلام کرتا ہے۔ (گویا اہی طرح مرزا صاحب کے ساتھ کرتا ہے ا)

اس مخدود مخدود کی موجودگی میں مرزا صاحب کی تحریر میں کسی ارفی پیغام کی تلاش عی صحت ہے۔

لیکن میری اس دلیل کو سمجھنے کے لیے مرزا صاحب کی چند کتب کا مطالعہ ضروری ہے۔ اس لیے میں تم سے سفارش کرتا ہوں کہ تم کم از کم دو تین کتابیں ضرور پڑھ لو۔ بالخصوص ”حقیقت الوجی“ ضرور پڑھو کیونکہ مرزا صاحب کا دعویٰ ہے کہ ان کی طرف سے اتمام جلت کے لیے اس کتاب کا شروع سے آخر تک پڑھ لینا کافی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ میرے موقف کے اتمام جلت کے لیے بھی بھی کتاب کافی ہے۔ اس کے ساتھ تم مقابلے کی غرض سے مرزا صاحب کے ہم عصر علماء مثلاً سریت، ابوالکلام آزاد، شیلی، حالی، وغيرہ کی کچھ تصانیف پڑھ لو۔ فرق اتنا نمایاں ہو گا کہ تم ایک ہی فیصلہ پر پہنچو گے کہ ان کے ہاں الہام کے بغیر وہ کام کیا گیا ہے جو صاحب الہام سے نہیں ہو سکا۔ اگر یہ سب اکابر احمدی ہو گئے ہوتے تو قوم کتنے بڑے علمی سرمائے سے محروم ہو جاتی۔ احمدیت کی صورت میں وہ ندرت خیال کہاں ممکن تھی، جو آزادی سے سوچنے کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔

ملک کی آزادی کے بعد احمدیہ جماعت نے سیاسی لحاظ سے ایک نئے مسئلہ (Problem) کی صورت اختیار کر لی ہے۔ جو بات مجھے پریشان کر رہی ہے اور جس کی طرف میں نہایت زور سے ملک کے ترقی پسند حاصل کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ ملک کی احمدی آبادی اپنی جماعتی تنقیم کی وجہ سے جہور کی آزادی میں شریک ہونے کے ناقابل ہے۔ بعض مبادیات ہیں جن کے بغیر عملاً جہوریت کا کسی ملک میں نافذ کرنا ممکن نہیں ہے۔ ان میں سے ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ قوم کے افراد اس بات میں آزاد ہیں کہ کسی سیاسی جماعت میں شامل ہوں، جب چاہیں اس کو چھوڑ دیں، کوئی نئی پارٹی بنائیں یا کسی پارٹی میں شریک ہی نہ ہوں، بلکہ اپنی انفرادی آزادی کو مکمل طور پر قائم رکھیں اور نمائندہ اداروں کے انتخاب میں مختلف امیدواروں کی پالیسی اور کروار کو جانچ کر جس طرح چاہیں، اپنی رائے کا استعمال کریں۔ اس موقع پر میں جہوری نظام میں پارٹی سسٹم کے فوائد اور نقصانات میں نہیں جانا چاہتا۔ موجودہ بحث سے یہ سوال غیر متعلق ہے۔ اس بارے میں جو صورت بھی اختیار کی جائے، جماعت احمدیہ کا طرزِ عمل جہوریت کے اصول کے منافی ہے۔

احمدی، کسی سیاسی جماعت میں شامل ہونے کے لیے آزاد نہیں ہیں۔ وہ تمام سیاسی امور میں اپنے مرکز کی ہدایات کے پابند ہیں۔ بلکہ اداروں کے نمائندوں کے انتخاب میں احمدیہ جماعت کے افراد نہ تو شخصی رائے پر عمل کر سکتے ہیں اور نہ کسی سیاسی جماعت کی پالیسی سے متأثر ہو کر رائے دے سکتے ہیں بلکہ بحیثیت جماعت ایک پالیسی کا فیصلہ کر لیا جاتا ہے اور سب احمدیوں کے لیے اس پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اندر ورنی طور پر افراد کو جماعتی پالیسی متعین کرنے میں اپنی رائے کے اکھمار کا اختیار دیا گیا ہے، لیکن یہ ایک بے معنی تکلف ہے۔ مرکز، مقامی جماعتوں کی رائے کا پابند نہیں ہے اور مرکز سے مراد کوئی منتخب شدہ ادارہ نہیں ہے، عملاً اس سے مراد خلیفہ کی ذات ہے۔ عقیدہ یہ ہے کہ خلیفہ کو خدا مقرر کرتا ہے، اس لیے اسے

معزول کرنے یا اس کی پالیسی کا محاسبہ کرنے کا اختیار جماعت کو حاصل نہیں ہے۔ اس عقیدہ کی موجودگی میں خلیفہ کی رائے کے خلاف رائے دینا ایک غیر معقول بات ہے اور کسی شخص احمدی سے اس کی توقع نہیں ہو سکتی۔ یہ حالات اس جماعت کو جمہوری طرز حکومت کے عمل سے خارج کر دیتے ہیں۔

یہ ہیں وہ مقاصد جن کو سامنے رکھ کر میں نے یہ گزارشات پیش کی ہیں۔ علامہ اقبال کی، جس تحریر سے اپر خواہ دیے گئے ہیں، اسی میں ایک جگہ موصوف نے امید ظاہر کی ہے کہ ”جمہوریت کی نئی روح ہندوستان میں پھیل رہی ہے۔ وہ یقیناً احمدیوں کی آنکھیں کھول دے گی اور انھیں یقین ہو جائے گا کہ ان کی دینیاتی ایجادات بالکل بے سود ہیں۔“

لیکن میری بھی خواہش اور امید ہے۔ دیکھئے احمدی نوجوان کب آنکھیں کھولتے ہیں۔ تاریخ نے احمدیت کو غلط ثابت کر دیا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم سب اس تاریخی حقیقت کو قول کر لیں۔

چکھہ عرصہ ہوا علامہ اقبال کی نسبت ایک لیفٹ پڑھنے میں آیا۔ وہ کہتے تھے اگر میں مسلمان نہ ہوتا اور قرآن کا ویسے ہی مطالعہ کرتا تو میں اس نتیجہ پر مانختا کریں کتاب کسی عورت کی تعنیف ہے، جس نے مرد سے اپنی صرف کے غصب کردہ حقوق کا بدلہ لیا ہے۔

اس کے مقابلے میں جس شخص نے خود قرآن نہ پڑھا ہو اور قرآنی تعلیم کا اندازہ ہندو پاکستان اور باخخوس پنجاب کی مسلمان عورتوں کی حالت سے لگائے، وہ علامہ اقبال کے قول کو ایک ایسا شاعرانہ مبالغہ خیال کرے گا، جس کو حقیقت سے کچھ تعلق نہیں۔ لیکن اگر عورت کے حقوق کی نسبت اسلامی تعلیم کا خود قرآن سے مطالعہ کیا جائے تو خاہر ہو گا کہ اقبال کی رائے حقیقت پر ہی ہے اور فی الواقع قرآن اس پارے میں ایک انقلابی نظریہ پیش کرتا ہے۔

قرآن کے ذریعہ مکملی پار عورت کو مرد کے ساتھ برابر کی حیثیت سے تعلیم کیا گیا ہے۔ اگر اس وقت کے معاشرہ کے حالات کو دیکھا جائے اور یہ بات ذہن میں رکھی جائے کہ اسلام سے قبل وینا بھر میں عورت کی بلور انسان الگ حیثیت ہی تعلیم نہ کی جاتی تھی اور حقوق اور پھر مرد کے ساتھ برابر کے حقوق کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا، تو ایک طرف تو اس نظر یا تی انقلاب کی حکمت سامنے آ جائے گی، جو قرآن نے یہ کہہ کر پیش کیا:

”اور عورتوں کے مردوں پر حقوق ہیں ایسے ہی چیزیں کہ مردوں کے عورتوں پر۔“

دوسرے یہ امر قرآن کے خدا کا کلام ہونے کا ایک اور ثبوت ہے۔ کوئی سوش مصلح اپنی عص سے اس حرم کی تعلیم پیش کرنے کی جوأت ہی نہ کر سکتا تھا۔

یہاں اس امر کی وضاحت کر دیا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مرد اور عورت کی مساوات کا تخلیق عص

ایک نہر کی صورت میں پیش کرنا بے قائدہ بات ہے۔ اس طرح کی نہرہ بازی ہمیشہ سے دنیا میں جاری رہی ہے۔ لیکن عورت جوں کی توں مجبور و حکوم رہی ہے۔ مرد نے عورت کو فرشتہ، دیوبی، پھول، قوس قزح تو قرار دیا ہے، لیکن اس کے انسان ہونے سے انکار کیا ہے۔ قرآن کی شاعر یا مصور کے فکر کا نتیجہ نہیں ہے۔ اس لیے اس نے اس طرح کے خوبصورت لیکن بے حقیقت الفاظ سے کام نہیں لیا۔ قرآن نے عورت کو مرد کی طرح انسان قرار دیا ہے اور محض اعلان اور نصیحت پر ہی التفاف نہیں کیا، بلکہ واضح اور غیر مبہم الفاظ میں دو بنیادی امور میں عورت کے حقوق مرد کے برابر کر دیے گئے ہیں۔ یہ دو امور و راست اور ازدواجی تعلقات ہیں۔ معاشرے میں عورت کا مقام تعین کرنے کے لیے یہ دونوں امور مرکزی حیثیت رکھتے ہیں اور زندگی کے دیگر تمام شعبے و راست اور ازدواج کے قوانین سے متاثر ہوتے ہیں۔ اگر مسلمان ان دو باتوں میں قرآنی قانون پر کار بند رہتے تو اس وقت معاشری اور سماجی امور میں عورت کو مرد کے برابر حقوق دلانے یا ان کی حفاظت کرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ قرآنی احکام ان حقوق کے قائم کرنے اور انہیں برقرار رکھنے کے لیے کافی خصائص ہیں اور دیگر کسی تحفظ کی ضرورت نہیں ہے۔

لکاح کی نسبت قرآنی نظریہ اور دیگر مذاہب کے پیش کردہ تفہیمات میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ قرآن، لکاح کو ازدواجی معاہدہ قرار دیتا ہے۔ اس کے بعد میش و دیگر مذاہب نے ازدواجی تعلق کو ایک نئی مذہبی فریضہ کی حکیمی دے دی ہے۔

وقات میں جیسے مسائل کو تو انہوں نے اس قدر اہمیت دی کہ ان کی کتب میں سے شاید ہی کوئی کتاب اس بحث سے خالی ہوا اور اس کے بعد میش زندہ مسائل جن پر قوی ترقی و تحلیل کا دار و مدار ہے، عام طور پر مرزا صاحب کی نظرالتفاقات سے محروم ہی رہے۔ لیکن مرزا صاحب کی زندگی میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے ہم عورتوں کے بارے میں ان کے اعتقادات کی نسبت کسی شبہ میں نہیں رہتے۔ یہ واقعہ ایک کم سن لڑکی محمدی بیکم کے ساتھ مرزا صاحب کے لکاح کرنے کی ہاتھ کوشش سے تعلق ہے۔ محمدی بیکم کی نسبت مرزا صاحب کی پیش گوئی جماعت احمدیہ اور ان کے خلافیں کے درمیان ایک مستقل بحث کا موضوع ہے۔ میں چونکہ پیش گوئوں کو کسی صداقت کے پرکھنے کا معیار ہی نہیں سمجھتا اور نہ اس طرح کی پیش گوئیاں کرنا کسی نئی یا مجدد کے منصب کے شایاں سمجھتا ہوں، اس لیے میں اس پیش گوئی کے ان پہلوؤں پر زیادہ بحث نہیں کرنا چاہتا، جن کا تعلق محض اس امر سے ہے کہ آیا پیش گوئی پنجی یا جھوٹی۔ ویسے اس ضمن میں میرے لیے یہ بات حرمت انگیز ہے کہ اس پیش گوئی کے پورا ہو جانے کا دعویٰ بھی کیا جاتا ہے۔ مرزا صاحب کی پیش گوئی یہ تھی کہ بلا خزان کا لکاح محمدی بیکم سے ضرور ہو گا۔ ان کا دعویٰ تھا کہ یہ بات وہ خدا سے خرب پا کر کہہ رہے ہیں اور یہ میں سمجھتی۔ چنانچہ 1891ء میں اپنی کتاب ”ازالہ ادہام“ میں لکھتے ہیں:

”عمرہ قرباً ثمن برس کا ہوا کہ بعض تحریکات کی وجہ سے، جن کا مفصل ذکر اشتہار

دہم جولائی 1888ء میں مندرج ہے، خدا تعالیٰ نے پیش کوئی کے طور پر اس عاجز پر ظاہر فرمایا کہ مرزا احمد بیک ولد گماں بیک ہوشیا۔ پوری کی دختر کلام انجام کار تمہارے نکاح میں آئے گی اور وہ لوگ بہت عادوت کریں گے اور بہت مانع ہوں گے اور کوشش کریں گے کہ ایسا نہ ہو لیکن آخر کار ایسا ہی ہو گا اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ ہر طرح سے اس کو تمہاری طرف لائے گا۔ باکہ ہونے کی حالت میں یا بہد کر کے اور ہر ایک روک کو درمیان سے اخدا دے گا اور اس کام کو ضرور پورا کرے گا۔ کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔“

بھی نہیں مرزا صاحب کے کہنے کے مطابق جب کبھی انھیں اس پیش کوئی کی نسبت کوئی شب پیدا ہوا، خدا تعالیٰ نے چدید دھی کے ذریعہ ان کے تمام ٹکوک دور کر دیے اور انھیں یقین دلایا کہ خدا کا وعدہ ضرور پورا ہو گا۔ اس طرح ایک الہام کا ذکر اسی کتاب ”از الله اوہام“ میں ہے۔ فرماتے ہیں: ”جب یہ پیش کوئی معلوم ہوئی اور ابھی پوری نہیں ہوئی تھی (جیسا کہ اب تک بھی) جو 16 اپریل 1891ء ہے، پوری نہیں ہوئی تو اس کے بعد اس عاجز کو ایک سخت بیماری آئی۔ یہاں تک کہ قریب الموت کے قوت بھی گئی بلکہ الموت کو سامنے دیکھ کر وہیت بھی کر دی گئی، اس وقت گویا یہ پیش کوئی آنکھوں کے سامنے آگئی اور یہ معلوم ہوا تھا کہ اب آخری دم ہے اور کل جنازہ لٹکنے والا ہے۔ قب میں نے اس پیش کوئی کی نسبت خیال کیا کہ شاید اس کے اور حقیقی ہوں گے جو میں بھجنہ سکتا۔ قب اسی حال میں قریب الموت میں مجھے الہام ہوا اللحق من ربک فلا تكون من المعنین یعنی یہ بات تیرے رب کی طرف سے بچ ہے تو کیوں تک کرتا ہے“ اور مرزا صاحب خدا کے اس وعدہ سے زندگی کے آخری یا میں تکمیل طور پر مایوس نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ اپنی وفات سے صرف تین سال پہلے ”حقیقتہ الواقعی“ میں لکھتے ہیں:

”اور یہ امر کہ الہام میں یہ بھی تھا کہ اس حورت کا نکاح آسمان پر میرے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ یہ درست ہے مگر جیسا کہ ہم ہیان کر پچے ہیں کہ اس نکاح کے ظہور کے لیے جو آسمان پر پڑھا گیا، خدا کی طرف سے ایک شرط یہ بھی تھی جو اسی وقت شائع کی گئی تھی اور وہ یہ کہ ایتها المرأة توبی توبی لان البلاع على عقبکس جب ان لوگوں نے اس شرط کو پورا کر دیا تو نکاح بچ ہو گیا یا تاخیر میں پڑ گیا۔“

اب یہ امر واقعہ ہے کہ آسمان پر پڑھا ہوا یہ نکاح زمین پر عمل میں نہیں آسکا۔ اس کے باوجود احمدی مولوی صاحبان کو اصرار ہے کہ یہ پیش کوئی پوری شان کے ساتھ پوری ہو گئی ہے۔ میں ایک سوال پیش

کرتا ہوں۔ فرض کیجئے یہی بیگم کے ساتھ مرزا صاحب کا لٹکا ہوا جاتا ہے، کیا اس صورت میں یہ پیش کوئی پوری نہ ہوتی؟ اس کا جواب بھی ہو گا کہ یقیناً پوری ہو جاتی تو پھر پیش کوئی کے پورا نہ ہونے کی کون سی صورت تھی؟

مرے لیے پیش کوئی کا چورا ہونا ہونا اتنا اہم نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس پیشکوئی سے حلق و احتات مرزا صاحب کے کدرار پر کیا روشی ڈالتے ہیں؟ اول مرزا صاحب کی ازدواجی زندگی کی نسبت چد مونے موئے امور بیان کرونا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

مرزا صاحب کی بھلی شادی ہرگز کے اوائل میں ہی ہو گئی تھی اور اس شادی سے مرزا صاحب کے دو بڑے کے مرزا سلطان احمد اور فضل الرحمن موجود تھے۔ 1884ء میں جب کہ مرزا صاحب کی عمر تقریباً انچاس سال تھی، انہوں نے دہلی کے ایک محزر خاندان کی ایک نوجوان کوواری بڑی سے رشتہ کیا۔ جس بھی کے ساتھ مرزا صاحب کی جوانی کا بھرپور حصہ گزرا تھا، بڑھاپے میں اسے عذاب میں جلا کرنا کسی طرح جائز نہ تھا۔ اگر مرزا صاحب قرآنی حکم کے ماتحت دیانت داری سے فور کرتے تو یقیناً وہ اُس تیجہ پر بخیط کہ اس عمر میں وہ اپنی تین دہیں اور ادویہ ہرگز بھی کے درمیان انصاف نہ کر سکتی گے۔ خدا سے زیادہ کوئی انسانی فطرت اور ازدواجی تھنکات کے تقاضوں کی نزاکت اور اہمیت سے واقف ہے۔ اس لیے سوہنے نامیں جہاں تعدد ازدواج کے لیے انصاف کی شرط مقرر کی گئی ہے، ساتھ ہی مردوں کو اس حقیقت سے متنبہ کر دیا گیا ہے کہ اس بارے میں اپنی استحادوں کی نسبت کسی بخوبی اور سُنِ عن میں جلانہ رہو اور یہ نہ سمجھو کر تم آسانی کے ساتھ انصاف کے قہقہے پرے کر سکو گے۔ چنانچہ فرمایا:

وَلَنْ تَسْطِعُوا إِنْ تَعْلَمُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ.

”یعنی مردوں کے درمیان عملِ قائم کرنا ایکِ حال کام ہے خواہ تم اس کی کتنی یعنی خواہیں رکھتے ہو۔“

مرزا صاحب کی نسبت ہمارے پاس ایسی شہادت موجود ہے جو ظاہر کرتی ہے کہ اپنے حالات کے ماتحت ان کو یقین تھا کہ دوسری شادی کے بعد وہ اپنی بھلی بھوی سے انصاف نہ کر سکتی گے اور اس کے حقوق ادا کرنے سے قاصر ہیں گے۔ مرزا صاحب کی زندگی کے حالات کی نسبت ان کے چھوٹے صاحزادے میاں بشیر احمد صاحب ایم۔ اے نے ایک کتاب ”سیرۃ المہدی“ لکھی ہے۔ اس میں انہوں نے اپنی والدہ یعنی مرزا صاحب کی دوسری بھوی کی زبانی یہ واقعہ لکھا ہے:

”والدہ صاحب نے فرمایا کہ ہرگزی شادی کے بعد حضرت صاحب نے اُنھیں (یعنی بھلی بھوی کو) کہلا بیجا کر آج تک تو جس طرح ہوتا رہا، ہوتا رہا اب میں نے دوسری شادی کر لی ہے۔ اس لیے اب اگر دہلوں بیجوں میں برادری نہ رکوں گا تو“

میں آنکھا رہوں گا۔ اس لیے اب دو باتیں ہیں۔ یا تو تم مجھ سے طلاق لے لو اور یا مجھے اپنے حقوق چھوڑ دو۔ میں تم کو خرچ دیتے جاؤں گا۔ انہوں نے کہلا بھیجا کہ اب میں یہ حاپے میں کیا طلاق لوں گی۔ بس مجھے خرچ ملارہے، میں اپنے باقی حقوق چھوڑتی ہوں۔“

مرزا شیر احمد صاحب نے ”سیرت المهدی“ میں اپنی سوتی والدہ کا مل نام لکھنے تباہا لیکن اس کا ذکر ان تحریر آمیز الفاظ سے کیا ہے کہ ”فضل احمد کی اماں جس کو لوگ عام طور پر ”بیکجہ دی ماں“ کہا کرتے تھے۔ خدا کی شان ہے کہ ایک حورت تو اس اعزاز سے ام المومنین بن جائے کہ اس نے اپنی جوانی میں ایک اوپری عمر کے مرد سے شادی کر لی اور دوسرا بیچاری بھل اس قصور کی بنا پر کہ وہ خاوند کے ساتھ ساتھ بڑھی ہوتی گئی سرف ”بیکجہ دی ماں“ ہو کر رہ جائے۔ اس ذکر سے سبھے ذہن میں بیسوں اور میلیں آگئی ہیں۔ اگر آپ اپنے ملک کے ان لوگوں پر نظر ڈالیں تو شروع میں سبھے چھوٹے ہمدوں پر فکر کئے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد اپنے ملک سے عطف رکھتے تھے اور اب اخلاق زبان سے یک لفظ الٰہی ہمدوں پر فکر کئے ہیں یا دولت مدد ہونے گئے ہیں تو آپ دیکھیں گے کہ ان میں سے اکثر کی ایک تو ”بیگم صاحبہ“ ہوتی ہے اور ایک غرب کوئی ”بیکجہ دی ماں“ ہوتی ہے جو گنای میں اپنے آہائی گاؤں میں کسی نہ کسی طرح زندگی کے دن پورے کر رہی ہوتی ہے۔ ان حالات میں مرزا صاحب کا طرزِ عمل کوئی ایسا الوکھا نہیں ہے۔ انہوں نے وہی کیا جو ان کے بیتے کے دھرے مرد کرتے تھے اور اب بھی کر رہے ہیں، لیکن کیا نبی اور مجددوں نے کی صداقت کا سمجھی معيار ہونا چاہیے کہ اس کی زندگی محاشرہ کی مردوج بائیخوں کے میتوں مطابق ہے اور کسی برائی میں وہ منفرد نہیں ہے؟ کیا نبی بائیخوں کی تقدیم لوران کے احکام کے لفظی آتے ہیں؟

اور کتنی بے بُی اور مظلومیت ہتھی ہے مرزا صاحب کی بیوی کے جواب سے.....”اب میں یہ حاپے میں کیا طلاق لوں گی؟“..... ان الفاظ میں ایک لطیف اور گمراہ طبر ہے، جس کو مرزا صاحب اور ان کے سیرت ٹھارڈنوں نے محسوس نہیں کیا۔ کیا یہ حورت یہ کتنی ہوئی نہیں معلوم ہوتی:

”آخیر مصور کیا ہے؟ سمجھنا کہ میں جو ان نہیں رہی؟ کیا میں ہمچہ بڑھی تھی؟“
میں نے اپنی جوانی کس پر فشار کی ہے؟ مگر اپنی عمر کا بھی تو خیال کرو۔ کیا تم دیتے ہی جوان ہو؟ کیا لکھ صرف جنسی خواہیں کو پورا کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ کیا تم نے زندگی کا اتنا سالا عرصہ ایک دھرے کے خم اور خوشی میں شریک ہو کر نہیں گزارا۔
اب مجھے کیوں چھوڑتے ہو؟ کیا زندگی کی شام کے لیے جوانی کی پادیں اور جوان نہیں کی خوشیاں ناکافی ہیں؟“

سیرت المهدی کے جذذبہ بالا اقتباس سے واضح ہو گا کہ مرزا صاحب اس امر کے مترف تھے کہ

وہ دو بیویوں میں براہمی کا سلوک کرنے کے اہل نہیں ہیں۔ جب ہے کہ اس احساس کے باوجود انہوں نے جلد ہی ایک تیری شادی کا بھی امادہ کر لیا۔

احمدی مولویوں کی طرف سے محضی بیکم کے ساتھ فلاح نہ ہو سکے کی ایک توجیہ یہ کہ جانتی ہے کہ فی الواقع مرزا صاحب کا اہل مقدمہ اس لوگی سے کل جانا تھا، بلکہ لوگی کے خاندان کے لوگوں کو، جو مرزا صاحب کے خیال کے مطابق اپنی اسلام دینی میں حد سے بڑھ گئے تھے، وہ راست پر لانا اور توپ پر مار کرنا تھا، لیکن اس حکم کی تاویل واقعات کے صریح خلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مرزا صاحب نے مرزا صاحب کے بعد یہ تھی فیصلہ کیا تھا کہ اپنیں ایک اور فلاح کرنا چاہیے، چنانچہ مولوی نور الدین صاحب کے نام 8 جون 1886ء کے ایک خط میں مرزا صاحب نے اس تیری شادی کی نسبت حسب ذیل جواب لکھی ہے:

”.....سو آج آپ سے بھی، جو ہمرے ظہص دست ہیں، ایک واقعہ پیش کرنی کا بیان کرتا ہوں۔ شاید چار ماہ کا عرصہ ہوا ہے کہ اس عاجز پر ظاہر کیا گیا تھا کہ ایک فرزعنی الاتفات کا اس ظاہر والی طرح تم کو حطا کیا جائے گا۔ اس کا نام بیش رو گا۔ سو اب تک میرا قیاسی طور پر خیال تھا کہ شاید وہ فرزند مبارک اسی الہیہ سے ہو گا، اب زیادہ تر الہام اس بات میں ہو رہے ہیں کہ مفتریب ایک اور فلاح حسم کرنا پڑے گا اور جناب الہی میں یہ بات قرار پا جگلی ہے کہ ایک پار سلطیح اور نیک سیرت الہیہ حسم حطا ہو گی۔ وہ صاحب اولاد ہو گی.....“

ان طوں میں اتفاقاً نئی شادی کے لیے دو اشخاص نے تحریک کی تھی، مگر جب ان کی نسبت انتشار کیا گیا تو ایک ہورت کی نسبت جواب طاکر اس کی قسمت میں ذات و محتاطی دے گئی ہے اور اس لائق نہیں کہ تمہاری الہیہ ہو اور دوسری کے حقوق اشارہ ہوا کہ اس کی کل ابھی نہیں، گویا یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ صاحب صورت و صاحب سیرت لڑکا، جس کی بیمارت دی گئی، وہ بر عایت مناسب ظاہری الہیہ جملہ و پار سلطیح سے ہے اسکا ہے۔

الہام، اشارہ اور انتشار و فیرہ کو خالق کر کے سیدھے سادے اتفاقات میں صدمت یہ تھی کہ دوسری شادی سے قبل ایک سال بعد ہی مرزا صاحب نے ایک تیری شادی کے لیے کوشش شروع کر دی تھی لہو کی رشتہوں کے حسن و فلاح پر غور کرنے لگ گئے۔ اس بھک و دود کے تجسس پلا خزان کی نظر تھب محمدی بیکم پر پڑی۔

اس لوگی کی عمر اس وقت قرباً گیارہ سال تھی۔ اس کا خاندان مرزا صاحب کے خاندان کے ساتھی کی رشتہوں سے وابستہ تھا۔ چنانچہ محمدی بیکم کا والد مرزا احمد بیگ مرزا ظالم احمد صاحب کے ماںوں کا لڑکا تھا اور محمدی بیکم کی والدہ مرزا صاحب کی بیوی زاد بیکن تھی۔ اس کے علاوہ مرزا احمد بیگ کی ایک بھائی بھائی مرزا ظالم احمد صاحب کے صاحب زادے فضل احمد سے بیوی ہوئی تھی۔

پر شستہ ذرا تفصیل سے اس لیے بیان کر دیے گئے ہیں کہ ان میں سے بعض کا ذکر مرزا صاحب کی محمدی یقین سے نکاح کرنے کی کوشش کے سلسلہ میں آئے گا۔

جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں، محمدی یقین والا محاکمہ مرزا صاحب کی جماعت اور ان کے خلفیں کے درمیان ہمیشہ ایک تھی اور نہ ختم ہوتے والی بحث کا موضوع رہا ہے، لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ بحث اس حصہ پر مرکوز رہی ہے کہ پیش کوئی کیا تھی، اس کی شرائط کیا تھیں، کون یہ شرط کس طرح پوری ہو گئی وغیرہ۔ یہ کوئی نہیں سوچتا کہ اس قسم کی پیش کوئی خدائی حکم کے ماتحت ہو، بھی سمجھتی ہے یا نہیں؟

بڑھے مردوں کی کوارٹ نومبر لارکوں سے شادی کی خواہش کی پیچیدہ اور ناقابل فہم جذبہ سے متعلق نہیں ہے اور ہماری سوسائٹی کے امراء کے ملقد میں یہ بات کوئی ایسی فیر معمولی بھی نہیں، لیکن اس طرح کے عزائم میں خدا کو شریک کرنا زیادتی ہے۔ یہ مانا کر زندگی میں رومن ٹھیں ہو سکتی اور اس میں ٹھوں ٹھیتوں سے دوچار ہوتا ہوتا ہے، لیکن آخر ہر ہمدر کے کچھ قاتمی ہوتے ہیں۔ خدا کی پیشا کو ہرگز ہو سکتی ہے کہ مرد تو بڑھے ہو کر بھی جوانی کے خواب و یکیں یعنی ٹھیں ہلکا ان کو پورا کرنے کا سامان بھی مہیا کر لیں اور حورت اپنی حقیقی جوانی کے جائز تھا ضوں کا بھی گلا گھوشنے پر مجبراً کی جائے۔

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے، جب مرزا صاحب نے محمدی یقین کے ساتھ شادی کی کوشش شروع کی تو ان کی عمر پچاس سال کے قریب تھی۔ مرزا صاحب نے یہ کوشش اپنی زندگی کے آخری ایام تک جاری رکھی۔ گمراہ اخیال ہے کہ شروع میں یہ کوشش شادی کی حقیقی خواہش کے ماتحت تھی اور بعد میں زیادہ تر اپنی پیش کوئی کو پورا کرنے کی غرض سے۔ بہر حال مرزا صاحب اس وقت بھی اس کوشش میں لگے ہوئے تھے جب وہ قربیا ستر سال کی عمر کو پہنچ چکے تھے اور محمدی یقین ابھی تین جوانی کے عالم میں تھی۔ اس نکاح کے متعلق مرزا صاحب کو الہام ہو رہے ہیں، وہ استخارہ کر رہے ہیں، دوستوں سے مشورہ کر رہے ہیں، لڑکی کے رشتہ داروں کو قائل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، لیکن ایک لمحہ کے لیے بھی اُنہیں یہ خیال نہیں آیا کہ جس کو وہ اپنی زندگی کی رفیقة بنانا چاہئے ہیں، اس کی رائے بھی پوچھنی چاہیے۔

اس امر کی نسبت ہمارے پاس کوئی شہادت موجود نہیں کہ جب مرزا صاحب نے اس شادی کے لیے پہلے مکمل کوشش شروع کی تو محمدی یقین شریعی لحاظ سے بالغ تھی یا نہ۔ چونکہ عمر اس کی گمراہ سال کے قریب تھی، اس لیے قیاس لگتا ہے کہ ابھی وہ بلوفت کوہ پہنچی تھی۔ اس صورت میں ہمارے مروجع ذکر کی رو سے لڑکی کا والد اس کا نکاح کر سکتا تھا۔ گوئی سمجھیں ٹھیں آتا کہ بلوفت سے پہلے لڑکی کو نکاح میں لانے سے کیا غرض ہو سکتی تھی، لیکن جب لڑکی بالغ ہو گئی تو بھی کسی فریق نے اس سے پوچھنے کی ضرورت موجود نہیں کی۔ اگر نابالغ لڑکی کے نکاح کا اختیار اس کے والی کو دینا جائز سمجھا جائے تو کم از کم والی کے لیے یہ موقع تو ہونا چاہیے کہ ہر طرح کے ناجائز اثرات سے آزاد رہ کر اور محض لڑکی کے مقابلہ کو منظر رکھ کر فیصلہ کر

سکے، لیکن مرزا صاحب نے لڑکی کے والد مرزا احمد بیگ کو اس آزادی سے محروم کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ ان کے اس طرزِ عمل پر جب نہ صرف ان کے خانفین، بلکہ بعض معتقدین کی طرف سے بھی اعتراض ہوا تو اس کا جواب ”حقیقت الحقیقی“ میں ان الفاظ میں دیتے ہیں:

”اور یہ کہتا کہ پیش گوئی کے بعد احمد بیگ کی لڑکی کے لکھ کے لیے کوشش کی گئی اور طبع دی گئی اور خط لکھنے گئے، یہ عجیب اعتراض ہیں۔ حق ہے انسان شدت تصب کی وجہ سے اندھا ہو جاتا ہے۔ کوئی مولوی اس بات سے بے خبر نہ ہو گا کہ اگر وحی اللہی کوئی بات بطور پیش گوئی ظاہر فرمادے اور ممکن ہو کہ انسان بغیر کسی قدر اور ناجائز طریق کے اس کو پورا کر سکے تو اپنے ہاتھ سے اس پیش گوئی کا پورا کرنا نہ صرف جائز، بلکہ مسنون ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خود اپنا حکم اس کے ثبوت کے لیے کافی ہے اور پھر حضرت عمرؓ ایک کوکڑے پہننا دوسرا دلیل ہے اور اسلام کی ترقی کے لیے بھی قرآن شریف میں ایک پیش گوئی تھی، پھر کیوں اسلام کی ترقی کے لیے جان توڑ کوشش کی گئی۔“

اس بات کو تو جانے دیجئے کہ کس طرح مرزا صاحب اپنے عمل کو درست ثابت کرنے کے لیے اسکی باقیوں کا حوالہ دے رہے ہیں جن کا مسئلہ زیرِ بحث سے کچھ تعلق نہ تھا۔ بہر حال مرزا صاحب کا دعویٰ یہ ہے کہ اپنے ہاتھ سے پیش گوئی کو پورا کرنا جائز اور مسنون ہے۔ اگر یہ بات ”کسی قتنہ یا ناجائز طریق کے بغیر“ ہو سکے۔ دیکھنا یہ ہے کہ انہوں نے محمدی بیکم کے ساتھ لکھ میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے کن کن کوششوں کو جائز اور قتنہ سے پاک فرار دیا۔ *

سب سے پہلے وہ حالات بیان کرنے مناسب ہوں گے، جن میں کہ مرزا صاحب نے لکھ کی ”درخواست“ مرزا احمد بیگ صاحب کے سامنے پیش کی۔ اس کی تفصیل مرزا صاحب کے اپنے الفاظ میں سنئے۔ 1888ء کے ایک اشتہار میں لکھتے ہیں:

”خد تعالیٰ نے یہ تقریب قائم کی کہ اس لڑکی کا والد ایک ضروری کام کے لیے ہماری طرف پہنچی ہوا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ نامبرہ کی ایک ہمیشہ ہمارے ایک بچا زاد بھائی غلام حسین نامی کو پیاسی گئی۔ غلام حسین عرصہ کچھیں سال سے کہیں چلا گیا اور مخفود اخیر ہے۔ اس کی زمین، جس کا حق ہمیں بھی مکھتا ہے، مرزا احمد بیگ کی ہمیشہ کے نام کا خذات سرکاری میں درج کرادی گئی تھی۔ اب حال کے بندوبست میں، جو ضلع گوردا سپور میں جاری ہے، نامبرہ یعنی ہمارے خط کے مکتب الیہ نے اپنی ہمیشہ کی اجازت سے یہ چاہا کہ وہ زمین، جو چار پانچ ہزار

روپے قیت کی ہے، اپنے بیٹے محمد بیگ کے نام بطور ہبھٹل کراویں، چنانچہ ان کی بہشیرہ کی طرف سے یہ بہتر نامہ لکھا گیا۔ چونکہ وہ بہتر نامہ بغیر ہماری رضا مندی کے بیکار تھا، اس لیے مکتوب الیہ نے پہ تمام بھروسہ افساری ہماری طرف رجوع کیا، تاکہ ہم راضی ہو کر اس بہتر نامہ پر دستخط کر دیں اور قریب تھا کہ دستخط کر دیتے، لیکن یہ خیال آیا کہ جیسا کہ ایک مدت سے بڑے بڑے کاموں میں ہماری عادت ہے، کہ جتاب الہی میں استخارہ کر لیتا چاہیے، سو مکتوب الیہ کے متواتر اصرار سے استخارہ کیا گیا۔ وہ استخارہ کیا تھا، گویا آسمانی نشانی کی درخواست کا وقت آپنچا تھا، جس کو خدا تعالیٰ نے اس پیدائی میں ظاہر کر دیا۔

اس خدا تعالیٰ قادر مطلق نے مجھے فرمایا کہ اس شخص کی دختر کاں کے نکاح کے لیے سلسلہ جنابی کر اور ان کو کہہ دے کہ تمام سلوک اور مردوں تم سے اسی طرح پر کیا جائے گا اور یہ نکاح تمہارے لیے موجب برکت اور ایک رحمت کا نشان ہو گا اور ان تمام برکتوں اور رحمتوں سے حصہ پاؤ گے جو اشتہار 20 فروری 1886ء میں درج ہے، لیکن اگر نکاح سے انحراف کیا تو اس لڑکی کا انعام نہایت ہی برا ہو گا اور جس کی دوسرے شخص سے بیانی جائے گی، وہ روز نکاح سے اٹھائی سال تک اور ایسا ہی والد اس دختر کا تین سال تک فوت ہو جائے گا اور ان کے گھر پر تقریب اور علی گی اور مصیبت پڑے گی اور درمنی زمانہ میں بھی اس دختر کے لیے کئی کراہیت اور غم کے امر پیش آئیں گے۔

”آئینہ کمالات اسلام“ میں ایک طویل عربی عبارت میں مرزا صاحب نے رشتہ کے اس قضیہ کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ میرے لیے اس کتاب میں وہ ساری عبارت یا اس کا ترجمہ تقلیل کنا مشکل ہے۔ ہبہ کی نسبت قربیاً انجی واقعات کا اعادہ کیا ہے، جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ البتہ یہاں استخارہ کا مقدمہ یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ

”میری رائے یہ ہے کہ استخارہ تقویٰ کے بہت قریب ہے کیونکہ وارث مقتول و اخیر ہے اور ہمیں یقین نہیں کہ وہ مر چکا ہے یا زمدہ ہے۔ میں اس کی جائیداد کو میت کے ذکر کی طرح تقطیم کرنے میں مغلت رواجیں ہے۔ میں بہتر یہ ہے کہ اس محااطے پر بحث ختم کی جائے تا آنکہ میں عالم الغیب اور ذوالجلال رب سے مخورہ کر لوں اور یقینی راہ پالوں۔“ (ترجمہ)۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے، جس کا موجودہ موضوع سے براہ راست تعلق نہیں ہے لیکن ضمنی

طور پر ذکر کر دینا مناسب ہو گا۔ استخارہ کا مطلب کسی معاملہ میں خدا سے رخصائی اور ہدایت حاصل کرنا ہوتا ہے۔ مرزا صاحب کے کہنے کے مطابق انہوں نے استخارہ اس لیے کیا تھا کہ اس امر کی نسبت یقین ہو جائے کہ مرزا غلام حسین زندہ ہے یا فوت ہو گیا ہے تا کہ ایسا نہ ہو کہ مرزا صاحب کی جائیداد کے ہبہ کی نسبت رضا مندی دے دیں اور فی الواقع وہ زندہ موجود ہو۔ تجуб ہے کہ اس استخارہ کے جواب میں خدا کی طرف سے الہام یہ ہوا کہ ”مرزا احمد بیگ سے اس کی“ دختر کلاں کے لئے سلسلہ ہبہ ای کرو“ اور پہلے وہ مجھے اپنی دامادی میں تھوڑ کرے اور پھر تیرے نور سے روشنی حاصل کرے اور یہ کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اس زمین کا ہبہ کر دوں کہ جو تم چاہیے ہو اور اس کے علاوہ دوسری زمین بھی حصیں دے دوں اور دیگر احصاءات بھی تم پر کروں لیکن اس شرط پر کہ تم اپنی بڑی لڑکی کا لئا جا جو مجھ سے کر دو۔ میرا تمہارے ساتھ یہی عہد ہے تم مان لو گے تو یقیناً میں بھی مان لوں گا۔“ (ترجمہ)

گویا اگر مرزا احمد بیگ اپنی بڑی کی مرزا صاحب کے لئا جاں میں دے دیتا تو غلام حسین متوفی سمجھا جاتا اور اگر مرزا احمد بیگ اس پر رضا مند ہیں ہوا تو غلام حسین بقید حیات قرار دیا گیا!

جانیداد کے وعدہ کی نسبت مرزا صاحب نے احمد بیگ کو کسی شب میں چھوڑا تھا اور اس بارے میں تحریک میں برابر اضافہ کرتے گئے۔ چنانچہ مرزا صاحب ”آئینہ کمالات اسلام“ میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے مرزا احمد بیگ کو یہ کوشش کی تھی کہ

”میں تیری بیٹی کو اپنی زمین اور دیگر تمام جانیداد سے ایک تھائی حصہ دوں گا اور جو قطعہ بھی تو مانگے گا میں وہی تھی دے دوں گا اور میں پھوٹوں میں سے ہوں۔“

(ترجمہ)

یہاں یہ امر بھی خور طلب ہے کہ آیا مرزا صاحب کا اپنی ہونے والی بھوپالی اور اس کے خاندان کے ساتھ یہ فیاضانہ سلوک ان کی موجودہ دو بیویوں اور اولاد کے ساتھ اسلامی انصاف کے مطابق تھا۔ یاد رہے کہ اس وقت مرزا صاحب کی بھلی بھوپالی سے ان کے دولا کے اور دوسری سے ایک بڑی اور ایک لڑکا موجود تھے۔

جانیداد کے لائق اور عذاب کی دھمکی کے علاوہ مرزا صاحب نے جن ”جاہز ذراائع“ سے مرزا احمد بیگ کو حاذر کرنے کی کوشش کی، ان میں سے چھا ایک یہ ہے:

”مرزا احمد بیگ کو یقین دلایا گیا کہ مرزا صاحب نے احمد بیگ کے فرزند عزیز محمد بیگ کے لیے پولیس میں بھرتی کرنے اور عہدہ دلانے کی خاص کوشش و سفارش کر لی ہے تا کہ وہ کام میں لگ جائے۔“

اور اسی محمد بیگ کی نسبت یہ بھی لکھا کہ

”اس کا رشتہ میں نے ایک بہت امیر آدمی کے ہاں جو میرے عقیدت مندوں میں
ہے، تقریباً کہ دیا ہے۔“

جیسا کہ پہلے لکھا چاہکا ہے مرزا صاحب کے چھوٹے صاحبزادے فضل احمد کی یہی عزت بی
بی، مرزا احمد بیگ کی بھانگی تھی۔ مرزا صاحب نے بھی کوشش کی کہ اس رشتے کو اپنے نکاح کی غرض کے لئے
استعمال کریں۔ چنانچہ جب 1891ء میں مرزا صاحب کو بخوبی کوئی محمدی یتیم کا نکاح چند روز میں دوسری جگہ
ہونے والا ہے تو انہوں نے عزت بی بی کی والدہ کو ایک خط لکھا۔ جس کا ایک حصہ یہ ہے:

”والدہ عزت بی بی کو معلوم ہو کہ مجھ کو خیر پہنچی ہے کہ چند روز میں محمدی یتیم کا نکاح
ہونے والا ہے اور میں خدا تعالیٰ کی حکم کھا چکا ہوں، اس نکاح سے رشتہ نالے قزو
دول گا اور کوئی تعلق نہیں رہے گا۔ اس لیے صحت کی رہا سے لکھتا ہوں کہ اپنے
بھائی مرزا احمد بیگ کو سمجھا کر یہ ارادہ موقوف کراؤ اور جس طرح تم سمجھا سکتی ہو اس
کو سمجھاؤ اور اگر ایسا نہ ہو گا تو آج میں نے مولوی نور الدین صاحب اور فضل احمد کو
خط لکھ دیا ہے کہ اگر تم اس ارادہ سے بازنہ آؤ تو فضل احمد، عزت بی بی کے لئے
طلاق لکھ کر بیسیج دے اور اگر فضل احمد طلاق نامہ لکھنے میں عذر کرے تو اس کو عاقق کیا
جائے اور اپنے بعد اس کو وارث نہ سمجھا جائے اور ایک بیسہ اس کو وراثت کا نہ
لے۔ سو امید رکھتا ہوں کہ شرطی طور پر اس کی طرف سے طلاق نامہ آ جائے گا۔
جس کا مضمون یہ ہو گا کہ اگر مرزا احمد بیگ، محمدی کا نکاح فیر کے ساتھ کرنے سے
بازنہ آؤ تو پھر اسی روز سے جو محمدی یتیم کا کسی اور ہے نکاح ہو جائے، عزت
بی بی کو تمن طلاق ہیں۔ سو اسی طرح لکھنے سے اس طرف تو محمدی یتیم کا کسی
دوسرے سے نکاح ہو گا اور اس طرف عزت بی بی پر فضل احمد کی طلاق پڑ جائے
گی..... یاد رہے کہ میں نے کوئی بھی بات نہیں لکھی۔ مجھے حرم ہے اللہ تعالیٰ کی کہ
میں ایسا ہی کروں گا اور خدا تعالیٰ میرے ساتھ ہے۔ جس دن نکاح ہو گا، اسی دن
عزت بی بی کا نکاح باقی نہ رہے گا۔“

اس وعید کو زیادہ لٹکا اور موثر بنانے کے لیے مرزا صاحب نے خود عزت بی بی سے اپنی والدہ کو
اسی طرح کا ایک خط بھجوایا کہ

”اگر ماں کو سمجھا سکتی ہو تو سمجھاؤ، اگر نہیں تو طلاق ہو گی اور ہزار روپاں ہو گی۔“

اس کے علاوہ مرزا صاحب نے تقریباً اسی مضمون کا ایک خط عزت بی بی کے والدہ مرزا علی شیر
بیگ کو بھی لکھا کہ اپنی یہی کی معرفت مرزا احمد بیگ کو محمدی یتیم کے نکاح پر آمادہ کیا جائے اور گرفت فضل احمد کی

طرف سے عزت بی بی کو طلاق دے دی جائے گی۔

اس عہد پر مرزا صاحب پوری طرح قائم رہے۔ جب محمدی بیکم کا نکاح دوسری جگہ کر دیا گیا تو مرزا صاحب نے اپنے بیٹے فضل احمد کو مجبور کر کے اس کی بیوی کو طلاق دلادی۔ اس کے باوجود فضل احمد کی وفاداری مرزا صاحب کی نکاح میں مشتبہ ہی رہی اور ان کو ہمیشہ شک رہا کہ اس لڑکے کا تعلق مرزا احمد بیگ کے خاندان سے قائم ہے۔ اس نگلی کی بنا پر مرزا صاحب نے فضل احمد کو اس کے مرنے کے بعد بھی معاف نہ کیا اور اس کی نماز جنازہ میں شریک نہ ہوئے۔

اسی محمدی بیکم والے قنیعہ کے سلسلہ میں مرزا صاحب نے اپنے بڑے فرزند مرزا سلطان احمد کو بھی عاق کر دیا۔ ان سے مرزا صاحب کو فکایت تھی کہ محمدی بیکم کے نکاح کے بارے میں اپنے والد کی امداد کرنے کی بجائے دوسرے فریق کا ساتھ دے رہے تھے۔

2 مئی 1891ء کو مرزا صاحب نے مرزا سلطان احمد صاحب کی نسبت ایک خاص اشتہار شائع کیا جس کی عبارت کا ایک حصہ یہ ہے:

”ناظرین کو یاد ہو گا کہ اس عاجز نے ایک دینی خصوصیت کے پیش آجائے کی وجہ سے ایک نشان کے مطابے کے وقت اپنے ایک قریبی مرزا احمد بیگ کی دختر کلام کی نسبت بحکم الہام الہی یہ اشتہار دیا تھا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بھی مقدر اور قرار یافت ہے کہ وہ لڑکی اس عاجز کے نکاح میں آئے گی۔ خواہ پہلے ہی باکرہ ہونے کی حالت میں آجائے اور یا خدا تعالیٰ یہود کر کے اس کو میری طرف لے آئے۔ اب باعث تحریر اشتہار ہذا یہ ہے کہ میرہ بیٹا سلطان احمد نائب تحصیلدار لاہور میں ہے اور اس کی تائی صاحبہ جنہوں نے اس کو بیٹا بنایا ہوا ہے، وہی اس خلافت پر آمادہ ہو گئے ہیں اور یہ سارا کام اپنے ہاتھ میں لے کر اس تجویز میں ہیں کہ عید کے دن یا اس کے بعد اس لڑکی کا کسی سے نکاح کیا جائے۔ اگر یہ اور وہ کے طرف سے مخالفانہ کارروائی ہوتی تو ہمیں درمیان میں غل دینے کی ضرورت اور کیا فرض تھی۔ امر ربی تھا اور وہی اس کو اپنے فضل و کرم سے ظہور میں لاتا گمراہ کام کے مدار الہام دہ ہو گئے ہیں، جن پر اس عاجز کی اطاعت فرض تھی۔..... لہذا میں آج کی تاریخ کو دوسری مئی 1891ء ہے، عوام اور خواص پر بذریعہ اشتہار ہذا ظاہر کرتا ہوں کہ اگر یہ لوگ اس ارادہ سے بازنہ آئے اور وہ تجویز جو اس لڑکی کے ناط اور نکاح کرنے کی اپنے ہاتھ سے یہ لوگ کر رہے ہیں، اس کو موقف نہ کر دیا اور جس شخص کو انہوں نے نکاح کے لیے تجویز کیا ہے، اس کو رد نہ کیا بلکہ اس شخص

کے ساتھ لکھا جو گیا، اسی لکھ کے دن سے سلطان احمد عاق اور محروم الارث ہو گا
اور اسی روز سے اس کی والدہ پر بھری طرف سے طلاق ہے۔
یہ والدہ وہی غریب ”بیکچے دی ماں“ ہے جس کا ذکر پہلے آپکا ہے اور جس نے طلاق لینے کی
بجائے اپنی حقوق ترک کرنے قبول کیا تھا۔

یہ موضوع توقع سے زیادہ لباہور ہا ہے اس لیے میں مذکورہ بالا اقتضایات پر زیادہ تبصرہ ممکن کرنا
چاہتا اور پھر خود یہ حوالے اتنے واضح دلائل ہیں کہ ہر یہ تقدید غیر ضروری مسلم ہوتی ہے۔
”حقیقت الحقیقی“ کے ایک حوالے کے ایک حصہ کی طرف ہم فوجہ دلانا چاہتا ہوں۔ وہاں مرزا
صاحب نے فرمایا ہے کہ

”کوئی مولوی اس بات سے بے خبر نہ ہو گا کہ اگر وہی الہی کوئی بات بلور پیش کوئی
نکاہ فرما دے اور ممکن ہو کہ انسان بغیر کسی قند اور ناجائز طریق کے اس کو پہرا کر
سکے تو اپنے ہاتھ سے اس پیش کوئی کو پہرا کرنا نہ صرف جائز، بلکہ مسنون ہے۔“

ظاہر ہے کہ لکھ کو ممکن بنانے کے لیے اور لکھے ہوئے تمام ذرائع کو مرزا صاحب اپنے معیار
سے ”جائز طریق“ سمجھتے ہوں گے۔ اسی طرح غالباً مرزا صاحب کے نزدیک یہی کو عاق کرنا، یہی کو بلا وجہ
طلاق دینا، دوسرا ہے یہی کو طلاق پر مجدور کرنا اور آپا دگروں کو برہا کرنا، یہ سب امور کی قند کا موجب نہ تھے۔
رسول کریمؐ کے ایک قول کے مطابق حال چیزوں میں سے طلاق سب سے زیادہ ناپسندیدہ
ہے۔ قرآن میں طلاق کی نسبت جو احکام لکھے ہیں، ان سے واضح ہے کہ صرف میاں یہی میں مشائق کی
اعجائی صورت میں طلاق کی اجازات ہے۔ اس صورت میں بھی حکم ہے کہ اوقل فریقین کے رشتہ دار ان میں
مناہست کی پوری کوشش کریں اور جب سوائے طلاق کے چارہ نہ ہو تو طلاق دلی جائے۔ اس پر بھی ایک ہی
وقت میں قطعی طلاق نہیں ہو سکتی۔ تین طلاقیں مقرر ہیں۔ جو ایک ایک ماہ کے وقف کے بعد ہوئی چاہئیں۔
اس درمیانی مرصدہ میں بھی صلح کی کوشش ہوئی چاہئے۔ اگر صلح ہو جائے تو طلاق منسوخ بھی چاہئے گی۔
دوسرا رائے کے مطابق طلاق ایک وفعت ہی دینی ہوتی ہے لیکن اس صورت میں بھی عدت کے وقف میں
رجوع ہو سکتا ہے اور اس کی کوشش محسن ہے۔ یہ سب احکام ظاہر کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ازدواجی
رفیت کو ایک مقدس اور زندگی بھر برقرار رہنے والا تعلق قرار دیا ہے اور معمولی مسحوبی ہاتوں پر یہ رشتہ نہیں توڑا
جا سکتا۔ کہاں قرآن کی یہ تعلیم اور کہاں اس تعلیم کی تجویز کے مدی کامل، یہ بھی کے کسی صورت کے بغیر طلاق
دے رہے ہیں اور دوسروں کو طلاق دینے پر مجدور کر رہے ہیں۔ مشروط طلاق یہیں ہے صرف غیر قرآنی طریقہ
عمل کر رہے ہیں اور شرعاً بھی اسکی کہ جس کا میاں یہی کی کاپنے تعلقات کے ساتھ کوئی واطدھی نہیں۔ یعنی
اگر احمد بیگ اپنی بڑی کارشنہ مرزا صاحب کو دے تو فضل احمد کی یہی اس کے گمراہی رہے گیں اگر احمد
بیک ایسا نہ کرے تو فضل احمد کی یہی کو طلاق ہو جائے۔

محمدی بیکم والے مخالفے میں ایک اور جربہ جو مرزا صاحب نے استعمال کیا، یہ تھا کہ ایک ایسے جھگڑے کو جس کا تعلق ان کی ذاتی خواہشات سے تھا، ایسے رنگ میں پیش کیا، گویا یہ ایک اہم دینی حالہ ہے اور یہ کہ اصل مقابلہ مرزا صاحب اور احمد بیک میں نہیں بلکہ اسلام اور یہ مسائیت میں ہے۔

اگر مرزا صاحب کی اطلاع درست مانی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مقدمہ میں بہت حد تک کامیاب ہو گئے اور مسلمانوں کے ایک خاصے طبقے نے مرزا صاحب کے محمدی بیکم سے لفاظ کے مخالفے کو اسلام کی قسم کا ایک نشان تصور کر لیا۔ چنانچہ 1892ء میں مرزا صاحب اپنے ایک خط میں مرزا احمد بیک کو لکھتے ہیں:

”اور آپ کو شاید معلوم ہو گا یا نہیں کہ یہ پیش گوئی اس عاجز کی ہزار ہالوگوں میں مشہور ہو چکی ہے اور ہمیرے خیال میں شاید وہ لاکھ سے زیادہ آدمی ہو گا جو اس پیش گوئی پر اطلاع رکھتا ہے اور ایک جہان کی اس طرف نظر گئی ہوئی ہے اور ہزاروں پادری شرارت سے نہیں بلکہ حیات سے بختر پیش کر پیش گوئی جھوٹی لکھتے تو ہمارا پلہ بھاری ہو۔ لیکن یقیناً خدا تعالیٰ ان کو رسوا کرے گا اور اپنے دین کی مدد کرے گا۔ میں نے لاہور میں چاکر معلوم کیا کہ ہزاروں مسلمان مساجد میں نماز کے بعد اس پیش گوئی کے غور کے لیے ہمدرد دل دعا کرتے ہیں۔ سو یہ ان کی ہمدردی اور محبت ایمانی کا تھامہ ہے۔“

معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں محمدی بیکم والی پیش گوئی کی نسبت مرزا صاحب پر سب سے زیادہ احتراض بخش یہ مسائی اخبار کر رہے تھے۔ اس وجہ سے مرزا صاحب کے لیے ایک ذاتی مخالفہ مسئلہ بنا نہیں آسان ہو گیا اور اس طرح مسلمانوں کی اکتوبرت کی صحیح قرآنی تعلیم سے لاطی سے قائدہ الحادیتے ہوئے مرزا صاحب نے یہ ظاہر کیا کہ ان کا مغل اسلام کے میں مطابق ہے اور یہ کہ یہ مسائیوں کا احتراض مرزا صاحب کی ذات پر نہیں ہے بلکہ اسلام ہے۔ اسی طرح کی ایک مخالفہ وہی کی ایک شدید مثال وہ تھا ہے جو مرزا صاحب نے یہ مسائی اخبار ”لور افغان“ کے ایک مضمون کے جواب میں لکھی، اس تحریر میں مرزا صاحب نے پہلے یہ مفروضہ قائم کیا ہے کہ اسلام میں مردوں کے لیے تعدد ازدواج کی نہ صرف غیر مشروط اجازت ہے بلکہ اس اجازت سے قائدہ الحادیت ایک حد تک واجب ہے اور پھر اسلام کے اس ”حکم“ کی حمایت میں مجبوب و غریب دلائل پیش کیے ہیں۔ یہاں مرزا صاحب نے انداز یا ان اتنا عامیناں اختیار کیا ہے کہ مجھے لکھتے ہوئے بھی شرم آتی ہے لیکن اس کے سوا چارہ بھی نہیں کیونکہ مرزا صاحب کے اصل اتفاقاً نقل کرنے کے بغیر اس بارے میں ان کا راجحان طبیعت اور کروار پوری طرح واضح نہیں ہو سکتا، اس لیے باطل نہ واسطہ حسب ذیل اقتباس پیش کرتا ہوں۔ لکھتے ہیں:

”اخبار ”لور افغان“ 10 ستمبر 1888ء میں جو اس رقم کا ایک خط حضم

درخواست نکاح چھاپا گیا ہے، اس خط کو صاحب اخبار نے اپنے پرچم میں درج کر کے عجیب طرح کی زبان و رازی کی ہے اور ایک صفحہ اخبار کا سخت گوئی اور دشام دہی میں علی سیاہ کیا ہے۔ کسی خاندان کا سلسلہ صرف ایک ایک بیوی سے ہیشہ کے لیے جاری نہیں رہ سکتا بلکہ کسی نہ کسی فرد سلسلہ میں یہ وقت آپنی ہے کہ ایک جو رو عجیب اور ناقابل اولاد تکلیٰ ہے۔ اس تحقیق سے ظاہر ہے کہ دراصل نبی آدم کی نسل ازدواج مکر سے ہی قائم و دائم چل آتی ہے۔ اگر ایک سے زیادہ بیوی کرنا منع ہوتا تو اب تک نوع انسانی قریب قریب خاتمه کے پہنچ جاتی۔ تحقیق سے ظاہر ہوا کہ اس مبارک اور خنید طریق نے انسان کی کہاں تک حفاظت کی ہے اور کیسے اس نے اجڑے ہوئے گھروں کو بیک دفعہ آباد کر دیا ہے اور انسان کے تقویٰ کے لیے یہ بدل کیماز برداشت مدد و معاون ہے۔ خاوندوں کی حاجت برآری کے بارے میں جو عورتوں کی فطرت میں ایک نقصان پایا جاتا ہے جیسے ایام حمل اور حین نفاس میں یہ طریق باہر کت اس نقصان کا تدارک تام کرتا ہے اور جس حق کا مطالبہ مرد اپنی فطرت کی رو سے کرتا ہے اور اسے بخشتا ہے۔ ایسا ہی مرد اور کوئی وجوہات اور موجبات سے ایک سے زیادہ بیوی کرنے کے لیے مجبور ہوتا ہے۔ مثلاً اگر مرد کی ایک بیوی تغیر عمر یا کسی بیماری کی وجہ سے بدھل ہو جائے تو مرد کی قوت فاعلی، جس پر سارا مدار عورت کی کارروائی کا ہے، بیکار اور محظل ہو جاتی ہے لیکن اگر مرد بدھل ہو تو عورت کا کچھ بھی ہرج نہیں کیونکہ کارروائی کی کل ہرم و کودی کوئی ہے اور عورت کی تشكین کرنا مرد کے ہاتھ میں ہے۔ ہاں اگر مرد اپنی قوت مردی میں قصور یا ہمزر رکھتا ہے تو قرآنی حکم کے رو سے غورت اس سے طلاق لے سکتی ہے اور اگر پوری پوری تسلی کرنے پر قادر ہو تو عورت یہ عذر نہیں کر سکتی کہ دوسرا بیوی کیوں کی ہے کیونکہ مرد کی ہر روزہ حاجتوں کی عورت ذمہ دار اور کار بہ آر نہیں ہو سکتی اور اس سے مرد کا احتراق دوسرا بیوی کرنے کے لیے قائم رہتا ہے جو لوگ قوی الاطاف اور تحقی اور پار ساطھ ہیں، ان کے لیے یہ طریق نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے۔“

(آئینہ کمالات اسلام، صفحہ 281-282)

غصب یہ ہے کہ جس کتاب میں مرز اصحاب نے اسلام کو اس صورت میں پیش کیا، اس کا نام

انھوں نے ”آئینہ کمالات اسلام“ تجویز کیا۔



سیف الحق

جھوٹ آخراجھوٹ ہے!

یہ 1983ء کا واقعہ ہے کہ جب پورے ملک میں قادیانیوں کی تبلیغی مہم جاری تھی۔ چونکی (ملع نصوص) کے مرزا نے بھی اس سلسلے میں بہت شور شراہا کیا کہ صرف قادیانیت ہی ایک حقیقی، عالمگیر اور زندہ مذہب ہے، باقی سب مذاہب مردہ ہیں۔ دوران تبلیغ چونکی اور گرد و فواح کے لوگوں کو بہت سے بزرگان بھی دکھائے گئے۔ اہالیان چونکی کوشاید یاد ہو کہ اس دور میں مسلمانوں اور قادیانیوں کے مقامی سطح پر آپس میں بہت سے مناظرے بھی ہوتے رہے ہیں۔ میں بھی شرافت علی صاحب کی وساطت سے قادیانی جماعت کے پڑجوش ”داعیان اللہ“ کے ساتھ متعارف ہوا۔ پہلے پہل تو مقامی قادیانیوں سے ہی گفت و شنید ہوئی رہی، بعد ازاں دو مرجب ربعہ جا کر قادیانی مریبیں، پانچوں احمدی شاہ اور بشر احمد سے بھی طاقت ہوئی اور پلا خروہ دلن بھی آن پہنچا، جب میں نے بھی قادیانی مذہب اختیار کر لیا۔ قادیانی مذہب اختیار کرنے کے بعد جب مجھے اپنے احباب اور فیصلی مبرز کی طرف سے قتل کی حکمکیاں دی جانے لگیں تو چاروں ناچار مجھے کچھ عرصہ ربعہ گزارنا پڑا، پھر ایران چلا آیا، لیکن دسمبر 1984ء میں وہاں سے بھی واپس پاکستان آ گیا۔

میرے پاکستان حکومت سے پہلے ہی جزل ضیاء الحق مرحوم کی طرف سے قادیانیوں کو شعار اسلامی کے استعمال سے روکنے سے متعلقہ آرڈیننس کی خلاف ورزی کے کیس میں گرفتاری کے ذر سے قادیانی خلیفہ مرزا طاہر لندن بھاگ چکا تھا۔ اپریل 1985ء میں لندن میں قادیانی جماعت کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا۔ مجھے بھی خواہش ہوئی کہ اس سالانہ جلسہ میں شرکت کرنا چاہیے اور یوں میں بھی لندن پہنچ گیا۔ لندن میں سالانہ اجتماع میں شرکت کے بعد میں جرمنی چلا آیا۔ لندن میں اپنے قیام کے دوران جہاں مجھے قادیانی رہنماؤں کی تقریریں سننے کا موقع تھا، وہیں، میں نے قادیانی لٹریچر، خصوصاً مرزا قادیانی کی کتابوں کا بھی تفصیل سے مطالعہ کیا۔ جرمنی میں اپنے دور قادیانیت کے دوران میں نے زیم انصار اللہ ”میونسٹر“ کے طور پر بھی کام کیا۔ مقامی قادیانیت جماعت کے مختلف مختلف مسائل کے حل کے لیے اکثر اوقات 60 کلو میٹر تک سائیکل پر بھی سفر کیا۔ جرمنی کی کئی لا ببری یوں میں لٹریچر رکھوایا۔ قادیانیت سے متعلق کتب پر مشتمل ایک غلطیم الشان کتابی نمائش منعقد کروائی، جس میں جرمنی کے دو شہروں کے لارڈ میسرز نے بھی

شرکت کی، غرضیکہ پانچ سال تک میں نے اخبارات، ریویو، پرنس سیت قائم ذراائع ابلاغ کو استعمال کرتے ہوئے ہر پیٹ فارم سے قادریانی جماعت کے لیے کام کیا۔ اس قائم عرصہ کے دوران، جہاں میں نے قادریانی کتب کا تعمیل مطالعہ جاری رکھا، وہیں چند مسلم علمیوں کی طرف سے رفقاً قادریانیت کے طور پر شائع کیا گیا لڑپچھی بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھتا رہا اور پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ رب ذوالجلال نے مجھ پر قادریانیت کے باطل نہب ہونے کی حقیقت میں کردی اور میں انگریزوں کے مفادات کی خاطر ثبوت کا جھوٹا دعویٰ کر کے قنفی قادریانیت کی بنیاد رکھنے والے مرزا قادریانی پر تمن حرف بھیج کر قادریانیت سے تاب ہو گیا اور ذلت کی گہرائیوں سے لکل کر دوبارہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اونی غلاموں کی صفوں میں شامل ہو گیا۔

پانچ سال تک قادریانی نہب کے لیے دن رات اور بے لوٹ کام کرنے کے بعد آخر کار میں قادریانی نہب سے تاب ہو کر مسلمان کیوں ہوا؟ یہ ہے وہ سوال، جس کا مجھے اکثر اپنے حلقة احباب کی طرف سے سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ذیل میں اسی صحن میں چند کزار شات پیش کر رہا ہوں، اس امید پر کہ اسے پڑھنے کے بعد یقیناً وہ بہت سے سادہ لوح اور مصمم قادریانی، جو اسلام قبول کرنے، نہ کرنے کے مسئلہ پر تذبذب کا فکار ہیں، بڑی خود اعتمادی اور جرأت کے ساتھ آقا نے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں کی صفوں میں شامل ہو سکیں گے۔

قادریانیت

قنفی قادریانیت کو وجود میں آئے سو سال کا عرصہ گزر چکا ہے، لیکن آج تک یہ تھنہ نہیں ہو سکا کہ قادریوں کا حقیہ کیا ہے؟ قادریانی اور لاہوری گروپ ابھی تک یہ فصل نہیں کر پائے کہ مرزا قادریانی ہے کیا؟ کوئی اس کو نہیں کہتا ہے، تو کوئی اسے مدد مانتا ہے۔ خود مرزا قادریانی کی مختادر ہجوں نے یہ اُنہیں پریشان کر رکھا ہے۔ لاہوری جماعت کا یہ موقف ہے کہ مرزا قادریانی نہیں بلکہ محمد ہے اور یہ گروپ اپنے دعویٰ کے حق میں مرزا قادریانی کی درج ذیل تحریریں پیش کرتا ہے:

”نبوت کا نہیں بلکہ محمد ہے، کا دعویٰ ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے۔“

(”ازالہ اوہما“ مصنف مرزا قادریانی)

”عن لوگوں نے مجھ پر افتراء کیا ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ میں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔“

(”حادث البشری“ مصنف مرزا قادریانی)

”میرا نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ یہ آپ کی غلطی ہے۔“

(”بیک مقدس“ مصنف مرزا قادریانی)

”اگر یہ اعتراض ہے کہ میں نے نبوت کا دھوئی کیا ہے تو الحنفۃ اللہ علی الکاذبین۔“

(”اور اسلام“، مصنفہ مرزا قادیانی)

دوسری جانب مرزا قادیانی کو نبی مانے والے اپنے دھوئی کے حق میں مرزا قادیانی اور اس کے بیٹے (دوسرے قادیانی خلیفہ) مرزا بشیر الدین محمود کی درج ذیل تحریریں پیش کرتے ہیں:

”سچا خداوندی ہے جس نے قادیان میں انہار رسول بیجا۔“

(”ذخیرۃ البلااء“، طبع سوم قادیانی، مصنفہ مرزا قادیانی، ص 11)

”میں اس خدا کی تم کما کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس نے مجھے بیجا ہے اور اسی نے میرا نام نہیں رکھا ہے۔“

(تقریبۃ الرؤیٰ، ص 68، مطبوعہ قادیانی، مصنفہ مرزا قادیانی)

”تمارا دھوئی ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں۔“

(اخبار بد ۵ مارچ 1887ء، مصنفہ ”التحیۃۃ النبوۃ“، مؤلفہ مرزا بشیر الدین، ص 272)

”میں رسول اور نبی ہوں تھیں پا قبیلہ قلیعہ کاملہ کے، میں وہ آئینہ ہوں جس میں محمدی شکل اور محمدی نبوت کا کامل الحکایہ ہے۔“

(”نزوں لمحے“، ص 3 (حاشیہ)، طبع اول، طبع نیامہ الاسلام قادیانی، 1909ء)

”پس سچ مسیح (مرزا قادیانی) خود محمد رسول اللہ ہے، جو اشاعت اسلام کے لیے دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائے۔ اس لیے ہم کو کسی نئے کلہ کی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر محمد رسول اللہ کی جگہ کوئی اور آتا تو ضرورت پیش آتی۔“

(”دکتہ الحصل“، مصنفہ مرزا بشیر الدین۔ اے، ص 158)

”انہیاء اگرچہ بودہ اندر بے من بہ حرقال نہ کترم ز کے“

(”نزوں لمحے“، ص 97، طبع قادیانی، 1909ء)

(ترجمہ) ”انہیاء اگرچہ بہت سے ہوئے ہیں مگر میں معرفت میں کسی سے کہ نہیں ہوں۔“

اس طرح کی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ قادیانی جماعت سوال کا طویل عرصہ گزرا جانے کے بعد بھی یہ طے نہیں کر پائی کہ قند قادیانیت کے باñی مرزا قادیانی کیا ہیں؟

قادیانی کافر و مرتد ہی نہیں، زرعیق بھی ہیں جو خود کو مسلمان ظاہر کر کے پوری طلت اسلامیہ کو دائرۃ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں۔ مرزا قادیانی کو نبی مانے والے قادیانی اس امر پر بھی تو غور فرمائیں کہ آدم سے لے کر حضور خاتم النبیینؐ تک جتنے قشیر بھی گزرے، انہوں نے احکامات الہی کے مطابق اعلان نبوت کے بعد قوم کوئی شریعت بھی عطا کی، لیکن مرزا قادیانی نے دھوئی نبوت کیا تو مرتدین کی جماعت کوئی

شریعت دینے کی بجائے شریعت اسلامی پر ہی قابض ہو کر شریعت اسلامیہ پر عمل میں الاتخاد مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے خارج فرار دے دیا۔ نیاء الحق مرحوم نے ایک آرڈننس کے ذریعے جب قادیانیوں کو شعائر اسلامی استعمال کرنے سے روکا تو قادیانی جماعت اس پر بہت سخت پا ہوئی، حالانکہ زیادہ بہتر ہوتا کہ قادیانی جماعت سخت پا ہونے کی بجائے شفتہ دل سے اس امر پر غور کرتی کہ وہ قوم وطن، جس نے چودہ سو سال تک جان و مال کی کسی قربانی سے دربغ نہ کر کے ان شعائر اسلام کی حفاظت کی، اسے یہ بات کیسے گوارا تھی کہ ایک شخص بر طالوی استعمار کے اشارہ پر نبوت کا دھوئی کر کے ان شعائر اسلامی پر قبضہ جما کر اس پوری ملت کو ہنی کافر فرار دے ڈالے۔ یقیناً یہ سب کچھ کسی طور بھی برداشت نہیں کیا جا سکا۔ قادیانی مذہب کی تعلیم اگر اتنی ہی پراڑ ہے تو قادیانی حضرات اسلام کی اصطلاحات استعمال کرنے پر ہی کیوں بہند ہیں؟ یہاں جرمی کی عدالتوں میں مختلف موقعوں پر قادیانی یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ ہم نے پاکستان میں اپنا حق رائے دی استعمال کرنا اس لیے ترک کر دیا ہے کہ یہ ہم کو مسلمان نہیں سمجھتے اور ہمیں کلمہ سمیت دیگر شعائر اسلام استعمال نہیں کرنے دیتے، جبکہ دوسری طرف صورت حال یہ ہے کہ خود قادیانی مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔ بقول مرزا بشیر احمد ابن مرزا قادیانی:

”ہر ایک ایسا شخص جو موی“ کو تو مانتا ہے مگر میں ہم نہیں مانتا یا میں تھے کو تو مانتا ہے
مگر محمد کو نہیں مانتا اور محمد کو تو مانتا ہے مگر کچھ موجود (مرزا قادیانی) کو نہیں مانتا، وہ
نہ صرف کافر بلکہ پاک کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔“

(”کشف الفصل“، مصنفہ مرزا بشیر احمد، ص 110)۔

اسی طرح بہت سی مثالیں ہیں کہ جماعت احمدیہ خود آج تک یہ طنہیں کر پائی کہ مرزا غلام احمد صاحب کیا تھے۔ مدد دیا تھی۔ اسی وجہ سے جماعت کوئی ایک محفوظ عقیدہ پیش نہیں کر سکی اور احمدیوں کو اکثر پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کبھی وہ نبی کتبے پر، کبھی مدد کتبے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اسی طرح سے ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے جس کو جبرا اور شفتہ سے پر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور وہی حرబے جو ایک ظالم مطلق العنان حکمران (ڈکٹیٹر) اپنی ریاست کو اپنی فرمابرداری کے لیے استعمال کرتا ہے، خنیج گرانی اور ہر وقت اپنا دست مگر کھنکا۔ جماعت احمدیہ کے ان دو اصولوں کی اس سخت طریقہ سے پیش کرنے کے نتیجے میں ایک ایسی فضلا پیدا ہو گئی ہے جو دن بدن ایک ایسے مرض کی حکمل اختیار کر گئی کہ جماعت کا اس مرض سے چانبر ہونا مشکل تھا۔ جب کسی کو یقین ہی نہیں کہ وہ کس چیز پر اعتقاد رکھتا ہے تو اس کا، اس سے وابستہ رہنا کس طرح ممکن ہے؟ جماعت احمدیہ نے اس بادے سے کہ اخلاقی اصلاح پر خصوصی توجہ دی جائے، جاسوی کا ایک ایسا جال بن رکھا ہے کہ کوئی احمدی ایسا نہیں جس کی گرانی نہ کی جاتی ہو۔ اگر بقول جماعت احمدیہ کے کہ یورپ ایک مہذب سوہلا نریشن ہے۔ اگر ان کی کرتلوں کا یورپ کو علم ہو جائے کہ اس جماعت نے اپنے ہی وکاروں کو

اس طرح جاسوی کے جاں میں جکڑا ہوا ہے تو شاید جماعت احمدیہ کی ساری قلمیں کھل جائے جو کہ یہ نہیں آزادی کے نام پر دوسروں کو بدنام کر کے دہائی ڈال رہے ہیں بلکہ خود اس کے برکس صرف مہذب دینیاں نہیں بلکہ اسلام کی ابدی تعلیم سے بھی دور ہیں۔

خلا قرآن کریم واضح طور پر فرماتا ہے لا تجسسوا ولا يغصب یہ قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ ہم اس کو ایک کھل شابط حیات کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اس نے شخصی آزادیوں کے تمام قوانین، میکنا چارٹا، انقلاب فرانس، یورپ کی نشاۃ ثانیہ سے تل تقریباً 1400 سال پہلے پیش کر دیا تھا۔ اس سے زیادہ شخصی آزادی کی خاتمت کیا ہو سکتی ہے کہ حکم ہوتا ہے تم س مت کرو۔ یعنی کسی طریقے سے بھی کسی کی جاسوی یا مگر ان جماعت کی مگر ان کی جائے، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ یہ ایک مشتمل سوچ کی پیداوار ہے کہ اس مگر ان کو یہ نام دیا جائے کہ ہم اخلاقی طور پر مگر ان کرتے ہیں کہ کوئی اخلاقی طور پر بر اکام نہ کرے۔

کیتوںکل، چیخ کے بعد دسرا مذہب ہے، جس نے اپنے پیروکاروں کی اخلاقی فکاتیں نجی محاکمات میں سننے کے دفتر قائم کیے ہوئے ہیں جو کہ حقوق انسانی کے سلب کرنے کی اس مہذب دور میں سب سے گھناؤنی کارروائی ہے۔ یورپ کے مہذب ملکوں اور معاشرہ میں اس فعل کو انجائی چیخ اور نہ موم قرار دیا جاتا ہے، حتیٰ کہ شاید آپ کو یاد ہو شرقی جمیں کی حکومت کا تحدی صرف اسی وجہ سے الٹ گیا تھا کہ اس نے اپنے پاٹھوں کی ہر لفظ و حرکت کو جو کہ ان کی نجی زندگی سے متعلق تھی، اس کی مگر ان کا کیروں اور کیشوں سے بندوبست کیا ہوا تھا اور اسی کی بناء پر ان کے خلاف کارروائی کی جاتی تھی۔ جب قوم پوری طرح اس کا فکار ہو گئی تو ایک دن بغاوت پر اتر آئی اور دیوارِ لین گر گئی۔ اصل میں جماعت احمدیہ کو اس پر بھی غیر ہے کہ اس کے پاس جاسوی کا ایسا نظام ہے جو حکومتوں کے پاس بھی نہیں۔ یہ بات پاکستان میں اس قدر راڑ پڑی ہے کہ بڑے بڑے چڑیاں جاگاری سیاست دان بھی اس سے خائف ہو کر جماعت احمدیہ کے حق میں بیان دینے میں عیا عافیت سمجھتے ہیں۔

بیرونی ممالک میں قادیانیت

میں ایک عرصہ سے یورپ میں تعمیم ہوں اور اس عرصہ میں بھال رہ کر ایک اہم بات میں نے نوٹ کی ہے، وہ یہ کہ اس اور شہری آزادیوں کا ذہن دو ایک کر مسلم امام کو جاہ کر کے ایک نئے استخار کی تحریر ہی اسلام دشمن یورپی طاقتوں کی سیاست کا محور ہے۔ جب ہم سختے ہیں کہ اسلام دشمنی میں بدترین شہرت رکھنے والے ملک "اسرائیل" میں قادیانی میشن کام کر رہا ہے اور پانچ سو قادیانی، اسرائیل فوج میں طازمت کر رہے ہیں اور جب یہ پتہ چلتا ہے کہ یورپی ممالک کی عطاٹوں سے قادیانیوں کی سیاسی پناہ کی درخواستیں مسترد ہو جانے کے بعد بھی، وہاں کی حکومتیں قادیانیوں کو اپنے ممالک سے نہیں نکالتیں اور پھر جب امریکہ

بہادر ہیں وحکی دینا ہے کہ قادیانیوں کو نہ ہی آزادی نہ دی گئی تو امداد بند کر دی جائے گی، تو اس امر کی ہے آسانی تصدیق ہو جاتی ہے کہ قادیانیوں کو بلا مباند دنیا بھر کی اسلام و نور بیودی و نصرانی لاپی کی حیات حاصل ہے۔

بیرونی ممالک میں قادیانی اکٹو دہلی دیتے ہیں کہ پاکستان میں ہم پر قلم ہو رہا ہے۔ دراصل یہ ذہونگ، سیاسی پناہ حاصل کرنے کے لیے رہا یا جاتا ہے۔ قادیانی "غیر ممالک میں تبلیغ" کا بھی ذہن و راستہ پڑتے ہیں۔ اس کی حقیقت کیا ہے؟ یہ بھی آپ کو جانتا چلوں۔ برطانیہ میں ان کا مشن 60 سال سے قائم ہے، لیکن قادیانی یعنی تائیکے کی کہ اس عرصہ میں وہاں کتنے اگریز قادیانی ہوئے ہیں۔ جو من میں تقریباً دس ہزار قادیانیوں نے سیاسی پناہ لے رکھی ہے، جس سے قادیانی یعنی تائیکے کو کروڑوں روپے کی آمدنی ہو رہی ہے۔ بھاں پر اگر کچھ جو من قادیانی ہوئے ہیں تو وہ بھی جو من ہو رہیں ہیں، جن سے قادیانیوں نے شادیاں کر رکھی ہیں۔

خود قادیانیوں کی ایسے (جوئے) نی مرزا قادیانی سے محبت کا یہ حال ہے کہ جب کسی قادیانی کو سعدی عرب، گلف، ایران یا رمگر کی لہجے میں روزگار کے لیے جانا ہو تو پاس پسخت پر فرا مرزا قادیانی پر لخت بیجھ کر دھنڈ کر دیتے ہیں۔ میرے پاس ان تمام اسلامی ممالک کی لست موجود ہے، جہاں قادیانی یعنی تائیکے موجود ہیں۔ کیا ان ممالک میں وہ قادیانی بیشیت مسلمان پاس پسخت خوا کر تائیکے گئے؟

دینا کے کسی نبی نے اپنی ثبوت کی بنیاد مضمون پر نہیں رکھی، جبکہ مرزا قادیانی نے ایسا کیا۔ جو قومیں اور نجومیں کی طرح کل کمکی مرجانے لہر پوسوں مگر کارپولیز حاہو جانے کے دوسرے کیے، حالانکہ یہ سب کچھ ثبوت رہانی سے ہٹ کر ہے۔ خدا کا چنانچہ بھر کمی اپنی ثبوت کی بنیاد مضمون پر نہیں رکھتا۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین کے کو دعوت اسلام دیتے سے پہلے، ان کے سامنے ایسا کروار پیش کیا کہ وہ آپ کو پدر تین قافت کے باوجود صادق و ائمہ کا تقسی دینے پر بھروسہ ہوئے۔

بعض راویوں کے بیان کے مطابق ڈنمارک میں مستقل قیام کی خاطر ایک احمدی بشر احمد (خاتم حقیقی اسلام) نے اپنی بیشیرہ سے جو ڈنمارک کی مستقل شہر ہت رکھتی تھی اور عرصہ سے ڈنمارک کے شہری کی حیثیت سے ڈنمارک میں مقیم تھی، سے دستاویز میں ظاہر کیا کہ میں نے اس عورت سے شادی کر لی ہے اور یہ میری بھائی ہے۔ بھر نے اس غیر شرعی طریقہ سے شہر ہت حاصل کرنی چاہی تاکہ ڈنمارک میں کمل طور پر آباد ہو جائے لیکن بعد میں ڈنمارک کے چند مسلمانوں نے یہ فکایت کر دی اور حکومت ڈنمارک نے ان لوگوں کو ٹک سے کلال دیا۔ ایسے ہی واقعات کی بنا پر جناب محمد احمد جو کہ پچ سخدر کھاریاں کے رہنے والے ہیں، احمدیت چھوڑ کر اسلام کی آنحضرت میں آگئے گر بعد میں قادیانیوں نے انہیں قتل کر دیا۔

احمدی حوروں کو اپنے مختار کے مطابق صرف احمدیوں سے ہی شادی کرنے پر مجبود ہوتا پڑتا

ہے۔ اگر شادی ہو بھی جائے تو پھر دوسرا عذاب تیار ہے۔ یعنی مغربی دنیا میں سیاسی انگریش کروانے کا۔ بالخصوص جرسن میں انگریش کروانے والوں کی تعداد دنیا بھر میں احمدیوں کے کسی بھی ایک ملک کی تعداد سے زیادہ ہے۔ یہاں کیا ہوتا ہے اس کی مکمل رواداد سے اگر دنیا کو پہنچ لے تو دین کی خاطر گمراہ چوڑ کر پورپ میں بھرت کرنے اور کروانے والے بے نقاب ہو جائیں۔

قادیانیوں کے پاس اس چیز کا کیا حساب موجود ہے کہ جن لوگوں نے غیر ملکی عورتوں سے شادیاں کی ہیں، وہ کس طریقے سے اس گورہ مراد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں؟ دنیا کا کوئی آدمی بھی دھوٹی نہیں کر سکتا کہ کسی مغربی عورت سے اس نے شادی کی ہو اور قتل اس کے کہ اس کی شادی ہو جائے، اس نے اس سے ایک آزمائشی عرصہ تک جنی تعلقات نہ رکھے ہوں۔ اصل میں مغرب کے لوگوں کو نہ بہ سے لگاؤ ضرور ہے لیکن ایک حد تک۔ وہ نہ بہ کوئی زندگی پر حاوی نہیں ہونے دیتے۔ اگر اس خود فرمی میں جلا ہیں کہ پہلے غیر ملکی عورتیں بیت کرتی ہیں، اس کے بعد مشنری انچارج صاحب ان کو شادی کی اجازت دیتے ہیں تو شاید ہم حقیقت سے فرار اختیار کر رہے ہیں اور یہ میں صدی میں اس قدر غلط ہیانی اور اخفاۓ حقیقت کی مثال نہیں ملتی۔

جرس میں سیاسی پناہ گزینوں کی انگریش کا عرصہ بہت لمبا ہے۔ آخری فہمدہ ہونے تک 15 سال تک لگ جاتے ہیں۔ اس عرصہ میں وہ محنت جس سے کسی احمدی نے شادی کی ہو، اس کا کیا قصور؟ جتنے عرصہ تک عدالت مقدمہ کافی ہلکی کرتی، درخواست گزار کو ملک چھوڑنے کی اجازت نہیں۔ ہاتھ یہاں پر نہیں ہوتی۔ کسی بھی درخواست گزار کو گارنٹی نہیں ہوتی کہ اس کو مکمل قیام کا اجازت نامہ ملے گا۔ اس صورت حال سے ایک طرح سے نہیں کے لیے جرس عورتوں سے شادی کی کوشش کی جاتی ہے جس کی کامیابی کے لیے ہر وہ پاپڑ بھلا جاتا ہے، جس سے نکم صاحب کو رام کیا جاسکے۔ کیا میں احمدی ارهاب مل دھنڈ کو جو پورپ میں رہتے ہیں، اور ایک عرصہ سے یہاں ملتمی ہیں، سوال کر سکتا ہوں، کہ کیا کوئی بھی یہ دنیا عورت بغیر ایک شیست پر پڑ کے طور پر ایک خاص عرصہ ساتھ گزارنے سے پہلے شادی پر آمادہ ہو سکتی ہے؟ کیا فرمائے ہیں علامہ احمدت اس سلسلہ میں؟

قادیانی جماعت اس خیال میں ہے کہ غیر ملکوں میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو سیست کروانے کی مالی حالت کو مضبوط بنا کر لوگوں کے سامنے جواز نہیں کیا جائے کہ جماعت کا بجٹ ہر روز بڑھ رہا ہے لیکن ایک دن آئے گا جب جماعت ایسے مگر ان سے ہاتھ دھو بیٹھے گی۔ میں اس کی مثال دیتا ہوں۔ جمنی کے شہر Reklenghausen میں ایک احمدی ساہد صاحب جو قادیانی قارم بھر کر قادیانیت سے بیٹھ ہوئے، اپنی بیوی سے جھکرا ہو گیا۔ بشارت احمد مجدد مریبی جماعت احمدیہ جرسن، ان کو سمجھانے کی غرض سے ان کے گمراہ تعریف لے گئے۔ دو چار دفعہ جانے پر ساہد صاحب نے دروازہ نہ کھولा۔ مریبی صاحب

کے کئی بار جانے پر بالآخر اس نے پولیس کو نیلی فون کر دیا کہ یہ شخص خواہ تو وہ میرے گمراہ کے آن میں مداخلت کر رہا ہے۔ پولیس نے بھارت صاحب کوخت وارنگ دی اور یوں تمام لوگوں کے کیس مخمور ہو گئے اور وہ خود بخود ”ساجد“ بن گئے۔

اس بات کے تصور سے میری روح کا پاٹھی ہے کہ آزادی انہمار، مذہبی آزادی اور انسانی فحیر کے ان نام نہاد تھیں جو لوگوں کا جب اعلیٰ روپ سامنے آئے گا تو شرم بھی اپنے دروازے بند کر لے گی اور لخت بھی ان کی ماتفاقت پر لخت ڈالنا پسند نہیں کرے گی۔

قادیانی جو ایک عالمگیر مذہب کے دوسرے دار ہیں، درحقیقت ایک پرائیوریٹ طور پر کلیم کیا ہوا مذہب ہے۔ عالمگیر مذہب کے جو اصول، مذکورین مذہب نے مختصر طور پر تسلیم کیے ہیں، قادیانیت سے بہت یقین بذرکت ہیں۔ کوئی حقیقت نہیں ہے کہ مذہب سے احرار تو نہیں کیا جاسکتا۔

درامل جماعت جو Sicuritate اور Gestapo نی ہوئی ہے، اسکی خیابی وجہ یہ ہے کہ یہاں دن رات ہر آدمی دوسرے آدمی کی جاسوسی کرتا ہے اور حقیقت یہ ہے جو میں دھوٹی سے کہہ سکتا ہوں کہ جماعت کے لوگوں کی اکثریت، اپنے عقیدہ سے مطمئن نہیں ہے اور بے شمار لوگ میری اس بات کی تصدیق کریں گے لیکن وہ گستاخی کی وجہ سے مظلوم ہیں۔

قادیانی جماعت کے خلیفہ کی سب سے بڑی پاراٹم یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو جواب دہ محسوں نہیں کرتا۔ اس جماعت کے پاس سب سے بڑا اختیار جو اسلام برم سے بھی زیادہ خطرناک ہے، وہ ہے جواب دی سے برہت۔ ہر طبقہ کے احتساب کے لیے ایک شایبلہ ہے لیکن قادیانی جماعت کا سربراہ ماور پد آزاد اور بے لگام ہے۔ میں ان لوگوں کے لیے خطرہ ہوں جو نام نہاد چنانی الارجمند بیشے ہیں اور حقوق خدا کو مخبرین کی طرح جبر اور تشدد کا نشانہ بنا رہے ہیں اور احبار اور راجحوں کی طرح حقوق خدا کے اموال کو ہضم کر رہے ہیں اور جو لوگ ان کی نام نہاد چنانی کو لکھ رہے ہیں، انھیں دہ اپنادھن سمجھتے ہیں۔ مجھے اس طرح کا ہاتھ دیا گیا کہ جس کو جماعت سرٹیفیکیٹ جاری نہ کرے، اس کی نجات کا کوئی ذریعہ نہیں۔ اس کا دین، دنیا سب رائیگاں ہیں۔ وہ دنیا میں رہنے کا حق دار نہیں۔ درامل ایک مسلسل پروگرام کی طرح ایک احمدی ایک شخصی حقوق ہیں اور دوسرے تمام لوگ قادر ہیں، ایک خطرناک رہنمائی کی حکای کرتا ہے۔ یہاں صرف ایک یقین سمجھائی جاتی ہے کہ جو احمدی نہیں ہے، وہ خدا کی حقوق نہیں ہے۔

آپ حیران ہوں گے کہ یورپ میں کسی کے خلاف عدالت کو یہ مطلع کرنا کہ یہ شخص کا ہے بنا کے اکھل نوشی اور قمار بازی کرتا ہے، ایک مذاق سا گلہ ہے کیونکہ یہ چیزیں یورپ کے محاشرہ کا جزو ہیں لیکن ایک ایسی جماعت جو صرف فحائز اسلامی کی جماعت کی خاطر اپنا گلک، گمراہ چوڑ کر یورپ کی حسین وادیوں میں پناہ گزیں ہو، جس کے سربراہ کا فحائز اسلامی کی جماعت میں شوے بہانا، کیشوں، پکلوں، کتابوں،

بیرون، اشتہاروں اور مبلہ میں اس کو نشر کیا جانا، جو صرف اور صرف اپنے تین حافظ اسلام، حقیقی اسلام اور اس اسلام کے دعوے دار ہوں جس کا اعلان کرتے کرتے ان کا گناہ سوکھتا ہو، جو اپنے جوانوں کی مثال مخصوصوں سے اور خود کو امیر المؤمنین کہلاتا ہو۔ اس کی جماعت تاجیہ سے اگر افغان قبیح و ہدیہ سرزد ہوں تو یہ نہایت قائل نہ ملت بات ہے۔ اسلام صرف اس بات کا نام تو نہیں کہ پاکستان سے باہر کل کر مسلمانوں اور پاکستان کی حکومت کے خلاف کوئی فرد جرم باقی نہ رکھی جائے لیکن عالم حقیقی اسلام کے وارث کیا کل کھلاتے ہیں؟ ان کی اصلاح کی خاطر آواز بلند کرنے والے کو بذریعہ پویس ملک سے خارج اور جماعت سے باہر نکال کرنے کی کارروائی شروع کر دی جاتی ہے۔

میرے بار بار احتجاج کرنے پر کہ لو جوان احمدیت کچھ ایسے کام کر رہے ہیں جس سے جماعت اور اسلام کی بدناتی ہوتی ہے۔ میں نے مرزا طاہر احمد کو کوئی خط لکھے کہ تم احمدی پاکستان سے اس لیے ہجرت کر کے آئے ہیں کہ ہمارا طریق عبادت اور روایات نہیں کو پاکستان میں خطرہ ہے، انہی روایات کو ہمارے اکثر احباب پاہال کر کے احمدیت یعنی "حقیقی اسلام" کی بدناتی کا باعث بن رہے ہیں۔ میرے پاس امیر صاحب کے خطوط موجود ہیں جن میں انھوں نے فردا فردا مجھے ان اصحاب (عبدالسلام، بشارت احمد محمود وغیرہ) کے خلاف کارروائی کا لیقین دلایا مگر آج تک کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔

ہم یورپ میں رہ رہے ہیں۔ جب ہم تبلیغ "سلسلہ عالیہ احمدیہ" کرتے تھے تو اس سلسلہ میں جن کو تبلیغ کی جاتی تھی، ان کے اعتراضات کے جواب بھی دینے پڑتے تھے۔ مثلاً میرے جرمن ایک لٹریری آدمی ہیں اور نہ ہبا (Atheist) ہیں۔ فرانسیسی ادیب (Albert Camas) کے مذاق ہیں اور یہاں کے تعلیم بالغاء کے کالج میں جرمن زبان کے علاوہ کئی غیر ملکی زبانوں کے پیچھوar ہیں۔ ان سے اکثر "سلسلہ عالیہ" کی بابت، بات چیت ہوتی رہتی تھی۔ انھوں نے ایک جرمن کتاب "Reneicence des Islams" جس کے مصنف مشہور پروفیسر ڈاکٹر عادل تھیڈر خوری ہیں، جن کا اسلامی دنیا میں ایک خاص مقام ہے۔ گودہ لہنافی عیسائی (مارون فرقہ سے تعلق ہے) ہیں۔ ان کا، ترجمہ قرآن کریم 10 جلدیوں میں جرمن زبان میں شائع ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر خوری نے لکھا ہے احمدی اپنے موقف میں کفن سچ کے حوالے دے کر وفات سچ کے حق میں دلائل دیتے ہیں اور یہی شدومہ کے ساتھ اس کو اپنے موقف میں پیش کرتے ہیں لیکن اچاک 88ء میں سوئزر لینڈ کے ماہرین نے اس (Turines Grabtuch) یعنی اٹلی کے شہر ثورین میں واقع اس مشہور کفن کو ایک لق قرار دیا۔ تو میرے استاد نے مجھے اس کفن کی کھل اور جامع فنوں دی اور کہا کہ اب جب کہ کفن جعلی قرار دیا جا چکا ہے، تمہاری جماعت کیا کہتی ہے؟

میں نے مقامی صدر جماعت احمدیہ سے اس بارہ میں معلوم حاصل کرنا چاہیں لیکن وہ بھی حواس باختہ ہو کر کہنے لگے کہ جماعت کا اس پر بہت انحراف تھا۔ اب تو مجھے بھی پتہ نہیں کہ اس کا کیا بنے گا؟ میں نے

مرزا طاہر کو خط لکھا تھیں جواب عارد۔ دراصل اس سلسلہ میں قادیانی جماعت کا عقیدہ، Spebulatis ہے۔ اس لئے ان تمام پاپوں کے بیٹی کی ضرورت نہیں آتی ہے۔

(Das Wesen des Ludueig Fever Bach اپنی کتاب مشہور جمن قلبی (Das Wessen des Ludueig Fever Bach)

یعنی "صیاست کی روح" میں مجب اور جہانی کی پر کم کے متعلق لکھتا ہے: (Christentums)

ترجمہ: "بائل اخلاق سے متسادم، حمل سیم سے حتمام، خود اپنے آپ سے متسادم افراطیات کی حالت ہے۔ یہ ت Nadu ایک نہیں، بلے شمار مرتبہ بائل میں ہے۔ جہانی ت Nadu اور متسادم نہیں ہو سکتی اور نہ یہ جہانی کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ متسادم ہو۔"

قادیانی جماعت کے عقائد اور مرزا قادیانی کے دعاوی میں بے شمار تضادات ہیں اور یہ جہانی سے بیرون ہیں اور اس قدر بعید کہ اس کی ایک نہیں ہر ایکوں مثالیں ہیں۔ بہرے خیال میں تضادات کے محمود کا نام تعلیمات احمدیہ ہے۔ اسی لئے اس جماعت کو پہنچے مبرووں کی گھرانی کی ضرورت پڑتی ہے کہ وہ بھی اس حق سے، حقیدہ سے، خیال سے، مطمئن نہیں جن کا وہ پوچھا رکتے ہیں۔ اسی ت Nadu کی وجہ سے سو سال پہلے تضادات کے جواب وہ آج بھی کھل نہیں کر سکے کیونکہ ہر ت Nadu کے جواب کے بعد بنا ت Nadu پیدا ہو جاتا ہے؟ قادیانیوں کا غیر ممالک میں لٹریچر شائع کننا بعد بھر پا کستان میں دم توڑی ہوئی قادیانیت کو جبوئی سلیمان دینے کے لئے ہوئے دھرم و حرکے سے یہ کہنا کہ ہم نے فلاں زبان میں اتنا لٹریچر شائع کروایا ہے، کی حقیقت کیا ہے؟ کسی بھی مغربی ملک کی بڑی سے بڑی بک شاپ پر چلے جائیں، قادیانیوں کی کوئی کتاب آپ کو نہیں مل سکتے گی۔ خانہ سازی نہوت کی طرح ان کی کتابیں بھی ان کے مکروں سے باہر نہیں کھل سکتی..... بھر دہائی دیجیے ہیں کہ ہم نے جمن، فرنچ، لاطینی اور انگریزی زبان میں قرآن مجید کے تراجم شائع کیے ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان تمام زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم کے کثیر تعداد میں بیٹھے سے موجود تھے..... ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے تحریف شدہ قرآن پاک کے تراجم شائع کروائے ہوں۔

پاکستان میں سادہ لوح قادیانیوں کو کروڑوں کے حلب سے بجٹ دکھا کر پہلی دنیا چاری ہے کہ چونکہ جماعت کا بجٹ بڑھتا چاہا ہے، اس لئے ترقی ہو رہی ہے، حالانکہ غور طلب پہلو تھی ہے کہ جس جماعت کی سر پرستی یہ ہوئی لابی اور استخاری طاقتیں کر رہی ہوں، اس کا بجٹ کیسے کم ہو سکتا ہے۔ قادیانیوں کے غیظہ کے پاس قادیانیت میں کشش پیدا کرنے کے لئے ایک یعنی تھیمارہ گیا ہے کہ مسلمانوں کو قادیانیت کا لائی دے کر اور دم توڑتے ہوئے قادیانیوں کو سمجھلا دینے کے لئے اُسیں غیر ممالک، بالخصوص یورپ، امریکہ، کینیڈا اور فیرہ میں سیٹ کر دیا جائے۔

جرمنی کی عدالتیں تو بہت حد تک قادیانیوں کو سیاسی پناہ دینے سے گریز کرتی ہیں، لیکن مبنی
الاقوای سطح پر مغربی ممالک کی حکومتیں غالباً یہودی اور عیسائی لاپی کے دباؤ یا کسی اور مصلحت کے پیش نظر، نہ
صرف قادیانیوں کو برداشت کرتی ہیں، بلکہ ان کی ہر ممکن سر پرستی بھی کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جرمنی میں
کسی قادیانی کو سیاسی پناہ کا کیس خارج ہونے پر بھی ملک بدر نہیں کیا جاتا، جبکہ اس کے برعکس دیگر تمام غیر
ملکیوں کو ملک بدر کر دیا جاتا ہے۔ یہاں جرمنی کے سب سے بڑے صوبے W.N.R. کی ہائی کورٹ نے
آج تک کسی قادیانی کو سیاسی پناہ نہیں دی۔ وہ آج تک اس موقف پر قائم ہے کہ اگر قادیانیوں کو مسلمانوں
سے تکلیف ہوتی ہے تو مسلمانوں کو بھی، جو اکثریت میں ہیں، احمدیوں کے عقائد کی وجہ سے دل آزاری
ہوتی ہے۔ میں عرصہ سات سال سے اس تمام صورت حال کا بڑی تفصیل سے جائزہ لے رہا ہوں اور بالآخر
اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ قادیانی امریکہ اور اسرائیل کے دست و بازو ہیں، کیونکہ امریکہ اور اسرائیل کو عالم اسلام
کے قلب میں یہود کا بخیر گھوپنے کی سازش صرف اس فتنہ قادیانیت کے ذریعے ہی پوری ہوتی نظر آ رہی ہے۔
الغرض ان ممالک میں عیسائی و یہودی سر پرستی کے باوجود قادیانی غبارے سے ہوا تکلیف چکی
ہے۔ قادیانی جماعت جب بلند و بالک دعوے کرتی ہے کہ فلاں ملک میں یہ کیا تو یہ
صرف ”ڈوبتے کوئیکے کا سہارا“ دینے والی بات ہوتی ہے۔ جہاں ان کے قدم نہ جیس یا ان کا دھونی علاوہ
ثابت ہو جائے تو کہہ دیتے ہیں کہ فلاں خلیفہ نے کہا تھا کہ اس سرز من پر خدا کی رحمت نہیں ہوگی۔ اس کی
مثال عرض کرتا چلوں کہ فرانس میں قادیانی جماعت کا وجود نہ ہونے کے براء ہے کیونکہ وہاں مرماش،
الجزائر اور ٹیونس وغیرہ سے مسلمانوں کی ایک خاص تعداد موجود ہے اور ان کے پروپیگنڈا کے امکان محدود
ہو گئے ہیں۔ اس کے متعلق قادیانی اخبارات نے لکھا کہ حضرت مصلح مسح موعود (مرزا بشیر الدین) نے میشین
گوئی کی تھی کہ ”جیوس کی سرز من احمدیت کی برکت سے مروم رہے گی۔“ دراصل قادیانیوں کے پاس
منافقت کا مہلک تھیمار ہے، جس سے انہوں نے عالم اسلام پر گھبرے وار کیے ہیں اور کر رہے ہیں۔ میں
نے قادیانی خلیفہ اور دیگر قادیانی رہنماؤں کو کئی خطوط لکھے ہیں، لیکن آج تک سب میرے کسی بھی خط کا جواب
نہیں دیا گیا۔ جرمن میں جہاں میں کام کرتا ہوں، وہاں اور بھی پاکستانی کام کرتے ہیں، جن میں چدقہ قادیانی
بھی ہیں۔ پاکستانی مسلمان مجھ سے کہتے ہیں کہ مرزا کی تم کو قتل کروادیں گے، تم ہوشیار ہا کرو۔ میں نے ان
سے کہا کہ میں کوئی مرزا طاہر ہوں جو بلکہ پروف جیکٹ مہنگا کر پھرتا رہوں۔ مجھے یقین ہے کہ قادیانی
جماعت کے بزدل کارکنان میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اس دیار غیر میں اگر میں اکیلا ہوتا تو بہت پہلے ان کے
ہاتھوں لٹ چکا ہوتا، لیکن میں یہاں تھا نہیں کیونکہ میرا ایمان ہے کہ جو شخص عقیدہ ثبت کے تحفظ کے
لیے کام کرتا ہے، اس کی پشت پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہاتھ ہوتا ہے۔

قادیانیت اور پاکستان

اصل میں قادیانیوں نے مسلمانوں کو حالات کے تابے بانے میں پھنسا رکھا ہے اور خود مسلمانوں کی فروعی اور اخلاقی طاقتون سے فائدہ اٹھا کر امت مسلم کے لیے دنیا بھر کے اسلام و شمتوں سے زیادہ نقصان دہ ثابت ہو رہے ہیں۔ مغربی ممالک میں پاکستان عتی نہیں، دنیا بھر کے مختلف ممالک کے لوگ سیاسی پناہ کی درخواستیں دیتے ہیں، لیکن آج تک پاکستان کے علاوہ کسی بھی اسلامی ملک سے اس بنا پر کسی نے سیاسی پناہ کی درخواست نہیں دی دی ہو گئی کہ اس کو مسلمانوں یا اسلام کی تعلیمات سے خطرہ ہے۔ یہ بدستی نہیں تو اور کیا ہے کہ یہ "سعادت" اہلیان پاکستان کے حصے میں آئی۔ اسلام و شم استعماری طاقتون نے پوری دنیا میں مسلم طاقتون کو اپنے پنجے میں جکڑنے کے لیے اپنے گماشیت پھیلار کئے ہیں۔ پاکستان میں ان استعماری طاقتون کے مخاوات کے حافظ قادیانی ہیں۔ یہ لوگ رجھے پاکستان میں ہیں، ان کی جائیدادیں پاکستان میں ان کے عزیز و اقارب پاکستان میں، لیکن ہر وقت پاکستان کے لیے برا سوچنا، برا مانگنا اور پاکستان کے خلاف پروگینڈا کرتے رہتا، ان کے فرائض میں شامل ہے۔ مسلمانوں کے آہم میں اختلافات اور نفاق کی بدولت یہ قند اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ اب ان کا ہاتھ مسلمانوں کے گرباں تک پہنچ رہا ہے اور ہر وقت ان کی کوشش ہوتی ہے کہ مغربی ممالک کو مسلمانوں اور پاکستان کے خلاف کیا جائے، جبکہ دوسری مغربی طاقتیں تو چاہتی ہی بھی ہیں کہ مسلم ممالک میں افراتفری رہے۔ پاکستان میں ان کو اور کوئی صورت نظر نہ آئی تو اس قسم کو، جو کہ خود ان کی پیداوار تھا، اس کام کے لیے تیار کیا۔ اگر یوں نے ان کو پاکستان لانے کی سازش کی۔ افسوس تو اس بات پر ہے کہ قادیانی اب بھی اپنے مددے ربوہ میں امانتاً فون کرتے ہیں اور موقع ملنے پر قادیان لے جانے کے خواہیں مدد ہیں۔ ان کے سابق نام نہاد علیشہ مرزا محمود کی قبر پر اس کی دیست کا ایک کتبہ بھی لگادیا گیا تھا، جسے بعد میں مسلمانوں کے احتجاج پر اتار دیا گیا۔ اس طرح کے واقعات کے بعد واضح ہو جاتا ہے کہ قادیانی اس ملک کے کتنے دفادر ہیں۔ میر دن ملک رجھے ہوئے قادیانی رہنماؤں کے بیانات، تاثرات اور سرگرمیوں کا بھرپور جائزہ لینے کے بعد میں تو اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ قادیانی بھی پاکستان کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔

دنیا بھر میں یہ شرف صرف اسلامی جمہوریہ پاکستان کو ہی حاصل ہے کہ وہاں سے آ کر مغربی دنیا میں سیاسی پناہ حاصل کرنے والے اسلام اور پاکستان کے نام کو بدنام کر کے سیاسی پناہ کی درخواست واپس کرتے ہیں۔ دنیا کا کوئی اسلامی ملک ایسا نہیں جس کے باشدے یہ کہہ کر کسی سیاسی ملک میں پناہ سیاسی کی درخواست کرتے ہوں کہ ہمیں اسلام اور مسلمانوں سے خطرہ ہے۔ اسلام کو بدنام کروانے کا "شرف" صرف اسلامی جمہوریہ پاکستان کو حاصل ہے۔ میرے پاس عدالتون کے تحریری شہوت ہیں کہ خود جو سن عدالتون کو مجبور ہونا پڑا کہ وہ احمد یوں سے سوال کرتی ہیں کہ کیا ایک ریاست اپنے اکثریتی آبادی کے مذہبی جذبات کا

تحفظ کرنے کی پابند نہیں؟ کیا عقائد احمدیہ سے ان کی دلازاری نہیں ہوتی؟ احمدی خود اپنے لیے جس چیز کا مطالبہ کرتے ہیں، دوسروں کے لیے اس سے برعکس کارروائی کرتے ہیں۔ جب احمدی اپنے آپ کو مسلمانوں سے علیحدہ فرقہ سمجھتے ہیں تو ان کو مسلمانوں کے رسم و روایات اور تہذیب و ثقافت پر دعویٰ کا کوئی حق نہیں۔ یہ کوئی جگل کا قانون و نہیں ہے کہ جس کے حی میں جو آئے، کہے کہ یہ تو میرا ہے۔

1400 سال روایات، رسم، طریق عبادت جس نہ سب کے ہیں، جھنوں نے اس کی حفاظت کی، جانشی دیں، مال گتوانے، تکلیف اٹھائیں، ان کا کوئی حق نہیں اور ایک اٹھائی کیمر میں داخل ہو کر کہے کہ کمیرا ہے۔ کیا آپ اس بات کا تصور کر سکتے ہیں کہ ایک آدمی پچھا خوا کرنے کے بعد یہ دل دے کر میں اس پیچے کی، اس کی ماں سے زیادہ اچھی حفاظت کر سکا ہوں۔

اخلاقی پاکیزگی کے دعویدار قادریانی

بڑوںی ممالک میں جہاں تک قادریانیوں کی اخلاقی حالت کا تعلق ہے..... میرا قلم اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈال سکوں۔ پاکستان میں یہ اخلاق کے درس دیتے ہوئے نہیں تھکتے۔ قادریانی خلیفہ اسلام کی خاطر شوے بہاتا نظر آئے گا، لیکن قادریانیوں کی اخلاقی حالت دیکھ کر شاید اسے بھی روٹا نہیں آیا۔ سن ہے ربوہ میں قادریانی جماعت سینا نہیں بننے دیتی، لیکن جہاں جرمی میں ہر نئی قش اور غیر اخلاقی قلم، جو اغذیا سے یہاں پہنچتی ہے، قادریانی جماعت کے صدور صاحبان کے گروں میں جا کر دیکھی جاسکتی ہے۔ میرے پاس جہاں کی قادریانی جماعت کے ایک ذمہ دار فرد کی تصویر موجود ہے، جس میں وہ جام ہاتھ میں لیے کھڑے ہیں۔ ایک اور قادریانی خاتون کی تصویر بھی میرے پاس محفوظ ہے، جو ہندوستانی سازی میں ملبوس غیر محروم افراد کے جھروٹ میں اخبار کی زیست نہیں ہوئی ہیں۔ یہ صدھبہ نائجیریا میں قادریانی جماعت کے سربراہ، ایک ڈاکٹر کی بیٹی ہیں۔ آج کل میلیوں اور ہزاروں کے موقع پر دکان سجائی ہیں، جہاں سے شرایہوں اور ٹھنڈوں کے ہاتھوں سودا فروخت کر کے "اسلام" کی خدمت سراجام دے رہی ہیں۔ قادریانی خلیفہ نے یورپ اور دیگر امیر ممالک میں قادریانیوں کو سمجھ کرنے کا جو پروگرام بنایا ہوا ہے، اس میں اس نے تمام اخلاقی قدریوں کو فراموش کر دیا ہے۔ میں تو ابھی تک نہیں جان سکا کہ جب قادریانی اپنی نوجوان لڑکوں کو پاکستان سے سمجھ کر کے جرمی میں لاتے ہیں تو اس سے "اسلام" کی کوئی خدمت سراجام دیتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ سب کچھ مملکت خدا داد پاکستان کو بدناام کرنے کے لیے ایک طے شدہ منصوبے کے تحت کیا جا رہا ہے۔ سور کے گوشت اور اس سے نہیں ہوئی چیزوں کی خرید و فروخت کی دکانیں قادریانیوں کی ہیں۔ بے جایی میں تو انگریز بھی ان سے بہت بیچھے رہ گئے ہیں۔ گرل فریڈز کار و اج ان میں عام ہے۔ مغربی ممالک کے حالات سے معمولی واقعیت رکھنے والے افراد بھی یہ جانتے ہوں گے کہ مغربی عورتیں کسی بھی مرد کے ساتھ دو سال کا عمر صائز ارنے سے پہلے شادی نہیں کرتیں۔ ان کو کسی ترقی پذیر

ملک کے افراد سے کیا مفاد ہو سکتا ہے، صرف اور صرف جسی تکین۔ اسلام کے نام پر مگر مجھ کے آنسو بھانے والے قادری خلیفہ کو اس بات کی خبر تو ہو گی کہ جرمی کی خواتین اور جرمی میں موجود پاکستانی قادریوں کے درمیان طے پانے والی شادیاں اسی فریڈ شپ کی بنیاد پر ہوتی ہیں اور یوں جرمی میں قائم قادری شادی سے پہلے غیر ملکی خواتین کے ساتھ ڈیڑھ دسال کا عرصہ گزار کر زنا کے مرکب ہوتے رہے ہیں۔

حال ہی میں روزنامہ "جنگ" لندن اور لاہور (پاکستان) نے اپنی اشاعت 28, 14 اور 30 نومبر 1991ء میں لندن کے نائنٹ کلب میں "مریاں ٹو" پیش کرنے والی نوجوان قادری لڑکوں کے بارے میں تہلکہ آمیز اکشنفات کیے ہیں:-

"(فلر اقبال گینہ) جنوبی لندن کے نائنٹ کلبوں میں بہن ڈائس کرنے والی زرینہ رمضان اور قرا اشرف نے اخبارات میں اپنی تشهیر کے بعد نائنٹ کلبوں اور فتحی تقریبات میں اپنی بے حیائی کو مختصر عام پر لانے کی بیکنگ کا محاوضہ چار گنا کر دیا۔ تین سالوں میں چار لاکھ پاؤٹ کمیا جبکہ جون 92ء تک مختلف کلبوں اور فتحی تقریبات کے لیے بک کی جا چکی ہیں۔ اس بیکنگ کے حساب سے ان کی مجموعی آمدن ایک کروڑ پاؤٹ تک جا پہنچے گی۔ 24 سالہ زرینہ رمضان اور 19 سالہ قمر اشرف دونوں سہیلیاں ہیں اور ان کے آباء اجداد کا تعلق پاکستان سے ہے۔ زرینہ رمضان کا والد مطہان کا رہنے والا ہے جو 1960ء میں ترک ڈلن کر کے لندن چلا گیا تھا، جہاں زرینہ کی پیدائش ہوئی۔ 1948ء میں زرینہ نے والد کے انتقال کے بعد مختلف اداروں میں ملازمت اختیار کی۔ اہل دوران اس کی دوستی ایک نوجوان سے ہو گئی۔ دوستی شادی کے بندھن میں بدل گئی، لیکن زرینہ کی آوارہ مزاجی اصلاح کی راہ پر نہ آسکی اور یوں دونوں میں عیحدگی ہو گئی۔ کچھ عرصہ بعد زرینہ رمضان نے اپنی پسند سے دوسرا شادی کی لیکن یہ بندھن بھی لوث گیا۔ تب زرینہ رمضان نے اپنی سہیلی قرا اشرف کے ہمراہ نائنٹ کلبوں میں رقص کرنے والی لڑکوں سے رابطہ کیا۔ انہوں نے کلب انچارج ڈائس ماسٹر اور دو بر طاقلوی ہمورتوں سے انہیں ملوا یا جو باقاعدہ ڈائس کی تربیت بھی دیتی ہیں۔ چار ماہ کے ترتیب میں کورس کے ساتھ ہی زرینہ رمضان اور قرا اشرف نے نائنٹ کلبوں میں باقاعدہ رقص شروع کر دیا۔ تین سال کے عرصہ میں نائنٹ کلبوں میں ڈائس کر کے دونوں سہیلیوں نے تقریباً چار لاکھ پاؤٹ کمائے اور جب ان کی مانگ ذرا کم ہوئی تو دونوں نے نائنٹ کلبوں میں ڈائس چھوڑ کر ساٹھ ہال کے ایک فلیٹ کے ذریعہ روم میں، جو بھارتی کپیٹر آپریٹر کی ملکیت ہے، بہن ڈائس کر کے اپنی بے حیائی کی انتہا کر

دی۔ بے حیائی کے اس شیطانی پروگرام میں داخلہ کی فیس سو پاؤٹھنی کس کے حساب سے مقرر کی گئی، جبکہ ہر تماشیں پر یہ شرط عائد کی گئی کہ وہ کم و دسو پاؤٹھنے لے کر پروگرام دیکھ سکیں گے اور پروگرام کے دوران یہ دوسو پاؤٹھنیں زیرینہ رمضان اور قمر اشرف پر نجحاواد کرنا ہوں گے۔ حاکی تینیوں کے شیطانی رقص کا پہلا پروگرام ایک مختلط 45 منٹ تک جاری رہا اور اسے دیکھنے والوں کی مجموعی تعداد 45 افراد پر مشتمل تھی، جس میں کلب انچارج، رقص اور نتھام بر طالوی عورتیں شامل تھیں۔ پروگرام میں بھارتی اور پاکستانی قسمی گاتوں پر زیرینہ رمضان اور قمر اشرف رقص کرتی رہیں۔ پروگرام کی ابتدا "میرا لوگ گواجا" سے کیا گیا۔ قمر اشرف نے اس گانے کی وہن پر پاکستان کے روایتی وہن و اعلیٰ لباس میں رقص کیا۔ اس نے لہنگا، دوپہر اور چڑیاں چمن رکھی تھیں جبکہ تماشیں جام سے جام گکھرا ہے تھے۔ پہلے دو گاتوں پر قمر اشرف نے رقص کیا جبکہ زیرینہ رمضان نے اپنے رقص کی ابتدا "بجاو سب مل کے تالی کر آئے تاچنے والے" سے کی۔ اس دوران تماش بینوں کی بدستیاں عروج پر تھیں اور وہ بے تحاشا پاؤٹھنچحاواد کیے جا رہے تھے اور زیرینہ رمضان اپنے پاؤں کی الگیوں سے پاؤٹھنخاتی رہیں۔ اس پروگرام میں دونوں سہیلوں نے 19 گاتوں پر رقص کیا اور مجموعی طور پر چھ بار لباس بدلا اور یوں لباس بدلتے بدلتے بے لباس ہوتی چلی گئی۔ قمر اشرف نے بہنہ رقص کی ابتداء پروگرام کے 13 دیں گانے "آج جمعہ ہے" سے آغاز کیا اور یوں دونوں سہیلوں نے سات گاتوں پر اپنی بے حیائی سے شیطان کو بلی مات دے دی۔ بے حیائی کے اس پروگرام کے تماش بینوں میں 9 پاکستانی، 18 ہندوستانی اور باقی بر طالوی شہریت رکھنے والے مرد اور عورتیں موجود تھیں۔ پروگرام کے دوران دو بر طالوی عورتیں فاتحانہ شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ جام پر جام چڑھائے جا رہی تھیں۔ پروگرام کے اختتام پر زیرینہ رمضان اور قمر اشرف کو بحفاظت ان کی کی رہائش گاہ پر پہنچا دیا گیا۔ تب سے اب تک وہ لندن کے ناٹ کلبوں اور انگریز تقریبات کے لیے سبک ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ زیرینہ رمضان کی والدہ کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ وہ قادریاً ہے اور ماں بیٹی نے بھل پاکستان اور مسلمانوں کو بدنام کرنے اور دولت سیئنے کے لیے بے حیائی کے ان پروگراموں کی بکنگ کا حصی فیصلہ کر لیا ہے، جبکہ بر طالویہ میں موجود ہزاروں پاکستانی گزشتہ میں ماہ سے ان کو قتل کرنے کی کوشش میں ہیں۔ دوسری طرف بر طالوی پولیس نے رسوائے زمانہ، شامِ رسول، سلمان

رشدی کی جان کی حماقت کے ساتھ زیرینہ رمضان اور قمر اشرف کی حماقت کا بھی
ٹھیک لے لیا ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کی دل آزاری کا سامان موجود رکھے کا
عزم کر رکھا ہے۔“

پاکستانی حکمران..... کیا کر رہے ہیں؟ کیا کرنا چاہیے؟

میں دوسرے سے کہہ سکتا ہوں کہ پاکستان میں پیش تحریکی کا سدا سچاں میں قادریٰ ملوث ہیں۔

مشرقی ممالک میں قلم قلم کی جو یہ دہائی دے رہے ہیں، اس کی حقیقت کیا ہے؟ یہ تو حکومت کا کام تھا کہ فیر ممالک میں اس قادریٰ پر اپنے گذشتے کے اثر کو زوال کرنے کے لیے اقدامات کرنی اور ان ممالک کی حکومتوں اور حکوم کو تباہی جانا کہ کس طرح قادریٰ حماقہ کی وجہ سے مسلم اکثریت کی دل آزاری ہو رہی ہے، لیکن نجاتی حکومت اور پاکستانی سفارت کاروں کو کون ہی خفیہ طاقت اس اقدام سے باز رکھے ہے۔ یہاں جو منیٰ میں مختلف صفاتوں نے اپنے فیصلوں میں اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ پاکستان میں قادریٰ حماقہ کی وجہ سے مسلم اکثریت کی دل آزاری ہو رہی ہے۔ حکومت نے اپنا فرض تمہارا ہذا تو صورت حال کی بھی اتنی خراب نہ ہوتی۔ اولاد تو حکومت نے بھی یہ کوشش ہی نہیں کی کہ سیاسی پہلو کی درخواستوں کی سماعت کرنے والی مشرقی ممالک کی صفاتوں یا ان کی حکومتوں کو سچی صورت حال سے آگاہ کیا جائے، جبکہ قادریٰ حماقہ

پاکستان کے سیاسی و مذہبی رہنماؤں کے منہ سے لٹک لئے ہوئے عمومی سے القاطع بھی فوراً ان صفاتوں میں لے جاتے ہیں۔ کیا یہ حکومت کی ذمہ داری نہیں کروہ یہ مردی مشرک کی منڈی کی پالیتیت اور تمام مشرقی ممالک کو اس بات سے آگاہ کرے کہ خود ساختہ مسلم کی دامتائیں، جسیں قادریٰ خودی تحقیق کر کے ان کی وسیعی کیا نے پر شکر کر رہے ہیں، پہنچا دیں۔ حکومت پاکستان کو ان ممالک پر واضح کردہ ہا چاہیے کہ اگر ان کو قادریٰ نہیں سے اتنا عی پیار ہے تو وہ بلوچی چنچے قادریٰ جائیں، اپنے ملک میں مکولائیں۔ لیکن پاکستانی حکوم کی اکثریت کو الام نہ دیں کروہ قادریٰ نہیں کو ملک میں رہنے پہنچ دیتے، جبکہ اس کے برکس قادریٰ، مسلمان اکثریت کے مقام کو تحقیق کا شاندار ہا کر 99% صورت سے بھی زیادہ لوگوں کی دل آزاری کر رہے ہیں۔ دنیا کا کوئی ملک بھی اپنی نہیں جہاں پر قواعد ضوابط نہ ہوں۔ کیا دیگر ممالک میں قادریٰ اس بنا پر سیاسی پہنچ حاصل کر رہے ہیں کہ ان کو جو جی میں آئے، کرنے کی اجازت ہے؟ جی نہیں۔ پاکستان میں وہ کرمہ بھی پابند ہوں گا شور و غور کرنے والے قادریٰ ایسی طرح جانتے ہیں کہ دیگر ممالک میں بھی قادریٰ نہیں کیا پابندیاں مانکر ہوتی ہیں۔ جمنی ہی کو لیجئے۔ جتنی میں سیاسی پہنچ حاصل کرنے والے قادریٰ بھی ایسی طرح جانتے ہیں کہ جمنی میں

□ کسی طلاقے میں سمجھ ہانے کی صرف اس صورت میں اجازت ہے جب اس طلاقے کے قائم پاٹھوں پر تھن ہوں (جبکہ ایسا بہت کم ممکن ہتا ہے)

کسی بھی مسجد میں لاوزڈ پیپر پر اذان دینے کی اجازت نہیں۔ □

کسی بھی غیر یہاں تکیت کو اپنا قبرستان بنانے کی اجازت نہیں۔ □

کسی بھی مسلمان کو دوسری شادی کی اجازت نہیں۔ □

اس طرح کی سینکڑوں میلیں موجود ہیں کہ مختلف طبقات کو کئی حرم کی آزادیاں حاصل نہیں۔

برطانیہ میں حضرت مسیت کی توجیہن پر سزا کا قانون تو موجود ہے، لیکن حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی پر سزا کے لیے کوئی قانون نہیں۔ ان تمام پاتوں سے ظاہر ہے کہ قادیانی، پاکستان سے جن نہیں پابند ہوں کا بہانہ کر کے دیگر ممالک کی طرف بھاگتے ہیں، وہاں بھی ان پر انکی عی پابند ہوں کا اطلاق ہوتا ہے، اس لیے پاکستانی حکومت یا عوام کو اخراج دینا سراسر غلط ہے۔ حقیقت میں ان کی بیرون ملک روائی قادیانی جماعت کے خفیہ عزائم کی تحقیق کے سوا کچھ بھی نہیں۔

ایک طرف تو قادیانی، پاکستانی حکومت اور عوام کے خلاف واویلا کرتے ہیں کہ ہمیں کافر قرار دے دیا گیا ہے اور دوسری طرف حقیقت یہ ہے کہ خود قادیانیوں نے پوری امت مسلمہ کو کافر قرار دے کر رہے صرف مسلمانوں کی تحقیق کی، بلکہ خود کو مسلمانوں سے علیحدہ کر لیا ہے۔

پاکستانی حکومت نے انھیں ووٹ کا حق دیا، لیکن قادیانی نہ صرف اس حق کو استعمال نہیں کرتے، بلکہ اس قانون کی تحقیق اڑاتے ہیں۔ □

اگر کوئی قادیانی پارلیمنٹ کی مخصوص نشست پر منتخب ہوتا ہے تو اسے قادیانی حلیم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ □

ملک کی کوئی بھی عدالت ان کے خلاف کسی کی ساعت کرے تو قادیانی اس کو Legitimate نہیں مانتے۔

ملکی پارلیمنٹ ان کے زمرہ میں کوئی قرار و اپس کرے تو یہ آسمبلی کو "نہاد" قرار دیتے ہیں۔ □

مغربی ممالک میں یہ تمام کارروائیاں ملک دشمنی کے زمرہ میں آتی ہیں تو پاکستان میں انکی کارروائیاں کرنے پر قادیانیوں کو کیسے محبت ملن قرار دے دیا جائے؟ یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ قانون کی دعجیاں اڑانے والوں کا محاسبہ کرے اور مغربی ممالک سمیت حقوق انسانی کی تحقیقوں تک قادیانیوں کی قانون دشمنی کے واقعات پہنچائے۔ غیر ملکی ذرائع ابلاغ اور اسلامی اعزیزیں وغیرہ قادیانیوں کی مظلومی کے ذریعہ ہیں۔ اسلامی اعزیزیں کی 1989ء کی رپورٹ کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

"جنوب سے ربوہ جاتے ہوئے دو قادیانیوں سے مسلمانوں نے گلہ کے چیز اڑوا لیے، اس لیے ان پر قلم ہو رہا ہے۔"

پاکستانی مسلمان اگر قادیانیوں کو قانون کی خلاف ورزی کر کے اہل اسلام کے چذبات مجرور

کرنے سے روکیں تو یہ علم ہوا، لیکن دیگر جگہوں پر مختلف اقوام خصوصاً مسلمانوں کے ساتھ ہونے والا بدترین تشدد، ایسٹنی کی نظر سے کیوں اچھا ہے؟ جو منی کو ہمیں لجھتے۔ یہاں سکن ہمیں اور ہمیں وغیرہ پر بڑے رملے سینہ پر جو من شہری غیر ملکیوں کو لوٹ لیتے ہیں، مارتے ہیں، غیر ملکیوں کی جائیدادیں جھین لیتے ہیں، لیکن آج تک ایسٹنی ایٹریٹھل نے اس کا نوش نہ لیا۔ ایسٹنی تک پاکستانی مسلمانوں کے اکثریت کے موقف کے نہ لکھتے میں بھی بہت حد تک حکومت قصوردار ہے۔ یہ امر تسلیم ہمیں کہ ایسٹنی ایٹریٹھل قادیانیوں کے زیر اثر ہے، لیکن حکومت پاکستان نے ایسٹنی کو قادیانیوں کے بارے میں معلومات فراہم کب کی ہیں؟

چک سکندر آباد میں مسلمانوں کے نہیں جذبات محدود کرنے پر قادیانیوں اور مسلمانوں میں تسامد ہوا۔ قادیانیوں نے ایک مسلمان شہید کر دیا۔ نتیجے کے طور پر مسلمانوں نے 30 کے قرب قادیانیوں نے گردیں کو تھان پہنچایا، لیکن قادیانیوں نے جرمی کی ایک عدالت میں سیاسی پناہ کے ایک کیس میں یہ بتایا کہ چک سکندر آباد میں قادیانیوں کے 100 گمراہ کراکستر بنا دیے گئے۔ انہوں نے ثبوت کے طور پر روزنامہ "ہیدر" را ولپڑی کا ایک راشہ پیش کیا۔ میں نے عدالت کو قادیانیوں کی اس غلط یادی کی اطلاع دی اور جیچھے کیا کہ اگر جو من حکومت تحقیقات کروائے تو میں اس کے اخراجات بروادشت کرنے کے لیے تیار ہوں۔ میں نے اس سلسلے میں عدالت کو خط ارسال کیا۔ عدالت نے میراخط قادیانی جماعت کو سمجھا، لیکن انہوں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ عدالت نے قادیانیوں کی طرف سے اس غلط یادی کا شدید نوش لیا، لیکن یہ تو پرنس کا کام تھا کہ اس کو ایسا نہ ادا کیا جاتا اور یہ پاکستانی سفارت خانے کی ذمہ داری تھی کہ اصل صورت حال عدالت تک پہنچائی جاتی۔ گوسایی طور پر مغربی ممالک کی حکومتوں قادیانیوں کی حمایت کر رہی ہیں، لیکن عدالتوں کو اس پات کا انتظار ہے کہ کوئی تھوڑی قادیانیوں کے بارے میں انھیں صحیح صورت حال سے آگاہ کرے۔ عدالتوں کو اس پات کا انتظار ہے کہ پاکستانیوں کے ہمچندوں سے مرعوب نہیں ہوتی، لیکن یہ سب کچھ یکطرفہ ہے۔ مسلمانوں اور حکومت پاکستان کا نقطہ نظر اسی موصول نہیں ہو رہا۔ ان ممالک میں انتظامیہ کو حکومتی پارٹی سے ہدایات موصول ہوتی ہیں اور انتظامیہ ان ہدایات کی روشنی میں قادیانیوں کی مخالفت کرنے والے لوگوں کو ہمچکی کرتی ہے۔ یہ حکمرانوں کی ذمہ داری ہے کہ نام نہاد قادیانی غلیظ مرزا اسمروں، جو "قادیانی پروپیگنڈا اسٹبل" کے ذریعے پاکستان کو بدنام کرنے کی ہم چلا رہا ہے، سے باز پرس کی جائے کہ پاکستان کی شہریت رکھتے ہوئے ملکی قوانین کا ماق اڑایا جا رہا ہے۔ اگر مرزا اسمرو حکومت پاکستان کے اقدامات اور قوانین سے متعلق نہیں تو بھی بات یہ ہے کہ وہ پاکستان سے قلع نہیں۔ ایسے میں اسے چاہیے کہ پاکستانی شہریت پھوڑ دے، بصورت دیگر حکومت پاکستان کو اس کی شہریت ثبت کر دیں چاہیے۔

امت مسلمہ کی ذمہ داری

ہم مسلمانوں نے بھی اس بات کا سمجھی گی سے نوش نہیں لیا کہ ہم اگر خود کو حضور خاتم النبیینؐ کے

ادنی امتی تصور کرتے ہیں تو پھر محن انسانیت کی شان میں گستاخی کرنے والے کو روکنا کس کا فرض ہے؟ □ حکومت کو اس امر پر احتیاجی خطوط لکھے جانے چاہئیں کہ بیرونی ممالک میں قادیانی اسلام اور پاکستان کو بدنام کرنے کی کوئی کوشش ہاتھ سے نہیں جانے دیتے لیکن ہماری حکومت اور بیرونی ممالک میں موجود پاکستانی سفارت کارکیوں مسلسل خاموش ہیں۔ حکمرانوں کے الاؤں تک یہ آواز پہنچی چاہیے کہ قادیانی اقلیت ہیں تو ان کے حقوق کے لیے ہر کوئی پریشان نظر آتا ہے، لیکن اکثریت (مسلمان) کے حقوق کی حفاظت کون کرے گا؟ کیا اکثریت میں ہونا بھی ہم مسلمانوں کی غلطی گروانا جائے گا۔ قادیانی جب چاہیں ہمارے اکابرین مذہب اور شعائر اسلام کا نداق اڑا کر مذہبی جذبات مجرور کرتے رہیں اور ہم اکثریت میں ہونے کی بنا پر سب کچھ برداشت کرتے رہیں۔ اس سلسلہ میں ہر پاکستانی مسلمان کا یہ فرض ہے کہ اراکین قومی و صوبائی اسیلی یا دیگر ذرائع اختیار کر کے صدر مملکت، وزیر اعظم، وزراء عالی، قانون ساز اداروں اور قانون نافذ کرنے والی اجنبیوں تک یہ گزارشات پہنچائے۔ □

جہاں حکومت کو اس سلسلہ کی تعلیمیں کا احساس کرتے ہوئے فوری اقدامات کرنے چاہئیں، وہیں ہم مسلمانوں کی بھی ذمہ داری ہے کہ ہم خود بھی اپنے حقوق کا تحفظ کریں۔ عوام الناس، خصوصاً سادہ لوح مسلمانوں کو احساس دلایا جائے کہ قادیانی اسلام اور ملک و دنوں کے غدار ہیں۔ ملکی قانون کے مطابق قادیانیوں کو جو قانونی مقام حاصل ہے، انھیں اس سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ اگر کہیں پر یہ خود کو مسلمان ظاہر کر کے قادیانیت کی تبلیغ کرتے یا کسی بھی شعائر اسلام کو اختیار کر کے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مجرور کر کے قانون کی خلاف ورزی کریں، تو وہاں کے باغيرت و باہم مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ مقامی انتظامیہ سے مل کر ان کے خلاف فوری قانونی کارروائی کریں۔ □

سب سے اہم کام یہ کہ عوام الناس کو یہ احساس دلایا جائے کہ قادیانی مسلمانوں کی غیرت و حیثیت اور مذہبی شخص پر ڈاکر ڈال کر بھی ”زادہین“ میں شمار کیے جا رہے ہیں، جبکہ ان کے خلاف احتجاج کرنے والے غیرت مند مسلمانوں کو ”ملا“ کی پہنچی کس کر بدنام کیا جا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں اہل علم، دانشور، سیاستدان، طلباء اور دیگر صاحب بصیرت افراد کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرنا چاہیے۔ قادیانیوں کی چکنی چڑی باتوں میں آنے کی بجائے ان سے دونوں رو یہ اختیار کرنا چاہیے۔ قادیانیوں کا جب زور پڑے تو یہ بھی بھی مسلمانوں کو معاف نہیں کرتے۔ ”جبت سب سے نفرت کسی سے نہیں“ کے نفرے صرف اسی وقت تک لگائے جاتے ہیں جب تک ان کو ”کچھ کرنے کی“ قدرت حاصل نہیں ہوتی۔ ان کو طاقت حاصل ہے جائے تو یہ نفرے

ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔

دکھ کی بات تو یہ ہے کہ مجھے پاکستان سے جو بھی خط آتا ہے، اس میں اس بے بُنی کا انگیمار کیا جاتا ہے کہ قادریانی اعلیٰ مہدوں پر فائز ہیں اور ہماری مشوائی نہیں ہوتی۔ کیا ہم بھی تک اگر یہی راج میں ہیں، جہاں بقول شخص:

”ہم پر دس ہزار اگریز ہمارے ذریعے حکومت کر رہے ہیں۔ پاکستان ہم مسلمانوں کا ملک ہے۔ ہمارے بزرگوں نے بڑی قیمتی قربانیوں کے بعد اسے حاصل کیا۔ یہ ان خداویان ملک و ملت کا وطن نہیں، جن کی قبروں پر گئے کتبہ جات پر لکھا ہے کہ یہ (ملعون) ہستیاں یہاں وفن ہیں، جب بھی موقع طاہ، انہیں قدیمان لے جیلا جائے گا۔“

ضرورت اس امر کی ہے کہ ذی شعور اور صاحب بصیرت مسلمان اپنی ذمہ داری محسوس کریں۔ قادریانی مسلمانوں کا جنازہ نہ پڑھیں، شادوی یا یاداہ نہ کریں، نماز نہ پڑھیں۔ ان کا کلہ ایگ، عبادت گاہیں ایگ، لیکن پھر بھی اسلام کے وارث ہونے کے دعویٰ پار نہیں اور ایسے میں عام لوگوں کی رائے یہ ہو کہ ہم تو مرتزاقوں کے خلاف نہیں، صرف مولوی ہی خلاف ہیں، تو اس میں قصور کسی عام آدمی کا نہیں، بلکہ واثوروں علماء، ذرائع ابلاغ اور حکمرانوں کا ہے۔ آج اگر قادریانوں کے اسلام اور ملک و شہنشاہی عزم سے لوگوں کو ہاجر کرنے والے کو ”لا“ کہہ کر ”آؤٹ“ کر دیا جاتا ہے تو یقیناً اس کی ذمہ داری درج ہالا طبعوں پر ہی عائد ہوتی ہے۔ علماء کرام کا یہ فرض ہے کہ وہ قادریانوں کی جعل سازیوں اور منافقتوں کا پردہ چاک کریں۔ ذرائع ابلاغ کو بھی اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرنا چاہیے۔ یہاں جسمی میں ایک قانون دان نے قادریانوں کو یقتوںکے عیسائیوں کے مشاہر قرار دیتے ہوئے اُسیں نہیں آذو کے دشمن قتلہ دیا۔ یہی رائے اگر کسی مسلم قانون دان نے ولی ہوتی تو قادریانی اس کا بھرپور پروپریٹیٹا کرتے۔ قادریانی جماعت کو اسلام اور پاکستان و شہنشاہی طبقوں کی سرپرستی حاصل ہے اور یہی وہ اسلام و شہنشاہی طبقوں کی سرپرستی اور کشیر ملی و ممالک استعمال کر کے ذرائع ابلاغ سے بھر پید فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس کے بعد اُس اگر کوئی مسلمان وطن منز کے اخبلات و رسائل کے ذریعے قادریانوں کی اسلام اور ملک و شہنشاہی کا پردہ چاک کرنا چاہے تو ان رسائل و جواند کے ذمہ داران اسے فضول بحث ہازی کہہ کر بہتر سانی جان چھڑا لیتے ہیں۔ ذرائع ابلاغ کے ذمہ داران کوں اس طبقے میں ذمہ داری کا مقابله کرنا چاہیے۔ مسلمانوں کو آپنی کے فروعی اختلافات کو غصہ کر کے سمجھا ہو کر قتنہ قادریانیت کے خلاف جہاد کرنا چاہیے۔ ہم ان اکابرین امت کا حق ادا نہیں کر سکتے، جنمون نے عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کی خاطر اپنی زندگیاں، عزتیں، ماں و دولت، سب کچھ قربان کر دیا۔ سبھی علماء اللہ شاہ بخاریؒ کوئی لمحہ، شاہ جی کسی اور ملک میں ہوتے تو آج ان کے مجھے اور یادگاریں ہجکر دکھائی دیتیں لیکن ہم یا یوں نہیں، انشاء اللہ وہ وقت ضرور آئے گا جب قوم کو ان محبان رسول ﷺ کی عظمت کا احساس ہو گا۔



م۔ ب خالد

یہ ہے قادریانیت

مرزا غلام احمد قادریانی اپنی کتاب "آئینہ کمالات اسلام" کے ص 288 پر لکھتے ہیں:
"ہمارا صدق یا کذب جانچنے کے لیے ہماری میشین گولی سے بڑھ کر اور کوئی محک
(کسوٹی) نہیں۔"

ان کی ساری میشین گوئیوں کا حشر دکھایا جائے تو ایک حظیم کتاب میں جائے۔ فی الحال ہم ان کی
ایک "عظیم الشان" میشین گولی کو ہی اس کسوٹی پر پر کھتے ہیں۔

اپریل 1886ء میں مرزا صاحب نے میشین گولی کے اشتہار شائع کیے۔ خلاصہ: وجہ ذیل ہے:-

"خدا نے مجھے اپنے الہام سے فرمایا تجھے ایک وجدیہ اور پاک بیٹھ کی بھارت
دیتے ہیں۔ وہ نور اللہ ہے۔ مقدس روح، بلت اللہ، سُجَّعِ النفس، مظہر الحق والعلاء،
کان اللہ نزول من السماء (یہی کہ خود آسمان سے خدا اتر آیا) اس کا وجہ وحشی
پیش گولی نہیں بلکہ ایک عظیم نشان آسمانی ہو گا۔ زمین کے کناروں تک شہرت پائے
گا۔" وغیرہ۔ ("تبلیغ رسالت" جلد اول، ص 85)

جن دنوں یہ اشتہار شائع کیے، یہوی صاحبہ محل سے تھی۔ مگر قدرت خدا لاکی تولد ہوئی۔ خفت
سے فٹنے کے لیے غنف تاویلیں کی گئیں۔ قدرت نے بھی مرزا صاحب کو وقیٰ طور پر خوش کرنے کے لیے
وہرے محل میں لاٹا کا احتفال فرمادیا۔ فوری طور پر "اشتہار خوشخبری متجاذب مرزا غلام احمد" شائع ہوا:
"اے ناظرین آپ کو بھارت دیتا ہوں کہ وہ لاٹا جس کے تولد کے لیے اشتہار 8
اپریل 1886ء میں میشین گولی کی گئی تھی، آج 17 اگست 1887ء کو وہ مولود مسحود
بیدا ہو گیا۔" ("تبلیغ رسالت" جلد اول، ص 99)

یہ فرزند مسحود جس کا نام بشیر احمد رکھا گیا اور جو بعد میں بشیر اذل کے نام سے موسوم ہوا۔ سراسل کی
عمر پا کرفت ہو گیا۔ مرزا صاحب لاٹ کی وفات کی اطلاع حکیم نور الدین خلیفہ اذل کو دیتے ہوئے لکھتے ہیں:
"میرا لاٹا بشیر آج فوت ہو گیا۔ اس واقعہ سے جس قدر مخالفین کی زبانیں دراز
ہوں گی اور موافقین کے دلوں میں شہابات بیدا ہوں گے، اس کا اندازہ نہیں ہو

سکتا۔” (”مکتبات احمدیہ“ جلد بیم، ص 2)

حکیم نور الدین نے بیچ کی رحلت پر اس طرح فتن کا انکھار کیا:

”اگر میرا بیٹا مر جاتا تو میں کچھ پرواہ نہ کرتا۔ مگر بیشرا اول فوت نہ ہوتا تاکہ لوگ میشین گوئی کے جھوٹا ثابت ہونے سے انتلامیں نہ پڑتے اور اس صدمہ میں میاں محمد خان نے یہ لکھ کر، اگر میرے سامنے ہزار بیٹے قتل کر دیے جاتے تو مجھے افسوس نہ ہوتا۔“ بیشرا کی وفات سے ہوا۔ مجھے (نور الدین کو) محبت مرزا میں نگست دے دی۔“ (”الفضل“ کادیان، 3 اگست 1920ء)

پہلے لڑکی کی بیدائش اور بعد میں لڑکے کی بیدائش کے بعد موت سے جو خفت الخاتا پڑی، اس کا کچھ حال مرزا صاحب کے میںے مرزا بیشرا احمدیم۔ اے کی زبانی سنئے۔

”عفیم الشان میئے کی بیمارت کا الہام اس قدر شان و شوکت کے ساتھ خدا نے دیا تھا کہ حضور نے 20 فروری 1886ء کے اشتہار میں اس کا اعلان فرمایا، جس کی وجہ سے لوگ چشم بردا ہو گئے مگر اللہ نے بھی ایمان کے راستے میں ابتلاء کئے ہیں۔ سو قدرت خدا می 1886ء میں لڑکی بیدائش ہو گئی، جس سے ملک میں زلزلہ آگیا۔ کو حضور نے اشتہار اور خلوط کے ذریعہ اعلان فرمایا کہ وہی الہی نے اس حمل کی قید نہیں رکھی تھی جس سے کچھ لوگ سنجبل کئے۔ دوسرے حمل یعنی اگست 1887ء میں حضرت کے ہاں لڑکا بیدائش ہوا۔ اس کا نام بیشرا احمد رکھا۔ اس کی بیدائش پر بڑی خوشی منائی گئی کیونکہ لوگوں اور خود حضرت صاحب کو خیال تھا کہ یہی وہ موجود لڑکا ہے۔ غرض بیشرا اول کی بیدائش رجوع عام کا باعث ہوئی۔ مگر قدرت اللہ کی، ایک سال بعد لڑکا اپاٹک فوت ہو گیا۔ بس پھر کیا تھا، ملک میں ایک طوفان عظیم برپا ہو گیا۔ حضرت صاحب نے لوگوں کو سنبھالنے کے لیے اشتہاروں اور خلوط کی پھرمار کر دی اور لوگوں کو سمجھایا کہ میں نے کبھی یہ یقین ظاہر نہیں کیا تھا کہ یہی وہ موجود لڑکا ہے۔ چنانچہ بعض لوگ سنجبل کئے، لیکن اکثر لوگوں پر مایوسی کا عالم تھا اور خانہنیں میں استھرا کا جوش تھا۔“ (”سیرت النبی“ حصہ اول، ص 87)

میئے کی وفات پر جو ندامت ہوئی اس کا کچھ انکھار مرزا صاحب نے اپنے خط بیان حکیم نور الدین میں کرچکے ہیں، لیکن میشین گوئی پوری نہ بھی ہو، مرزا صاحب بہت نہ ہارتے تھے اور جذے زور و شور سے اس کی تاویلیں شروع کر دیتے تھے اور تقدیر کرنے والوں کے خلاف گالی گلوچ پر آتے تھے۔ مثال کے طور پر: ”میرے دخوے کی سب تقدیریں کرتے ہیں مگر پذکار عورتوں کی اولاد مجھے نہیں

مانست۔” (”آئینہ مکالات اسلام“ ص 547)

”وُمْنَ هَارِئَ بِيَابَانُوكَ قَتْرِيَّهُوَ مَكَحَهُ اور ان کی عورتیں کہیوں سے بڑا گئیں۔“
وغیرہ وغیرہ۔ (”آوار الاسلام“ ص 10)

چنانچہ بیٹے کی وفات پر جو فضیحت ہوئی، اس کے جواب میں مندرجہ ذیل اعلان شائع کیا:
”ناظرین پر مکشف ہو کر بعض خانشیں پر متوفی پیش کی وفات کا ذکر کر کے اپنے
اشتہارات و اخبارات میں طرف سے لکھتے ہیں کہ وہ وہی پچھے ہے، جس کی نسبت
اشتہار 20 فروری 1886ء اور 7 اگست 1887ء میں ظاہر کیا گیا تھا کہ وہ صاحب
عظمت و دولت ہو گا اور تو میں اس سے برکت پائیں گی۔ خدا نے مجھ پر یہ بھی
ظاہر کیا کہ 20 فروری 1886ء کی پیش گوئی حقیقت میں دو سعید لاڑکوں کے پیدا
ہونے پر مشتمل تھی اور اس حیارت کہ ”مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے“ پہلے پیش
کی نسبت پیش گوئی ہے جو فوت ہو گیا جو روحانی طور پر نزول رحمت کا موجب ہوا
اور اس کے بعد کی حیارت (یعنی مصلح موعود) دوسرے پیش کی نسبت ہے۔ (جو
آنکہ ہم پیدا ہو گا)۔“ (مرزا غلام احمد ”بزر اشتہار“ کم تبر 1888ء)

”20 فروری 1886ء کے اشتہار میں جو کہ ہدایہ ایک لاڑکے کی بابت مہین کوئی
کسجو گئی تھی، درحقیقت دو لاڑکوں کی بابت مہین کوئی تھی۔“

(رسال ”تعمید الاذہن“ جلد نمبر 3)

ابھی اور خجالت مقدر میں تھی، سوال اللہ تعالیٰ نے ایکداں اور بیٹاوے دیا، جس پر اعلان کرتے ہیں:
”میرا چھقا لڑکا جس کا نام مبارک احمد ہے، اس کی نسبت مہین کوئی کی گئی تھی۔“ سو
خدا نے میری تصدیق کے لیے اور تمام خانشیں کی مکمل بکار کے لیے 14 جون
1899ء کو عطا کر دیا۔ (”تربیاق اقلوب“ ص 43)

اس بیٹے کے بارے میں ہے مرزا صاحب نے مانند ”خدا“ اور ”مصلح موعود“ کہا تھا، یوں تجب
سے انہمار کرتے ہیں:

”عجیب بات ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے صرف مہد میں باتم کیں مگر اس
لاڑکے نے ماں کے پہٹ میں باتم کیں۔“ (”تربیاق اقلوب“ ص 41)

اس صاحبزادے نے ابھی زندگی کی آئندگی بہاریں دیکھی تھیں کہ عملی ہو گئے۔ مرزا صاحب
پریشان ہو گئے اور محنت یا بی کے لیے دعا مانگی، جس کی قبولیت کا اعلان بذریعہ ”اخبار البدر“ 25 اگست
1907ء میں یوں ہوا۔

”وَعَالَوْلَهُوَ مَنْ خَدَا تَعَالَى نَعَنْ أَبْنَاءِ فَضْلِهِ وَكَرَمِهِ مَنْ مَحَنْتَ دَعَى وَدَعَى۔“

اس پر مبارک سلامت شروع ہوئی اور اسی بیان کے دوران میں ڈاکٹر عبدالستار کی صاحبزادی مریم سے اس بیچ کا لفاظ بھی کر دیا۔

لیکن قادر مطلق نے نہ چاہا کہ وہ بچہ ہے مثیل خدا ہایا کیا ہے، اس دنیا میں رہے اور فرشتہ اہل نے اس "موجود" بیٹے کی روشن قبضہ کر لی۔ معتقدین کو اس سائنس کی اطلاع ملی تو وہ بھی پریشان ہوئے کہ ابھی تو بیرونی اذول کی وقایت سے جو حماست ہوئی تھی اس سے ہی نجات نہیں آتی تھی۔ اب اس آفت پر کیا حشر ہو گا۔ مگر مرزا صاحب نے کرمت پر بھر پاندھی اور تادیل میں تو پر طویل رکھتے تھے۔ اس دفعہ تھی

ترکیب سمجھی۔ درج ذیل مضمون کے پیمانے پر اسی کرنا شروع کر دیے:

"مبارک فوت ہو گیا۔ مجھے بعض الہاموں میں بھی بتایا گیا تھا کہ یہ لاکا بہت خدا رسیدہ ہو گا، یا بچپن میں فوت ہو جائے گا۔ سو ہم کو اس لحاظ سے خوش ہونا چاہیے کہ

خدا کا کلام پڑا ہوا۔" (سرت الشہدی "حصائل، ص 158)

اس پر مختار گھوشن نے لور دگر لوگوں نے بھی کہا حضرت وہ خدا ہی کیا ہے یہ مسلم نہیں کہ یہ بچہ عمر پائے گا یا کم عمری میں فوت ہو جائے گا۔ اسی بات تو بھروسی کرتے ہیں جو دربد پھرتے ہیں اور کہتے ہیں حساب میں دھوں ہاتھ آرہی ہیں۔ عمر دراز، اور کوتاہ عمر۔

نشیحت تو بہت ہوئی مگر مرزا صاحب ہدایتے دالے نہ تھے۔ اس کا بھی حل لالہ لیا اور وہی آئی:

"خدا کی قدرتوں پر قربان جاؤں کہ جب مبارک احمد فوت ہوا، ساتھ ہی خانے

یہ الہام بھر دو قات مبارک احمد کے ایک درمرے لڑکے کی بیٹت دی، تا کہ یہ سمجھا

جائے کہ مبارک احمد فوت نہیں ہوا بلکہ زندہ ہے۔" (بیتی رسالت "حدرتم، ص 133)

مرزا صاحب کا یہ بشارتی الہام بھی پورا نہ ہوا اور ایک سال بعد خود اس دنیا نے قافی سے رخصت ہو گئے۔ اس عرصہ میں کوئی بچہ بیدانہ ہوا۔ اس طرح اس شرمندگی کو فتنے ڈھانپ لیا۔

سو ہمارے قابوی دوستوں یہ ہے اس عظیم الشان "صلح موجود" والی ہشیں کوئی کی حقیقت اور میرتاک انجام، جس کو آپ حضرات آنکھیں بند کر کے ہر سال 20 فروری کو بڑے مطراق سے مناتے ہیں۔

آپ کو لپتے کسی تھال کی کتاب پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ کاش آپ حضرات اور ہم اعتقد کو چھوڑ کر صرف نیشت اللہ سے کام لیتے ہوئے اپنے پیشواؤں کے بیانات کا فیر جانبداری سے تجویز کریں تو میری

طرح ان شانہ اللہ آپ پر بڑا نہ ہو جائے گا کہ آپ کے خود ساختہ نبی اور خلقہ اپنے کے یہے پر فریب پھنسوں اور مکاری سے آپ کو ادا آپ کے بال بچوں کو امت میری سے کاث کر ملیجہ بھی کہ دیا اور آپ کو احساس نہیں لدیں قابویات کے ان مقامات کا قاسم سے قبہ کر کے میں اسلام کی آغوش میں آتیں۔



شفیق مرزا

حقائق تک رسائی

جتاب شفیق مرزا پہلے قادریانی جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ ان شعور کو سمجھنے پر قادریانیوں کے اللہ تک، قادریانی رہنماؤں کی جنسی انتارکی و اخلاق پاٹھکی کو دیکھا تو قادریانیت سے توبہ کر کے اسلام میں داخل ہو گئے۔ اس وقت وہ ختم نبوت کے حاذ پر کام کرنے والے لوگوں کی آنکھ کا تارا ہیں۔ قدرت حق نے بڑی خوبیوں سے نوازا ہے۔ عربی، انگریزی، اردو، پنجابی سیست کئی زبانوں پر دسترس حاصل ہے۔ ان کے قلب میں درد، سوچ میں گھرائی اور قلم میں روائی ہے۔ ان کا قلم دشمن کے سینے میں تیر کی طرح پوسٹ ہوتا ہے۔ مگر کے بھیوی ہونے کے نتے قادریانیت کی عیاشیوں و بدحاشیوں کی تھیاتیں پر مشتمل ایک شہرہ آفاق کتاب "شہر سدوم" ترتیب دی ہے، جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ مختلف اوقات میں قادریانیت کے خلاف قلبی جہاد میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔ آج کل ادارہ "جگ" سے وابستہ ہیں۔

کسی شخص یا گروہ کی جنسی انتارکی کے واقعات کا تذکرہ یا ان کی اشاعت عام طور پر ناپسندیدہ خیال کی جاتی ہے۔ ہمیں بھی اصولاً اس سے اتفاق ہے لیکن اُس امر کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مذہب کا ملادہ اور جہ کر غلق خدا کو گراہ کرے اور "قدس" کی آڑ میں مجبور مریدوں کی عصتوں کے خون سے ہولی کھیلے، سینکڑوں گھروں کو ویریان کر دے، انہیاں علیہم السلام اور دیگر مقدس افراد کے بارے میں ڈاؤ خالی کرے تو اسے محض اس بنا پر نظر اعتماد کر دیتا کہ وہ ایک مذہبی دکان کا بازار مالک ہے، قانون، شرعا، اخلاقاً ہر لحاظ سے نادرست اور ناوجہب ہے۔ قرآن مجید نے مظلوم کو نہایت واضح الفاظ میں ظالم کے خلاف آواز حق بلند کرنے کی اجازت دی ہے۔ بقول تعالیٰ لا يَعْبُدُ اللَّهُ الْجَهَرُ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلِمَ مَرزا غلام احمد نے جس زبان میں گل افشاٹی کی ہے، کوئی بھی مہذب انسان اسے پسند نہیں کر سکتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بطور خاص ان کا نثار نہیں ہے ہیں۔ گو دیگر انبیاء کرام اور صلحاء امت میں سے بھی شاید یہ کوئی فرد ایسا ہو گا جو ان کی "سلطان لطفی" کی زدمیں نہ آیا ہو۔ مسلمانوں کو "کنجزیوں کی اولاد" قرار دینا، مولانا سعد اللہ لدھیانوی کو "محسن" اور "لطفت المحسنا" کے نام خطاب کرنا، مناظرہ میں مسلمانوں کے شہرہ آفاق مناظر کو "بھوکنے والا کتا" کے الفاظ سے یاد کرنا اور اس نوع کی دیگر بے شمار دشام طرازیاں ہر سعید

فطرت کو سوچنے پر مجبور کر دیتی ہیں کہ وہ کون سی نفیسیاتی بحث ہے، جو نبوت کا دعویٰ کرنے والے اس شخص کو ایسے الفاظ استعمال کرنے پر مجبور کر رہی ہے۔ مرزا غلام احمد کے بعد ان کے بیٹے مرزا محمود نے اپنے بند پاگ دعاویٰ کی آڑ لے کر جن فتح حرکات کا ارتکاب کیا..... ان کی طرف سب سے پہلی انگلی پر سراج الحق نعمانی نے اٹھائی اور اس ”امن صالح“ کے کروتوں کے بارے میں ایک رقصہ لکھ کر مرزا غلام احمد کی گذی میں رکھ دیا، گوہیر کا بیٹا ”مریدوں کی عدالت“ سے شبہ کا فائدہ حاصل کر کے فتح گیا، لیکن اس کے دل میں یہ بات پوری طرح جائزیں ہو گئی کہ مریدوں کی تبلیغ ہوتی ہی کافی نہیں، محاشی جبر کے ساتھ ساتھ ان پر ریاستی جبر کے ہتھکنڈے بھی استعمال کیے جائیں تاکہ وہ کبھی بھی بخوبی کی جو بات کہنے کی جرأت نہ کر سکیں۔ پر سراج الحق نعمانی نے اظہار حق کا جو ”جرم“ کیا تھا، اس کی پاداش میں مرزا محمود نے ساری عمر اسے چیننہ لینے دیا اور ہر ممکن طریقہ سے اس پر شدود کیا۔ اطمینان کا مل کے بعد مرزا محمود پھر اپنے وحدتے میں مصروف ہو گیا اور اس کی اہمیتی احتیاطوں کے باوجود ہر چند سال کے بعد اس پر بدکاری کے الزامات لگتے رہے۔ مہابتے کی دعویٰ میں دی جاتی رہیں، مگر وہاں ایک خامشی تھی، سب کے جواب میں۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا، ہر بڑے مغلص مرید، واقف راز ہو کر ایک ہی نوعیت کے الزامات لگا کر علیحدہ ہوتے گئے اور انسانیت سوز بائیکاٹ کا شکار ہوتے رہے۔ حیران کن امر یہ ہے کہ تین تین یا پانچ پانچ سال بعد الزامات لگانے والے ایک دوسرے سے قطعاً نا آشی ہیں مگر الزامات کی نوعیت ایک ہی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ مرزا محمود یا اس کے خاندان کے افراد نے کبھی کبھی طف موکدہ بذکر اخلاق کراپے ”صلح موعود“ کی پاکیزگی کی تھم نہیں کھائی۔ مرزا محمود کی سیرت کے ذکر میں ان کی ازواج اور بعض دیگر رشتہ داروں کا نام بھی آیا ہے۔ ہم ان کے نام حذف کر دیتے کیونکہ وہ ہمارے خاطب نہیں لیکن اس خیال سے کہ رنگارڈ درست رہے، نیز اس بنا پر کہ وہ بھی اس بدکار اعظم کی شریک جم ہیں، ہم نے ان کے نام بھی اسی طرح رہنے دیے ہیں۔ ہفت روزہ ”قرت“ کراپی (14 مارچ 1979ء) سے متعلق ایک صحافی خاتون نے خلیفہ مسی کی ایک سرپا مہربانی سے پوچھا کہ اتنی کنسی میں آپ کی شادی مرزا محمود ایسے بوڑھے سے کیے ہو گئی تو انہوں نے جواباً کہا چیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہو گئی تھی۔ اس جواب سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس علمت کدے کا ہر فرد مقدمین امت پر کچھ اچھائی کی خدموم سی کس دیدہ دلیری سے کرتا ہے اور پھر ہمارے بعض اخبار نویں حضرات کس سے خبری سے اسے اچھائیتے اور اجاگلتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ سرپا مہربانی وہ ہیں جن کے بارے میں ان کی خلوتوں کے ایک راز دار کا بیان عرصہ ہوا طبع ہو چکا ہے کہ ان کے موعے زہار موجود نہیں ہیں اور ان کی بے رحمی ایک ایسا امر ہے جس سے ہر باخبر قادریانی واقف ہے۔ ایک قادریانی بنیان نے اپنی الہیت کے حوالے سے مؤلف کو حلقہ بتایا کہ ان صاحب نے خود اس پالتو مولوی کی بیوی کو بتایا کہ ”میں بے رحم ہوں۔“ میں ان کا نام بھی لکھ کر سکتا ہوں مگر اس خیال سے کہ کہیں اس کی گزارہ الا وَنْس

والی طازمت ختم نہ ہو جائے، اس سے احتراز کرتا ہوں۔ یہ ایسی چیز ہیں جنہیں کسی بھی کلینک میں چیک کیا جاسکتا ہے۔ یہ ضمایع کس کشٹی کی وجہ سے ہوا تھا، اس کا تحریر میں لانا مناسب نہیں، صرف ان سے اتنی گزارش ہے کہ وہ آئندہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا کسی اور مقدس ہستی پر الام تراثی سے باز رہیں۔ ورنہ ساری داستان کھول دی جائے گی اور پھوپھا جائی کی کارکردگی المشرح ہو جائے گی۔

مرزا محمود احمد کے بھی عدوان پر جن لوگوں نے موکد بذباب قسمیں کھائی ہیں یا ان کی زندگی کے اس پہلو سے ناقاب سر کائی ہے، ان کا تعلق مخالفین سے نہیں، ایسے مریدوں سے ہے جو قادریانیت کی خاطر سب کچھ تجھ کر گئے تھے۔ ان میں خود مرزا محمود کے نہیت قریحی عزیز، ہم زلف اور اور ان نتیجے کے شامل ہیں اور بالواسطہ شہادتوں میں ان کے پسر ان اور دختر ان تک کے بیانات موجود ہیں، جن کی آج تک تردید نہیں ہوئی اور نہ ہی ان کے خلاف کوئی قانونی چارہ جوئی کی گئی ہے۔ اس کا سبب اشاعت نوش سے احتساب و گریز نہیں، بلکہ یہ حقیقت ہے کہ واقعات کی تصدیق کے لیے اس قدر ثبوت، شہادتیں اور قرائیں موجود ہیں، جن کا انکار ناممکن ہے۔

ان الزامات کی صحت و صداقت کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ ان مریدین میں سے جو لوگ انتہائی اخلاص کے ساتھ قادریانیت کو چاہیجھتے تھے اور مرزا محمود کو خلیفہ برحق مانتے تھے، ان کی نگرانی راتوں سے واقف ہو کر نہ صرف قادریانیت سے علیحدہ ہوئے بلکہ خدا کے وجود سے بھی منکر ہو گئے۔ ایک شخص کو پاکبازی کا بھرمہ مان کر اس کو کار درگر میں مشغول دیکھ کر جس حجم کار دعل ہو سکتا ہے، یہ اس کالا زی نتیجہ ہے۔ ان میں سماں یقین رکھنے والے لوگ ہی نہیں، عملی تجربہ سے گزرے ہوئے افراد بھی ہیں۔

دوسرا طبقہ مرزا محمود احمد کو تو جو لیس میزرا ہم مشوہب سمجھتا ہے مگر کسی نہ کسی رنگ میں قادریانی عقائد سے چھٹا ہوا ہے۔ آپ اسے ہر دو طبقہ کی عدم واقفیت یا جہالت کہتیں، میرے نزدیک دونوں حجم کا روئی الزامات کی صحت پر برهان قاطع ہے۔ ماہرین جرمیات کا کہنا ہے کہ Perfect Crime وہ ہوتا ہے جو کبھی Trace نہ ہو سکے، مگر ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ آدم سے لے کر آج تک ایک بھی ایسا جرم سرزد نہیں ہوا جو اصطلاحاً پر فیکٹ کرام کہلا سکے کیونکہ جرم ڈہن کی Abnormal حالت میں ہوتا ہے، اس لیے کوئی نہ کوئی ایسی حرکت ضرور ہو جاتی ہے، کوئی ایسا Flaw ضرور رہ جاتا ہے، جس سے مجرم کی نشاندہی ہو جاتی ہے مثلاً ایک قاتل نوش کے ٹکلوے ٹکلوے کر کے انھیں چار پانچ مقامات پر پھینک کر یہ خیال کرتا ہے کہ اس نے قتل کے نشانات تک کو منادیا ہے، مگر عملاً وہ اتنے ہی مقامات پر اپنے جرم کے نشانات چھوڑ رہا ہوتا ہے۔ اس پس مختبر میں اگر مرزا محمود کی تھاریر اور بیانات کا جائزہ لیں تو کمی شواہد، ان کے جرام کی چھلی کھاتے ہیں۔ میرے میں عربیان رقص دیکھنے کا تذکرہ خود انہوں نے اپنی زبان سے کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

”جب میں ولایت گیا تو مجھے خصوصیت سے خیال تھا کہ یورپ میں سوسائٹی کا عیب

والا حصہ بھی دیکھوں گا۔ قیام انگلستان کے دوران میں، مجھے اس کا موقع نہ ملا۔ وادھی پر جب ہم فرانس آئے تو میں نے چودھری ظفر اللہ خاں صاحب سے، جو میرے ساتھ تھے، کہا کہ مجھے کوئی ایسی جگہ دکھائیں، جہاں یورپیں سوسائٹی عربیاں نظر آ سکے۔ وہ بھی فرانس سے واقف تو نہ تھے مگر مجھے ایک اور ہر ایں لے گئے، جس کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ چودھری صاحب نے بتایا یہ وہی سوسائٹی کی جگہ ہے، اسے دیکھ کر آپ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ میری نظر چونکہ کمزور ہے، اس لیے دور کی چیز اچھی طرح سے نہیں دیکھ سکتا۔ تھوڑی دری کے بعد میں نے جو دیکھا تو ایسا معلوم ہوا کہ سینکڑوں عورتیں بیٹھی ہیں۔ میں نے چودھری صاحب سے کہا، کیا یہ تھی ہیں۔ انھوں نے یہ بتایا کہ یہ تھی نہیں بلکہ کپڑے پہنے ہوئے ہیں مگر باوجود اس کے تھی معلوم ہوتی ہیں۔” (”الفضل“، 28 جون 1924)

کمزور فریب ایک ایسی چیز ہے کہ انسان زیادہ دیر تک اس پر پردہ ڈالنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ دانستہ یا نادانستہ اسکی پاتیں زبان پر آ جاتی ہیں جن سے اصلاحیت سامنے آ جاتی ہے۔ خلیفہ حی نے اپنی ایک شادی کے موقع پر کہا، میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں خچر پر سوار ہوں اور اس کی تعبیر میں نے یہ کیا ہے کہ اس بیوی سے اولاد نہیں ہوگی۔ اب واقعہ یہ ہے کہ اس بیوی سے کوئی اولاد نہیں اور خلیفہ حی کا یہ ”خواب“ اس میں مختصر میں تھا کہ وہ خاتون جو ہر نسائیت ہی سے محروم ہو جکی تھیں۔ اب مرید اسے بھی اپنے ہیر کا کمال سمجھتے ہیں کہ اس کی بیوی کوئی کس طرح پوری ہوئی، حالانکہ یہ معاملہ بیش خبری کا نہیں، قیش بنی بلکہ دروں بنی کا ہے۔

خلیفہ حی کے ایک صاحبزادے کی رنگت اور حکل و شباہت سے کچھ ایسا اظہر ہوتا ہے کہ ان کی صورت ایک ڈرامہ سے ملتی ہے، لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہوئیں تو ”کار خاص“ کے نمائندوں نے خلیفہ حی کو اطلاع دی، اور انھوں نے اگر بزرگوں کے گھروں میں سیاہ قام بجھے پیدا ہونے پر ایک خطبه دے مارا، حالانکہ یہ کوئی اسکی بات نہ تھی کہ اس پر ایک طویل مثاولوں سے مزین پیچروں پر یادیا جاتا، مگر کہتے ہیں، چور کی واٹھی میں نکلا۔

ایسے ہی وہ اپنی ایک بیوی کی وفات پر پرانی یادوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”شادی سے پیشتر جب کہ مجھے گلان بھی نہ تھا کہ یہ لڑکی میری زوجیت میں آئے گی، ایک دن میں گمر میں داخل ہواتو میں نے دیکھا کہ ایک لڑکی سفید لباس پہنے ستمی سمنائی، شرمائی جائی دیوار کے ساتھ لگی کھڑی ہے.....“

اب سفید لباس پر نظر پر ملکتی ہے لیکن سینئے سٹانے، شرمنے لجانے اور دیوار کے ساتھ کھڑے ہونے اور چہرے کی کیفیات کا تفصیلی معاشرہ کسی نیک چلن انسان کا کام نہیں، ہمیں ”رہل فیملی“ کے کسی فرد کے بارے میں نیک چلن کا حسن نہیں کیونکہ اس ماحول میں مجرمہ نج جانا بھی ممکن نظر نہیں آتا، مگر، ہم ان کے بارے میں کاف لسان عی کو پسند کرتے ہیں چونکہ سر بر اہان قادیانیت عموماً اور مرزا محمود خصوصاً اس ڈرامے کے خصوصی کردار ہیں، اس لیے ان کے ہر وہ پروفیشن پہنچنا اور لوگوں کو گراہی کی دلدل سے ٹالانا انتہائی ضروری ہے، حصنا قادیان اور ربوہ کی اخلاقی حالت کا ذکر بھی آ گیا ہے، اگر درخت اپنے پھل سے پہنچانا جاتا ہے تو قادیانیت یقیناً شجرہ خبیث ہے۔ لا ہور کی سڑکوں پر گھونٹے والی سلوی جشن اور انک میلکوڑ روڑ پر مقیم حلقوں اس کی شاہد ہیں۔ قادیانی امت اپنے ”نمی“ کی اجائیں میں اپنے ہر مخالف کی بے روزگاری، مصیبت اور موت پر جشن مناتی ہے اور اسے مطلقاً اس امر کا احساس نہیں ہوتا کہ یہ انتہا درجہ کی قسادت قلمی، شکاوتوں وہنی اور انسانیت سے گری ہوئی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قادیانی امت پر ایسا عذاب نازل کیا ہے کہ اب ان کا ہر قابل ذکر فرد ایسی رسوائی بیماری سے مرتا ہے کہ اس میں ہر صاحب بصیرت کے لیے سامان عبرت موجود ہے۔ فانج کی بیماری کو خود مرزا غلام احمد نے ”دھکی مار“ اور ”سخت بلا“ ایسے الفاظ سے یاد کیا ہے اور اب قادیانی امت کی گندی ذہنیت کی وجہ سے یہ بیماری اللہ تبارک و تعالیٰ نے سزا کے طور پر قادیانیوں کے لیے کچھ اس طرح مخصوص کر دی ہے کہ ایک واقع حال قادیانی کا کہتا ہے: ”اب تو حال یہ ہے کہ جو شخص فانج سے نہ مرے، وہ قادیانی ہی نہیں۔“ مرزا محمود احمد نے اپنے باوا کی سنت پر عمل کرتے ہوئے امت مسلمہ کے اکابر اور جیگد علماء دین کے وصال پر جشن سمرت منایا اور ان کا یہ دھندا اب تک جل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قادیانیت کے گوسالہ سامری مرزا محمود کو ”فانج کا ڈکار“ بتا کر دس سال تک رہیں بستر دباش کر دیا اور اس عبرت ناک رنگ میں اس کو اعضا و جوارح اور حافظت سے محروم کر دیا کہ وہ بھنوں کی طرح سر ہلاتا رہتا تھا اور اس کی ٹانگیں بیدار زماں کا نظارہ پیش کرتی تھیں، گویا یہ ”لا یموت فیها ولا یعی“ کی تصویر تھا، مگر قادیانی نمی افسوسی کے مالکان اس حالت میں بھی الٹا ”خبر“ اس کے ہاتھ میں پکڑا کر ”زیارت“ کے نام پر مریدوں سے پیسہ بخورتے رہے اور پھر سات بجے شام مر جانے والے اس ”مصلح موعود“ کی دو بجے شب تک صفائی ہوتی اور ”سرکاری اعلان“ میں اس کی موت کا وقت دونج کر دس منٹ بتایا گیا اور اس عرصہ میں اس کی الجھی ہوئی داڑھی کو ہائیزرو جن یا کسی اور جیسے سے رنگ کر اسے طلاقی کلر دیا گیا اور خط بنایا گیا اور عازہ لگا کر اس کے چہرے پر ”نور“ وار دیکایا گیا، تاکہ مریدوں پر اس کی ”اویلانی“ نابت کی جاسکے۔ حرمت ہے کہ جب کوئی مسلمان دنیا وی زندگی کے دن پورے کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوتا ہے تو قادیانی اس کی بیماری کو ”عذاب الہی“، قرار دیتے ہیں لیکن ان کے اپنے اکابر ذمیں موت کا فکار بنتے ہیں تو یہ ”اعلام“ بن جاتا ہے اور اس کے لیے واکل دیتے ہوئے قادیانی تمام وہ بولیات

پیش کرتے ہیں جن کو وہ خود بھی حلیم نہیں کرتے۔ شاہ فیصلؒ کی شہادت پر قادریانی امت کا خوش مانا تھا ایک ایسا
النماک واقع ہے جس پر جس قدر بھی نفرن کی جائے، کم ہے اور سابق وزیر اعظم پاکستان کے چہانی پانے
پر ہفت روزہ "لا ہور" کا یہ لکھنا کہ اس سے مرزا غلام احمد کی ایک تینیں گوئی پوری ہوئی ہے اور اس کی وجہ یہ
ہے کہ ان کے عہد میں قادریانوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا تھا، سخ شدہ قادریانی ذہنیت کی شہادت ہے حضور صلی
الله علیہ وآلہ وسلم کے بعد جو جماعت یا فرقہ کسی شخص کو نبی حلیم کرتا ہے، وہ قرآن و حدیث کی رو سے کافر اور
داڑہ اسلام سے خارج ہے، اسے کوئی شخص بھی مسلمان قرار نہیں دے سکتا اور خدا کے فعل سے تمام امت
مسلم اب بھی بالاتفاق قادریانوں کو کافری سمجھتی ہے اور آنکھوں بھی ایسا ہی ہو گا۔

تقدیس کے باude خانے میں

1857ء کی ناکام جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں پر اگر بیرون کے مظالم کی داستان اس قدر
بھیب اور خونچکاں ہے کہ اس کا تصور کرتے ہوئے بھی روح کپکاپاتی اور سینہ ریاں ہوتا ہے۔ محاٹی طور پر
ملت اسلامیہ پہلے ہی ہوئی تھی، سیاسی آزادی کی اس حکومت تحریک نے ہم توڑا تو اگر بیرون کی اہم تری فراست
اس تجھے پر پہنچا کر جب تک مسلمانوں سے دینی روح، اخلاقی شور اور چند بہ جہاد کو محکر کے انھیں پڑے
پھرتے لائے نہ ہوایا جائے، اس وقت تک ہمارے سامراجی عزم تختہ محکمل رہیں گے۔ جاگیردار طبقہ اپنے
منادات کی خاطر پہلے ہی فرگی حکومت کی درج و ثنا میں معروف تھا۔ "علماء" کا ایک گروہ بھی قرآن حکیم کی
آیات کو من مانے ماحنی پہنچا کرتا تھا برطانیہ کی جماعت کر کے اپنی چاندی کر رہا تھا اگر بیرون سرکار ان سارے
انتظامات سے مطمئن نہ تھی، اس کے نزدیک مسلمانوں کا اخلاقی شور کسی وقت بھی سلطنت برطانیہ کے لیے
خطہ میں سکتا تھا، اس لیے اس نے مسلمانوں کی دینی فیرت، سیاسی بلیت اور قومی روح پر ڈاکر ڈالنے کے
لیے ایک ایسے خاندان کا انتخاب کیا جو اپنی سلسلی وغداری میں کوئی ہانی نہ رکھتا تھا اور اس کا بڑے سے بڑا
فرم بھی سرکار دربار میں کری مل جانے کو باعث اخخار رکھتا تھا۔ اس گروہ مخصوصہ کو انجام تک پہنچانے اور
مسلمانوں کی وحدت میں کو پاش پاٹ کرنے کے لیے مرزا غلام احمد قادریانی کا انتخاب مل میں لایا گیا، جس
نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قسم نبوت کو واضح دار کرنے کے لیے (الحیاد بالله) اپنی بے
سر و پا تاویلات سے امت مسلمہ میں اس قدر تحریکی انتشار برپا کیا کہ اگر بیرون کاپنے گھناؤ نے مقاصد کے
حصول کے لیے رہنمیں ایک ایسی جماعت میسر آگئی جو "الہمی بنیادوں" پر غلائی کو آزادی پر ترجیح دیتی
رہی اور آج اگر بیرون کے چلے جانے کے بعد گواہ کی حیثیت متروکہ و اشتہ کی سی رہائی ہے، مگر پھر بھی وہ
اسرائل سے تھقات استوار کر کے، عربوں میں شیخ جہاد کا پرچار کر کے، انھیں یہود کی غلائی پر آمادہ کرنے
کی ذموم جدو جدد میں معروف ہو کر وہی فریضہ سرانجام دے رہی ہے جو اس کے آقایان ولی نعمت نے اس
کے پرداز کیا تھا۔ حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے وحدت انسانیت کا جو

انہیں ملک فخر، ختم نبوت کی شعل میں دیا تھا، قادریانی امت نے اس کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے نتیجہ میں اس مسیحیت جدیدہ پر اللہ تعالیٰ کی ایسی پیشکار نازل ہوئی کہ خود "نبوت بالله کا گمراہ" عصت و خست کی تیز سے عاری ہو کر اس طرح مصیحت کا ملجمب دوزخ بننا، کہ قریب ترین مریدوں نے اسے "خش کا مرکز" قرار دیا۔ گویہ درست ہے کہ مرتضیٰ غلام احمد قادریانی پر واضح رنگ میں جنسی عصيان کا تو کوئی اخراج نہ کا گمراہ کو تسلیم کیے بغیر بھی کوئی چارہ نہیں کہ ان کی جنسی زندگی نا آسودگی کا عکار رہی۔ اگر محمدی تیجہ کے پا جامے منکوا کر سوچنے والی روایت کے ساتھ ساتھ، اس مظلوم خاتون کے بارہ میں آسمانی نکاح کے تمام "الہامات" بھی طلاق نیاں پر رکھ دیے جائیں اور بڑھاپے میں مولوی حکیم نور الدین کے نزد "زوجام عشق" کے سہارے پہاڑ مرودوں کی قوت حاصل کر لینے کے دعاویٰ کے ساتھ ایک فوجان لڑکی کو جبالہ عقد میں لانے اور پھر بوجہ اس کی غیر معمولی فرمائبرداری کا تذکرہ نہ بھی کیا جائے تو بھی ان کی تحریرات میں ایسے شواہد بکثرت ملتے ہیں جو اس امر کی نثار عدی کرتے ہیں کہ ان کی عالمی زندگی خوشگوار نہ تھی اور معاشرتی سطح پر پہلی بھوی کا اپنے شوہر کے گھر میں حضن "بیکھ دی ماں" بن کر رہ جانا، بڑاولدوز واقعہ ہے۔ غالباً بھکرا وجہ ہے کہ اتنے بلند باگ دعاویٰ کے باوجود مرتضیٰ غلام احمد جب بھی اپنے ناقدین کو جواب دینے پر آمادہ ہوئے، انہوں نے الراہی جوابات کی کمین گاہ پر بیٹھ کر درشت کلائی عی پر اکتفاہ کیا بلکہ اشارے کتابے میں عی نہیں، اکثر اوقات واضح الفاظ میں ایسی باتیں کہہ گئے جو ان کے دعاویٰ کی مناسبت سے ہرگز ان کے شیانی شان نہ تھیں، مثلاً ہندوؤں کے خدا کو ناف سے چھاٹھ نیچے قرار دینا اور ماشر مریٰ در کے محض یہ کہہ دینے پر کہ آپ تو لاچار اور فرض وار ہیں، انھیں یہ جواب دینا کہ ہمارے ہاں ہندو جاؤں کا یہ طریق ہے کہ جب انہوں نے کسی کو اپنی دختر نیک اختر، لکھ میں دینی ہوتی ہے، تو وہ خفیہ طور پر جا کر اس کے کھات، کھینوں اور خرہ نمبر کا پہ کرتے ہیں مگر ہمارے تمہارے درمیان تو ایسا کوئی محاہلہ نہیں۔ بخوبی میں یہ کہنے کے متوازن ہے کہ "توں میںوں کڑی تے نہیں دینی" ہم اس جواب کا تجزیہ خود قابویٰ حضرات پر چھوڑ دیتے ہیں۔

قادریانی خلافت کی نسلی قلموں میں مرتضیٰ محمود احمد یہی شہزادی ایک ایسا ہیر رہا ہے، جس کے ساتھ کسی ولن نے نکل رکھنے کی جسارت نہیں کی۔ ان پر جنسی بے احترامی کا سب سے پہلا اخراج 1905ء میں لگا اور ان کے والد مرتضیٰ غلام احمد نے اس کی تحقیقات کے لیے ایک چار رکنی کمیٹی مقرر کر دی، جس نے الراہ ثابت ہو جانے کے باوجود چار گواہوں کا سہارا لے کر شبہ کا فائدہ دے کر لڑم کو پھایا۔ عبد الرحم بہم خال 1335ء میلے کا ولنی فیصل آباد کا حلقویہ بیان ہے کہ اس کمیٹی کے ایک رکن مولوی محمد علی لاہوری سے انہوں نے اس بارہ میں استفسار کیا تو مولوی صاحب نے بتایا کہ الراہ تو ثابت ہو چکا تھا مگر ہم نے لڑم کو دے کر چھوڑ دیا۔ 1914ء میں جب گدی نشی کے لیے جنگ اقتدار چڑھی تو Benefit of Doubt

دہلی کی محلاتی سازشوں کے ماہرین نے ایک مذہبی جماعت کی سربراہی کے لیے یا نئیس سال کے ایک ایسے چھوڑکارے کو "منتخب" کر لیا، جس میں بیر کا بیٹا ہونے کے علاوہ کوئی خصوصیت موجود نہ تھی۔ ایسا برخود غلط اور کندہ نا تراش قسم کا آدمی عمر کے بیجانی دور میں ایک ایسے منصب پر فائز ہوا جسے بظاہر ایک تقدس حاصل تھا۔ مرزا محمود نے تقدس کے اس کثیرے کو اپنے لیے پناہ گاہ سمجھتے ہوئے جنپی عصیان کا وہ ہولناک ڈرامہ کھیلا کر الامان والغیظ۔

بلوغت سے لے کر مکمل طور پر مظلوم ہو جانے تک ہر چند سال کے وقف کے بعد اقتبات کی رواؤں میں محفوظ اس بیڑزادے پر مسلسل بدکاری کے الزامات قلعں مریدوں کی طرف سے لگتے رہے، مبلہ کی دعویٰں دی جاتی رہیں گے اور ہنی طور پر پورا مطہر و بے دین ہونے کے باوجود اس کو کبھی بھی جرأت نہ ہوئی کہ کسی مظلوم مرید کے دعوت مبلہ پر میدان میں نکلے۔ جب بھی کسی ارادوت مند نے واقف راز دروں ہو کر لکھا کہ تو قادیانی گماشتؤں اور معیشت کی زنجروں میں جکڑے ہوئے طاؤں نے ایک طرف اخبارات و جرائد میں ہاہا کا رشروع کر دی اور دوسری طرف اس ستمبر از کو بدترین سوچل بائیکاٹ کا شانہ بنایا گیا اور اسے اقتصادی و معاشرتی ایجنڈوں میں جھلا کرنے پر ہزاروں روپے خرچ کر کے جب کسی قدر کامیابی ہوئی تو اسے اپنے بد محاش بیڑ کا "میجرہ" قرار دیا گیا۔

کوئی شخص اپنی والدہ پر الزام تراشی کی جرأت نہیں کرتا اور اگر خدا نخواستہ وہ اس پر مجبور ہو جاتا ہے تو صرف یہ کہہ کر اس کو خاموش کرنے کی کوشش کرنا کہ دیکھو یہ بہت برقی بات ہے، مناسب نہیں۔ اس امر کا جائزہ لینا بھی تو ضروری ہے کہ وہ کن النناک حالات سے دوچار ہوا کہ اسے اپنی، اتنی عزیز بستی کی اصل حقیقت کو دنیا کے سامنے پیش کرنا پڑا۔ بیر کی جلوئیں اگر انہیں کی خلوتوں سے نالاں ہوں تو مریدوں کا اسی سانچے میں ڈھل جانا، ایک لازمی امر ہے۔ مرزا محمود احمد جب گدی نشین ہوا تو اس نے اپنے باوا کی نبوت کو نعوذ بالله.....

احمد ٹانی نے رکھی احمد اقبال کی لاج

کے مقام پر پہنچا یا۔ کبھی مسلمانوں کو اہل کتاب کے برادر قرار دیا اور کبھی انھیں ہندوؤں اور سکھوں سے مشاہدت دے کر ان کے بچوں تک کے چنزاوں کو حرام قرار دے دیا۔ قادیانیت کا غالب غصر اس دور میں اس نچلے اور متوسط طبقے پر مشتمل تھا جو معاشری طور پر پسماں نہ ہونے کی وجہ سے پیش گوئیوں کی فضائیں رہتے ہوئے تھیں محسوس کرنا تھا اور اگر یہ سے وقاواری کی قادیانی سند اس کی طلاق امت کو محفوظ رکھتی تھی۔ جب نبی نبوت، بخیر مسلمین اور ان کے چنزاوں کا بائیکاٹ، انتہا کو پہنچا تو نہ کوہہ بالا دنوں طبقوں نے قادیانی کی طرف بھاگنا شروع کر دیا کہ وہاں رہائش اختیار کریں کیونکہ جس معاشرہ کو ایک "نمی" کے انکار کی طرح پر کافر قرار دے کر وہ علیحدہ ہوئے تھے، وہاں رہتا اب ان کے لیے ناممکن تھا۔ قادیانی میں مرزا محمود احمد نے اپنے

خاندان کی مالی حالت کو بہتر بنانے کے لیے مریدوں کے چندے سے خریدی ہوئی زمین کچھ اپنے عزیزوں کے ذریعے نہایت بہتے داموں فروخت کی اور کچھ صدر انجمن احمدیہ کی معرفت اپنے مانے والوں کو گراں قیمت پر فروخت کی گر جزیرشنا ایکٹ کے ماتحت اس کا انتقال ان کے نام نہ کروایا گیا۔ اس طرح وہ اپنے معاشرہ سے کٹ کر قادیانیت کے دام میں اس طرح چھپنے کے نہ جائے فتنہ پائے ماندن!

اپنی سوسائٹی سے علیحدہ ہو کر، اب ایک تی جگہ پر نئے حالات کا لازمی تقاضا یہ تھا کہ وہ ہر جائز و ناجائز خوشامد کر کے پھر اس کے لواحقین کا قرب حاصل کرتے اور انہوں نے وقت اور حالات کے دباؤ کے ماتحت ایسا ہی کیا۔ گرہن نے مجبور مریدوں کی عزتوں پر ڈاکہ ڈال کر سینکڑوں عصموں کے آسمانیں تاریخ کر دیے اور اگر کوئی بے بس مرید بلبا اٹھا تو اسے شہر سے کال دینے اور مقاطعہ کر دینے کی دھمکیاں دے کر خاموش رہنے کی تلقین کی۔ فخر الدین ملٹانی ایسے کئی لوگوں کو قتل کروا کر وہشت کی خضاہیدا کی گئی گمراں تمام بزرگی اہتمام کے باوجود مرزا محمود، اپنی پاکبازی کا ڈھونگ رچانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ گاہے بگاہے اس دریا سے ایسی موج اٹھتی کہ ”ذریت بہرہ“ کے بارے میں جملہ ”الہامات“ ”کشوف“ اور ”رویا“ ہرے کے ہرے رہ جاتے۔ یوں تو مرزا محمود کی زندگی کاشاید ہی کوئی دن ایسا ہو جو بدکاری کی غلاظت سے آلوہ نہ ہو اور جس میں اس پر زنا کاری کا الزام نہ لگا ہو، لیکن ذیل میں ہم ان الہامات و پیاتاں کا تذکرہ کرتے ہیں جن کی گونج اخبارات و رسائل ہی میں نہیں، ملک کی عدالتون ملک میں سنی گئی اور اس کے ساتھ بعض بالکل تی روایات بھی درج کرتے ہیں جو آج تک اشاعت پر نہیں ہو سکیں۔ قادیانی امت کی جنی تاریخ پر اس سے پیشتر متعدد کتب آچکی ہیں، لیکن وہ تقاضائے حلالت کے ماتحت، جس رنگ میں پیش کی گئی، اس کی بہت سی وجہ تھیں۔ آئندہ سطور میں ہم کوشش کریں گے کہ ان روایات کو ذرا وضاحت سے پیش کریں اور اس سے پیشتر جو چیزیں اجمال سے بیان ہوئی ہیں، ان کی تفصیل کر دیں کیونکہ اگر اس وقت اس کام کو سرانجام نہ دیا گیا تو آنے والا مورخ، بہت سی معلومات سے خودم ہو جائے گا کیونکہ پرانے لوگوں میں سے جو لوگ صحیح گئے یا شام کئے، کی منزل میں ہیں، وہ نہ ان سے مل سکے گا اور نہ ان دل دوز و احقات کوں سکے گا جو خود ان پر یا ان کی اولاد پر گزرے ہیں۔ یہ سب شہادتیں موکد بعذاب قسموں کے ساتھ دی گئی ہیں اور یہ تمام افراد قادیانی امت کے خواص میں سے تھے۔ ان میں سے اکثر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مشرف ہے اسلام ہو چکے ہیں مگر چدایے بھی ہیں جو اپنی بین و اٹھنگ کی وجہ سے کسی نہ کسی رنگ میں قادیانیت سے وابستہ ہیں۔ مگر وہ قادیانی ”مصلح موعود“ کو پورے بیقین، پورے دوق اور پورے امہمان کے ساتھ جو لیں سیزرا مثیل، را پھوٹن کا برداشت اور ہر موڈیں کا حل کامل سمجھتے ہیں اور ہر عدالت میں اپنی گواہی ریکارڈ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ممکن ہے بعض لوگ یہ بھی خیال کریں گے کہ برائی کی اشاعت کا طریق مناسب نہیں، ان کی

خدمت میں گزارش ہے کہ وہ اس امر کو منظر رکھیں کہ یہ اظہار ان مظلوموں کی طرف سے ہے، جن میں سے بعض کی اپنی حصت کی رواجاپاک ہوئی اور اظہار حق کی پاداش میں ان پر وہ مصائب نوٹے کہ اگر وہ دونوں پر وارد ہوتے تو راتیں بن جاتیں۔ یہ اظہار ان مظلوموں کی طرف سے ہے جنہیں خدا نے بھی یہ حق دے رکھا ہے۔

لَا يَحِبُ اللَّهُ الْجَهْرُ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مِنْ ظُلْمٍ

مبہلہ والوں کی لکار

مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم اور میاں زاہد، حال امترسار کیتہ برادر تھہ روڈ لاہور کے نام کے ساتھ ”مبہلہ والے“ کا لفظ تحقیقی ہو کر رہ گیا ہے۔ ان مظلوموں نے 1927ء میں اپنی ایک ہمیشہ یکینہ بیگم پر مرازا محمود کی دست درازی کے خلاف اس زور سے صدائے احتجاج بلند کی کہ بیت الخلافت میں مقیم نہیں مہمنتوں کی روشنیں کیپکا اٹھیں۔ قادیانی غنڈوں نے ان کے مکان کو نذر آتش کرو دیا اور جناب میاں زاہد کے اپنے بیان کے مطابق اگر مولا تا حکیم نور الدین کی الہیہ محترمہ ان کو بروقت خبردار نہ کر دیتیں تو وہ سب اسی رات قادیانیوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش کر چکے ہوتے۔ انہوں نے مرازا محمود احمد کے ناقوس خصوصی ”لفضل“ کے کذب و افتراء کا جواب دینے کے لیے ”مبہلہ“ نامی اخبار جاری کیا، جس کی پیشانی پر یہ شعر درج ہوتا تھا۔

خون اسرائیل آ جاتا ہے آخر جوش میں
توڑ دیتا ہے کوئی موئی ظلم سامری

یہ مظلوم خاتون قادیانی فرقہ کے صوبائی امیر مرازا عبدالحق ایڈھ کیتہ سرگودھا کی الہیہ ہیں۔ وہ اپنے مشاہدہ اور تجربہ کی بنا پر اب بھی ربہ کے پاپائے ہائی کو بد کردار بھیتی ہیں۔ یہ سانحہ اس طرح ظہور میں آیا کہ وہ کسی کام کی خاطر ”قصر خلافت“ میں گئیں۔ مرازا محمود نے اپنی گھناؤنی فطرت کے مطابق ان کے ساتھ زیادتی کا ارتکاب کیا۔ انہوں نے واہیں آ کر سارا معاملہ اپنے شہر کے گوش گزار کر دیا۔ مرید خاوند نے اپنی زوجہ پر اعتماد کر کے پھر پر تین حرفاں بھیجنے کی بجائے اس معاملہ کی تحقیق کا ارادہ کیا اور پاپائے ہائی کے پاس پہنچا۔ ہیرتو، رنگ ماسٹر تھا، اسے مریدوں کو نچانے کا فن خوب آتا تھا، اس نے بڑی ”محصیت“ سے کہا: مجھے خود اس معاملہ کی سمجھنہیں آ رہی، یکینہ بیگم بڑی تیک اور پاک باز لڑکی ہے۔ اس نے اسی حرکت کیوں کی ہے۔ میں دعا کروں گا، آپ کل فلاں وقت تغیریف لائیں۔ جب مرازا عبدالحق دوسرے دن پہنچے تو شاطر ہی راپنا عیارانہ منصوبہ مکمل کر چکا تھا۔ اس نے مرید کے لیے دام بچاتے ہوئے کہا: میں نے اس معاملہ پر بہت غور کیا ہے، دعا بھی کی ہے۔ ایک ہاتھ سمجھ میں آئی ہے کہ چونکہ میں خلیفہ ہوں، ”مصلح موعود“ ہوں، اس لیے یہ کیہنہ بیگم ایک روحانی قتل کی بنا پر مجھ سے محبت رکھتی ہے اور اس تم کا جذبہ الفت جب پوری طرح قلب وہن پر مستولی ہو جاتا ہے تو اس وقت بعض عورتیں خواب کے عالم میں دیکھتی ہیں کہ انہوں نے

فلان مرد سے ایسا تعلق قائم کیا ہے اور اس خیال کا استیلا و غلبہ ان پر اس قدر ہوتا ہے کہ وہ اس کو بیداری کا واقعہ بھل لتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مرتضیٰ مجدد نے طب کی ایک کتاب نکال کر دکھادی کر دیکھ لوابطاء نے بھی اس مرض کا ذکر کیا ہے۔ اس پر مرید مسلمن ہو کر گھروں اس آیا تو الہیہ کے استفسار کرنے پر مرید خادم نے کہا: ”تم بھی حق کہتی ہو اور حضرت صاحب بھی حق کہتے ہیں۔“

”ایک احمدی خاتون کا بیان“

مذکورہ بالاعنوں کے تحت ایک مظلوم خاتون کا بیان اخبار ”مبہلہ“ قادیانی میں اشاعت پذیر ہوا تھا، گواں وقت یہ چیز بھی دے دیا گیا تھا کہ اگر ”غلیفہ صاحب“ مبہلہ کے لیے آنادہ ہوں تو نام کے اظہار میں کوئی ادنیٰ تامل بھی نہیں ہو گا۔ مگر چونکہ اس گوسالہ سامری کو مقابل پر نکلنے کی جرأت نہ ہوئی، اس لیے نام کا اظہار نہیں کیا گیا تھا۔ اب ہم ریکارڈ درست رکھنے کی خاطر یہ درج کر رہے ہیں کہ وہ خاتون قادیانی کے دکاندار شیخ نور الدین صاحب کی صاحبزادی عائشہ تھیں۔ ان کے بھائی شیخ عبداللہ المعروف عبداللہ سودا گراچ کل ساہیوال میں مقیم ہیں۔ عائشہ یہ گم تھوڑا عرصہ ہوا، انتقال کر گئی ہیں، اب ہم وہ بیان درج کرتے ہیں۔

”میاں صاحب کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتی ہوں اور لوگوں میں ظاہر کر دینا چاہتی ہوں کہ وہ کیسی روحانیت رکھتے ہیں؟ میں اکثر انہی سہیلوں سے ساکرتی تھی کہ وہ بڑے زانی شخص ہیں مگر اعتبار نہیں آتا تھا کیونکہ ان کی مومانانہ صورت اور بیخی شریبلی آنکھیں ہرگز یہ اجازت نہ دیتی تھیں کہ ان پر ایسا الزام لگایا جاسکے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ میرے والد صاحب نے، جو ہر کام کے لیے حضور سے اجازت حاصل کیا کرتے تھے اور بہت قلص احمدی تھے، ایک رقعہ حضرت صاحب کو پہچانے کے لیے دیا، جس میں اپنے کام کے لیے اجازت مانگی تھی۔ خیر میں یہ رقم لے کر گئی۔ اس وقت میاں صاحب نے مکان (قرن غلافت) میں مقیم تھے۔ میں نے اپنے ہمراہ ایک لڑکی لی جو وہاں تک میرے ساتھ گئی اور ساتھ ہی والہ اس آگئی۔ چند دن بعد مجھے پھر ایک رقعہ لے کر جانا پڑا۔ اس وقت بھی وہی لڑکی میرے ہمراہ تھی۔ جو نہیں ہم دونوں میاں صاحب کی نشست گاہ میں پہنچیں تو اس لڑکی کو کسی نے پہچھے سے آواز دی۔ میں اکٹلی رہ گئی۔ میں نے رقعہ پیش کیا اور جواب کے لیے عرض کیا، مگر انہوں نے فرمایا کہ میں تم کو جواب دے دوں گا، مگر راؤ مت۔ باہر ایک دو آدمی میرا انتظام کر رہے ہیں، ان سے مل آؤں۔ مجھے یہ کہہ کر، اس کرے کے باہر کی طرف پڑے گئے اور چند منٹ بعد پہچھے کے تمام کروں کو قفل رکا

کر اندر داخل ہوئے اور اس کا بھی باہر والا دروازہ بند کر دیا اور چھینیاں لگادیں۔ جس کرے میں بیٹھی تھی، وہ اندر کا چوتھا کمرہ تھا۔ میں یہ حالت دیکھ کر سخت گھبرائی اور طرح طرح کے خیال دل میں آنے لگے۔ آخر میان صاحب نے مجھ سے پھیز چھاڑ شروع کی اور مجھ سے بر افضل کروانے کو کہا۔ میں نے اکار کیا۔ آخر زبردستی انہوں نے مجھے پنگ پر گرا کر میری عزت بر باد کر دی اور ان کے منہ سے اس قدر بوآ رہی تھی کہ مجھ کو چکر آ گیا اور وہ گھنگو بھی اسکی کرتے تھے کہ بازاری آدمی بھی اسکی نہیں کرتے۔ ممکن ہے ہمیں لوگ شراب کہتے ہیں، انہوں نے پی ہو کیونکہ ان کے ہوش و حواس بھی درست نہیں تھے۔ مجھ کو دھمکایا کہ اگر کسی سے ذکر کیا تو تمہاری بدناہی ہو گی، مجھ پر کوئی فکر بھی نہ کرے گا۔“

مستورات کی چھاتیوں پر خفیہ دستاویزات

”جب اس شاطریاست کے خفیہ اذوؤں پر حکومت چھاپ مارتی تھی تو یہ اسلحہ اور کاغذات کمال ہوشیاری سے زیر زمین دفن کر دیتا تھا۔ قادریان کی سرزین میں فسادات کے موقع پر احمدی نوجوانوں اور سابق فوجیوں کے ہاتھوں جو ماڈرن اسلحہ مہیا کیا اور ان کی فوجی گاڑیاں حرکت میں آئیں تو اس پر حکومت کی جانب سے یکدم چھاپ پڑا، جس کی اطلاع قبل از وقت خلیفہ کو نہ ہو سکی کیونکہ وہاں احمدی سی۔ آئی۔ ذی ناکام رعنی لیکن خلیفہ کی اپنی اہمی فرست ان کے کام آئی کیونکہ جب پولیس سر پر آ گئی تو اس ”مقدس پاکباز مسلم مصلح دوران“ نے اپنی مستورات کی چھاتیوں پر خفیہ دستاویزات پاندھ کر کوٹھی دار السلام (قادریان) بیجوادیں اور قادریانی فوجیوں نے فوراً اسلحہ زیر زمین کر دیا۔“

مخدرات میدانِ معصیت میں

”طویل مشاہدے کے بعد یقین ہوا اور جید پرسی کے برگ خیش کا اثر زائل ہوا لیکن سارا ماجرا بیان کرنے کی استعداد مفقود ہو گئی۔ چونکہ سیاہ کاریاں محروم العقول تھیں، اس لیے ان کی نوعیت اس سیاہ کار کے لیے مدافعت بن گئی۔ کون مان سکتا کہ اس نے محروم اور غیر محروم کی تیز کورونڈ کر رکھ دیا تھا اور اس کے لیے وہ اپنی جنہی محفوظ میں کہا کرتا تھا کہ

”آدم کی اولاد کی افزائش ہی اس طرح ہوئی ہے کہ کوئی مقدس سے مقدس رشتہ بجماعت میں حائل نہیں ہو سکتا۔“ العیاذ بالله۔

جیسا کہ اس تالیف میں ایک جگہ محمد یوسف ناز کا بیان نقل ہوا ہے، وہ اپنی تحدرات کو میدانِ محیثت میں پیش کرتا اور اس کے تربیت یافتگان ان سے حظ اندر از ہوتے اور خود اس روح فرمائشوں کا تمثیل کر کے الیسی لذتِ محبوں کرتے۔“

خلوتِ سیدہ کے وقت کلامِ الہی کی توہین

”میبدیہ طور پر خلوتِ سیدہ (خلوتِ صحیحہ ناقل) کے وقت قرآن کریم کو پاس رکھتے والا بھی خدا کی گرفت سے نجی بجائے تو اللہ تعالیٰ کے عظیم میراثخانے کے بعدی اس کی سیاہ کاریوں کے وسیع و عریض رقبے کو جانتے والا اپنے ایمان کی دولت کو محفوظ رکھ سکتا ہے۔ جب یہ شخص اپنے باپ کو بھی نہیں بخاتا تو یہ کیا کہ کتنا ہو گا۔“

مولف ”قند انکارِ ثتم نبوت“ سے ان الفاظ کی وضاحت چاہی گئی تو انہوں نے کہا کہ ”مصلح الدین سعدی“ نے مولکہ بذاب حشم کما کر مجھے تباہ کر ایک دن، میں مرزا محمود کی ہدایت پر ایک لڑکی کے ساتھ دادیعیش دے رہا تھا کہ وہ آیا۔ اس نے لڑکی کے سرینوں کے نیچے سے قرآن پاک نکالا۔“ (استغفار اللہ)

آخری فقرہ کے بارہ میں ان کا کہنا ہے کہ مولوی فضل دین صاحب نے اُسکی تباہ کر انھیں ان کے بڑے بھائی مولوی علی محمد صاحب اجیری نے تباہ تھا کہ مرزا محمود اپنی بھفل خاص میں کہا کرتا تھا کہ ”حضرت سُجْ مُوْعَدْ“ بھی بھی کام کرتے تھے۔

تمن سہیلیاں، تمن کہانیاں

قادیانی اور ریوہ میں بے شمار ایسی کہانیاں جنم لئی ہیں جو مجدد مریدوں کی اروات اور قادریانی گٹنائیں کے تعدد کے باعث بیشتر کے لیے دُن ہو جاتی ہیں اور اس ریاست اندرونی ریاست کو مذہب کے لیادے میں ہر شرمناک کارروائی کرنے کی کھلی چھٹیں مل جاتی ہے اور حکومت کا قانون، عاجز اور بے بُس ہی نہیں، لاوارث اور سیم ہو جاتا ہے۔ انہی کہانیوں میں سے ایک کہانی غلام رسول پیشان کی بیٹی کلثوم کی ہے، جس کی نخش تالاپ میں پائی گئی۔ اسی لڑکی کلثوم کی سیکلی عابدہ بنت ابوالہاشم خاں بھائی کو بیکار کے بھانے باہر لے جایا گیا اور ترکی طلح جہلم میں ”اتفاقی“ گولی کا نثارہ ہوتا یا کیا۔ تسری سیکلی امت الخلق مسجدہ بنت چوہدری غلام حسین صاحب ابھی بتید حیات ہیں۔ اگر وہ اپنی دو سہیلیوں کے ”اتفاقی“ قتل پر روشنی ڈال سکیں تو تاریخ میں ان کا نام سنہرے حروف سے لکھا جائے گا اور اس طرح مرزا محمود احمدی ”کرامات“ میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔

”مصلح مُوْعَدْ“ کی کہانی حکیم عبدالوہاب کی زبانی

حکیم عبدالوہاب عمر قادریانی امت کے ”ظیفۃ اول“ مولانا نور الدین کے صاحبزادے ہیں۔ ان

کا بخپن اور جوانی "قرضلافت" کے درود یوار کے سائے میں گزرے ہیں اور اس آئیب کا سایہ جس پر بھی پڑا ہے، اس نے مشاہدہ پر آتنا کم ہی کیا ہے، وہ حق انسان کے تجربے سے گزارا ہے، بھی حال تکم صاحب کا ہے اگرچہ اس مرتبہ میں متعدد دوسرے افراد بھی ان کے شریک ہیں، لیکن انھیں یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ اپنی داستان بھی بخپر کی لاگ لپٹ کے کہہ ساتھے ہیں اور اپنے اوپر قادیانیوں کے معروف طریقے کے مطابق تقدیس کی جعلی روائیں اور اذانتے اور اگر اس اخبارحقیقت میں ان کا کوئی عزیز زو میں آجائے تو وہ اسے چھانے کی بھی زیادہ جدوجہد نہیں کرتے، عموماً وہ اپنی آپ بینی حکایت میں الخیر کے طور پر ساتھے ہیں اور کو ان روایات کے مندرجات تاوادیتے ہیں کہ ان کا مرکزی کروار وہ خود ہی ہیں لیکن اگر کوئی پیچھے پڑ کر کریدا ہی چاہے کہ یہ نوجوان کوں تھا، تو وہ تاوادیتے ہیں کہ "یہ میں ہی تھا۔" انہوں نے تھا:

- 1 "1924ء میں مرزا محمود بیرون سیر و تفریح ششیروں تحریف لے گئے۔ دریائے جلم میں ہمراکی میں معروف تھے کہ مرزا محمود نے خوط لگا کر ایک سول سالہ نوجوان کے منارہ وجود کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے تو ان کے دواخانہ کے انچارج جتاب اکرم بہٹ نے پوچھا: آپ کو کیسے پڑے چلا؟ تو وہ بولے: "یہ میں ہی تھا۔"

- 2 "قرضخلافت" قادیان کے گول کرہ سے متعلق ایک اور کہہ ہے۔ مرزا محمود احمد نے ایک نوجوان سے کہا: اندر ایک لڑکی ہے، جاؤ اس سے دل بھلاو۔ وہ اندر گیا اور اس کے سینے کے اہراموں سے کھلنا چاہا۔ اس لڑکی نے حرمت کی اور وہ نوجوان بے نسل مرام والجن لوت آیا۔ مرزا محمود نے اس نوجوان کو کہا: تم بڑے دشی ہو۔ جوابا کہا گیا کہ اگر جسم کے ان اہماروں کو نہ چھیڑ جائے تو ہر کیا خاک ہو گا۔ مرزا محمود نے کہا: لڑکی کی اس مدافعت کا سبب یہ ہے کہ وہ ڈرتی ہے کہ

"اس طرح کہیں اس نشیب و فراز کا تابس نہ بدل جائے۔"

- 3 "ایک وحدہ آپ کی بیگم مریم نے اس نوجوان کو خوط لکھا کہ قلاں وقت مسجد مبارک (قادریان) کی حیثت سے ملحق کرہ کے پاس آ کر دروازہ لکھنکھانا تو میں تھیں اندر بلالوں گی۔ دروازہ لکھا تو اس نوجوان کی حرمت کی کوئی اختیان نہ رہی۔ جب اس نے دیکھا کہ بیگم صاحبہ رہیم میں لمبیں سولہ ستمہار کیے موجود تھیں۔ اس نوجوان نے کبھی کوئی حرمت نہ دیکھی تھی، چہ جائیکہ انکی خوبصورت گورت۔ وہ بہوت ہو گیا۔ اس نوجوان نے کہا کہ حضور اجازت ہے۔ انہوں نے جواب دیا: انکی باتیں پوچھ کر کی

جاتی ہیں۔ اس وقت نوجوان نے کچھ نہ کہا کیونکہ اس کے جذبات مختل ہو چکے تھے۔ اس نے سوچا کہ ”گروہی پھرے ہی میں نہال ہو جائیں گے“ اس لیے اس وقت کنارہ کرنایی بہتر ہے۔ عجم صاحب موصوف نے اس خط کی وانہی کا مطالبہ کیا جو اس نوجوان کو لکھا تھا۔ اس نوجوان نے جواب دیا کہ میں نے اس کو تکف کر دیا ہے۔ قسمِ ملک کے بعد مرزا محمود احمد کے پاس یہیت سکرٹری میاں محمد یوسف صاحب اس نوجوان کے پاس آئے، کہا: میں نے تاہم کہ آپ کے پاس حضور کی یہ یوں کے خطوط ہیں اور آپ اس کو چھاپنا چاہتے ہیں اس نوجوان نے جواب دیا: بہت شکوس ہے کہ آپ کو اپنی یہوی پر اعتماد ہو گا اور مجھے بھی اپنی یہوی پر اعتماد ہے، اگر کسی پر اعتماد نہیں تو وہ حضور کی یہ یاں ہیں۔“

4 - ”مرزا محمود احمد نے اپنی ایک صابرزادی کو رشد و بلوغت تک مکنپتے سے پیشتری اپنی ہوں رانی کا نشانہ بناؤالا۔ وہ بے چاری بے ہوش ہو گئی، جس پر اس کی ماں نے کہا: اتنی جلدی کیا تھی، ایک دو سال تھبہ جاتے۔ یہ کہیں بھاگی جاری تھی یا تمہارے پاس کوئی اور حورت نہ تھی۔“

دواخانہ نور الدین کے انچارج جناب اکرم بٹ کا کہتا ہے کہ میں نے عجم صاحب سے پوچھا: یہ صابرزادی کون تھی؟ تو انھوں نے بتایا: ”امد الرشید۔“

نوٹ: اس روایت کی مزید وضاحت کے لیے ملک نور کا یاں غور سے پڑھیں، جو اسی کتاب میں درج کیا جا رہا ہے۔ ملک عزیز الرحمن صاحب بحوالہ ڈاکٹر نذیر ریاض اور یحیف نازیمان کرتے ہیں کہ جنہی بے راہ روی کے ان مظاہر پر جب مرزا محمود سے پوچھا جاتا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں تو وہ کہتا: لوگ بڑے احتق ہیں، ایک باغ لگاتے ہیں، اس کی آیاری کرتے ہیں۔ جب وہ پرداں چڑھتا ہے اور اسے پھل لگتے ہیں تو کہتے ہیں:

”اسے دم رائی توڑے اور دم رائی کھائے۔“

ربوہ کی معاشی نبوت کا عظیم فراڈ
حکومت کے خلوت خانہ خیال کی نذر

1 - صدر انجمن احتمیہ قادریان ایک رجڑہ باڑی ہے۔ قسمِ ملک سے قبل اس انجمن کی جانبیاد ملک کے تخفیف حصوں میں بھی قسم کے بعد ناصر آباد، محمود آباد، شریف آباد، کریم گر فارم، قفر پار کر

سندھ کی زمینیں پاکستان میں آگئیں تو مرتضیٰ احمد نے ربوہ میں ایک ڈی انجمن "ظلی صدر انجمن احمدیہ" قائم کی اور چوہدری عبداللہ خاں برادر چوہدری ظفراللہ خاں ایسے قادیانیوں کے ذریعے یہ زمین اپنے صاحبزادوں اور انجمن کے نام منتقل کرائی اور مقدمہ پورا ہو جانے کے بعد یہ ظلی صدر انجمن، مرزا غلام احمد کی ظلی نبوت کی طرح "اصلی" بن گئی اور صدر انجمن احمدیہ قادیان نے وہاں کی تمام جائیداد بھارتی حکومت سے واگزار کروائی اور اسی مقدمہ کے حصول کے لیے موجودہ ظیفہ مرزا ناصر احمد کے ایک بھائی مرزا دیم احمد کو وہاں شہریاً گیا، جو آج بھی وہیں مقیم ہے۔

جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے، قادیان میں سکنی زمین، صدر انجمن احمدیہ لوگوں کو فروخت کرتی تھی مگر وہ خریداروں کے نام رجسٹریشن ایکٹ کے تحت رجسٹرنیشن کر دلائی جاتی تھی، جیسا کہ ربوہ میں ہوتا ہے۔ اس طرح سرکاری کاغذات میں زمین اصل مالکان کے نام ہی رہتی ہے، حالانکہ وہ اسے فروخت کر کے لاکھوں روپیہ ہضم کر پچھے ہوتے ہیں۔ اس عیاری پر پردہ ڈالنے کے لیے ظیفہ ربوہ نے مہاجرین قادیان کو چکدے کر کے قادیان "خدا کے رسول کا تخت گاہ" ہے (نحوہ بالش) اور انھیں اس سبتوں میں داخل جانا ہے، انھیں قادیان کے مکانوں کا کلیم داخل کرنے سے منع کر دیا اور خود چار کروڑ روپے کا بگس کلیم داخل کر دیا۔ اب اگر مرید بھی کلیم داخل کر دیتے تو حکومت اور مریدوں سے ہرے فراڈ کی قسمی کھل سکتی تھی، اس لیے مریدوں کو کلیم داخل کرنے سے منع کر دیا گیا مگر بہت سے شاطر مرید اس عیاری کو سمجھ گئے اور انہوں نے خوبی بے پناہ بگس کلیم داخل کیے اور پھر قادیانی اشرون سونخ سے منکور کرواۓ۔

اگر حکومت صرف قادیانیوں کی پاکستان میں جعلی اور بوجلی الائٹوں کی تحقیقات کرواۓ تو کروڑوں روپے کے فراڈ کا پتہ لگ سکتا ہے اور مولف کتاب ہذا بعض جعلی کلیموں کے نمبر کے حکومت کو مہیا کرنے کا پابند ہے۔

ربوہ کی زمین صدر انجمن احمدیہ کو کراون لینڈ ایکٹ کے تحت عالمی قیمت پر دی گئی تھی۔ مرزا محمود نے یہاں بھی قادیان والا کھیل دیوارہ کھیلا اور نوکن پر اُس پر حاصل کردہ اس زمین کو ہزاروں روپیہ مرلہ کے حساب سے مریدوں کے نام فروخت کیا مگر رجسٹریشن ایکٹ کے تحت سب لیز ہولڈرز کے نام زمین منتقل نہ ہونے والی، اس طرح مریدوں کا لاکھوں روپیہ بھی جب میں ڈالا اور گورنمنٹ کے لیکس بھی ہضم کیے گئے، مریدوں پر انمار عرب بھی قائم رہا کہ وہ زمین خریدنے کے باوجود مالکانہ حقوق سے محروم ہے اور سماں وچہ ہے کہ جب بھی کسی نے "خاندان نبوت" کی عیاشیوں اور بدمعاشیوں کے متعلق آواز بلند کی، اسے اپنی "ریاست" سے باہر نکال دیا اور قبائلی نظام کے مطابق اس کا سوشل بائیکاٹ کر دیا۔ اب جو

مرید ایک ”نمی“ کے الگار کی وجہ سے ساری ملت اسلامیہ کو کافر قرار دے کر علیحدہ ہوئے ہیں، وہ اپنی مخصوص Conditioning اور لائینی علم الکلام کی وجہ سے واہیں امت مسلمہ کے سندھر میں تو نہیں آسکتے، وہ اسی گندے اور متعفن جو ہڑ میں رہنے پر مجبور ہیں، اس لیے ایسے مریدوں سے سچائی کی توقع عبث ہے۔

(i) ربوبہ کو کھلاشہر قرار دینے کے سلسلہ میں سب سے پہلا اور اہم قدم یہ ہے کہ ربوبہ کی لیز فوراً ختم کی جائے۔

(ii) ربوبہ کو چینیوں کے ساتھ شال کر کے سرکاری دفاتر ربوبہ کے اندر منتقل کیے جائیں اور اندر وون شہر خالی پڑی ہوئی زمین پر فوراً سرکاری عمارت تعمیر کی جائیں۔ ربوبہ میں چند کارخانے قائم کیے جائیں اور اردو گرد کے لوگوں کو وہاں معاش کی سہولتیں مہیا کی جائیں تاکہ قادریانی یلغار اور لامبج کا ہدف نہ بن سکیں۔

ربوبہ کے تمام تعلیمی اداروں سے قادریانی اسمانڈہ کو فرات تبدیل کر دیا جائے تاکہ وہ مسلمان طلبہ کو کفر کی تعلیم دینے کی تپاک جارت نہ کر سکیں۔

ربوبہ میں بڑا تھانہ قائم کیا جائے اور اس کی عمارت گول بازار کے سامنے ٹیکنی فون ایکٹھیں کے ساتھ تعمیر کی جائے۔

خدم الاحمدیہ اور دوسری نیم عسکری مخفیوں کو توڑ دیا جائے اور نقارت امور عامہ (شعبہ احتساب) کو ختم کر کے ربوبہ کا نام تبدیل کر کے چک ڈھکیاں اس کا پہلا نام رکھ دیا جائے تاکہ قادریانی اپنی دجالیت نہ پھیلا سکیں۔ اگر متدرج پہلا امور پر عمل نہ کیا گیا تو ربوبہ کبھی کھلاشہر نہ بن سکے گا۔ وہاں قادریان سے بدتر غذہ گروی ہو رہی ہے اور ہوتی رہے گی کیونکہ قادریان میں تو پھر کچھ آبادی ہندوؤں، سکھوں اور مسلمانوں کی تھی مگر یہاں تو اگر بیز کی معنوی ذریمت کے علاوہ اور کوئی ہے نہیں۔

قادریانی ڈاکٹروں، سطح افواج میں قادریانی افراد اور سرکاری مکھیوں میں اعلیٰ عہدوں پر فائز قادریانیوں کے سالانہ اجلاس، ربوبہ کے سالانہ میلے پر منعقد ہوتے ہیں، جہاں خلیفہ کو حکومت کے راز ڈھنس ہوتے ہیں اور ملک کی معیشت پر قادریانی گرفت کو مصروف کرنے کے پروگرام بنتے ہیں، اس لیے تمام اعلیٰ عہدوں پر فائز قادریانیوں کی چھٹی ضروری ہے تاکہ وہ اپنی اسلام دشمن اور ملک دشمن وہنی ساخت کے باعث ملک و قوم کو مزید نقصان نہ پہنچا سکیں۔

جتاب صلاح الدین ناصر کا ازالہ اور ہام

جتاب صلاح الدین ناصر ایک نہایت معزز فیصلی سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کے والد خان بہادر

ابوالہاشم بنگال میں ڈپٹی ڈائریکٹر مارس تھے۔ ناصر صاحب پارٹیشن کے بعد پاکستان آگئے۔ کچھ دیر بروہ میں بھی مقام رہے، لیکن جب ان کو خلیفہ حی کی عدمی الشال، جسی بے راہ روی کا یقینی علم حاصل ہو گیا تو وہ رات کی ٹارکی میں والدہ اور بھیشیر گان کو ساتھ لے کر لا ہو ر آگئے، وہ مرزا محمود کی نگہ انسانیت حرکتوں کو بیان کرتے ہوئے کبھی مدد ہفت سے کام نہیں لیتے، جب ان کی قادریانیت سے علیحدگی کے بارہ میں دریافت کیا گیا تو کہنے لگے:

”بھی ہماری قادریانیت سے علیحدگی، لاہوری کے کسی اختلاف کا نتیجہ نہیں، ہم نے تو لیہاری میں ثیٹ کر کے دیکھا ہے کہ اس نہیں اغذیتی میں دین نام کی کوئی چیز نہیں۔ ہوس اور بوالہوس دولفکوں کو اکٹھا کر دیں تو قادریانیت وجود میں آ جاتی ہے۔“

اتا کہہ کر خاموش ہو گئے تو میں نے کہا، جتاب اس اجھاں سے تو کام نہ چلے گا، کچھ بتائیں شاید کسی قادریانی کو ہدایت نصیب ہو جائے تو فرمائے گے:

”یوں تو مرزا محمود یعنی ”مودے“ کی بے راہ روی کے واقعات طفویلت ہی سے یہرے کافوں میں پڑنا شروع ہو گئے تھے اور ہماری بھیشیرہ عابدہ بیگم کا ڈرامائی قتل بھی ان نہیں سکلوں کی بدفتری اور بدمعاشی کو Expose کرنے کے لیے کافی تھا، مگر ہم حالات کی آہنی گرفت میں اس طرح پہنچے تھے کہ ان زنجیروں کو توڑنے کے لیے کسی بہت بڑے دھکے کی ضرورت تھی اور جب دھکا بھی لگ گیا تو پھر عقیدت کے طوق و سلاسل اس طرح ٹوٹنے پڑے گئے کہ خود مجھے ان کی کمزوری پر حیرت ہوتی تھی۔“

میں نے ہست کر کے پوچھ لیا، جتاب وہ دھکا تھا کیا؟ یہ سن کر ان کی آنکھوں میں نبھی سی آگی۔ ماہی کے دل دوز واقعہ نے اُنھیں چڑ کے لگانے شروع کر دیے تھے۔ چند یکنہ کے بعد کہنے لگے:

”نقیم بر صیر کے بعد ہم رتن باخ لا ہو ر میں مقام تھے۔ جعد پڑھنے کے لیے گئے تو مرزا محمود نے اعلان کیا کہ جعد کے بعد صلاح الدین ناصر مجھے ضرور طیں۔ جعد نہ ہوا تو لوگ مجھے مبارکہ دینے لگے کہ ”حضرت صاحب نے تھیں یاد فرمایا ہے۔“

میں نے خیال کیا شاید کوئی کام ہو گا، اس لیے میں جلد ہی اس کمرہ کی طرف گیا، جہاں اس دور کا شیطان جسم نیقہ تھا۔ میں کمرہ میں داخل ہوا تو میری آنکھیں پھٹنی کی پھٹنی رہ گئیں۔ مرزا محمود پر شیطنت سوار تھی، اس نے مجھے اپنی ”ہومو پیشی“ کا معقول بنانا چاہا۔ میں نے بڑھ کر اس کی داؤ گی کڈا لی اور گھانی دے کر کہا: ”اگر

بھی بھی کام کرنا ہے تو اپنے کسی ہم عمر سے کروں گا، جس شرم نہیں آتی، اگر جماعت کو پڑھ لگا تو تم کیا کرو گے۔” میری یہ بات سن کر مرزا محمود نے بازاری آدمیوں کی طرح قیچہ لکایا اور کہا: ”واٹھی منڈوا کر ہیس چلا جاؤں گا۔“

یہ دن میرے لیے قادیانیت سے ڈھنی وابحگی رکھنے کا آخری دن تھا۔

جناب صلاح الدین ناصر ”حقیقت پند پارٹی“ کے پہلے جول سینکڑی رہے ہیں۔ اس دور میں ملک کے گوشے گوشے میں قمار پر کے انہوں نے قادیانیت کی حقیقت کو خوب واقع کیا۔ اسی زمانہ کا ایک واقعہ سناتے ہوئے کہنے لگے:

”گھرات کے ایک جلد میں تقریر کرتے ہوئے میں نے مرزا محمود کے متعلق کہا کہ اس کی اخلاقی حالت سخت ناگزین ہے۔ اس پر ایک قادیانی اٹھ کرڑا ہوا اور کہنے لگا: اس کی وضاحت کریں۔ میں نے کہا: یہ الفاظ بہت واضح ہیں۔ وہ پھر بولا: کیا اس نے تمہاری شلوار اتاری تھی۔ میں نے جواب دیا: اسی بات کو بیان کرنے سے میں مجھک رہا تھا۔ آپ اپنے ظیفہ کے مراج شناس ہیں، آپ نے خوب بیجا تھے، میکا بات تھی۔“

جلد کے تمام سامنیں مکمل کرنا کہنے پڑے اور وہ صاحب آہستہ سے کمک کرے۔

میں کہاں آ لکھا

جناب محمد مدنی نقشبندی قادیانی امت کے خپل گوش امیر ہیں۔ اگر وہ اپنی شاعری کو مرزا غلام احمد کے خاندان کی قصیدہ خوانی کے لیے وقف کر کے جائے تو ملک کے اتحادی شرفاں میں شمار ہوتے۔ حق کہنے کی پاداش میں وہ ربوائی ریاست کے زیر عتاب رہ پچے ہیں مگر اب چونکہ انہوں نے خوف نساد کی وجہ سے قادیانی امت کے سیاسی و مسماطی مخالفات کے لیے اپنے آپ کو ہن کر رکھا ہے اور بہت روزہ ”لاہور“ قادیانی امت کا سیاسی آرگن بن گیا ہے، اس لیے اب ربوہ میں ان کی بڑی آڑ بھگت اور خاطردارات ہوتی ہے اور ہر طرف سے اُنسیں ”بہترین لکم“ کی نوید ملتی ہے۔ عرصہ ہوا انہوں نے ایک لکم اپنے ”ظیفہ صاحب“ کے بارہ میں لکھی تھی مگر اشاعت کے مرطہ پر اس پر یہ نوٹ لکھ دیا گیا۔

”ایک بیرون خانقاہ کی لا دینی سرگرمیوں سے مبتڑہ ہو کر“

قارئین فور فرمائیں کہ ”بیرون خانقاہ“ اور ربوہ کے مذہبی قبرستان کے احوال میں کیسی مماثلت و مشابہت ہے، ملکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ اسی کی تصویر ہے۔

شورش زہد ہا ہے میں کہاں آ لکھا

ہر طرف کمر و ریا ہے میں کہاں آ لکھا

نہ محبت میں حلاوت نہ عادت میں خلوص
 نہ تو علمت نہ نیا ہے میں کہاں آ لکھا
 چشم خود میں میں نہاں حرص زرد گوہر کی
 کذب کے لب پر دعا ہے میں کہاں آ لکھا
 راتی لٹھ پر لٹھ ہے روای سوئے دروغ
 صدق پابند جنا ہے میں کہاں آ لکھا
 دن دھاڑے ہی دکانوں پر خدا بکا ہے
 نہ چاپ اور جایا ہے میں کہاں آ لکھا
 یاں لا جاتا ہے بالآخر حقیقت کا خراج
 کیسی بے درد فضا ہے میں کہاں آ لکھا
 خندہ زن ہے سفلکی اس کی ہر آک سلوٹ میں
 یہ جو سربز تباہ ہے میں کہاں آ لکھا
 طوازی کے پھریوں کی ہواوں کے لئے
 جانے کیا ریخت رہا ہے میں کہاں آ لکھا
 عجز سے سکھتی سنتی ہوئی باچھوں پر نہ جا
 ان کے سینوں میں دعا ہے میں کہاں آ لکھا
 یہ ہے مجید مریزوں کی ارادت کا خمار
 یہ جو آنکھوں میں جلا میں کہاں آ لکھا
 قلب مومن پر سیاہی کی تمیں اتنی دیگر
 ناخنہ کم گما ہے میں کہاں آ لکھا
 انفرض یہ وہ تمثاشا ہے چہاں خوف خدا
 چوکڑی بھول گما ہے میں کہاں آ لکھا

مولوی عبدالستار نیازی اور دیوان شکھ مفتون

مولانا عبدالستار صاحب نیازی کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، بلکہ خود تعارف ان کا تھا جسے
 نہیں دیتی علوم کے علاوہ سیاسی ثیہب و فراز پر جس طرح وہ نظر رکھتے ہیں اور جس جرأت اور بے باکی سے
 باطل کو لکھاتے ہیں، یہ انہی کا حصہ ہے۔ مولانا موصوف نے مولف اور امیر الدین صاحب سینٹ بلڈگ
 تھارنگن روڈ لاہور کے سامنے بیان کیا کہ

”ایوب حکومت میں جب دیوان سنگھ مفتون پاکستان آئے تو مجھے ملنے کے لیے بھی تشریف لائے۔ دورانِ گفتگو انہوں نے بڑی حمایت سے کہا: میں عرصہ دراز کے بعد ربوہ میں مرزا محمود سے طاہوں، خیال تھا کہ وہ کام کی بات کریں گے مگر میں ہتنا عرصہ وہاں بیٹھا رہا، وہ بھی کہتے رہے کہ فلاں لاکی سے تعلقات استوار کیے تو اتنا مزہ آیا، فلاں سے کیے تو اتنا!“

مرزا محمود احمد کی ایک بیوی کا خط

دیوان سنگھ مفتون کے نام

حکیم عبدالواہب عمر بیان کرتے ہیں کہ مرزا محمود خلیفہ ربوہ کی ایک بیوی نے ایک مرتبہ آئندہ ریاست ”سردار دیوان سنگھ مفتون کو خط لکھا کہ تم راجوں مہاراجوں کے خلاف لکھتے ہو، ہمیں بھی اس عالم کے تشدد سے نجات دلاو جو ہمیں بدل کاری پر مجبور کرتا ہے۔ آئندہ نہ کورنے ظفر اللہ خاں وغیرہ قادریانوں سے تعلق کی وجہ سے کوئی جرأت مندانہ اقدام تو نہ کیا، البتہ ”ریاست“ میں خلیفہ جی کی مزروں کے ہارہ میں ایک نوٹ تحریر کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ جس شخص پر الٰہ خانہ تک بھی بے راہ روی کے الزامات لگا رہے ہوں، اسے اس حرم کے ہمدردہ سے چھتارہنا ساخت ناقابت اندیشانہ قبول ہے۔ قادریانی ”رائل پارک فیلی“ کے قریبی خلوتوں کا کہتا ہے کہ بیوی مولوی نور الدین جانتشیں اول جماعت قادریان کی صاحبزادی امدادی بیکم قیصل۔

راجہ بشیر احمد رازی کی تحریر باقی داستان

راجہ بشیر احمد رازی حال مشن روڈ بالقابل ناز مینما لاہور، راجہ علی محمد صاحب کے صاحبزادے ہیں، جو ایک عرصہ جماعت ہائے احمدیہ گھروں کے امیر رہے۔ 1945ء میں زندگی وقف کرنے کے بعد ربوہ چلے گئے اور صدر انجمن احمدیہ ربوہ میں نائب آڈیٹر کے ہمدردے پر فائز ہوئے۔ اسی دوران ان کے تعلقات شیخ نور الحلق ”احمدیہ سنڈیکیٹ“ اور ڈاکٹر نذیر احمد ریاض سے ہو گئے جو مرزا محمود احمد کی خلوتوں سے پوری طرح آئتا تھا۔ راجہ صاحب یہیک قادریانی گرانے میں پلے تھے، اس لیے متعدد مرتبہ سننے کے باوجود انہیں اس بات کا یقین نہیں آتا تھا کہ یہ سب کچھ ”قرر خلافت“ میں ہوتا ہے۔ انہوں نے ڈاکٹر نذیر ریاض صاحب سے کہا کہ ”میں تو اس وقت تک تھاری باتوں کو ماننے کے لیے تیار نہیں، جب تک خود اس ساری صورت حال کو دیکھ نہ لوں۔“ ڈاکٹر صاحب نہ کرنے کے بعد ان کو بتایا کہ محاسب کا گھر یا ہمارے لیے شینڈرڈ نام کی حیثیت رکھتا ہے، جب اس پر 9 بجیں تو آ جانا۔ مقررہ وقت پر راجہ صاحب ڈاکٹر نذیر کی معیت میں ”قرر خلافت“ پہنچنے تو خلاف تو قع دروازہ کھلا تھا۔ راجہ صاحب کچھ ملکے کیہ کیا معاملہ ہے، کہیں ڈاکٹر حجج علی نہ کہہ رہا ہو، پھر انہیں یہ بھی خیال آیا کہ کہیں انہیں قتل کروانے یا پڑوانے کا

تو کوئی پروگرام نہیں، مگر انہوں نے حوصلہ نہ چھوڑا اور ڈاکٹر ندیر کے پیچے زینے طے کرتے گئے۔ جب اوپر پہنچے تو ڈاکٹر نے انہیں ایک کمرہ میں جانے کا اشارہ کیا اور خود کسی اوزن کرہ میں چلے گئے۔ رب صاحب نے پرده ہٹا کر دروازے کے اندر قدم رکھا تو عطر کی لپوش نے انہیں مسحور کر دیا اور انہوں نے دیکھا کہ چھوٹی مریم آراستہ ویراست بیٹھی ہے اور انگریزی کے ایک مشہور حصی ہاول "فتی مل" کا مطالعہ کر رہی ہے۔ رب صاحب کہتے ہیں کہ

"یہ مظہر دیکھ کر میرے رو تکٹے کھڑے ہو گئے اور میری سوچ کے دھاروں میں عالم بربپا ہو گیا۔ میں نے چشم تصور سے اپنے والدہ متزم کو دیکھا اور کہا تم اس کام کے لیے چندہ دیتے رہے ہو، پھر مجھے اپنی والدہ متزم کا خیال آیا جو اڑے پیٹ کر بھی چندہ کے طور پر ربوہ بجھوادیا کرتی تھیں، اسی حالت میں آگے بڑھا اور پنک پر بیٹھ گیا۔ وہاں تو دھوت عام تھی، مگر میں سقی لا حاصل میں مصروف تھا اور مجھے ڈاکٹر اقبال کا یہ مصروفہ یاد آ رہا تھا"

یہ نہال اگر مجھے سمجھے میں جب وقت قیام آیا

اصل میں مجھے اس قدر Shock ہوا تھا کہ میں کسی قابل ہی شر رہا تھا، اس لیے میں نے بہانہ کیا کہ میں کھانا کھا کر آیا ہوں۔ مجھے پہلے نہیں تھا کہ مجھے یہ فریضہ سرانجام دینا ہے اور اگر حکم سیری کی حالت میں، میں یہ کام کروں تو مجھے اپنڈیکس کی تکلیف ہو جاتی ہے، اس طرح حصر کاوی میں ناکام والیں لوٹا اور آتے ہوئے مریم نے مجھے کہا: "کل اکیلے ہی آ جانا، یہ ڈاکٹر ندیر یہاں بدنام آؤ ہے، اس کے ساتھ نہ آتا۔" دوسرے دن ڈاکٹر صاحب سے ملاقات ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ تمہاری ہنگامہات کا ہی ازالہ نہ ہوا، مجھہ سا لے آئے تھے۔" دوسرے دن میں ڈنی طور پر تیار ہو کر گیا اور گزر ہشتہ ہنگامہات کا ہی ازالہ نہ ہوا، میرے اعتقادات، نظریات اور خلیفہ تھی اور ان کے خاندان کے بارہ میں میرا مریدانہ حسن علیؑ بھی حقائق کی چیزیں سے گمرا کر پاش پاٹھ ہو گیا اور میں نے والیں آ کر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ملازمت سے مستغفی ہو گیا۔ ازان بعد مجھے رشتہ کے طور پر لذن بن سمجھنے کی پیشکش ہوئی، مگر میں نے سب چیزوں پر لات مار دی۔"

اب آپ "کمالات محدودیہ" ص 55 سے ان کی تحریر کا متعلقہ حصہ لاحظہ فرمائیں:-

"یہ ان دنوں کی بات ہے جب ہم ربوہ کے کچھ کوارٹروں میں، خلیفہ صاحب ربوہ کے کچھ "قصر غلاف" کے سامنے رہائش پذیر تھے۔ قرب مکانی کے سب سیخ نور الدین "احمد یہ سندیکٹ" سے راہ و رسم بڑھی تو انہوں نے خلیفہ صاحب کی زندگی کے ایسے مشاغل کا تذکرہ کیا، جن کی روشنی میں ہمارا وقف کار احتقام نظر آنے لگا۔ اتنے بڑے دوے کے لیے سیخ صاحب کی روایت کافی نہ تھی۔ خدا بھلا

کرے ڈاکٹر نذری احمد ریاض صاحب کا، جن کی ہر کابی میں مجھے خلیفہ صاحب کے ایک ذہلی عشرت کدہ میں چند انکی ساتھیں گزارنے کا موقع پا تھا آیا، جس کے بعد میرے لیے خلیفہ صاحب ربوبہ کی پاک دامنی کی کوئی سی بھی تاویل و تعریف کافی نہ تھی اور اب میں بفضل ایزودی علی وجہ البصیرت خلیفہ صاحب ربوبہ کی بداعمالیوں پر شاہد تھیں ہو گیا ہوں۔ میں صاحب تجربہ ہوں کہ یہ سب بداعمالیاں ایک سوچی سمجھی ہوئی سیم کے تحت قوع پذیر ہوتی ہیں اور ان میں اتفاق اور بھول کا دخل نہیں۔ محاسب کا گھریال (نوٹ: محاسب کے گھریال سے مراد یہ ہے کہ اگر ایک شخص کو رات تو بیج کا وقت، عشرت کدے کے لیے دیا گیا ہے تو اس کی گھری میں بے نک و نجع پچے ہوں، جب تک محاسب کا گھریال وہ بجائے، اس وقت تک وہ شخص اندر نہیں آ سکے) ان تینگیں نجایس کے لیے شینڈرڈ ناٹ (Standard Time) کی جیشیت رکھتا تھا، اب نہ جانے کونسا طریقہ رائج ہے۔ میرے اس بیان کو اگر کوئی صاحب پختچہ کریں تو میں حق موقلاً بعد اب اخنانے کو تیار ہوں۔“
والسلام (بپیر رازی سابق نائب آڈیٹر، صدر انجمن احمد، ربوبہ)

یوسف ناز ”بارگاہ نیاز“ میں

”ایک مرتبہ، جبکہ میاں صاحب چاقو لگنے کی وجہ سے شدید رُثی ہو گئے تھے، اس کے چند دن بعد مجھے ربوبہ جانے کا اتفاق ہوا۔ میں نے دیکھا ففتر پر ایک سیکرٹری کے سامنے مرزا صاحب کے مریدان باصفا کا ایک جم غیرہ ہے۔ ہر شخص کے چھرے پر اخظراب کی جملکیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اپنے بھر کے دیدار کی ایک معمولی سی جھلک ان کے دل ناصبور کو اطمینان پخت دے گی۔
پرانہ بھت سیکرٹری کے حکم کے مطابق کچھ احتیاطی تداہیر اعیان کی گئی تھیں، یعنی ہر شخص کی الگ الگ چار جگہوں پر جامہ حلائی لی جاتی تھی اور اس امر کی تائید کی جاتی تھی کہ ”حضرت اقدس کے قرب بحق کرنہا ہت آہنگی سے السلام علیکم کہا جائے اور پھر یہ کہ اس کے جواب کا منتظر نہ رہا جائے، بلکہ فوراً درسرے دروازے سے کھل کر باہر آ جایا جائے۔ میں خود ملاقات کی غرض سے حاضر ہوا تھا۔ گروں بندشوں نے کچھ آزردہ سا کر دیا اور میں واپس چلا گیا۔ چنانچہ بھردو بیجے بعد از دو پھر دوبارہ حاضر ہوا۔ شیخ نور الحق صاحب، جوان کے ذاتی وفتر کا ایک رکن ہے، اس سے اطلاع کے لیے کہا۔ ”حضرت اقدس“ نے خاکسار کو شرف پاریاں بنھٹا۔ اس وقت کی گنتگو جو ایک مرید (میرے) اور ایک بھر (مرزا صاحب) کے درمیان تھی، ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

میں نے نہایت بے تکلفی سے کام لیتے ہوئے حضور سے دریافت کیا کہ ”آج کل تو آپ سے

ملنا بھی کارے دار ہے۔“

فرمایا: ”وہ کیسے؟“

عرض کیا کہ ”چار چار جگہ جائی علاشی لی جاتی ہے تب جا کر آپ تک رسائی ہوتی ہے۔“

جو اپنے انہوں نے میرے ”عمودی“ کو پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ

”جامعہ علاشی کہاں ہوئی ہے کہ جس مخصوص تھیار سے حصیں کام لیتا ہے وہ تو قام اختیاطی تداریخ کے باوجود اپنے ساتھ اندھر لے آئے ہو۔“ اس حاضر جوابی کا بھلا میرے پاس کیا جواب ہو سکتا تھا۔ میں خاموش ہو گیا مگر ایک بات جو میرے لئے معرب بن گئی، وہ یقینی کہ ستاتویہ تھا کہ چار پانی سے مل نہیں سکتے، حتیٰ کہ سلام کا جواب بھی نہیں دے سکتے تھے مگر وہ میرے سامنے اس طرح کھڑے تھے جیسے اُسیں قطبی کوئی تکلیف نہیں تھی۔

میں میاں صاحب کی خدمت میں الم tatsäch کروں گا کہ اگر وہ اس بات کو جھلانے کی ہمت رکھے ہیں تو صرف موکد بجدا اپ اٹھائیں اور میں بھی اٹھانا ہوں۔“

ایم یوسف ناز، کراچی

حال ۱۷۳۴م لاهور

(یہاں جبارت کی عربی اور کرنے کی سی کی گئی ہے)

قادیانی امت کے نام نہاد ”خالد بن ولید“

قادیانی امت نے اپنے ٹھنپی کی اچھی میں وحدت امت کو ملایا بیٹھ کرنے اور مسلمانوں میں گلری انتشار پیدا کرنے کے لئے اسلامی اصطلاحات کا جس بے حدی استعمال کیا اور ان مقدس ناموں کی جس قدر تو ہیں کی ہے، ایک عالی تو در کنار، ابھی بھلے تسلیم یا قت افراد کو بھی اس سے پوری شکاسائی نہیں۔ مرزا غلام احمد کے لئے نبی اور رسول کا استعمال قوام ہے۔ ان کی ابیہ کے لئے ”ام المؤمنین۔“ جانشیوں کے لئے ”ظیف۔“ ان کے اولین بیرونی کو ”صحابہ“ اور ”رضی اللہ عنہم“ کا خطاب ہی نہیں دیا، بلکہ اُسیں براہ اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہتر سمجھا جاتا ہے۔ ع..... ”صحابہ سے طا جو محمد کو پہلی“ کہنے پا کتنا نہیں کیا جاتا بلکہ ایک قرآنی آیت یا ہمی من بعدی اسمہ احمد کی لا یعنی تاویلات کر کے اسے ہانی جماعت پر چھپاں کیا جاتا ہے اور ایک دوسری آیت کی مظاہر توجیہ کرتے ہوئے موکس قادیانیت کی ”بیت“ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیت ٹائی قرار دے کر اس کے ماننے والوں کو صحابہ سے افضل قرار دیا جاتا ہے۔ انہیاں ملیهم السلام اور مسلمان امت کی تلویں ہر قادیانی اس طرح کر جاتا ہے کہ سب ایمان کی وجہ سے اسے احساں ہی نہیں ہوتا کہ وہ کیا ناپاک حرکت کر رہا ہے۔ حرمت ہے کہ آئین ملکت کے بارہ میں ڈاؤن خالی کرنے پر تو قانون حرکت میں آ جاتا ہے، مگر قرآن مجید، صرفت خاتم النبیین صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور مقدس اسلامی اصطلاحات کے متعلق قادریانی امت کی دیدہ دلیری پر سرکاری مشینزی کے کان پر جوں نہیں ریمعتی۔

اگر پوری تفصیل درج کی جائے تو بجاۓ خود اسی کی ایک کتاب فتنی ہے، اسی بے راہروی میں قادریانی امت کے پوپ دوم نے ملک عبدالرحمن خادم گھراٹی، مولوی اللہ دوچالاندھری اور مولوی جلال الدین شمس کو ”خالد بن ولید“ کا خطاب دیا تھا کیونکہ ان ہر سفر افراد نے سب کمچھ جان بوجھ کر جھوٹ بولنے، افتراض پروازی کرنے اور قادریانیت کی حیات اور خلیفہ کی ”پاکبازی“ ثابت کرنے میں سب وقت ضائع کیں۔ گویہ الگ امر ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو ذاتی طور پر اسی گواہ سامنی کی جانب سے ذلک تین الفاظ کا تھکہ طلا۔ کوئی ”طاہونی چھڑا“ کھلا لیا اور کوئی ”لندن میں رہنے کے باوجود مولوی کا مولوی ہی رہا۔“

ان خطاب یافتہ پاتوں مولویوں میں سے ایک کے متعلق اس کے سے بھائی نے اپنی کتاب ”ربوہ کا ذہنی آمر“ میں لکھا ہے کہ ”وہ فن اغلامیات میں یہ طویل رکھتے تھے“ دوسرے صاحب اپنی گونا گون ”مقاتل“ کی وجہ سے ”رحمت منزل“ گھرات کے اطفال و بہات سے ایسے گھر سے مرام رکھتے تھے کہ امیر مطلع ٹالش کرتے رہتے تھے گردہ اچانک بلڈ پریشر کے دورہ کے باعث غائب ہو کر اسی مقام پر جا پہنچا کرتے تھے۔ تیرہ صاحب کی ”سامی جیلیہ“ بھی کسی سے کم نہیں۔

مرزا غلام احمد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابل کھڑا کر کے قادریانوں کے دل میں بڑے ارمان ملک رہتے تھے کہ ”اخووں“ کو وہ پورے نہ ہو سکے۔ انہوں نے مرزا غلام احمد قادریانی کو صاحب کتاب نبی ہنانے کے لیے اس کے اضفایت اعلام کو مجموعہ الہامات قرار دے کر اس کا نام ”ذکرہ“ رکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کے طرز پر مرزا غلام احمد کے ”لغوںات“ اکٹھے کر کے ”سیرت المهدی“ کے نام سے شائع کیے، جس میں ہربات ”یمان کی مجھ سے فلاں نے“ یعنی حدیث فلاں بن فلاں سے شروع ہوتی ہے اور مرزا غلام احمد کے سالے مرزا احمد اسے اپنے نام نے رسالہ ”درود شریف“ میں بیہ درود درج کیا:

اللهم صلی علی محمد و احمد و علی ال محمد و ال احمد.....الخ

اللهم بارک علی محمد و احمد کما بارکت علی ال محمد و ال احمد.....الخ
قادیانی جھوٹ بولنے میں بڑے ماہر ہیں۔ قوی اسلی کی کارروائی کے دوران جب اس کتاب کی فتویٰ شیخ میاء الاسلام پر لس قادریان کی پرنٹ لائن کے ساتھ مرزا ہاجر کے سامنے قیش کی گئی تو وہ چکرا گیا اور علاجے کرام کی ان کے گھر سے معمولی واقفیت کی بناء پر اُنھیں یہ کہہ کر ٹرخادیا کہ کسی غیر احمدی نے چھاپ دیا ہو گا، حالانکہ یہ تحریر ان کے آنجمانی دادا کے ”سالا صاحب“ کی ہے اور جن لوگوں کو قادریان اور ربوب کے کمروہ ترین آمرانہ نظام سے واقفیت ہے، وہ جانتے ہیں کہ ان کے پر لس میں کسی مسلمان کی کوئی تحریر چھپ جانا ناممکنات میں سے ہے۔ اگر مرزا طاہر احمد اور ان کی امت تو بہ کر کے امت مسلمہ کے سلسلے کے سلسلے

روان میں شامل ہونے کا برلا اعلان کرے تو میں یہ اصل کتاب کسی بھی عدالت میں پیش کرنے کے لیے تیار ہوں۔ قرآن کریم نے مسجد ضرار کے گرانے کی وجہ تفریقاً بین المؤمنین کے الفاظ میں بیان فرمائی ہے، قادریانی نہ صرف تفرقہ کا موجب بن رہے ہیں، بلکہ دین اسلام کے بنیادی ارکان میں التباس پیدا کر رہے ہیں، اس لیے ان کی عبادات گاہوں کی تخلی تبدیل کرنا، ان سے کل کو مٹانا، درحقیقت مسجد ضرار کے گرانے جانے کی مانند تفرقہ اور التباس کی سازش کو ختم کرنا ہے۔

رحمت اللہ ار ولی کا کشته

رحمت اللہ ار ولی گوجرانوالہ کے ایک متفاقلوں قبہ ار پ کے رہنے والے ہیں۔ کافی عرصہ ہوا، ان سے ملاقات نہیں ہوتی۔ اس لیے یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ زندہ ہیں یا قید حیات سے آزاد ہو چکے ہیں۔ بہر حال اگر وہ زندہ ہیں تو خدا انھیں صحت و عافیت دے کہ انہوں نے قادریانی امت مجہول کی طرح مرزا غلام احمد کو امتی اور نبی، ایک پہلو سے امتی اور ایک پہلو سے نبی، غیر تشریعی نبی، لغوی متھوں میں نبی اور خلیل اور بروزی نبی کے گورکھ دھنے میں نہیں الجھایا بلکہ مردمیدان بن کر صاف کہا ہے کہ وہ مرزا غلام احمد کو صاحب شریعت نبی تسلیم کرتے ہیں۔

1974ء میں جب قادریانی امت کو چوہڑوں، چماروں، پارسیوں اور ہندوؤں کی صف میں شامل کر کے دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دیا گیا تو انہوں نے اپنا یہ موقف حکومت کو پیش کیا کہ وہ اس فیصلے کو تسلیم کرتے ہیں کہ وہ غیر مسلم ہیں لیکن وہ مرزا غلام احمد کو تشریعی نبی مانتے ہیں اس کا کام تیار نہیں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ اوائل جوانی میں جب وہ اپنے والفن کے ساتھ قادریان میں تھے تو انھیں قادر خدام الاحمد یہ ہونے کا اعزاز بھی حاصل رہا اور ان ایام میں وہ لوائیے احمدیت کو پکڑ کر قصر خلافت کے ہر حصے میں آزادانہ آتے جاتے تھے۔ انہی ایام میں اپنے اخلاص کے افہار کے لیے ہر سو پھر کو وہ ایک ایسے چڑے کو جو ایگی اذان نہیں دیتا تھا، دن کر کے اور اس کے پیٹ میں ایک کشمیری سیب کو جیب کر کر پاؤ بھر کری اور ایک چھٹا نک گری، بادام اور کشمش میں ہلکی آنچ پر پہکا کر اس کا سوپ حضرت صاحب (مرزا محمود احمد) کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے اور کبھی بکھار اس کے ساتھ نہیں کی کمی میں ترہ تر ہمدوری روٹی بھی نہیں بھجوایا کرتے تھے۔ اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گئے تو میں نے پوچھا کہ اسکی مرغی اور متقوی غذا میں کھانے والا سرکاری سانڈ پھر کوئی اپنی یا بیکانی کھتی ویران کیے بغیر رہ سکے گا؟ تو وہ دھمکے سے مکرا کر کہنے لگے کہ جب مجھے اپنی اس خدمت کے نتائج کا علم ہوا تو اس وقت تک کمی گرا ج پکے تھے اور میرے ہاتھ میں صرف خدام الاحمد یہ کاڈٹ اسی باقی رہ گیا تھا اور میں یہ سوچنے لگ کر اپا تھا کہ جب انسان کے پاس دنیادی وسائل کی فراہوئی ہو، تو عمر لڑکوں اور لڑکوں سے میل جو پھر کے موقع بھی پوری طرح میسر ہوں، انہی عقیدت سے تھوڑا سریع اپنے پھر کے ستحق کوئی بھی سچی بات سننے سے بھی انکاری ہوں تو ایسا ہیجہ اگر بد صحتی نہ کرے

تو پھر شاید اس سے بلا بدمعاش اور کوئی نہ ہوگا اور اسی سے روکنے کے لیے اسلام نے تہمت کے موقع سے بھی بچنے کی تشقین کی ہے۔

میں نے ایک بہت پرانے قادیانی سے، جو مرزا غلام احمد سے لے کر مرزا طاہر احمد حکیم کے جملہ حالات سے واقعہ ہیں اور سال خود گی کی انچائی شیخ پر ہونے کی وجہ سے اپنا نام ظاہر نہیں کرنا چاہتے، اس بارے میں پوچھا تو کہنے لگے مرزا صاحب (مراد مرزا غلام احمد) نے بھی بڑھاپے میں

”ہرچہ باید تو عروے را ہمہ سماں کشم

وال چ مطلوب شاہد عطائے آں کشم

کے تحت ایک لوگوں لڑکی سے شادی رچا کر اسے اللہ رکھی سے نصرت جہاں تکم بادیا تھا لیکن فطرت کی تعریروں نے وہاں بھی اپنا کام دکھایا اور پھر ان کی اولاد نے جو کچھ کیا اور جنی عصیاں میں جس مقام تک بچنی، یہ کام کھنوں کی اولاد ہی کرتی ہے۔ نارمل اولاد یہ کام نہیں کر سکتی کیونکہ کھنوں کے پڑھنے کا دینا اس کا کام ہی نہیں۔

بیچ کی تیاری..... پینگ اور باڈنگ

یہ ان دنوں کی بات ہے جب مرزا ناصر احمد آنجمنی نے قاطرہ جناح میڈیکل کالج کی ایک الکٹریکل باؤنپینے جمال عقد میں لے لیا تھا، جس پر ان کے صاحبزادے مرزا القبان احمد نے ذورے ذارے ڈالے ہوئے تھے۔ انہی ایام میں قادیانی کھنوں میں یہ بھی سنتے میں آیا کہ مرزا ناصر احمد اور مرزا القبان میں شدید ہشتر غمی عی نہیں بلکہ باقاعدہ معاہدت کا آغاز ہو گیا ہے۔ میں نے ایک پرانے قادیانی خاندان کے کسی قدر مغلب ایک فرد وائی ایم سی اے کا رز (دی مال لاہور) پر چائے کی دکان کے مالک انس احمد سے پوچھا کہ ان خبروں میں کس حد تک صداقت موجود ہے تو انھوں نے بے ساختہ کہا کہ ایسا ہونا تولا زی تھا کیونکہ کرکٹ بیچ کی تیاری تو بیٹھنے کی تھی مگر والد صاحب نے اس پر پینگ اور باڈنگ شروع کر دی اور پھر وہی ہوا جو ایسے معاملات میں ہوا کرتا ہے کہ چھٹی دھوپ اور ڈھلتی چھاؤں میں ایک دوسرا پر سبقت لے جانے کی دوڑ شروع ہو گئی۔ مرزا ناصر احمد نے اپنے از کار رفتہ اعتماء میں جوانی کی امتحانیں بھرنے کے لیے تمام جدید وسائل علاج میسر ہونے کے باوجود کھیتے کا استعمال شروع کیا، جو راس نہ آپ اور اس کا جسم پھول کر کپا بن گیا اور وہ آنکا قاتا اللہ تعالیٰ کی جبرتاک گرفت میں آ کر کھٹے کی آگ میں جعلنے کے بعد ہمار جنم کا ایڈمن بننے کے لیے عدم آباد سدار گیا۔

ہمارے ایک قادیانی دوست نے مرزا ناصر احمد کی اس شہادت پر انھیں شہید فرج کا خطاب دیا ہے اور ان کا اصل خط بھی میرے پاس محفوظ ہے۔ بعد میں ایک مشترک دوست کے ذریعے میں نے انھیں یہ پیغام بھیجا کہ اس خطاب کو تراشنے کے لیے آپ نے بلا وجہ زحمت کی۔ فیروز اللہ افتاب میں اس کے لیے چوتا

شہید کا محاورہ پہلے سے موجود ہے تو انہوں نے پہنچتے ہوئے جواباً کہا کہ نفوی افکار سے یہ بات تو تھیک ہے لیکن یہ خاندان صیہ کے طوفان میں جس طرح غرقاب ہے، اس کے لیے لفت بھی نبی کاں Coin کرنی پڑے گی۔

آلہ واردات

ملک عزیز الرحمن ۸-۱ے عزیز والا کرشن گھر لاہور سیرے قریعی عزیز ہیں اور انہی مخصوص ہنی قلمبر کے باعث وہ انہی تک مرزا افلام احمد کو سچ مودود، مہدی مودود اور محمد وقت حلیم کرتے ہیں اور ہر وقت اس کا پوچار کرتے رہنے کوئی ذریعہ نجات نہیں ہے۔ ان کا کسی قدر حریض تعاون کراویں۔ یہ احمد یہ پاکٹ بک کے صفت ملک عبد الرحمن خادم ایڈیو کیٹ گھرات، جنہوں نے کسی زمانے میں "احمد یہ پاکٹ بک" لکھی، کے سکے بھائی ہیں۔ ان کے ایک دوسرے برادر صروف لیبرلیڈر راحت ملک بھی ان کے سکے بھائی ہیں، جنہوں نے کسی دور میں خلیفربود کے بارے میں "ربوہ کامنی آمر" کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی اور انہوں نے خود خالد احمدیت کا خطاب پانے والے اپنے بھائی کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ وہ فن افلاطیات میں بہ طوری رکھتے تھے۔

ملک عزیز الرحمن قصر خلافت میں پر شذوذ کے مہدوہ پر فائز رہے اور جب انہیں مرزا محمود احمد کے بارے میں پہلے یقین کے ساتھ یہ معلوم ہو گیا کہ وہ ایک بد محاشر اور بد کردار آدمی ہے تو انہوں نے اس سے انکی کھلی یہودگی احتیار کر لی کہ اپنے خالد احمدیت بھائی کا جازہ اس بنا پر نہ پڑھا کہ اسے بھی یعنی علم قاک مرزا محمود احمد بد محاشر ہے مگر اس کے باوجود وہ اسے مصلح مودود ثابت کرنے پڑتا رہا۔ وہ مرزا افلام احمد کو تمدود وقت اور سچ مودود ثابت کرنے کے لیے تو غالباً انہوں نے میں تعلق کرتے رہے ہیں لیکن اسی تو اتر سے مرزا محمود احمد کو بد محاشر اور بد کردار ثابت کرنے کے لیے میں پھر لٹکا کر پھلٹ شائع کر چکے ہیں۔

اس سے ان کی اپنے انکار و نظریات میں چند کامیابی کا اندازہ ہو سکتا ہے اور وہ اس محلے میں اتنے قشید ہیں کہ کہتے ہیں چونکہ مرزا محمود احمد اور ان کی والدہ "نصرت جہاں بیگم" دونوں نبی ایک قبیل سے تعلق رکھتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے دونوں کو مرزا افلام احمد کی یعنی کوئی کے مطابق قادیانی کی "پاک" سرزمین سے ٹکال کر رہو ہی کی لعنتی سرزمن میں لا اون کیا ہے۔

وہ اسی پر اتفاق ہنسیں کرتے، بلکہ "پر مودود" اور "زیدہ مودود" کے رباد و ضبط کے بارے میں بھی انکی ہاتھی باتیں کہہ جاتے ہیں کہ سیرے چیزے بن دے کوئی، جو قادری خلافاء سے لے کر جہاں تک کی ساری کروتوں کے سلسلے میں کسی انتہا کا فکار نہیں، تذبذب کی کیفیت سے دوچار ہو کر یہ سوچنا پڑتا ہے کہ یا انہی یہ ماجرا کیا ہے اور صرف بھی خیال آتا ہے کہ آدمی جب گناہ کی دلدل میں دھستا ہے تو ہر اس حد تک کہوں دھستا چلا جاتا ہے کہ جب تک ارشل السالمین کے مقام پر نہ رکھی جائے، اس وقت تک اسے مجنون نہیں آتا۔

ملک عزیز الرحمن صاحب گفر کے بھیدی تھے۔ اس لیے تین کے مقام پر بہنہا ان کے لیے کوئی زیادہ مشکل نہ تھا۔ لیکن جب وہ اپنی تحقیق عارفانہ سے مرزا محمود احمد اور اس شوق فروزان کے متعلق ٹھوں معلومات ملنے اور مشاہدات سے اسے ہرید پختہ کرنے تک پہنچ گئے تو ہیرت کی زنجیروں کو ایک جگہ سے توڑنے کے لیے انہوں نے اپنی الہیہ محترمہ عظمت بیکم کو استزادے کر قصر خلافت بھجوادیا اور کہا اگر حضرت صاحب دست درازی کی کوشش کریں تو پھر انھیں آله واردات سے عی محروم کر دینا لیکن خلیفہ صاحب بھی گرگ باراں دیدہ تھے اور انہوں نے اپنی مصحتوں کو چھپانے کا بڑا فرعونی نظام وضع کر رکھا تھا۔ تلاشی لی گئی اور عظمت بیکم سے استزادہ آمد ہو گیا اور ملک صاحب کو ان کے پورے خاندان سیستہ روہہ بدر کر دیا گیا۔

صالح نور نے مجھے بتایا کہ میں نے ازراہ مخاک ملک صاحب سے پوچھا کہ آپ اس کے موالید خداویں تھوں لا تا تھوں کو کیوں کٹوانا چاہتے تھے تو انہوں نے کہا کہ یہ ایک عملی ہوت ہی ہوتا اور ویسے بھی ایک نادر چیز ہونے کے اعتبار سے اس کی قیمت کر دیوں سے کم نہ ہوتی اور میں تو اسے سر کے کی بوالی میں ڈال کر رکتا۔

تکبیر اور ذمیح

میں نے مبلدہ والے زاہد سے پوچھا کہ حکیم عبدالواہاب جونور الدین کے بیٹے ہیں، وہ تو مرزا محمود احمد کی تمام رنگینیوں کو بڑے مزے لے کر بیان کرتے رہتے ہیں لیکن ان کے بھائی عبدالمنان عمر بڑی پیار خاصو می خصیار کیے رکھتے ہیں۔ کیا انھیں علم نہیں کہ مرزا محمود احمد ایک بد کردار آدمی تھے تو وہ کہنے لگے کہ میں اب بڑھاپے کی اس منزل میں ہوں، جہاں اس حرم کی باتوں کے کرنے سے انسان طبعاً چاہب کرتا ہے لیکن چونکہ یہ ایک صداقت کا انعام ہے، اس لیے میں برلا اس امر کا اقرار کرتا ہوں کہ میاں عبدالمنان عمر کو مرزا محمود احمد کی تمام وارداتوں کا پوری طرح علم ہے اور ان کا ذمپھی کے تحت اس بارے میں زبان نہ کھوننا محسن منافت ہے ورسہ میں اپنی نو عمری میں جب خود شعلہ جوالہ ہوتا تھا تو مجھے علم ہے کہ قصر خلافت کے ایک دروازے پر میاں عبدالمنان عمر کھڑے ہوتے تھے اور درسرے پر میں اور ہمیں اس بات کا یقینی علم ہوتا تھا کہ اندر کیا ہو رہا ہے اور انہی ایام میں وہ عیاش بھر کی مجھ پر تکبیر پھیر دیتا تھا اور کبھی میاں منان کا ذمیح کر دیتا تھا۔

اک تے تھاؤ یاں نمازاں نے.....

”قنز انکار حرم نبوت“ کے مولف مرزا احمد حسین اگرچہ خاندان نبوت کا ذرہ کے درون حرم ہونے والے واقعات سے صرف آگاہ ہی نہیں تھے بلکہ مشاہدے کی سرحدوں سے نکل کر تجربے کی کھالی سے نکلنے کی دلیل پر آپنے تھے لیکن اس مرحلے پر اپنی بزدلی یا نہاد پارسائی کی بنا پر ناکاہی سے دوچار ہونے کے بعد انھیں مرزا محمود احمد اور ان کے چھٹے ہوئے بد معاشوں کے ہاتھوں جس ہٹتی تشدید اور اذیت کا شکار ہوتا پڑا اور جس طرح ان کے جسم کے ناسرو والے حصے پر پٹی لگانے سے ڈاکٹر کو حکما منع کر دیا گیا، اس کا ان پر اتنا

گہرا اثر رہا کہ وہ اپنے دم واپسی تک مرزا محمود احمد کی خلوتوں کے بارے میں اشارتاً اور کتابیت ہی منتقل کرتے رہے اور مذکورہ بالا کتاب میں بھی جو باتیں اس حکومت میں انھوں نے درج کی ہیں، ان میں سریت اور اخفا کا پہلو غالب ہے۔

ایک روایت انھوں نے مصلح الدین کے حوالے سے متعدد مرتبہ صحیر لغت حوم دی مال لاہور میں بیان کی، جسے سننے والے بیسوں افراد خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے زندہ سلامت موجود ہیں لیکن چونکہ وہ حسب معمول اسرار کے پردوں میں پڑی ہوئی تھی، اس لیے یہ یونہی طفوف اور راز سربست رہی۔ اس کا اصلی نقاب صلاح الدین ناصر بیگانی مرحوم نے سرکایا اور پھر چودھری صحیر عزیز محدث ساہب سیخ ملتان آنکل مژہ حال شالیمار ناؤن لاہور نے رہی کہی کسر بھی نکال دی۔ میں نے کہا کہ چودھری صاحب آپ تو علم و حقیقت کی دنیا کے آدمی نہیں آپ کو قادیانی میں مرزا محمود احمد کی بد کرواری کا کیسے علم ہو گیا تو کہنے لگے انھوں کہ بھرپور جوانی کی لہر میں میں بھی اس سیلاں میں بہہ گیا تھا۔ تو میں نے کہا کہ پھر آپ اس سے لکھ لیں کہ؟ آپ کو تھر طرح کا خام مال میر تھا۔ کہنے لگے کہ ”حضرت صاحب“ جس مقام تک پڑے جاتے تھے، وہاں تو عزازیل کے پر بھی جلنے لگتے تھے۔ میں نے کہا آپ کو علم ہے کہ اس سے قادیانیوں کی تسلی ہوتی ہے نہ عام لوگوں کی، اس لیے ذرا حکل کر بات سمجھئے۔ کہنے لگے تم سبھے بیٹھوں کے پر ابر ہو۔ تم سے کیا بات کروں لیکن تمہارے اصرار پر حلفا کہتا ہوں کہ ایک مرتبہ مرزا محمود احمد نے مغل رنگ دشیاب سجائی ہوئی تھی کہ موزون نے آ کر روایتی انداز میں آواز لگائی ”حضور نماز کے لیے“ یعنی نماز کا وقت ہو گیا ہے تو حضور نے جو پڑے موزہ میں تھے، کہا:

اک تے تھا زیاں نماز اس نے یہہ ماریاے

یہ جملہ کرہ خاص میں بیٹھے ہوئے تمام رندان پادہ خوار نے نا اور حکلکھلا کر فس پڑے اور پھر موزون کو کہہ دیا گیا کہ نماز ”پڑھادی جائے“ حضور مصروف ہیں۔ چودھری صاحب کہتے ہیں کہ بھی وہ لمحہ تھا کہ میں نے اس کشم کدہ کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا اور اسکی توبہ کی کہ پھر قادیانی وربوہ کا رخ تک نہ کیا اور اگرچہ بھری محاشی اور معاشرتی زندگی پر اس کے بڑے جاہ کن اثرات مرتب ہوئے ہیں مگر زہر ہلال کو قند کہنے پر تیار نہیں ہوں۔

اس سے اس خانوادہ کو نعوذ باللہ نبوت، رسالت، امامت اور الہ بیت کے مقام تک پہنچانے والے خود سوچ لیں کہ کیا انگور کو کبھی حلظل کا پھل لگ سکتا ہے اور اگر نہیں تو پھر مرزا غلام احمد کیسے ”نی“ ہیں کہ جس اولاد کو وہ ذریت بشرہ قرار دیتے رہے اور ان کے قصیدے لکھتے ہوئے یہاں تک کہتے رہے کہ

یہ پانچوں جو کہ نسل سیدہ ہیں
یہی ہیں پنچت جن پر نہ ہے

وہ اپنی بدکرواری اور اپنی اندر و فی مغلوں میں اسلامی شعائر کا مذاق اڑانے میں اس مقام تک
چل گئی کہ اس کا تصور بھی کسی مسلمان کے حاشیہ خیال میں نہیں آ سکا۔

لارڈ ملہی اور ظفر اللہ خاں

لاہور کے سیاسی و سماجی حلتوں کے لیے چودھری نصیر احمد ملہی المعروف لارڈ ملہی کا نام اجنبی
نہیں۔ وہ ون یونٹ کے دوران مغربی پاکستان کے وزیر تعلیم رہے اور پھر انہوں نے چنگاب کلب میں اپنا
ایسا مستقل ڈیرہ بنایا کہ یہ ان کی دوسرا رہائش گاہ بن کر رہ گئی۔ ان کا تصور ابی عرصہ ہوا، انتقال ہوا ہے۔ ان
کے بیٹے چودھری افضل احمد ملہی ایڈو وکیٹ لاہور ہار کے رکن ہیں۔ لارڈ ملہی مرحوم نے ترقی پندتی سے
لے کر بقول ممتاز کالم نگار رفیق ڈوگر آخري عمر میں مذہب کی طرف مراجعت کا بڑا طویل سر کیا تین انھیں
قریب سے جانتے والے جانتے ہیں کہ وہ جھوٹ نہیں بولتے تھے اور کسی واقعہ کے بیان میں ان کی ذات بھی
ہدف بن جاتی تھی تو وہ اسے پچانے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔

ایک مرتبہ کلاسک پر کھڑے کھڑے بات جمل لکھی تو میں نے ان سے چودھری ظفر اللہ خاں کے
کروار کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگے طالب علمی کے دور میں میں نے شاہنواز موثر ز اور شیزان
والے) سے اس بارے میں پوچھا تو چونکہ وہ میرے بہت قریبی دوست اور عزیز تھے، اس لیے بے ساختہ
کہنے لگے یا روہ تجب آتا ہے، جان ہی نہیں چھوڑتا اور اس نے مجھے اپنی بیوی کے طور پر کھا ہوا ہے۔ لارڈ
ملہی نے مزید بتایا کہ ”انہی ایام میں ظفر اللہ خاں نے مجھے بھی پچانے کی کوشش کی تھی یہیں میں اس کے قابو
میں نہیں آیا۔“

یہ ہے جزیل آسمبلی میں قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے۔ قائد اعظم کا اپنے نام نہاد مقام دو
نظریات کی خاطر جازہ نہ پڑھنے والے اور اپنے آپ کو ایک کافر حکومت کا مسلمان وزیر یا ایک مسلمان
حکومت کا کافر وزیر قرار دینے والے کامل کروار اور یہ صرف ظفر اللہ خاں علی سے خصوص نہیں ہر بدا
 قادریانی دہرے کروار کا مالک ہوتا ہے۔

امرو و کھانے کا مصلح موعودی طریقہ

اگریزی اور اردو وزبان کو یکساں قدرت کے ساتھ لکھنے کے ساتھ ساتھ فلسفہ سیاست کے علاوہ
فلم، موسیقی اور آرٹ پر گہری نگاہ رکھنے والے محدودے چند ناہی صحافیوں میں احمد بشیر کی شخصیت اپنی ایک
چمک رکھتی ہے۔ وہ اپنے صاف سترے کروار، اکٹھنے اور ہر حالت میں حق کہہ کر اپنے دشمنوں میں اضافہ
کرتے رہنے کی عادت کے باصف حق گوئی و بے باکی میں ایک ایسا مقام رکھتے ہیں کہ اس عہد میں اس کی
مشالیں اگر نادر الوجود نہیں تو خال ہو کر ضرور رہ گئی ہیں۔ ان سے ایک مرتبہ قادریانی امت کے مصلح موعود

کے عباب و غرباب کی ذیل میں آنے والے احوال و عروف کا تذکرہ ہو رہا تھا تو انہوں نے مرزا محمود احمد کے عشرت کدہ خلافت سے آگاہی رکھنے والے اپنے ایک قادیانی دوست کے حوالے سے تایا کہ مرزا محمود احمد کو ملکوں بھی ذوق کی عادت بھی تھی اور ایک مرتبہ بقول اس قادیانی دوست کے اس عمل سے بھی گزر رہے تھے اور ساتھ امر و بھی کھاتے جا رہے تھے۔

احمد بشیر صاحب خدا کے فضل و کرم سے زندہ موجود ہیں اور اس روایت کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ میں اس پر صرف یہ اضافہ کرنا چاہوں گا کہ تمہب کا لبادہ اٹڑھ کر اس نوع کے افعال سے دل بہلانے والے اور روحانیت کے پردے میں روانیت کا کھیل کھینے والوں کی تو اس خطے میں کوئی کمی نہیں تھیں بلکہ امر و بھانے کا یہ مصلحہ موعودی طریقہ ایسا ہے کہ شاید ہی نہیں، یقیناً پوری دنیا میں اس کی نظری نہیں مل سکے گی۔ ایسے شخص کو آپ منقول کہنے کے یا منقول مطلق اس کا فعلہ آپ خود کر لیں۔

مظہر ملتانی مرحوم کی ایک حیران کرن روایت

مظہر ملتانی مرحوم نے جن کے والد فخر الدین ملتانی کو قادیان میں مرزا محمود احمد کی ناگفتدہ حرکات کو مختار عام پر لانے کے لیے پوسٹر لگانے کی پاداش میں قتل کر دیا گیا تھا، مجھے تایا کہ ایک مرتبہ ان کے والد مختار اپنے ایک دوست سے گفتگو کرتے ہوئے اُسی مرزا غلام احمد کے دادا نواب محمد علی آف مالیر کوٹلہ کے بارے میں یہ بتا رہے تھے کہ انھیں ادا خرمن میں کوئی ایسا عارض لاحق ہو گیا تھا کہ وہ اپنی کوئی کی سیر ہیاں ہاتھ لا لکھ کیوں کو اہرام میدے سے بکڑا کر چڑھتے تھے لیکن اپنے خاندان کی خواتین کو خخت ترین پر دے میں رکھتے تھے اور انھیں پاکیوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ قتل کرتے تھے۔ یاد رہے کہ جب مرزا غلام احمد نے ان سے اپنی لوگوں میں مبارکہ نیکم بیانی تو ان کی عمر ستاون سال تھی اور حق ہبھی ستاون ہزار ہی سال کا گیا تھا اور نواب مالیر کوٹلہ کو اپنے تفضلی عقاوہ کو بھی برقرار رکھنے کی اجازت دے دی گئی تھی۔

قاضی اکمل اور مرزا بشیر احمد

قاضی اکمل بودی معروف شخصیت تھے۔ اب تو عرصہ ہوا حاویہ میں پہنچ چکے ہیں۔ جس زمانے میں رقم المعرفہ ربوہ میں بسلسلہ تعلیم مقیم تھا۔ چند مرتبہ ان کے پاس بھی جانا ہوا۔ وہ صدر انجمن احمدیہ کے کوارٹر میں رہتے تھے۔ بوائیز کے مریض تھے۔ اس لیے لیٹھی ہی رہتے تھے اور ان کے پہلو میں ریڈیو مسلسل اپنی دھیں سمجھتارہ تھا۔ یہ خبیث الطرفین شخصیت ہی وہ ہے، جس نے مرزا غلام احمد کے عہد میں خود ان کے سامنے اپنی یہ نظم پیش کی تھی، جس کے یہ اشعار زبانِ زد عالم ہیں۔

محر مگر اتر آئے ہیں ہم میں
اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شان میں

حمد و کیفیت ہوں جس نے اکل
غلام احمد کو دیکھے گاریان میں

ان کو مٹنے کے لیے گئے تو ناصر الحمد نے ساتھ تھے۔ اگر ان کا حافظ جواب نہ دے گیا تو یا
لازمت کی بحث دریاں زیادہ نہ بڑھ گئی ہوں تو وہ تقدیم کر سکتے ہیں کہ اپنی اکل نے تفہیم کے طور پر یہ
واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ ہم چند دوست مرزا بشیر احمد کے بیچے گاریان سے باہر برپا ہائے کے دوران نماز پڑھ
رہے تھے۔ مرزا بشیر احمد نے امامت کروائی اور اپنی دو نماز میں یہ تھے تو میں نے کہا ”اوے خوکھا سالی“
یہ ہے گاریانی نماز.....

جب میں لاہور آیا تو مظہر ملتانی نے اپنی اکل کے اپنے ہاتھوں کا لکھا ہوا ایک شر صحیحے دکھایا
جو ایک طویل قلم کا حصہ تھا۔ وہ شر صحیحے اب بھی یاد ہے جو یہ ہے۔

بدن اپنا بھر آگے۔ اس کے ڈالا
توکلت علی اللہ تعالیٰ

اس گاریانی کی خوبیت کا اندازہ لگائیں کہ وہ اسلامی شعائر کی توجیہ کرنے میں کس قدر بے
باک تھا۔ ایک دوسرا شر بھی اپنی اکل کے اپنے ہندو راستگی میں مظہر ملتانی مرحوم نے مجھے دکھایا تھا لیکن وہ
اس قدر خشن تھا کہ اس کا صرف ایک ہی صریح پڑھا جا سکتا تھا۔ جو یہ ہے۔

ذریعی مارو جیب سیرے کہ ہو چکا ہے دخول سارا

اب اگر گاریانی امامت کے نام نہاد ”صحابیوں“ کی یہ حالت ہے تو بھر ان کے ”نی صاحب“
”خلفاً“ اور دوسرے ”اہل بیت“ کی کیا حالت ہو گئی، اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔

مرزا ناصر احمد نے اپنے ہی پوتے کے اخوا کا منصوبہ بنا لیا

ربوہ میں چار سدھ کی ایک ممتاز دیر بیٹا احمدی قیلی رہائش پذیر تھی۔ مرزا ناصر احمد کو پڑھنے کیا
سمجھی کہ اس نے اپنے بیٹے مرتضیٰ القمان احمد کا نائاخ اس خاندان کے سربراہ کو باصرار رہنی کر کے ان کی
صاحبزادی سے کر دیا۔ یہ لڑکی ایک انتہائی شریف اور وضوح دار خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ ”قرآن خلافت“ میں
آگئی تو اس نے اپنے خاوند، اس کے والد مرزا ناصر احمد اور دیگر افراد خانہ کی اہل ”رسانیت“ اور
”احمیت“ کا حصہ تھیں اسکے لیے ایک بہی بھی بیہاں رہنا ناممکن ہو گیا۔ تاچار اس شریف زادی
نے ساری داستان اپنے گھر والوں کو تسلی اور مرزا القمان احمد سے طلاق لے لی۔

اس عرصہ میں ان کے ہاں ایک بیٹا تولد ہو چکا تھا۔ مرزا القمان احمد نے مرزا ناصر احمد کی شرپ
اس بیٹے کو اخوا کر کے اسے فوری طور پر لندن سفر کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس کے لیے یہ نہ صرف
پاسپورٹ تیار کر دیا گیا بلکہ دینہ بھی ماحصل کر دیا گیا۔ لیکن ”خاندان نبوت“ سے یہ قرآنی تعلق رکھنے والے

ایک معروف و متمول شخص نے نہایت خاموشی سے یہ اطلاع درانی صاحب کو پہنچا دی اور وہ اپنے بھوپال کو بڑی مشکل سے ربوہ ہے نکلنے میں کامیاب ہوئے اب یہ لذکار رضوان پشاور کے ایک کالج میں زیر تعلیم ہے مگر "خادمان نبوت" کے غذے دہاں سے بھی اسے انداز کرنے کے پھر میں رہتے ہیں مگر مقامی مسلمان طالب علموں، اساتذہ اور پہلی کی خصوصی مگہداثت کے سبب وہ ابھی تک اس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ اس کی ایک وجہ رضوان کے عزیز واقر اپنی طرح چوکس رہتا ہے۔ اگر وہ کہیں ربوہ میں ہی رہائش پذیر ہوتے تو پہنچنے قادر ہیں غذے ان کا کیا حشر کرتے اور اس بھتی میں کوئی ایک شخص بھی کچی گواہی دینے کے لیے تیار نہ ہتا۔

جب تک حکومت ربوہ کی رہائش زمین کی (جو کرواؤ لینڈ ایکٹ کے تحت کوڑیوں کے مول می گئی تھی) بغیر ختم کر کے لوگوں کو مالکان حقوق نہیں دیتی اور وہاں کارخانے لگا کر روزگار کے موقع پیدا نہیں کرتی، ایک ہی اقلیت کے تسلط کے باعث یہاں غذہ گروئی ہوتی رہے گی اور قانون بے بس اور لاچار رہے گا۔

عروسوہ گیست ہاؤس

جزل ضیاء الحق مرحوم کے زمانے میں "خادمان نبوت" کے محتوب امیدوار "خلافت" مرزا رفیع احمد کے ایک اہمی قریبی عزیز پیر صلاح الدین جو ہمروں کرسی میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز رہے ہیں، راولپنڈی میں عروسوہ گیست ہاؤس کے نام سے فاشی کا ایک اڈہ چلاتے ہوئے پکڑے گئے، جس پر ان کا منہ کالا کیا گیا اور اس کی رو سیاہی کی تصویریں تمام قوی اخبارات میں شائع ہوئیں۔ جس کو اس پارے میں کوئی نہ کہا، وہ "نوائے وقت" اور "بجگ" کے فائلوں میں یہ تصویر دیکھ سکتا ہے۔

فیر چندہ کھنے دیاں گے

قادیانی امت نے ماڈرن گداگروں کا روپ دھار کر اپنے مریدوں کی حصیں صاف کرنے کے لیے چندہ عام، چندہ جلسہ سالانہ، چندہ نشر و اشاعت، چندہ وصیت، چندہ تحریک جدید، چندہ وقف جدید، چندہ خدام الاحمدی، چندہ انصار اللہ، چندہ الخفاف الاحمدی، چندہ بہشتی مقبرہ اور اس طرح کے میبوں دیکر چندے وصول کرنے کے لیے گداگری کے اتنے سکولوں بنائے ہوئے ہیں کہ عام قادیانیوں سے جیسے اور مرنے کا بھی نیکس وصول کر لیا جاتا ہے اور خود تو "خادمان نبوت" کے افراد امجدوں ملک اور ہمروں ملک عیاشانہ زندگی بر کرتے ہیں لیکن اپنے مریدوں کو سادگی اور "احمیت" اور "اسلام" کے فردغ کے لیے سادگی اختیار کرنے کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ اس مسلسل کندیشناں کا یہ عالم ہے کہ عام قادیانی اسے بھی زندگی کا حصہ خیال کرنے لگ پڑتے ہیں۔ ماسٹر محمد عبداللہ فی آئی سکول کے ہیئت ماضر تھے۔ انھیں اس بات کا تلقین اور قطبی علم ہو گیا کہ یہ مدرسہ خلیفہ حی اور ان کے حواریوں کو خام مال سپاٹی کرنے کی نظری ہے تو انھیں یہ باتیں زبان پر لانے کی پاواش میں جماعت سے ہی نہ کالا گیا بلکہ مذہبی جاگیرداریت کا مظاہرہ کرتے ہوئے انھیں شہر بدر بھی کر دیا گیا۔

جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ پھر "احمدیت" پر ہی تین حرف بچنے دیں کیونکہ اس کے رہنماؤں کے احوال و ظروف سے تو آپ کو بخوبی آگاہی ہو چکی ہے تو وہ کہنے لگے "اے گل تے نحیک اے پر فیر چدھ کھتے دیاں گے؟"

لاہوری پارٹی کے سابق امیر مولوی صدر الدین نے جب وہ قادیانی میں فی آئی ہائی سکول کے ہیئت ماضر تھے تو انہوں نے بھی اسی صورت حال کو ملاحظہ کیا تھا۔ ماسٹر عبداللہ اور مولوی صدر الدین نے ایک دوسرے کو ملتا تو درکشنا شاید و یکٹا بھی نہ ہو لیکن ان کے بیانات میں مطابقت قادیانیوں کے لیے قابل غور ہے۔
یادوں کا کارواں چند مزید جھلکیاں

آغا سیف الدین ربی "سلسلہ عالیہ احمدیہ" جو کئی سال تک 87 سی ماڈل ٹاؤن لاہور میں "تبیق فرائض" انجام دیتے رہے ہیں۔ جامعہ احمدیہ میں تعلیم کے دوران ہی اپنے مخصوص ایمانی ذوق کی وجہ سے خاصے محدود تھے اور سیالکوٹ کے نو ایجی قبیے کے ایک دوسرے طالب علم نصیر احمد سے ربط و ضبط کی وجہ سے رسوائی کی سرحدوں تک پہنچنے ہوئے تھے۔ موزا الرذک کوقدرے بھاری سرینوں کی وجہ سے نصیر احمد "ذخیری" کے ہاتم سے پکارا جاتا تھا۔ آغا سیف اللہ نے میرے سامنے بوجہ و واضح طور پر یہ تو تعلیم نہیں کیا کہ ان کے نصیر احمد کے ساتھ تعلقات کی نوجیت کیا تھی لیکن اتنا ضرور بتایا کہ ایک دوسرے مربی صاحب واؤ داود حنفی نے نصیر احمد سے "کرم فرمائی" کی استدعا کی تھی لیکن انہوں نے آغا صاحب کو بتا دیا، جس پر انہوں نے داؤ داود حنفی کو خوب ذات ڈپٹ کی جو بالواسطہ اشارہ تھا کہ قادیانی امت کے قواعد و ضوابط کے مطابق کسی دوسرے کی جو لانگاہ میں اس طرح کا کھلا تجاوز و درست نہیں۔ آخر جائزت لے لینے میں اسکی کون سی قیاحت ہے۔

موصوف نے یہ بھی بتایا کہ وہ اپنے ایک ایم۔ ایم کی دوست سے بھی سلسلہ فیض یا ب ہوتے رہتے ہیں اور انھیں اس بات پر خصوصی حرمت ہے کہ مردوزن اور دو مردوں کے درمیان صنی مراہم میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ سارا پر اس بالکل ایک جیسا ہے۔ پھر پہنچنیں لوگ ایک کو جائز اور دوسرے کو ناجائز کیوں سمجھتے ہیں؟ انہوں نے فن طفل تراشی کی کراہت کو کم کرنے کے لیے یہ بھی بتایا کہ مجید احمد سیالکوٹی مربی سلسلہ نے انھیں دوران تعلیم ہی "سلوک" کی ان منازل سے کچھ آگاہی سمجھتے ہوئے کہا تھا کہ میر داؤ داود احمد آنجمانی سابق پر ٹیکل جامعہ احمدیہ جو "حضرت مصلح موعود مرزا محمود احمد خلیفہ ہائی" کے نہایت قرعی عزیز اور میر محمد اسحاق کے بیٹے تھے، انھیں بھی اس خاندانی علت الشائع سے حصہ وافر طاھا اور موصوف (مجید احمد سیالکوٹی) کو افر جلسہ سالانہ میر داؤ داود احمد کے ساتھ کئی سال تک پر ٹیکل استنشت کے طور پر ڈیوٹی دیتے ہوئے بعض بڑے نادر تجربات ہوئے اور اسی تعلق میں انہوں نے یہ بھی بتایا "ایسے ہی ایک موقع پر رات کے بچھلے پھر جب سب اپنی اپنی ڈیوٹی سے تھک ہار کر ستانے کے لیے لیٹئے تو میر داؤ داود احمد نے میرے شیر حیات کو پکڑ کر اپنی رانوں کے درمیان رکھ لیا اور اسی عالم میں میں نے ان سے یہ وعدہ لیا کہ وہ مجھے اندر ورن

ملک مرتبی بنا کر نہیں رسمیں کے بلکہ کسی بیرونی ملک میں بھجوادیں گے اور پھر انہوں نے اپنایہ وعدہ پورا کر دیا۔ رقم یہ گزارش کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ مجھے خون کلینیک کی اس صرف کے ایک اور ماہر جامد احمدیہ کے پرانے طالب علم صادق سعدیو نے بتایا کہ میر داؤد احمد افسوس تھیں میں بلکہ اکثر پوچھا کرتے تھے کہ تم سلسلہ اخلاقیات کے پر طے کس طریقے سے طے کرتے ہو۔ اس میں مistris یہ کہنا ناممکن ہے کہ کہ کہ ان کمزور لحاظات میں اگر مجید احمد سیا لکوئی میر داؤد احمد سے کچھ اور بھی منازلیت تو شاید وہ اس سے بھی انکار نہ کرے اور یوں قادریانی کام شاہزاد کے کچھ نئے آسن بھی سامنے آ جائے۔

خبر یہ چند جملے تو یعنی طوال اختیار کر گئے۔ تذکرہ ہو رہا تھا آغا سیف اللہ صاحب کا جو آج کل قادریانی امت کے ناقص خصوصی "المفضل" کے پبلشر ہیں۔ انہوں نے رقم المعرف کو خود بتایا کہ ان کی الہیہ جو "خاندان نبوت" سے بدی عقیدت رکھتی ہیں، ایک مرتبہ ظیفہ ہانی کے اس "حرم پاک" سے ملنے لگیں جو بشری مہر آپا کے نام سے معروف ہیں تو جب تکلفات سے بے نیاز ہو کر محلی ڈی گنگو شروع ہوئی تو موصوف نے کسی الگی لٹپٹی کے بغیر کہا کہ ان کا قاتر حرم ہی موجود نہیں ہے۔ یہ حرم کس طرح "میتوانے" مدد پر غائب ہوا تھا، اور عصمت کے اس دیرانے میں کس انداز میں "رویا و کثوف" کی چادر چڑھا کر اس محالے کو شپ کر دیا گیا اور انہی میں مریدوں اور مجبور عقیدت مندوں سے اس پر کچھ بکر "زندہ باز" کے فنرے لگوائے گئے۔ اس اجتہاد کی کسی قدر تفصیل پہلے آمیختی ہے۔ اس لیے مرید طوالت سے اعتتاب کرتے ہوئے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے ورنہ یہ حقائق پرستی و احاتات اتنے زیادہ ہیں کہ اگر انہیں پوری تفصیل سے لکھا جائے تو کنجیک آف و لڈر یا رارڈر ڈز کی ایٹھیشن اسی کے لیے خصوصی ہو کر رہ جائیں۔

خدا گواہ ہے کہ جب میں نے حصول تعلیم کے لیے ہبہ کی سرز من پر قدم رکھا تو میرے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات موجود نہ تھی کہ "نبوت و خلافت" کی جمیونی رہاؤں میں لپٹنے ہوئے رویائے صادق اور کشوف کی دنیا میں "سیر رحمانی" کا دعویٰ کرنے والے لاکھوں افراد سے "دین اسلام" کو اکناف عالم تک پہنچانے کے جھوٹے دوسرے کر کے ان کی معمولی معمولی آمنشوں سے چندے کے نام پر کروٹھوں نہیں، اریوں روپیے وصول کرنے والے اور انہیں تان جویں پر گزارہ کی تشقین کر کے خود ان کے مال پر بھرے اڑانے والے، اندر سے اس قدر غلیظ اس قدر گندے اور اس قدر ناپاک ہوں گے اور اسکی کسی تصوراتی لمبہ کا ذہن میں آ جانا فی الواقع ممکن بھی نہ تھا۔ کیونکہ میرے والد محترم فوج سے قبل از وقت ریاستہ منٹ کے بعد نہ صرف یہ کہ خود قادریانیت کے چنگل میں پھنس پکے تھے، بلکہ انہوں نے میرے دو بڑے بھائیوں کو بھی قادریانیت کی جانی، مالی، اسلامی، حلالی اور قائمی خدمت کے لیے وقف کر رکھا تھا۔

ان حالات میں، میں نے ریوہ کی شورزدہ زمین پر قدم رکھا تو چند عی خون میں میرے تعقیبات ہر کہ وہ میں سے ہو گئے اور ہمارے خاندان کی یہ اتنی بدی احتجان "قریانی" تھی، جسے وہاں "اخلاص" سمجھا جاتا

تحا اور اس کا برتاؤ اعتراف کیا جاتا تھا۔ لیکن جوں میرے روابط کا دائرہ پھیلتا گیا، اسی نسبت سے اس جبریت زدہ ماحول میں ریوہ کے باسیوں کی خصوصی اور دسرے قادریانوں کی عمومی بے چارگی اور بے بی کا احساس میرے دل میں فروں تر ہوتا گیا اور اس پر مستزادہ یہ کہ ”خاندان نبوت“ کے تمام ارکان بالخصوص مرزا محمود احمد کے بارے میں ایسے ناگفته بائشناقات ہونے لگے کہ ذہن ان کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا تھا کہ کہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن جب میں نے پرانے قادریانوں سے اس بارے میں مزید استفسار کیا تو پھر تو مشاہدات اور آپ بھیوں کی ایک ایسی چاری کھل گئی کہ میری کوئی تاویل بھی ان کے سامنے نہ تھہر سکی اور میں اپنے مشاہدات کی جو یہ تعبیر کر لیتا تھا کہ خلیفہ صاحب کے خاندان کے لوگ اور ان کے ارد گرد رہنے والے تو بد کردار ہیں، لیکن خود وہ ایسے نہیں ہو سکتے، وہ خود بخود ہوا ہو کر رہ گئی۔

اس دوران قلب و ذہن، کرب و اذیت کی جس کیفیت سے گزر سکتا ہے، اس سے میں بھی پورے طور پر گزر را۔ اس لیے اگر کسی قادری کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ محض الزام تراشی اور بہتان طرازی صرف ان کا دل دکھانے کے لیے ہے تو وہ یقین جانے کے بعد ایسا ہرگز نہیں۔ یہ سارے دلائل تو میں بھی اپنے آپ کو مطمئن کرنے کے لیے دعا رہا گرل دلائل کب مشاہدے اور تجربے کے سامنے تھہر سکے ہیں کہ یہاں تھہر جاتے۔ پھر سوچتے کی بات یہ بھی ہے کہ یہ الزامات لگانے والے کوئی غیر نہیں بلکہ خود قادری امت کے لیے جان اور مال کی قربانیاں دینے والے اور اپنے خاندانوں اور برادریوں سے اس کے لیے کشت کر رہے جانے والے لوگ ہیں۔ کیا وہ گھنی قیاس اور سی سنائی باتوں پر اتنا یہ اقدام کرنے پر عقلاء تیار ہو سکتے ہیں ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔

انسان جس شخصیت سے ارادت و عقیدت کا تعلق رکھتا ہے، اس کے بارے میں اس نوع کے کسی الزام کے بارے میں وہ سوچ بھی نہیں سکتا اور اگر وہ ایسا کرنے پر تسلی جاتا ہے تو پھر سوچنا پڑے گا، کہ اس شخصیت سے ضرر کوئی اسی اب تاریل بات سرزد ہوئی ہے کہ اس سے فدائیت کا تعلق رکھنے والے فرد بھی اس پر اٹھانے پر مجبور ہو گئے ہیں اور پھر یہ اٹھانے والے معمولی لوگ نہیں ہر دور میں خاندان نبوت کے بھین و بیار میں رہنے والے ممتاز افراد ہیں۔ مرزا غلام احمد کے اپنے زمانے میں مرزا محمود احمد پر بدکاری کا الزام لگا، جس کے بارے میں قادریانوں کی لاہوری پارٹی کے پہلے امیر مولوی محمد علی کا بیان ہے کہ یہ الزام تو ثابت تھا کہ تم نے شبہ کا فائدہ دے کر مرزا محمود احمد کو بیری کر دیا۔ پھر محمد زاہد اور مولوی عبدالکریم مبلہ والے اور ان کے اعزہ اور اقرباء نے اپنی بہن سکینہ کے ساتھ ہونے والی زیادتی کے خلاف احتجاج کے لیے باقاعدہ ایک اخبار ”مبلہ“ کے نام سے کلاں اور خلیفہ صاحب کے اشارے پر میر قاسم علی جیسے چھٹ بھیوں نے ان کے خلاف مستریاں مشین سویاں ایسی طعنہ زنی کر کے اصل حقائق کو چھپانے کی کوشش کی اس کے بعد مولوی عبدالرحمٰن مصری، عبدالعزیز مہتدہ، مولوی علی محمد ابییری، حکیم عبدالعزیز، فخر الدین

ملائی، حقیقت پسند پارٹی کے بانی ملک عزیز الرحمن صلاح الدین ناصر بخاری مرحوم اور دور سے بے شمار لوگ وقار فتاویٰ قاتاً مرحوم احمد اور ان کے خاندان پر اسی نوعیت کے الزام لگا کر علیحدہ ہوتے رہے اور بدترین قادیانی سوچل بائیکاٹ کا فکار ہوتے رہے۔

ملازمتوں سے محروم اور جائیدادوں سے عاق کیے جاتے رہے۔ مگر وہ اپنے موقف پر قائم رہے۔ کیا شخص یہ کہہ کر کہ یہ قریب ترین لوگ بھی الزام تراشی کرتے رہے، اصل حقائق پر پرداہ ذالا جاسکتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی ماں پر بدکاری کا الزام لگاتا ہے، درست نہ ہو گا۔ یہ بھی دیکھنا ہو گا کہ اس کی ماں نے گول بازار کے کس چورا ہے میں بدکاری کی ہے کہ خود اس کے بیٹے کو بھی اس کے خلاف زبان کھولنا پڑی ہے۔ جس رفتار سے ان واقعات سے پرداہ انٹھ رہا تھا، اسی سرعت سے میرے اعتقادات کی عمارت بھی متزلزل ہو رہی تھی اور میری زبان ایک طبعی روشن کے طور پر ربوہ کے اس دجالی نظام کی قلمی کھولنے لگ پڑی تھی اور اس خباثت کو نجابت کہنے کے لیے تیار نہ تھی۔ مرحوم احمد بارہ سال کے بدترین فائح کے بعد جہنم واصل ہوا تو ربوہ کے قصر خلافت میں جس دو جانب بھلنے والے کمرے میں اس کی لاش رکھی ہوئی تھی، میں بھی وہاں موجود تھا اور میرے دو ساتھی فضل اللہ اور ظیل احمد، جواب مریلی ہیں، بھی میرے ساتھ ہا کیاں لیے وہاں پہنچ دے رہے تھے۔ میں نے مرحوم احمد کو اپنائی مکروہ حالت میں پانگوں کی طرح سرمارتے اور کری پر ایک جگہ سے دوسرا جگہ اسے لے جاتے ہوئے کمی مرتبہ دیکھا تھا۔ ربوہ کی محاذی نبوت پر پہنچے والے اس حالت میں بھی اس کی "زيارة" کے نام پر لوگوں سے پیسے بُرترے رہے تھے اور کہتے تھے کہ بُس گزرتے جائیں، بات نہ کریں۔ حسب توفیق نذر انہی دیتے جائیں۔ اس دور میں اس کے جسم کی المک غیر حالت تھی کہ یہوی سپچ بھی انھیں چھوڑ چکے تھے اور سوپنگر لینڈ سے منکوائی گئی نریں بھی دوسری بُخت کے بعد بھاگ کھڑی ہوئی تھیں۔ لیکن اب تو وہاں تراشی ہوئی واڑی والہ اور اٹھن و زیبائش کے تمام لوازمات سے بُری طرح تھوپا گیا ایک لاشہ پڑا تھا۔

میں نے مذکورہ بالا دونوں نوجوانوں کو کہا کہ یارکل تک تو اس چہرے پر بارہ بجے ہوئے تھے مگر آج اس پر بڑی محنت کی گئی ہے تو ان میں سے موخر الذکر کہنے لگا "توں ساڑا ایمان خراب کر کے جھڈیں گا۔" یہ دونوں اپنی "نیخت ایمانی" کی بنا پر ابھی تک قادریانیت کا وفا قع کر رہے ہیں لیکن میں نے اس ایمان کو ہتنی طور پر اسی وقت چنان کی لمبڑی کے پس پرد کر دیا تھا۔

مرزا ناصر احمد کو ایک مخصوص پلانگ کے تحت خلافت کے منصب پر بٹھایا گیا تو اس نے دوسرے امیدوار مرزا فیض احمد پر عرصہ حیات تک کر دیا۔ اس سے ملنے جلنے والوں اور تعلق رکھنے والوں کو ملازمتوں سے محروم کرنے اور ربوہ بدر کرنے کے احکامات جاری ہونے لگے اور یہ سلسہ اس حد تک بڑھا کہ گدھی ششی کی اس جنگ میں ہزاروں افراد اور ان کے خاندان خواہ خواہ نشانہ بن گئے۔ سوچل بائیکاٹ کا فکار ہوئے، یہ

لوگ اپنی براوریوں سے مرزا غلام احمد کو نبی مان کر اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے جائزوں اور شادیوں تک میں شرکت کو حرام قرار دے کر ان سے پہلے ہی علیحدہ ہو چکے تھے۔ اس لیے ان کے لیے نہ جائے ماندن، نہ پائے رفتون والی کیفیت پیدا ہو گئی۔ ربودہ میں رہائشی زمین کسی کی ملکیت نہیں ہوتی اور صدر انجمن احمد یہ جو مرزا غلام احمد کے خامداناں کی گھر بلونیز اور ذاتی حضیر ہے، وہ کسی بھی وقت ”بانیوں“ کو رہائش سے محروم کر دیتی ہے اور ان کی بڑی تعداد پر اس خوف سے کہ وہ اس مہنگائی کے دور میں سر کھاں چھپائیں گے، دوبارہ ”خلیفہ خدا ہاتا ہے“ کی ڈالنگی پر قص کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس دور میں بھی کچھ ہوا۔

ان دنوں میں اقتدار کی اس نکاح کو بہت قریب سے اور بہت غور سے دیکھ رہا تھا لیکن اس دور میں میر اعقار کے نظریات کے حوالے سے قادریانی امت سے کوئی بنیادی اختلاف نہ تھا اور ایک روایتی قادریانی کی طرح میں اتنا ہی غالی تھا ہتنا کہ ایک قادریانی ہو سکتا ہے۔ فرق صرف یہ تھا کہ میں غالباً اپنی والدہ محترمہ کی تربیت کے زیر اثر قادریانیوں کے اس عمومی طریق استدلال کا سخت مخالف تھا، جس کے تحت وہ مرزا غلام احمد اور اس کی اولاد کا عمومی معمولی باقتوں میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے موازنہ شروع کر دیتے تھے اور میری اس پر بے شمار لڑائیاں ہوئیں۔

قادریانیوں کی اس بارے میں در دیدہ ذلتی کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کا ایک بالآخر مولوی جو آج کل اپنی ای خاتیست کی وجہ سے گھٹنوں کے درد سے لاچا رہے، کہا کرتا تھا کہ خاتم النبیین کی طرز پر اسی ترکیبیں اس کثرت سے زور دار طریقے سے رانج کرو کر اس ترکیب کی (نفعہ بالش) کوئی اہمیت نہ رہے۔

یاد رہے کہ میری والدہ محترمہ میرے والد کے بے حد اصرار کے باوجود قادریانیت کے جال میں نہیں پھنسیں اور میں نے کبھی ایک مرتبہ بھی ان کی زبان سے مرزا غلام احمد یا اس کے کسی نامہ خلیفہ کا نام سکن نہیں سنا۔ وہ کہا کرتی تھیں کہ میں پرانی وقت نماز پڑھتی ہوں، حکم خداوندی ادا کرتی ہوں، تجدب بھی پڑھتی ہوں، اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ و خیرات بھی میرا معمول ہے۔ اگر اس کے باوجود خدا تعالیٰ مجھے نہیں بخدا تو نہ بخشم۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی کو نبی نہیں مان سکتی۔

مرزا ناصر احمد کی گدی شخصی کے سلسلے میں جب ہاریں ٹریگر شروع ہوئی تو میں نے اس پر سخت تحریک کرتے ہوئے احتجاج کیا اور اپنی مغلبوں میں اس پر خوب کھل کر تبرے کیے۔ ایک موقع پر ہمارے ایک حسنگوئی دوست نے مجھ سے پوچھا کہ اگر کسی دوسرے بیڑ کے بیٹے اور پوتے اس کے بعد گدی پر بیٹھ جائیں تو ہم اسے گدی کہتے ہیں لیکن مرزا غلام احمد کے بیٹے اور پوتے یہی کام کر لیں تو یہ خلافت کیوں کہلاتی ہے تو میں نے اسے کہا کہ جس طرح عام آدمی کو آنے والا خواب، خواب ہوتا ہے اور خلیفہ جی کو آنے والا خواب ”رویا“ ہوتا ہے، اسی طرح یہ گدی خلافت ہوتی ہے۔ مرزا ناصر احمد کے جاسوسوں نے فوراً اسے اس بات کی خبر کر دی اور وہ بہت چرا غ پا ہوئے اور ایک اجتماعی ملاقات میں میرے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے اس

نے مجھے دھمکی دی کہ آپ کوئی بات نہیں مانتے۔ آپ کو خیال رکھنا چاہیے۔ میں اسی لمحے سمجھ گیا کہ اب مرزا ناصر احمد کے تکوے جلنے لگے ہیں اور وہ کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے میرے خلاف اقدامات کریں گے۔ اسی دوران ایک اور واقعہ ہوا کہ میں مقیم قعا کر بہت المال کا ایک کلرک جسے ربوہ کی زبان میں اسکے لیے بہت امال کہتے ہیں، میرے پاس تھہرا اور آزادانہ بات چیت کے دوران اس نے مجھے اندر ونی حوال بتاتے ہوئے کہا کہ خاندان والے خود تو کوئی چندہ نہیں دیتے لیکن ہمارے تھیں محاوضوں میں سے بھی چندہ کے نام پر جگہ تیکیں کاٹ لیتے ہیں۔ ان دونوں مرزا ناصر احمد کسی دورے پر افریقہ یا کسی درسے ملک گیا ہوا تھا۔ میں نے کہا اگر تم یہی دل گرفتہ ہو تو دعا کرو کہ اس کا جہاز کریش ہو جائے۔ اس آدمی نے یہ بات توڑ مردوڑ کر یہ کے مقطوع انشل امیر جماعت نصلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی تو اس نے فہرست نہ کے لیے مرزا ناصر احمد کو فوری روپورث دی کہ شفیق تو تمہارا جہاز کریش ہونے کی دعا کرتا ہے۔ مرزا ناصر کو یہ بات سن کر آگ لگ گئی۔ مجھے فوراً دامیں بلا یا گیا۔ سو پہلے تو ربوہ کے ڈی آئی جی عزیز بھائیزی اور اس کے گماشتوں کے ذریعے قادریانی غذنے سے میرے پیچے گائے گئے گھر میں پھر بھی باز نہ آیا تو ربوہ کی تمام عبادت گاہوں میں میرے سو شل بائیکاٹ کا اعلان کر دیا گیا اور پاکستان کی تمام جماعتوں کے افراد کو خطوط کے ذریعے بھی اس کی اطلاع کر دی گئی اور مرزا ناصر احمد نے اس پر ایک پورا خطبہ بھی دے دیا جو آج تک شائع نہیں ہوا۔

میرا مزید ناطقہ بند کرنے کے لیے میرے دو بڑے بھائیوں سے تحریری عہد لیا گیا کہ وہ مجھ سے کوئی تعلق نہ رکھیں گے سو انہوں نے بھی مجھے نقصان پہنچانے میں کوئی کسر اخلاقیہ رکھی اور میرے آبائی گھر پر تسلط جما کر مجھے وہاں سے بھی نکال دیا۔ یہ واقعات صرف مجھ پر ہی نہیں ہیئت اور سیکڑوں نہیں، ہزاروں افراد اس صورت حال سے دوچار ہوئے ہیں گھر کسی حکومت نے، انسانی حقوق کی کسی تنظیم نے اس پر آزاد احتجاج بلند نہیں کی۔ کسی عاصمہ جہاںگیر، آئی اے رحمان نے ان لوگوں کے بغاوی شہری اور انسانی حقوق کی بحاحی اور ان کو پہنچانے جانے والے نقصان کی طلاقی کے لیے آزاد نہیں اٹھائی گھر کسی قادریانی کے پاؤں میں کائنات بھی چھپ جائے تو سورج پا دیا جاتا ہے۔

ایک طرف تو یہ صورت حال تھی تو دوسری طرف بڑے بڑے قادریانی عہدیدار مجھے "حضور" سے معافی مانگ لینے کی تھیں کر رہے تھے لیکن میں قصیب احر کو کسی بھی صورت میں گاہ جو کہنے کے لیے تیار نہ ہوا تو قادریانہوں نے لاہور میں میری رہائش گاہ پر آ کر مجھے قتل کرنے اور سبق سکھادیئے کی دھمکیاں دیں۔ لاہور میں بہترین مکان خرید کر دینے کی بھیکش بھی ہوئی گھر میں اس ترمیب و ترمیب کے بھرے میں نہ آیا۔ قادریانی امت کا رخ اس بات سے مزید بڑھ گیا تھا کہ میرا اختلاف اب اگر یہ کے خود کا شہنشاہ پوڈے کے صرف اعمال علی سے نہیں تھا، نظریات سے بھی تھا اور میں مرزا غلام احمد کی تھلی، بروڈزی، لخنی اور غیر تھریہ بہت پر لعنت بیچج کر مکمل طور پر آنحضرت کے بزر پر جم کے نیچے آچکا تھا۔ مرزا ناصر احمد کی گدی لشکنی کے

عہد میں ان کے عجیف مظہن مشاہل کی کہانیاں اُتی کانج سے لے کر ربوہ کے ہر اس گمراہ پھیلی ہوئی تھیں، چال کسی خوش روکا بیرا تھا اور اس طرح ”خاندان نبوت“ کی دوسری کلیاں بھی اپنے اپنے ذوق کا سامان کرنے کی وجہ سے گناہ کوں کہا نہیں کی زدمی تھیں۔ لیکن مرزا ناصر احمد کے سمجھوں کہ توں کوئی آئی کانج کی رہائش گاہ سے ”قرخلافت“ خلخل کرنا ان کے آزوں کو دینے کا معاملہ خاصے خوش تھک ایک مسئلہ بنا رہا ہوا مولوی نقی نے اس پر بڑا پیچہ تبرہ کرتے ہوئے کہا کہ میخل کوئی ”بازی“ ترک کرنے پر تیار نہیں ہوتے۔

ایک دن مرزا ناصر احمد کے ”ذیعنی جسمانی“ کے کرشوں کا بیان جاری تھا اور جو دھال بلڈنگ میں واقع دادخانہ نور الدین میں حکیم عبدالوهاب بڑے حرے لے کر سنارہے تھے کہ صاحبزادہ صاحب نے کس طرح رحلے کے ایک کانے والے کی لڑکی شریا کو اس کے باپ کی فیر موجودگی میں خود اس کے رحلے کے کارڈ میں جاتا ہوا۔ ابھی یہ حکایت ختم ہی نہ ہوئی تھی کہ الشرک الاسلامیہ والی پرانی بلڈنگ کے مالک حکیم صاحب کو لٹھے کے لیے آگئے اور بالتوں بالتوں میں احمدیت کی مخالفت کرنے والوں کو زملل و خوار ہونے کے واقعات کا ذکر کردہ شروع ہو گیا اور تمام اکابر مسلمان ہاں پاک و ہند کو پیش آنے والے مینہ صحاب کو احمدیت کی مخالفت کی سزا قرار دے کر ”احمدیت“ کی سچائی ثابت کی جانے لگی۔

جب حکیم صاحب کے پرانے شناساں نوادار نے یہ داستان ختم کی تو حکیم صاحب نے بڑی آہنگی سے کہا کہ وہ آپ کی بینی کے ساتھ جو کچھ کیا گیا تھا، اس کے بعد بھی آپ ربوہ میں عی رہ رہے ہیں تو میں جوان رہ گیا کہ ایک طرف تو وہ ”احمدیت“ کے مختص پر جانشیں کو وکھنے والے تھساں اور آلام و صعاب کو اپنے سچے موجود اور مصلح موجود کی ”کرمات“ کے طور پر پیش کر رہا تھا، مگر جوئی اس نے حکیم صاحب کی زبان سے یہ الفاظ نہ تو اس کی آنکھیں بھرا گئیں اور وہ گلوکیر آواز میں کہنے لگا حکیم صاحب انسان زندگی میں مکان ایک باری بھا سکتا ہے اور پھر اب تو پچھے بھی جوان ہو گئے ہیں۔ ان کی شادیوں کا مسئلہ بھی ہے۔ برادری سے پہلے یہ قطع تعلق کر چکے ہیں۔ اب جائیں تو جائیں کہاں؟ دادخانہ نور الدین کے اخخارج اکرم بھی اس محفل میں موجود تھے۔ وہ اس روایت کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ محمد علی بجزی فروش کا السنان قتل بھی ربوہ میں مرزا ناصر احمد کے عہد میں ہوا اور اس کی بھی سب سے بڑی وجہ بھی تھی کہ چونکہ اس کا ”خاندان نبوت“ کے گھروں کے اندر آتا جانا تھا اور وہ راز ہائے درون خانہ کو بیان کرنے میں بھی کسی جاہب سے کام نہیں لیتا تھا۔ اس لیے بری طرح ذرع کر دیا گیا مگر ”نیک اور پاکہاڑ“ لوگوں کی اس بیعت کے کسی ایک فرد نے بھی اس قتل کے راز سے پرداہ اٹھانے کی جرات نہ کی۔

یوں تو قادریاتیت امت کے بزرگمرزا محمود احمد کے زمانے ہی سے یا سات کا کھیل بھی کھیلتے رہے ہیں لیکن 1953ء کی مجاہدات تحریک نے ان کو بڑی حد تک محدود کر کے رکھ دیا اور مرزا محمود احمد نے ان تمام اسلامی اصطلاحات کا استعمال ترک کرنے کا عہد کر لیا، جو امت مسلمہ کے لیے اذیت کا سوجہ بنتی

رسی ہیں لیکن وہ قادریانی عی کیا ہوا جو اپنی بات پر قائم رہ جائے۔ جو نبی حالات بدلتے، مرزا محمود احمد نے بھی گرگٹ کی طرح پیٹر ابدل لیا اور دوبارہ وہی پرانی ذگر اختیار کر لی۔ مرزا محمود احمد اس کے بعد ڈاکٹر ڈولی کی طرح عبرتاك قالج کی گرفت میں آیا تو مرزا احمد نے، جس کے لیے اس کا شاطر والہ جماعت کو اپنے خطوط کی ابتداء میں حوالناصر لکھنے کی تلقین کر کے راہ ہمار کر چکا تھا، اور پھر میسانی طریقے کے مطابق اپنے حواریوں کی ایک منڈلی کے ذریعے اپنے آپ کو "فتخت" کروالیا، کمل کر پر پوزے کلانے شروع کر دیے۔ اس کے بعد مرزا طاہر احمد نے اپنی گیم آف فبزر میں مرزا رفیع احمد کو مات دے کر اور مرزا لقمان احمد کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کر کے گئی تھیں کے لیے انہار استہانیا۔ ذوالختار علی بھنو کو آگے لانے میں قادریانی امت نے قرباً 16 کروڑ روپیہ صرف کیا اور اپنے تمام شخصی اور دوسرے وسائل اس کے لیے استعمال کیے۔ اس عہد میں مرزا طاہر احمد صاف طور پر سیکنڈ ان کمان بن کر سامنے آیا اور جماعت میں یوں تاثر دیا جانے لگا کہ اب احمدیت کا غالبہ ہوا ہی چاہتا ہے اور کوئی اس کو روک نہیں سکتا تھا جب آٹھویں عشرے کے اوائل میں تحریک ثتم نبوت پوری قوت سے دوبارہ ابھری اور ذوالختار علی بھنو نے ہی ان کو غیر مسلم اقلیت قرار دیئے کا عظیم الشان کارناصر اتحام دیا تو قادریانی اپنے عی زخموں کو چاٹ کر رہے گئے۔

پروفیسر سرور مرحوم نے ایک دفعہ بتایا کہ تحریک ثتم نبوت کے لیام میں قادریانیوں نے ایک وفد خان عبدالولی خان سے ملنے کے لیے بھیجا اور جس وقت اس نے خان صاحب سے ملاقات کی، میں بھی وہیں پر موجود تھا۔ جب قادریانیوں نے بھنو کو لانے میں اپنی خدمات کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ وہ ہمارا ساتھ چھوڑ گیا ہے، اس لیے آپ ہمارا ساتھ دیں اور اپنے سیکولر نظریات کے حوالے سے اس تحریک کے ہیں مظہر میں ہمارے حق میں آواز اٹھائیں تو خان عبدالولی خان نے بے ساخت کہا بھی باپا خان کا بیٹا اتنا ہے بے قوف نہیں ہے کہ جس بھنو کو لانے کے لیے تم نے 16 کروڑ روپیہ خرچ کیا ہے، اس مسئلہ میں اس کی مخالفت کر کے خواہ خواہ امت مسلمہ کی مخالفت مولے لے۔

تحریک ثتم نبوت کے دنوں میں آغا شورش مرحوم کے ہفت روزہ "چنان" میں جویں باقاعدگی سے بھی اپنے نام سے اور بھی کسی قسمی نام سے قادریانی امت کے بارے میں لکھا کرنا تھا۔ آغا صاحب کے پاس یوں تو آنے جانے والوں کا عام دنوں میں بھی تانتا بندھارہتا تھا لیکن اس دوران تو وہاں سیاست دانوں، علماء اور دلائش وردوں کی آمد ایک سیلاں کی صورت اختیار کیے ہوئے تھی۔ آغا صاحب ہرقابلی ذکر آدمی کو کہتے تھے کہ بھی یہ کام صرف ذوالختار علی بھنو ہی کر سکتا ہے۔ اس لیے تمام سیاسی اختلافات بالائے طاقہ کر کر اس کام کے لیے اس کی محابیت کریں۔ پھر جوں جوں وقت گزرتا جائے گا، اس فیملے کے اثرات اپنارنگ دکھانا شروع کر دیں گے اور قادریانی اپنے عی زہر میں کمل کمل کر مر جائیں گے۔ یہ چند باتیں تو یونی جملہ مستردہ کے طور پر آئیں۔ بیان "فائدان نبوت" میں ہونے والی جگہ اقتدار کا ہورہا

تھا۔ مرزا طاہر احمد کی جانب سے مرزا ناصر احمد سے رشتہ کو مفبوض کر لینے کے بعد اس کی لابی بہت مفبوض ہو چکی تھی اور مرزا زار فیح احمد کے خلاف چھوٹی اور معمولی ٹھکانیں کر کے اس نے اپنا مقام مرزا ناصر احمد کی نظر وہ میں خوب بنالیا تھا۔ اس لیے جب مرزا ناصر احمد ایک فوج خوشیزہ کو ”ام المؤمنین“ بن کر رہا تھا ملک عدم ہوئے تو مرزا طاہر احمد کی گدی ٹھکانی میں کوئی روک باتی نہ رہی اور اس نے اقتدار کی بآگ ڈور سنبھال کر تمام وہ حصے اختیار کیے، جو اورنگ زیب نے اپنے والد اور بھائیوں کے خلاف استعمال کیے تھے۔ اس باحول میں پڑے والا مرزا طاہر احمد کس قدر نیک اور پاک باز ہوا تھا ہے، اس کا اندازہ صرف اس ایک مثال سے ہو سکتا ہے، کہ ربوہ میں قطیم کے دو روانے ہی مجھے مغربیاں سکندر عالم گزہ مطلع گجرات نے جواب فوج میں ہیں، نے ایک چوکیدار کے حوالے سے بتایا کہ میاں طاہر روزانہ نماز فجر پڑھنے کے بعد ولی اللہ شاہ سابق ناظر امور عامہ کے گمراہاتا ہے اور اس کی لڑکوں کو بننے کے گندوں سے پکڑ کر اخھاتا ہے اور آخری فتحہ پنجابی میں خود چوکیداری کی زبان میں صحیح مضمون ادا کرتا ہے کہ ”اوہ حرام اویاں وی لیریاں ہو کے بیاں رہدیاں نہیں۔“

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ قصہ بنتیں تمام ہوا۔ یہ تو ایک ایسا شہر ہلکات ہے کہ اس کا ہر حصہ ہوتا یا کوئی شرما کر رکھ دینے والا ہے اور بیدی کا یہ جملہ بلاشی اپنے اندر بے پناہ صداقت لیے ہوئے ہے کہ ”بڑے گرانوں کی ٹھکانیں بھی بہت ہی بڑی ہوتی ہیں۔“

قادیانی امت کے رہنماؤں کی بد اعمالیوں کے بارے میں جب میں حق الحجت کے مرتبے پر پہنچ گیا تو میں نے دنیا بھر کے مسلمان و انشوروں کی چیزیں چیزیں کتب کا بغور مطالعہ شروع کیا کہ قادیانیوں کے اعمال کے بعد ان کے اتفاقات و نظریات کی صحت کا بھی جائزہ ہوں تو چند ہی ٹوں میں قادیانی اتفاقات و نظریات کا علمی و عقلی بودا پہنچنے بھی پر روز روشن کی طرح واضح ہو گیا اور خاص طور پر قلمی شاعر علامہ ڈاکٹر اقبال کے نہروں کے نام خطوط اور تکمیل جدید الہیات اسلامیہ کے مطالعے سے میرا العین اس بات پر چنان کی طرح پہنچ ہو گیا کہ ثابت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتنی بخشش کفر ہے اور اس کی علت غالی یہ ہے کہ تمام نماہب کے ماننے والوں کو وحدت خداوندی اور سرکار و عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے ایک نکتے پر اکٹھا کیا جائے اور اس احوال کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور مفاتیح میں واحد ہے۔ اس لیے اس نے ہر شعبہ حیات میں اپنے انداز میں وحدت کا ایک سفر شروع کر رکھا ہے۔

نماہب کی دنیا میں اس نے حضرت آدم علیہ السلام سے اس سفر کا آغاز کیا اور جب تک دنیا سفری و مواصلاتی اختیار سے اس رنگ میں رہی کہ ہر گاؤں، ہر قریہ اور ہر بستی اپنی جگہ ایک الگ دنیا کی حیثیت رکھتی تھی تو ان لوگوں کی طرف قوی اور زمانی نبی تشریف لاتے رہے لیکن جب علم الہی کے مطابق حضرت خاتم الانبیاء کے زمانے میں دنیا کا سفر گولیں وچھ کی جانب شروع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے تمام سابق انبیاء، کرام کی اصولی تعلیم کو قرآن کریم میں جمع کر کے اسے خاتم النبیین ہا یا اور ان کے اوصاف اور خوبیوں

کو نہایت ارف و اعلیٰ شکل میں حضور کی ذات مبارک میں جمع کر کے انہی خاتم النبیین کے منصب پر سرفراز کر دیا۔ اس لیے جس طرح خاتم النکتب قرآن مجید کے بعد کسی دوسری کتاب کا تصور نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح خاتم النبیین کے بعد کسی دوسرے نبی کا تصور نہیں کیا جاسکتا اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ خدا تعالیٰ کے وحدت ادیان، وحدت انسانیت، وحدت کتابت اور وحدت انسن و آفاق کے اس پروگرام کو اتنا نامیت کرنا چاہتا ہے، جو اس نے حضرت آدم سے شروع کیا اور ایسا ہونا نمکن ہے۔

ان چند سطور کی روشنی میں قادیانیوں کو خود سمجھ لینا چاہیے کہ وہ کتنی گمراہ کن، کتنی خوفناک اور کتنی بجا کن منزل کی طرف جا رہے ہیں اور اس میں مرزا غلام احمد اور اس کے نام نہاد نظریات کی حیثیت کیا ہے؟ ان نظریات کو سنتے اور مشتے ہوئے ہم خود دیکھ رہے ہیں۔ ان کا منا اور پرچم ختم نبوت کی سربلندی تقدیر خداوندی ہے اور اسے دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت نہیں روک سکتی۔ قادیانیت تو دیے ہی اب فرمگ کی متزوکر رکھیں بن کر رہ گئی ہے جس کے منہ میں دانت ہے نہ پیٹ میں آنت۔ اس لیے اب بھل فرے بازی اور ترقی کا پروجیکٹ نہیں زندہ نہیں رکھ سکتا۔ عملی طور پر بھی اس نے امت مسلم کے انتشار میں اضافہ کرنے اور مختلف مذاہب کے بانیوں کے خلاف انتہائی غلیظ زبان استعمال کر کے ان کی بآہی مناقف کو تجزی کرنے کا "فریضہ" ہی انجام دیا ہے۔ اس لیے ہر سچھ المظہر آدمی یہ سمجھ رہا ہے کہ جس نام نہاد نبی نے اپنی ۸۶ سے زائد کتب میں بر طابوی حکومت کے خلاف ایک لٹکنگ نہیں لکھا اور بھل اس کی مناج کے قصیدے ہی لکھے ہیں وہ کیا کسر صلیب کر سکتا ہے اور جلد ہی یہ بات قادیانیوں کی سمجھ میں بھی آجائے گی اور اب مرزا طاہر احمد کو بھی اپنے دوا کی سوت پر عمل کرتے ہوئے "ستارہ قیصرہ" کی طرز پر کوئی تختہ شہزادہ چارلس کے نام سے کوئی قصیدہ مدحیہ لکھ کر دنیا چاہیے تاکہ "کسر صلیب" کا جو کام مرزا غلام احمد کے ہاتھوں ناکمل رہ گیا ہے، وہ مکمل ہو جائے اور قادیانیت کے مذہبی بیگار کمپ میں خلای کی زندگی بر کرنے والے جو "ہاری" ایک عرصہ سے یہ راگ الاپ رہے ہیں۔

جب بھی بھوک کی شدت کا گر کرنا ہوں

وہ عقیدوں کے غبارے مجھے لا دیتے ہیں

ان کی انک شوئی کا بھی شاید کوئی اہتمام ہو جائے اُرچ یہ امکانات بہت ہی در دراز کے ہیں کیونکہ جس امت کے نام نہاد نبی کے لیے حقیقت الہی کے ذریعہ ہو کے قرب "الہامات" میں سے سو سے اوپر صرف دس روپے کی آمد کے بارے میں ہیں، ان کی دناتست سے اچھی امید کیکر کی جا سکتی ہے ہاں بتتے یہ کام پاکستان کے انسانیت دواز خلوتوں کا ہے کہ وہ اس محاملہ کو اپنی انتہی انتہی متحمل، ایشیا و ایق اور انسانی حقوق کی دوسری تینوں کے سامنے اٹھائیں اور قادیانیوں کے اس پروجیکٹے کا توڑ کریں جو وہ ہر وہی دنیا کے سامنے، پاکستان میں اپنے اوپر ہونے والے مصنوعی مظالم کے حوالے سے کر رہے ہیں۔



مرزا محمد حسین

جب قادیانیت کی حقیقت منکشف ہوئی

مرزا محمد حسین پہلے نہ صرف قادیانی تھے، بلکہ قادیانی قیادت کے بہت قریب تھے۔ مرزا محمود کے خاندان کی تمام مستورات کے اتا لائق تھے۔ درون خان قادیانی قیادت کی اخلاقی بالائگی کو دیکھا تو تذپ ب گئے۔ مذہب کے نام پر اس حرام کاری و حرام خوری کو برداشت نہ کر سکے۔ غیرت و محبت کے پیش نظر قادیانیت پر تمن حرف بیجع کر مسلمان ہونے کی رواداد میں لکھتے ہیں کہ ”میں سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ قادیانیت، مذہب کے لبادہ میں اتنا خطرناک اور شرمناک مذہب ہوا گا۔ یہ سوچتے سوچتے سوچتے ایک رات میں میرے سر کے تمام بال گر گئے اور میں مستقل گنجा ہو گیا۔“ موصوف خانہ ساز نبوت کے گھر کے گھری کے بھیدی تھے۔ لہذا جو کچھ دیکھا ”قد اکارثم نبوت“ نامی کتاب میں لکھ دیا۔ جو تمن سوچفات پر مشتمل ہے۔ زیر نظر مضمون اسی کتاب سے مانوذ ہے۔

مجلس خدام الاحمد یہ مرکزیہ ریوہ نے، چند سال ہوئے، ایک کتابچہ بنوان ”دینی معلومات“ (بطرز سوال و جواب) ہزاروں کی تعداد میں شائع کیا، تاکہ ریوہ کی تئی نسل میں ملعون مکائد، مذہبی عقائد، بن کران کی رگ و پے میں سراہیت کر جائیں۔ یہ کتابچہ اس وقت شائع ہوا، جب آزاد کشمیر میں مکرم سردار عبدالقیوم خان کی صدارت میں ریوہ والوں کو قاتلہ غیر مسلم قرار دیا گیا تھا اور اس وقت مسٹر بھٹو یہاں اخضرب ہوا تھا اور سردار صاحب مذکور کی معزولی پر کمر بستہ ہو گیا تھا۔ کتابچہ کا ایک لمحہ ہمارے پاس موجود ہے۔ اس کے صفحہ نمبر 10 پر اخیسوال سوال ہے۔

”قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم مبارک کہتی دفعہ آیا ہے؟ کسی ایک مقام کا ذکر کریں۔“

جواب: ”چار دفعہ محمد رسول اللہ والذین معاہ اشداء علی الکفار و حماء بینهم۔

تبہرہ: جواب میں صرف چار کہا ہے کیونکہ سورہ القاف کی ساتویں آیت (61-7) کو بھرمانہ طور پر نظر انداز کر دیا ہے۔ وہ آیت یہ ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیش کوئی کی تھی۔

انی رسول اللہ الیکم مصلحتا لما یہیں یہی من التورۃ و مہشرًا بررسول

یاتی من“ بعدی اسمہ احمد۔

اس آیت میں ”احمد“ سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں لیکن مذکورین فتح نبوت کے سر بردار ہانی نے اپنی دیوار گریہ کو سہارا دینے کے لیے اس کو اپنے باپ، مرزا غلام احمد، پر چھپا کر دیا اور یہ اب تک اس مذکورہ کا عقیدہ ہے۔ ایک عالی بھی جانتا ہے کہ احمد سے کسی بھی طرح، غلام احمد نام مراد نہیں ہو سکتا۔ ہاں! افشاء کے لیے ہر دروازہ کھلا ہے۔

سوال نمبر 22۔ ”قرآن کریم میں جن جن انجیاء کے اسماء کا ذکر ہے، بیان کریں۔“ (ص 10)

جواب: حضرت آدم علیہ السلام سے فہرست شروع کر کے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام مبارک کے بعد لکھا ہے۔ حضرت احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام (اس سے ان کی مراد مرزا غلام احمد ہے) (دنی معلومات) اس جواب میں عیاں ہے کہ مذکورین فتح نبوت مرزا غلام احمد کو ”حضرت احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام“ تسلیم کرتے ہیں۔ اس پر مستلزم یہ کہ، یہ قرآن کریم میں درج ہے۔ العیاذ بالله۔ یہ قرآن کریم میں اضافی کی الیسی جسارت ہے۔ اصل میں یہ افشاء مذکورہ بالا آیت سے تراش گیا ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ”مبشر“ برسول یاتی من“ بعدی اسمہ احمد“ کہہ کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ کی بشارت خدا کی طرف سے دی تھی۔

اس افشاء سے اظہر من اقصیس ہے کہ یہ لوگ ”غلام احمد“ کو احمد تسلیم کر کے نہ صرف انجیاء کی صفت میں کھڑا کرتے ہیں بلکہ اس کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام پر کھڑا کرتے ہیں بلکہ ایک لحاظ سے، اس کو ”فضل“ قرار دینے کی ملحوظہ کو شوش کرتے ہیں کہ اس کے نہ ماننے سے کفر لازم آتا ہے۔ اسی وجہ سے علامہ اقبال نے فرمایا تھا کہ اس طرح تو مرزا غلام احمد اپنے مریدوں کے نزدیک خاتم النبیین ہوا۔ معاذ اللہ الخشیة اللہ بالائے طاق رکھ کر امت محمدیہ کو ”کافر“ قرار دیتے ہیں۔ اس طرح ان کا یہ عیارانہ انداز کہ وہ (مرزا غلام احمد قادریانی) حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ”غلائی“ سے حضرت عیسیٰ کی کمیں کوئی کا صدق اپناء، نجاش اور فاقش ضلالت ہے۔ احمد کے مقدس نام کو غصب کرنا خدا اور اس کے رسول کو چیخنے کرنا ہے۔ ایسے آدی کو ”غلام احمد“ کہنا انسکی عین بات ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے بیباک مذکور کو ”غلام اللہ“ کہا جائے۔

کہاں حضرت احمد بھتی علیہ الصلوٰۃ والسلام! اور کہاں مرزا غلام احمد۔ چونبست خاک را پاں عالم پاک!

قرآن کریم کی تحریف و تحویل پر قاتعات نہیں کی بلکہ کہ مبارکہ اور مدینہ منورہ کے تقدیس پر بھی چھاپہ مارا اور دنیٰ شور سے کاملاً عاری جماعت کے سامنے خلبے میں کھا گیا کہ اب معاذ اللہ حرمن شریفین کی چھاتائیوں میں روحاںی دودھ خلک ہو گیا ہے۔ اب یہ ”قادیانی“ میں ملے گا۔ جب رعوت اور فزعیت دل و دماغ میں مستولی ہو تو دنیٰ ایمان و آنکھی بننے اور یادوہ گوئی میں کوئی روک نہیں ہوتی۔ یہ نامہ ”ظیفہ“ ابرہمہ کا المناک اور عبرت آموز انجام بھول گیا کہ کہ معظمه پر حملہ کی پادشاہ میں اس کا کیا حشر ہوا۔ اس ”ظیفہ“ کو

اپنے نام سے کوئی نسبت نہ تھی، اس سے تو بڑھ کر اب ہے کہا ہاتھی تھا جو حملہ کے لیے نہ بڑھا۔ الحاج محمد احمق صاحب نے لوائے وقت مورخ 21 اکتوبر 1977ء میں ایک ایمان افروز مقالہ بعنوان "قصہ ابرہہ کے ہاتھیوں کا" میں لکھا:

"ابہہ کے لٹکر میں تیاریاں ہونے لگیں۔ ابہہ نے اپنا خاص ہاتھی جس کا نام پچھے مشرین نے محمود لکھا ہے، ہر اڈل دستے میں رکھا۔ لٹکر کی کربندی ہو جگی تو کہ کی سوت کوچ کا حکم ہوا۔ عین اسی وقت سردار عرب فیصل بن حسیب نے جس کے ساتھ راستے میں ابہہ کی جگہ ہوئی تھی اور اب بطور قیدی اس کے ساتھ تھا۔ وہ آگے بڑھا اور شاہی ہاتھی (محمود) کا کان پکڑ کر کہا۔ "محمود بیٹھ جاؤ اور جہاں سے آیا ہے وہیں خیریت کے ساتھ چلا جاؤ، تو خدا تعالیٰ کے محترم شہر میں ہے۔" یہ کہہ کر کان چھوڑ دیا اور بھاگ کر قریب کی پہاڑی میں جا چھا۔ ہاتھی یہ سنتے ہی بیٹھ گیا۔ اب ہزار جتن فیصل بان کر رہے ہیں۔ لٹکر بھی کوششیں کرتے کرتے ہار گئے۔ ہاتھی اپنی جگد سے ہتا ہی نہیں۔ سر پر آنکھیں پڑ رہے ہیں۔ ادھر ادھر بھالے اور بر جھے مار رہے ہیں، آنکھوں میں آنکھیں ڈال رہے ہیں۔ غرض تمام جتن کر لیئے کے باوجود بھی ہاتھی نے جنبش سکن دی۔ پھر بطور امتحان اس کامن بین کی طرف کر کے چلانا چاہا تو جھٹ کھڑا ہو کر دوڑتا ہوا چل دیا۔ شام کی طرف چلانا چاہا تو بھی پوری طاقت سے آگے بڑھ گیا۔ مشرق کی طرف چانا چاہا تو بھی بھاگا بھاگ گیا۔ پھر کہ شریف کی طرف من کر کے آگے بڑھانا چاہا تو وہیں بیٹھ گیا۔ فیصل بانوں نے اسے پھر مارنا پہنچا شروع کر دیا لیکن کوئی نتیجہ نہ لکھا۔"

مشرین ختم نبوت کے محمود کے کان تو ابہہ کے ہاتھ میں تھے، اس نے تو کہ مظہر کی طرف ہی حملہ کرنے کے لیے دوڑنا تھا، اس کو تو، لارڈ پھر کا سمندر میں فرق ہونا بھول گیا۔ پہلی عالمی جگہ میں لارڈ پھر نے عربوں کو دھکی دی تھی کہ وہ خانہ کعبہ کو مصبل بنا دے گا، معاذ اللہ۔ اس دھکل کے بعد "لوئی ٹانیا" جہاز میں روں جاتے ہوئے شمالی سمندر میں بح جہاز غرق ہو گیا۔ اس انجام کا نقشہ یوں ہوا۔

آسمان خاک ترا گردے نہ داد

مرقدے جر دریم شورے نہ داد

دوسری عالمی جگہ میں مولیٰ نے کہ مظہر پر بم چیننے کی دھکی دی۔ اس کو لکھت فاش کا یہ انجام ہوا کہ اس کی قوم نے اس کو گولی کا نشانہ بنا کر الٹا لٹکا دیا اور عوام اس کی لاش پر تھوکتے رہے۔ مولف کے معزز و موقر دوست کریم ڈاکٹر احمد صاحب نے مولف کو بتایا کہ انہوں نے خود مولیٰ کی اٹی لٹکی ہوئی

لاش دیکھی (اس پر تھوکا گیا تھا) اس نامحمدو کو بھی اگست 1947ء میں قادیان سے "ناز دل دوز جماغِ محفل" ہو کر ہندوؤں کا لباس پہن کر لکھا پڑا اور دنیا سے رخصت ہونے سے سات آٹھ سال پہلے اپنیاں رگڑ گزار کر پیوند خاک ہوا۔ گویا کچھ اور سوتھی کا سامان جام ہوا۔

یہ ایسا بے نکام تھا اور گستہ جہار تھا کہ ایک دفعہ خطبہ جمعہ میں یہ کہا کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ انجی آ سکتا ہے۔ اس کو زمیندار اخبار نے ہوا دی اور ہندوستان کے سارے اسلامی اخبارات اور رسائل اس پر لعن طعن کی بارش کرنے لگے اور جماعت میں بھی اس ملک گیر اشتغال سے خوف پیدا ہوا تو پھر ڈھیلے منہ سے کہہ دیا کہ میرا مطلب یہ تھا کہ خدا تعالیٰ قادر مطلق ہے وہ ایسا کر سکتا ہے۔ لیکن وہ کرے گا نہیں۔ میرا بیویوں میں بھی پہلی بخشی پر جب اس پر سوال ہوا کہ کیا وہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مصود عن الخطاہ حلیم کرتا ہے تو اس نے مجھم سا جواب دیا لیکن آتشیں احتجاج سے خوف زدہ ہو کر دوسرے دن بیان کی تھی کردی۔ اس نے انکار ختم نبوت کا فتنہ کھرا کر کے جماعت کے ذہن کو مظہوج کر کے بڑی شدادی کا کاروبار چلایا۔ بغرض محال یہ دل سے اپنے باپ کے "دعاؤی" کا قائل ہوتا تو اس کے پاس رہتے ہوئے اخلاقی سوزی کا ذرا مدد نہ رچاتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں کسی پلیس افسر کے پڑوس میں رہ کر آدمی محاط رہتا ہے۔ چونکہ دل ہی دل میں باپ کے الہاموں کو ابہام ہی سمجھتا تھا، اس لیے بڑی سے بڑی بے باکی اور ناپاکی سے نہیں چوکتا تھا۔ میہنہ طور پر اپنی تھی جگسوں میں تو صریح الحادی باتوں سے لذت یاب ہوتا تھا، کیونکہ اس کو جماعت کی طرف سے اعتراض کا خوف نہ تھا۔ اس نے جماعت کے لوگوں کو بے خبر رکھا اور جو باخبر تھے، ان کو بے بس کر دیا۔ بھی جب ہے کہ وہ تھی کے ناج کو فن قرار دیتے ہوئے کہتا تھا کہ

"علم کی خاطر کوئی چیز بری نہیں۔" ("الفضل" 3 دسمبر 1955ء)

بھی بات اس نے حکیم نور الدین کی طرف منسوب کر کے کہی کہ انہوں نے بھی تھی کے ناج کو ایک طرح کا علم قرار دیا اور دیکھنے کی ترغیب دی۔ ("الفضل" 3 دسمبر 1955ء)

ای اعتراض محاصلی کی رو میں اس نے یہ بھی کہا:

"مجھ پر جملے کرتے ہیں میں کہتا ہوں میں نے کب اپنے آپ کو پاک کہا ہے۔"

("الفضل" 2 فروری 1956ء)

خدا کی خدائی میں گناہ کا خاصہ ہے کہ گناہ ہی گناہگار پر سوار ہوتا ہے۔ گناہ پر سوار کرنا اور اس کو اپنے اندر سیئیہ رکھنا فطرت ہا ملکن ہے۔ اس صحن میں غالب کا کہنا بالکل صحیح ہے۔

لپٹا پر بیان میں شعلہ آتش کا آسان ہے

ولے شکل ہے حکمت ذل میں سوز غم چھانے کی

معصیت کے ارتکاب سے چند لمحوں کی نشاط تو ہوتی ہے، اس کے محو ہو جانے کے بعد سوز غم، ذل

و دماغ پر بحیط ہو جاتا ہے۔ سمجھ جو ہے کہ ایسے اشکاں (Schizo Phrenia) شکاوتوں کے مریض ہوتے ہیں۔

اشکاوے راز کے سارے جھروکے اور درپیچے بند کرنے کی وجہ سی میں ایک اور وہنی عارضے کے شکار ہو جاتے ہیں، وہ ہے (Paranoia) (خط فضیلت) وہ زندگی کے عکسین حقائق اور ان کے عواقب سے خیالی طور پر بچتے کے لیے (Grandiose Delusion) جلال ادھام کے مریض ہو جاتے ہیں۔ انہی وہنی عوارض سے ان کے اندر (Sadism) (ایڈا ارسانی کی لذت) کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کے طفیل وہ اپنے حقہ گوشوں کو لذت ایڈا ملی (Masochism) کا عادی بنا دیتے ہیں۔ سمجھو وہ ساری کیفیات تھیں جو مرزا محمود کے وجود میں پیدا ہوئیں۔ انہی کے نتیجے میں جماعت محمود و محمود میں جلا ہو کر ایک متحرک لاش ہو کر رہ گئی اور ناداون نے اس کو حکم کا نام دیا حالانکہ یہ انسانیت کی جسمیت و عکسین تھی۔ وہ یہ نہ سمجھے کہ اس کا غلیظہ اپنی ناپاکی کا اقرار کر کے بھی یہ کہہ گزرتا ہے:-

”جو شخص مجھے ناکام ہانا چاہتا ہے وہ اسلام کے غلبے کو روکتا ہے۔“

(”انقل“ 18 اگست 1956ء)

”میرا اختابیہ کرنے والا دہرات سے درے نہیں رہتا۔“

(”انقل“ 15 اگست 1937ء)

یہ ذہن کا قائم نہیں تو اور کیا ہے!

میکاؤولی نے آمر (وہ آمر کو Prince کہتا ہے) کے متعلق لکھا کہ اس کو اپنے تحفظ کے لیے لہڑی اور شیر کے خواص پیدا کرنے چاہئیں۔ شیر پہنڈوں سے محفوظ نہیں ہو سکتا اور لہڑی اپنے آپ کو بھیزیوں سے محفوظ نہیں رکھ سکتی۔ اس لیے آمر کو یہ خواص اس طرح پیدا کرنے چاہئیں کہ وہ محبوں ہوں یعنی جب پہنڈے کا خوف نہ ہو تو شیر ہمارے جب پہنڈا نظر آئے تو لہڑی کی مکاری کو شہید ہنالے۔ سمجھا حال مرزا محمود کا تھا جب بے خوبی کی لمب آتی تو روحاںی طور پر افضل اکابر کی تغیر کرتا۔ جب اتحاج کا پہنڈا یا ہاتون کا ادم ہرگز زمیں اس کو نظر آ جاتا تو گناہگارین جاتا۔

چونکہ جماعت میں سر براد اوقل حکیم فور الدین کا احترام بہت تھا اس سے خائف ہو کر اس نے لہڑی کے انداز انتیار کر لیے اور اپنے پیشوں کی جو اس کا خر بھی تھا، نہ مٹ کی جلوں سے کرتا۔ اس نے کہا:-

”ظلیفہ اوقل کے زمانے میں، میں لکڑ خانے کا افسر تھا اور یہ بات بھی جانتا ہوں۔“

اور دوسرا سب لوگ بھی جانتے ہیں کہ ظلیفہ اوقل کے گمراہ لکڑ سے کھانا جایا کرتا تھا۔

گمراہ گمراہ میں کبھی لکڑ خانے کا کھانا نہیں آیا۔“

(”انقل“ 31 اگست 1938ء، غیرہ)

"خدا تعالیٰ نے فوج بھی نبی کی پرانیں کی۔ نہ معلوم یہ لوگ خلیفہ (حکیم نور الدین) کو کیا سمجھے ہیئے ہیں۔" ("الفضل" 2 اگست 1956ء)

سربراہ ٹالث کا پیچا اور ایم ایم احمد کا باپ (بیشیر احمد، اے) "قرآنیاء" کہلاتا تھا اور اس کے بڑے بھائی سربراہ ٹالث نے کربنڈ ہو کر اس کے ساتھ ایسا کمر تو ڈلوک کیا کہ وہ اس دکھ کی آگ میں کچل گیا۔ اس کے توند میئے کو اپنا داماد بنا کر بے اولاد رکھا۔ اس داماد کی جھوٹی بہن سربراہ ٹالث نبی یعنی اپنے تبا محسود کی بھوتی۔ اس کو اپنے میئے سے طلاق دلوائی۔ اسی "قرآنیاء" کے درمیے میئے کے نکاح کا مقابلہ کیا اور اس کو نکاح خواں نہیں ملا تھا۔ یہ اس خاندان کا حال ہے جو "خاندان نبوت" کہلاتا تھا۔ یہ سب انہی باطل ادعاؤں پر خدائی تحریر ہے۔

سربراہ ٹالث کے پھوٹگی زاد بھائی، داماد نے اس کی پانچ بیچوں والی بیٹی کو طلاق دے کر جماعت سے باہر شادی کر لی اور بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے دونوں خانے کی خونتوں کی خبر اولوا الامر دوں کو پہنچا دی۔ اس ہمیں جو، جوان کے بزرگ بھائی نے خود مولف کو بتایا کہ جو اس نے کیا وہ شریعت کے مطابق کیا ہے اور اس کی خبر رسانی کی تردید نہ کی۔ گویا عکسی مناقشت نے زور پکڑ رکھا ہے۔

مذکورہ بالا "قرآنیاء" نے اپنے والد پر کتاب بنوان "سیرت مهدی"، "لکھی اور اس میں لوگوں کی روایتیں درج کیں۔ اپنی والدہ کی طرف سے "خلوت صحیح" کی تفصیل بھی درج کی۔ یہ حال ہے اس "اولا و بشرہ اور ذریت طیبہ" کا! کوئی ماں خلوت صحیح کی تفصیل اپنے میئے کو کیسے بتا سکتی ہے؟ "سیرت مهدی" کی پہلی جلد حکما و امویں لی گئی تھیں جماعت کا یہ حال رہا ہے۔

دیکھ جو کچھ سامنے آئے مدت سے کچھ نہ بول

آگہ آئینے کی پیدا کر ذہن قصیر کا

یہ سب اثار ختم نبوت کی پہنچار ہے۔

جماعت "احمدیہ" رجہ نے اپنی پرانی روایات کے پیش نظر ایک بار پھر ایسا موضوع پیدا کیا، جو تمام عالم اسلام کے لیے نہ صرف موجب کرب قتل ہے بلکہ اس سے اختلاف کا ایک نیا باب داہو گیا۔ روز نامہ "الفضل" رجہ کی اشاعت مورخ 3 جولائی 1959ء میں مرحوم رضا بیشیر احمد (جو خلیفہ محسود کے بھائی تھے) نے ایک طویل مضمون میں اس بات کو ثابت کرنے کی تاکام کوشش کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خود پاشہ صلی حدیبیہ کے غم میں بیمان کی پیاری لائق ہو گئی تھی، حالانکہ قرآن کریم میں اس کو خیز بینن کہا گیا ہے اور انگریز مستشرق مانٹ گری واث نے اس کو "Non Aggression Pact" قرار دیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اس پیارا حدیبیہ میں سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مہنے میں اسلامی نظام کو محکم کرنے کا موقعہ طا اور یہودیوں کے قلعے کا سد باب کیا۔ کے کے کفار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحقیق تدریسے ذرع ہو کر واہیں لوئے۔ اس کے عرب قبائل فوج و فوج اسلام میں داخل ہو گئے۔

مرزا بشیر احمد نے کوئی چوہیں خطرناک بیماریوں کا مذکورہ کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ تمام عوارض انبیاء کو ہو سکتے ہیں اور ہوتے رہے ہیں۔

ہم اس مضمون کا ضروری حصہ من و عن درج ذیل کرتے ہیں۔ قارئین خود اس امر کا اندازہ لگائیں گے کہ موجودہ حالات میں ایسے موضوع پر قلم اٹھانا کن ناگفتہ ہے حالات پر فتنج ہوا کرتا ہے۔ مرزا بشیر احمد لکھتا ہے:

”بالآخر یہ سوال رہ جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو خدا تعالیٰ کے ایک عالیشان نبی بلکہ افضل الرسول اور خاتم النبیین تھے، آپ کو نیان کا عارضہ کیوں لاحق ہوا جو بظاہر فرائض نبوت کی ادائیگی میں رخنہ انداز ہو سکتا ہے، تو اس کے جواب میں اچھی طرح یاد رکھنا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرض ثالیٰ فائیڈ سے فوت ہوئے تھے۔ سل، دق، دم، نزلہ، کھانسی، نقرس، دوران سر، پھوزے، پھنسیاں، آنکھوں کا آشوب، جسم کے درد، جگر کی بیماری، دانتوں کی تکلیف، اسہال کی بیماری، انتڑیوں کی بیماری، گردے کی بیماری، پیشاب کی بیماری، اعصابی تکلیف، ذکاوت حس، مگرہ اہم اور بے چینی، دماغی کوفت، نیسان، حادث کے نتیجہ میں چوٹیں اور زخم، لڑائی کی ضربات وغیرہ وغیرہ سب کی زد میں آ سکتے ہیں اور آتے رہے ہیں۔

آپ بعض اوقات نماز پڑھاتے ہوئے رکعتوں کی تعداد کے متعلق بھی بھول گئے اور لوگوں کے یاد کرنے پر یاد آیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی کبھی عام اور وقتی نیسان ہو جاتا تھا۔ اسی طرح صلح حدیبیہ کے بعد کچھ عرصہ کے لیے بیماری کے رنگ میں نیسان ہو گیا۔“

مرزا بشیر احمد نے اپنے مضمون میں جن چوہیں بیماریوں کا ذکر کرتے ہوئے درودہ اپنے محدود بھائی غلیفہ کی علاالت کا وقارع کیا ہے، میاں صاحب اپنے دعویٰ کی تصدیق میں ان انبیاء کے اسماء گرامی بھی درج کرتے ہیں، جن کو یہ بیماریاں لاحق ہوتی رہی ہیں۔ مرزا بشیر احمد کے اس مضمون کی اشاعت کے بعد پیشہ طلبوں نے اس کے خلاف اپنی آراء کا اظہار کیا تھا۔ ہفت روزہ ”چنان“ کے مدیر شہر آغا شورش کاشمیری نے وقت کی نزاکت کے پیش نظر، جس محتاط انداز میں حکومت وقت کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرائی ہے، اس سے یادہ محتاط طریق اس بارہ میں اختیار نہیں کیا جا سکتا۔

”چنان“ مورخ 4 ستمبر 1959ء کے اواریہ کا نوث درج ذیل کیا جاتا ہے:

”مرزا بشیر الدین محمود بڑے زمانے سے بیمار ہیں۔ عمر کے ساتھ مختلف بیماریوں

نے گھیر رکھا ہے۔ انہی بیماریوں میں نسیان اور اس کے ہم قافیہ عوارض بھی شریک ہیں چونکہ آپ نے اپنے معتقدوں میں خاص قسم کی تقدیس کا درجہ حاصل کر رکھا ہے، اس لیے انہی بیماریوں کی صفائی میں عجیب و غریب تاویلات و تعبیرات مگر رہے ہیں۔ ہمارے نوش میں ایک دوست 13 جولائی 1959ء کا الفضل کا شمارہ لائے ہیں۔ اس شمارہ کے پورے چار صفحوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امراض کی حدیثیں زیر بحث لا کر نہایت ہوشیاری سے مرزا محمود کی ان بیماریوں کا دفاع کیا گیا ہے، جن کے احساس سے آپ کے ہبہ و دل کی ایک جماعت اعتقاد امتحان ہے۔ ہم محکمہ تعلقات عامہ کے افراد سے صرف یہ التاس کریں گے کہ جس باریک بینی سے ان کی اقسامی نکاحیں دنیوی خداوندی کے مistrain کی زبان و قلم کا جائزہ لتی ہیں، اگر اسی نسبت سے ایک جمیجمہ لتی ہوئی نگاہ اس مقالہ پر ڈال پکھے ہوتے تو ہم ان ملفوظ الفاظ میں عرض کرنے کی جادت نہ کرتے۔

”الفضل“ کو اپنے امام کی مدح و تائش کا پورا حق حاصل ہے لیکن ان بیماریوں کو بالواسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری سے طاکر ان کے تقدیس کا ناد پھونکتا، نہ صرف بے ادبی ہے بلکہ اس سے ہم ایسے لوگوں کے جذبات کو صدمہ پہنچتا ہے، جن عاجزوں کی مسراج یہ ہے کہ اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کتوں سے مانگت دیتے ہوئے بھی خوف محوس کرتے ہیں کہ شاید ہم اس قابل بھی نہیں ہیں۔

نیبے خود پہ سکت کر دم و بن مطلع

ز آنکہ نسبت پہ سگ کوئے تو شد بے ادبی

(”پستان“ مورخہ 14 نومبر 1959ء)

مرزا بشیر احمد نے تمام بحث نسیان پر کی ہے اور یہ تاثر پیدا کیا ہے کہ خلیفہ کو شخص ذرا سانیان ہو گیا ہے، جو خود بالذر سالتاب کو بھی ہو گیا تھا، حالانکہ جو حدیث مرزا بشیر احمد نے پیش کی ہے، وہ پاکار پاکار کر یہ کہہ رہی ہے کہ جب حضور علیہ السلام کو یہودی اس ناپاک سازش کا علم ہوا تو حضور نے خود جا کر اس جگہ کو پامال کروایا اور لوگوں کی یہ غلط فہمی دور کر دی کہ حضرت کے نتیجہ میں حضور کو کوئی نسیان کی بیماری لاحق ہو گئی ہے۔ صد افسوس کے مرزا بشیر احمد نے چودہ سو سال بعد وہی تاثر پیدا کرنا چاہا ہے، جو اس نہاد کے شرپند یہودیوں نے پیدا کرنا چاہا تھا۔

لا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم

مرزا بشیر احمد چاہتے تھے کہ انبیاء کی طرف سل، وق منسوب کر کے خلیفہ کی بیماریوں کا دفاع کیا جائے، مگر کیا وجہ ہے کہ وہ خلیفہ کی اصل بیماری ”فان لج“ اور اس کے جنسی محکمات کا ذکر کرتے ہوئے کرتے ہیں، جس میں ان کے بھائی نام نہاد ”صلح رباني خلیفہ ثانی“ بطور عذاب بتلا ہیں۔ اگر مرزا بشیر احمد کو بھی اس بارہ میں نیسان ہو گیا ہے تو وہ ”الفصل“ کے قائل کوں کردیکھیں، جن میں جا بجا فان لج کا چہ چاہے اور پھر ایک اور مضمون لکھا ہے کہ انبیاء (نحوہ باللہ) مقوق اور مسلول ہی نہیں، مظاہن بھی ہو جایا کرتے ہیں۔ سل اور دل کے مریض کو تو حکماء، عامۃ الناس سے علیحدہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب ماسورین کو یہ مہ وقت بندگان خدا سے رابطہ رکھنا پڑتا ہے اور فریضہ تبلیغ میں شب و روز مشغول رہتے ہیں تو پھر یہ امر خدا تعالیٰ کی حکمت بالغ کے منافی نہیں ہے کہ وہ ایسے متعددی مرض میں بتلا غصہ کو ہدایت کے لیے مامور فرمائے جو خود مقوق و مسلول ہو اور دوسروں کے لیے باعث خطرہ۔

در اصل مرزا بشیر احمد خدا تعالیٰ کی طرف وہ بات منسوب کرنا چاہتے ہیں، جو شان خداوندی کے خلاف ہے اور رسول کی ذات پر وہ بیماری چپا کرنا چاہتے ہیں، جو شان رسالت کے منافی ہے۔

اس کفر کاری اور جہنمی جسارت کا خدا نے یہ انتقام لیا کہ مرزا بشیر احمد خود اور اس کا بڑا بھائی خلیفہ اور سب سے چھوٹا بھائی مرزا شریف احمد گونا گوں عوارض اور امراض میں ملوں بتلا ہو کر ایڈیاں رکھ رکھ کر مرے۔ چھوٹے بھائی کا تو یہ حال قفا کر دے لوگوں سے ماگ ماگ کر پہنچے ڈین کا چکا پورا کرتا تھا۔ مولف کو لاہوریوں کے امیر نے بال مشافہ بتایا کہ یہ غصہ آیا اور نہ حال ہو رہا تھا۔ انہم کے خزانے سے اس کو رقم خلیر دی۔ یہ اس بیٹی کا حال تھا، جس کے متعلق اس ”الہام“ کو اچھا لالا جاتا ہے۔ ”بادشاہ آتا ہے“ وہ متعدد اشخاص کا مقروض تھا اور جن لوگوں نے کسی حلیلے بہانے کے چھر میں آن کر انہی ریاضتی ریاضت کے بعد انہی محب شدہ فتنہ کی رقم اس لو بطور ”قرضہ حسنة“ دی تھیں، وہ ”قرضہ سیدہ“ ہو کر ان کی موت کا پیغام بن گئی۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق مزومہ اور ملحوظہ فہرست امراض بہانے والوں کے درون خانہ کا اگر طی محسوسہ ہو تو محسوسہ کرنے والے طبیب و رطہ حیرت میں غرق ہو کر رہ جائیں۔

محترم قارئین، یہ تھے وہ اسباب، جن کی بنا پر میں قادریانی مذہب پر تین حرف بسیج کر حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ الحمد للہ۔



بریگیڈر (ر) احمد نواز خان

میں قادریائیت سے تائب کیسے ہوا؟

یہ حقیر پر تفسیر، رقم الحروف اللہ تعالیٰ کا بے حد شکرا کرتا ہے لہٰکس سال تک قادریائی فتنے کا شکار ہنے کے بعد رب جلیل نے اپنے حبیب حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے روشنی دکھا دی۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار پڑھتے ہوئے ایک روز دل کی عجیب کیفیت ہو گئی۔ پھر رب جلیل نے مختصر سے مطالعے کا سامان کر دیا تو اس سارے ڈرائے اور قسم کو کھینچنے میں دیرینہ لگی اور میں تائب ہو کر مسلمان ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کا ہر لحاظ سے فضل و کرم ہے۔ سات بیٹے اور تین بیٹیوں میں سے تینوں بیٹیاں آری میڈیکل کور میں (دو یقینیت کریں ڈاکٹر اور ایک میجر ڈاکٹر) ہیں۔ تین بیٹے، الحمد للہ، فوج میں (دو بریگیڈر، ایک یقینیت کریں) دو وزارت خارجہ میں، ایک بی آئی اے میں اور ایک، الحمد للہ، یو این او میں ہے۔ اللہ کے فضل سے یہ سب اپنی اولاد سمیت پابند صوم و صلوٰۃ اور سرکار دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پکے اور سچے غلام ہیں۔ الحمد للہ، چوبھول کا ناکاح مسنونہ مسجد بنوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہونے کا اعزاز طا۔ اللہ تعالیٰ کا عطا فرمایا ہوا سب کچھ ہے، لیکن سب سے بڑی دولت وہ سکون ہے جو قادریائیت سے تائب ہو کر مسلمان ہونے کے بعد دل کو ملی کہ میں اور میری نسلیں اندر ہیروں سے کل آئے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نوری حصار میں آگئے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پناہ اور چھاؤں میں آگئے!!

قبل از قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول فرماتا ہمارا ایمان ہے۔ امت مسلمہ میں کوئی صاحب علم اس بات کا مکر نہیں ہوا، البتہ مرزا غلام احمد قادریانی نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ ”نزول عیسیٰ علیہ السلام“ سے مراد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے اوصاف کا مالک اور ان سے مشاہدہ تامہ رکھنے والا ایک شخص پیدا ہوگا، آسان سے نازل نہ ہوگا۔ ”میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مرزا صاحب کے اس موقف اور ان کے اس دعوے کے میں (مرزا غلام احمد قادریانی) ہی عیسیٰ علیہ السلام ہوں، دونوں میں کوئی منطقی تعلق نہیں ہے۔ اس بحث کو سردست ایک طرف رکھیں کہ مسلمانوں کا موقف درست ہے یا مرزا قادریانی کا قول۔ غور طلب بات یہ ہے کہ کیا مرزا صاحب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ممائش پائی جاتی ہے یا نہیں۔

چنانچہ، بالفرض نزول میں علیہ السلام سے مراد ان سے مشاہدہ رکھنے والی شخصیت کا ظہور مراد لے لیا جائے، تو بھی مرزا صاحب کو اس کی مثل یا مصدقہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ دونوں کے اوصاف میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور مشاہدہ نام کی کوئی شے نہیں۔ قرآن و حدیث میں بعد از نزول حضرت میں علیہ السلام کے جو اوصاف اور کارہائے نمایاں ہوئے ہیں، ان کا مختصر تذکرہ اور ساتھ ہی مرزا صاحب کے ساتھ مقابل پیش ہے۔ حضرت میں علیہ السلام کا قرآن و حدیث میں جہاں بھی ذکر ہوا ہے، وہاں ان کا اسم گرامی میں بن مریم آیا ہے۔ ان کے ماموں کا نام ہارون (یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام سے مختلف ہیں) اور ان کے نانا کا نام عمران ہے۔ (سورہ آل عمران و سورہ مریم) جبکہ مرزا قادریانی کے والد کا نام غلام مرتضیٰ اور والدہ کا نام جمیلہ بی بی ہے۔

حضرت میں علیہ السلام اپنے نزول کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم میں نکاح کریں گے۔ (الخطاب مقرر یوج 350) حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اردن میں آباد ہے اور وہیں ان کی قبر شریف ہے۔ اس کے برعکس مرزا صاحب کا نکاح ہندوستانی قوم میں ہوا۔ حضرت میں علیہ السلام کا نزول شام میں ہوگا اور ان کی سرگرمیوں کا مرکز مشرق وسطیٰ ہو گا۔ (ابوداؤد ج 4 ص 17، مسند رک حاکم ج 2 ص 295) جبکہ مرزا صاحب نے مشرق وسطیٰ میں قدم بھی نہیں رکھا۔ حضرت میں علیہ السلام نزول فرمانے کے بعد حج و عمرہ کی سعادت حاصل کریں گے اور مدینہ منورہ میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزار شریف پر حاضری دیں گے۔ وہ مقام فتح الروحاء، جو مدینہ منورہ سے بدر کی جانب سائیہ میں کے فاصلہ پر ہے، سے احرام پاندھیں گے۔ (مسند احمد ج 2 ص 290) مرزا صاحب نے نتوق حج کیا اور نہ عمرہ ادا کیا اور نہ ہی روغہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاضری دی۔ یہودیوں کے ساتھ، حضرت میں علیہ السلام جہاد کریں گے۔ یہاں تک کہ کوئی ایک یہودی بھی باقی نہیں بچے گا۔ (بخاری معجم فتح الباری ج 6 ص 75) یہودیوں کے ساتھ جہاد تو درکنار مرزا صاحب نے جہاد کو منسوخ کرنے کا اعلان کیا اور یہودیوں کے ساتھ دوستی کا یہ عالم ہے کہ اسرائیل کے شہر جیہے میں قادیانیوں کا مرکز اب بھی قائم ہے۔ جب حضرت میں علیہ السلام نزول فرما کیں گے تو تمام عیسائی اسلام قول کر لیں گے اور صلیب کی پرستش ترک کر دیں گے۔ دنیا میں مسلمان ہر طرف اس طرح ہوں گے، جیسے پانی سے البال برتن۔ (مسند احمد ص 430 ابوداؤد ج 4 ص 17) مرزا صاحب کے زمانے میں عیسائیت کو خوب تقویت ہی اور یہودی قوت میں بھی اضافہ ہوا۔

حضرت میں علیہ السلام کے نزول کے بعد دنیا میں مکمل امن قائم ہو جائے گا اور تمام جنگوں کا خاتمه ہو جائے گا۔ دونوں عالمی جنگیں مرزا صاحب کی پیدائش کے بعد ہوتی ہیں۔ صرف بھارت اور پاکستان کی آپس میں تین جنگیں ہو چکی ہیں۔

حضرت میں علیہ السلام کے نزول کے بعد دنیا میں اس قدر خوشحالی ہو جائے گی کہ کوئی صدقہ و

خیرات قبول کرنے والا نہ ہوگا۔ صرف امیر ہی ہوں گے جو ایک دوسرے سے بڑھ کر ہوں گے، غریب کوئی نظر نہ آئے گا۔ (صحیح مسلم ج 2 ص 193، مسند احمد ج 3 ص 345)

اس کے عکس مرزا صاحب کے زمانے میں پوری دنیا میں اور بالخصوص مسلمانوں میں تحدیتی و بدحالی کا دور دورہ تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خواراک وہ چیزیں ہوں گی جو آگ کی نہ کپی ہوں گی۔ (کنز العمال ج 6 ص 126) جبکہ مرزا صاحب بھنا ہوا گوشت بڑی رغبت سے تناول فرماتے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام مدینہ منورہ میں وفات پائیں گے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ اقدس میں دفن ہوں گے۔ (مسند احمد ج 2 ص 437) جبکہ مرزا صاحب کی جائے وفات لاہور (پاکستان) ہے اور مقام قبر قادیان (ہندوستان) میں ہے۔

وصال شریف کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کل عمر 120 سال ہوگی۔ (کنز العمال ج 6 ص 120) دوبارہ نازل ہونے کے بعد دنیا میں 40 سال قیام کریں گے۔ (ابوداؤد ج 2 ص 246) اس کے عکس مرزا صاحب کی پیدائش 1833ء میں ہوئی اور 66 برس کی عمر میں 1908ء میں وفات پائی۔ محمدیت کا دعویٰ 1884ء میں، سیجیت کا دعویٰ 1891ء میں اور نبوت کا دعویٰ 1901ء میں کیا، لہذا کسی بھی لحاظ سے مرزا صاحب کی عمر نہ 120 سال بنتی ہے اور نہ 40 سال۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے تھوڑا عرصہ بعد آثار قیامت واضح ہو جائیں گے۔ ایک دن ایک سال کے برابر، دوسرا ایک مہینہ کے برابر اور تیسرا ایک ہفت کے برابر ہوگا اور بھر باقی ایام معمول کے مطابق ہو جائیں گے۔ (مسند احمد) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھئے جب آپ کے جانشین کی، جو عرب کے قبلہ میں جیم میں سے ہوں گے، وفات ہو جائے گی تو اس کے تین سال بعد قرآن مجید لوگوں کے سینوں سے محو ہو (بھول) جائے گا اور صاحف (کندہ یا لکھے ہوئے قرآن پاک) بھی اٹھا لیجے جائیں گے۔ (الحاوی للسيوطی ج 2 ص 89)

مرزا صاحب کی وفات اور پھر ان کے جانشین نور الدین صاحب کی وفات کے اتنا عرصہ بعد یہ آثار نظر نہیں آئے۔

اب اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پاچھے ہیں اور زندہ آسمانوں پر اٹھائے نہیں گئے ہیں اور قیامت سے قبل بعینہ نازل نہیں ہوں گے، بلکہ ان کے ساتھ کمل مشاہدہ رکھنے والی ایک شخصیت کا ظہور ہوگا تو بھی مرزا غلام احمد قادریانی کو اس کا کوئی فائدہ نہیں پہنچتا، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت اور مرزا غلام احمد قادریانی کے اوصاف میں زمین و آسمان کا فرق پایا جاتا ہے، مماثلت بالکل نہیں ہے۔

ان کھلے ہوئے اعلانات و اعتراضات کے بعد کون ہوش مند شخص ہے جو مرزا قادیانی کو ایک سچا مبلغ دین یا مصلح قوم خیال کر سکتا ہے؟ اور ان کے، ایک نہایت ہی خطرناک سرکاری اجنبت ہونے میں شہر کر سکتا ہے؟ جو اقتباسات مرزا قادیانی کی تحریریات سے درج کیے گئے ہیں۔ وہ چاول کی دیگ میں ایک دانہ کی مثال ہیں۔ ان کی کتابیں اس ختم کے خیالات، اعلانات اور فرمودات سے بھری پڑی ہیں، لہذا ان سائل کو، جنہیں مرزا قادیانی نے مسلمانوں کے عقائد کی تحریریب کے لیے بعض اس نیت سے گمراہ کر انگریز حکومت کی اس وقت کی پالیسی کو کامیاب کریں، وینی سائل قرار دینا اور ان کی محنت و عدم محنت کی بحث میں پڑنا، دراصل، کار فضول ہے۔ مرزا صاحب کی حیثیت، گورنمنٹ کے ایک اجنبت سے زیادہ تحقیق نہیں کی جاسکتی۔ لہذا جو لوگ مذہبی حیثیت سے مرزا قادیانی کے دام فریب کا فکار ہو چکے ہیں، انھیں اپنی آنکھیں کھوں لئی چاہئیں۔

رب جلیل ان تمام لوگوں کے لیے بھی ایسا ہی انتظام فرمادے جو اس وقت تک اس گمراہی کا ٹکار ہیں اور ان کے لیے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت پر ایمان کا سامان فرمائے، انھیں غور و تکری کی توفیق اور پھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں سر رکھ کر ایمان کی دولت سے مالا مال ہونے کا تو شہر طے، آمین۔



ائیر کوڈور (ر) رب نواز

بھٹکا ہوا آہو حرم آشنا ہوتا ہے

برادر بزرگ بریگینڈیر (ریٹائرڈ) احمد نواز نے مجھے حکم دیا کہ میں بھی آگ سے نکل کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نورانی سائے میں آنے کا شکر ادا کرتے ہوئے اس موضوع پر لکھوں۔ الحمد للہ ہم سب بہن بھائی ایکس سال پہلے برادر بزرگ کی وساحت سے قادیانیت سے تابع ہو کر مسلمان ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس تحریر سے ان سب بہن بھائیوں کی راہنمائی فرمائے جو حضن غلط فہمی کی بنا پر دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں بھی اسلام کی نعمتوں سے مالا مال فرمائے۔ آمين

”ارشادات قرآنی اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جو حدائق اور تواریخ پر کچھی ہیں، اور اجماع امت سے ثابت ہے کہ عمر دنیا کے اختتام کے قریب حضرت مسیحی علیہ الصلوٰۃ والسلام دوبارہ دنیا میں تشریف لا کیں گے اور امت محمدیہ میں شامل ہو کر اپنے برکات و فضیل سے امت کو مستقیض فرمائیں گے۔
ہو سکتا ہے کہ کسی کو یہ مخالفت، وہم یا شک ہو جائے کہ یہ صورت تو ختم نبوت کے منافی معلوم ہوتی ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلسلہ نبوت ختم ہو جانے کے بعد کسی نبی کے تشریف لانے کے کیا معنی؟“

پہلی نظر میں یہ شک و ذہنی نظر آتا ہے، لیکن غور کیجئے تو صرف سطحی سوچ اور قلت ٹکر کا نتیجہ ثابت ہو جاتا ہے۔ ختم نبوت کی تشریع کے ملے میں مسلمان علماء و فضلاء نے یہ الفاظ استعمال کیے ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی نبی کی بعثت نہیں ہو سکتی۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ کسی نئے شخص کو ابتداء یہ منصب عظیم عطا فرمایا کہ اور سند نبوت دے کر نہیں بھیجا جاسکتا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ انہیاء سابقین میں سے کوئی نبی بھی دوبارہ دنیا میں تشریف نہیں لاسکتے۔ بعثت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو تاج نبوت سے سرفراز فرمایا کہ ہدایت مخلوق خدا کا کام پر فرمائیں، جو پہلے ہی منصب نبوت پر سرفراز ہو چکے ہوں، انھیں دنیا میں دوبارہ بھیج دینے کو بعثت نہیں کہتے۔

حضرت مسیحی علیہ السلام کی بعثت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے ہو جکی اور وہ نبی اسرائیل میں اپنا کام انجام دے کر زندہ آسمان پر تشریف لے گئے، جیسا کہ قرآن مجید سے سانے عیار

ہے۔ نہ انھیں طبعی موت آئی، نہ شہید کیا جاسکا۔ اب اگر وہ دوبارہ آسمان سے دنیا میں تشریف لائیں تو ختم نبوت کے منافی کیوں ہے اور اس سے سلسلہ نبوت کا جاری رہنا کس طرح لازم ہوتا ہے؟ مثال ذیل، جواب کی مزید وضاحت کر دے گا۔ ایک شخص کسی صوبہ کا گورنر مقرر ہوتا ہے اور رہنمائی کرنے کے بعد کسی دوسرے ملک چلا جاتا ہے۔ کچھ مدت کے بعد وہ اس صوبے میں پھر آتا ہے مگر گورنر کی حیثیت سے نہیں، بلکہ ایک عام شہری کی حیثیت سے، تو کیا اس سے موجودہ گورنر کے عہدہ اور اعزاز میں کوئی فرق پیدا ہو جائے گا؟ یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت وہ گورنر موجود ہیں؟ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سنت نبوت تو بدستور برقرار ہے گی، مگر اس سے حضرت محمد رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منصب ختم نبوت میں ذرہ برا بر بھی فرق نہ آئے گا۔

یہیں، ہمیں لٹکوں اور مخالف طبقے پھیلانے والوں کے لیے ایک دوسرے جواب کی طرف بھی رہنمائی ہوتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری بحیثیت نبی کے نہ ہوگی، بلکہ خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک انتی کی حیثیت سے ہوگی۔ وہ نہ تو کوئی حق کتاب لائیں گے نہ کوئی دوسری شریعت، بلکہ قرآن مجید اور شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی پر عمل فرمائیں گے۔ یہاں تک کہ انجلیں جو خود ان پر نازل ہوئی تھیں، کی وجہے قرآن مجید ہی پر عمل کریں گے۔ اسی حالت میں اس کا وہم کرنا بھی نادانی ہے کہ ان کا تشریف لانا ختم نبوت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منافی ہے۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ تشریف آوری کا خاص مقصد سعی وجہ کو قتل کرنا اور اس کے شر سے امت محمدی کو محفوظ رکھنا ہوگا۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی حکمران کسی خاص مجرم کو سزا دینے یا گرفتار کرنے کے لیے کسی خاص شخص کو مامور کرے، اس مدت کے لیے اس شخص کے لیے اس ملک کے کسی حصے میں جانے سے اس کے حاکم کی حکومت پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ یہ جب تک اس حصہ ملک میں ہے، اس وقت تک اسی حاکم کے ماتحت سمجھا جائے گا اور اسے حاکم کسی حالت میں بھی نہیں سمجھا جا سکتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فتنہ وجہ کے خاتمے کے لیے تشریف لائیں گے اس حالت میں ان کی حیثیت امت محمدیہ علی صاحبها الصلوٰۃ والسلام کے ایک فرد کی ہوگی۔ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منصب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ذرہ برا بر بھی کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔

دلیل ختم نبوت

جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے سوچنے بھئنے کی نعمت سے نوازا ہے، وہ اگر سوچ جو بوجھ سے کام لے تو اسے نظر آئے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری ختم نبوت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منافی ہونے کے بجائے اس کی مزید تائید کر رہی ہے اور عقیدہ ختم نبوت کی ایک مستقل نشانی ہے۔ اپنے ذہر

سے سوال کیجئے کہ قتل دجال اور اس کے نتائج کے خاتمے کے لیے خاص طور پر حضرت مسیح علیہ السلام کی تشریف آوری ہی کی کیا ضرورت ہے؟

اگر اس کا عظیم کے لیے نبوت ہی کی مجرمانہ قوت درکار تھی تو کسی نئے نبی کی بعثت سے بھی یہ فائدہ حاصل ہو سکتا تھا۔ مسیح بن مریم علیہما السلام کا نبیوں ہی اس کے لیے کیوں تجویز فرمایا گیا؟

اس سوال کا جواب بڑا واضح ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک قدیم نبی کو سمجھنے سے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ باب نبوت بند ہو چکا ہے۔ یہ منصب عظیم اپنے جن بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا تھا، وہ اس پر فائز ہو چکے، بھی وجہ ہے کہ ایک اہم جزوی کام کے لیے جو نبوت کی مجرمانہ قوت کا محتاج تھا، کسی نئے نبی کے بجائے ایک قدیم نبی کو دوبارہ بھیجا جا رہا ہے۔

دوسری طرف اس حقیقت کی نقاپ کشائی فرمادی گئی کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرتبہ اس قدر بلند و برتر ہے اور خاتم النبیین کا تاج کرامت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرالقدس پر اس قدر موزوں ہے کہ اگر کوئی قدیم نبی بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تشریف لا سیں تو وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک امتی کی حیثیت اختیار کر لیں گے اور ان کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایجاد و پیروی کرنا پڑے گی۔

یہ مفید اور دلچسپ نکتہ بھی یاد رکھئے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دنیا سے جانے کے بعد بھی اعلیٰ درجہ کی حیات طیبہ حاصل رہتی ہے۔ شہدا کو صریح طریقہ سے قرآن حکیم نے احیاء یعنی زندہ کہا ہے، بلکہ انہیں مردہ کہنے کی مماعت فرمائی ہے۔ صدیقین کی حیات ان سے بھی اعلیٰ اور قوی تر ہوتی ہے اور انبیاء علیہم السلام کی حیات مقدسر توب سے زیادہ اعلیٰ و قوی تر ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے سب انبیاء علیہم السلام، از حضرت آدم علیہ السلام تا خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، زندہ ہیں۔ چنانچہ حدیث مسراج سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقدام بھی سمجھا قصیٰ میں کی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں امامت فرمائی تھی، تو کیا ان کا وجود ختم نبوت کے منافی نہیں ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو حضرت مسیح علیہ السلام کا ظہور ہانی بھی ختم نبوت کے منافی نہیں اور نہ ہی یہ سلسلہ نبوت جاری کرنے کا کوئی ثبوت ہے۔ ہم نے ”ظہور ہانی“ کا لفظ قصد استعمال کیا ہے، فکہ یہ ہے کہ دوسرے انبیاء و رسولین کی طرح موجود اور زندہ تو وہ اب بھی ہیں، لیکن اس دنیا کے اشخاص کے سامنے ظاہر نہیں ہیں، ان کا ایک ظہور ہو چکا ہے اور دوسرا ظہور قیامت کے قریب ہو گا۔ جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے۔ شخص دوبارہ ظہور سے کیسی طرح لازم نہیں آتا کہ نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت ختم نہیں ہوئی یا سلسلہ نبوت جاری ہے۔ اگر اس حقیقت کو پیش نظر کھا جائے کہ ختم نبوت کے معنی صرف یہ ہیں کہ کسی نئے شخص کو مرتبہ نبوت پر سرفراز نہ فرمایا جائے گا، کوئی شک یا مخالفانہ پیدا نہیں ہوتا۔

پہلے یا بعد میں

جی چاہتا ہے کہ اس مسئلہ پر سمجھ دیا اور غور کریں تاکہ ایک مخالفت سے نجات حاصل کر لیں۔
بے شک حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نزول اس وقت ہوگا، جب دنیا اپنی حیات ناپابندیار
کے آخری دن برکر رہی ہوگی، لیکن کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ اس سے عقیدہ ثابت نبوت پر کوئی حرف آگیا ہے؟
آپ فرمائیں گے کہ ہاں، میں کہوں گا نہیں۔

یہ ایک مخالفت اور نظر کی غلطی ہے۔ جس میں عام لوگ جلا کر دیے جاتے ہیں، حقیقت اس کے
خلاف ہے، یعنی نبی کریم حضرت نبیر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ ظہور یقیناً ظہور حضرت عیسیٰ علیہ
السلام کے بعد ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر زمانے کے لحاظ سے مقدم
کہنا چاہیے۔ اگر یہ نظریہ، جو بظاہر بہت عجیب محسوس ہوتا ہے سمجھ ہے اور میں ثابت کروں گا کہ یہ سمجھ ہے تو
اس کے معنی یہ ہیں کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمانہ کے لحاظ سے حضرت عیسیٰ کے بعد ہیں۔ اس
کے بعد ثابت نبوت کے بارے میں جو مخالفت پیدا ہوا تھا، وہ سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اس مخالفت کی
تفصیل درج ذیل ہے۔

قرآن مجید کا بیان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر موت جسمانی طاری نہیں ہوئی، بلکہ
وہ زندہ آسمان پر اٹھا لیے گئے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کی حیات طیبہ جس کی ابتداء ان کی پیدائش کے
وقت سے ہوئی تھی، آج تک زندہ اور جاری ہے اور اس وقت تک زندہ و جاری رہے گی، جب تک وہ دوبارہ
دنیا میں تشریف لا کر عام انسانوں کی طرح جسمانی طور پر بھی انتقال نہ فرمایا جائیں۔ ان کا دنیا میں دوبارہ
تشریف لانے کا زمانہ، جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے، اُنکی اس عمر طویل کا ایک حصہ ہو گا، نہ کہ کوئی
جدید پیدائش۔ ان کی اس طویل عمر کے ایک حصے میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوئی۔
سوال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت، جب بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے ہوئی تو کیا
کوئی سمجھ دار شخص کہہ سکتا ہے کہ محض طول عمر کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم سے بخلاف زمانہ موخر (یعنی بعد کے) ہیں؟

حضرت عزیز علیہ السلام کا واقعہ قرآن مجید میں واضح طور پر ذکور ہے، جن پر موت طاری کر دی گئی
تھی اور ایک سو سال کے بعد انھیں دوبارہ زندہ کیا گیا۔ سو سال کی مدت بہت ہوتی ہے، اس میں حضرت عزیز
علیہ السلام کی اولاد اور اولاد کا خاص اسلسلہ وجود میں آ گیا۔ کیا کوئی عقینہ یہ کہہ سکتا ہے حضرت عزیز کی یہ
اولاد ان سے عمر میں بڑی تھی یا ان پر زمانہ کے اعتبار سے مقدم تھی یا ان کا وجود ان کی اولاد کے بعد ہوا؟
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ تو اس سے زیادہ صاف ہے۔ ان پر تو موت بھی نہیں طاری
ہوئی، وہ اسی حیات قدیمة کے ساتھ اب بھی موجود ہیں۔ انھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آنے

والا کہنا، اکھلی غلطی ہے۔ یقیناً وہ خاتم النبیین سے پہلے ہیں اور ان کا یہ تقدم اس وقت بھی قائم رہے گا، جب وہ قیامت کے قریب آسمان سے دنیا کی طرف نزول فرمائیں گے، مگر چونکہ یہ زمانہ نزول و وفات خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کا ہو گا، اس لیے یہ مغالطہ ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی تشریف لا سیں گے، حالانکہ حقیقت کے لحاظ سے وہ بعد میں نہیں، بلکہ پہلے ہیں۔ ان کی پیدائش بعثت، دعوت، ہر چیز کو نی کریم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش، بعثت، دعوت، سے پہلے ماننے کے بعد بھی ان کی عمر طویل کی وجہ سے انھیں موخر کہنا مغالطہ ہے۔

اس حقیقت کی وضاحت کے بعد سرے سے مخالفے اور شک کی بنیاد ہی ختم ہو جاتی ہے اور نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاتم النبیین ہوتا بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ ختم نبوت پر صرف حرف اس صورت میں آ سکتا ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی نئے نبی کی پیدائش، یا بعثت کا ثبوت مل سکے اور یہ ایسی ناممکن بات ہے، جس کا ثبوت تا قیامت نہیں مل سکتا۔

نزول عیسیٰ علیہ السلام کی حکمت

اگرچہ ہبھیت مسلمان ہمیں اس جگہ کوئی ضرورت نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ تشریف لانے میں کیا راز اور حکمت ہے؟ ہمارا کام یہ ہے کہ اس خبر پر ایمان لا سیں اور یہ یقین کریں کہ رب حکیم و علیم کے نزدیک اس میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہو گی جس کا علم ہمارے لیے کچھ ضروری نہیں، لیکن اگر قرآن و حدیث میں غور کرنے کے اصول دین کے مطابق کوئی حکمت سمجھ میں آ رہی ہو تو اس کا انہصار صرف جائز ہی نہیں، بلکہ انشاء اللہ بہت لفظ بخش اور فائدہ مند بھی ہو گا۔

قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بخش جن مقاصد کے لیے ہوئی تھی، ان میں ایک نمایاں مقصد خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد آمد کی بشارت و خوشخبری دینا بھی تھا۔ یہ بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی گمراں کی سماعت کرنے والے قلیل تھے۔ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی (جھلایا) اور صرف تکذیب ہی نہیں بلکہ آپ کے جانی دشمن ہو گئے اور آپ کو شہید کر دینے کا عزم کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہود کی سازش کو ناکام بنا دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھالیا۔ یہود ناکام و نامراد رہے مگر ان کی عداوت میں کسی نہ ہوئی، یہاں تک کہ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی، سے بھی انھیں سخت عداوت ہو گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے، ترجمہ: آپ اللہ ایمان کے سب سے بڑے دشمن یہود اور مشرکین کو پا سیں گے۔ (المائدہ)

آسمان پر جانے سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام برابر خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد و بعثت کی بشارت و خوشخبری دیتے رہے اور اپنے اس مقصد بعثت کو پورا کرتے رہے۔ اگر بالغرض

وہ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں بھی اس دنیا میں ہوتے تو وہ اس مقصد بعثت کو کس طرح پورا کرتے؟ ظاہر ہے کہ اس صورت میں وہ لوگوں کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے اور اسلام محمدی پر عمل کرنے کی دعوت دیتے، گویا ان کی بشارت و خوشخبری کا عنوان یہ ہوتا ہے کہ لوگوں میں، جن نے نبی کی تم سے پیش گوئی کی تھی، وہ بھی ہیں، بھی خاتم النبیین ہیں، ان پر ایمان لاو۔ اور ان کی شریعت پر عمل کرو۔

اس عنوان سے بشارت دینے کا موقع حضرت مسیح علیہ السلام کو اب تک نہیں ملا۔ قیامت کے قریب جب فتنہ دجال ظاہر ہوگا تو حق تعالیٰ کی طرف سے اس کا موقع عطا فرمایا جائے گا کہ وہ اپنے مقاصد بعثت میں اس مقصد عظیم کی تکمیل فرمائیں اور سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ان عنوان سے بشارت دے سکیں کہ لوگو! خاتم النبیین و سید الالیین و آخرین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاو اور ان کی پیروی کرو۔ انہی کے متعلق میں نے تم سے پیش گوئی کی تھی اور انہی کی ابتعاد و پیروی اس وقت رضا الہی کا واحد ذریعہ ہے۔ اس کے علاوہ خود اہل ایمان کو بھی اس وقت بشارت کی ضرورت ہوگی، کیونکہ وہ دجال کی کامیابیوں اور اس کی شدید فتنہ اگیزی کی وجہ سے، جن کا مقابلہ ان کے بس سے باہر ہوگا، بہت دل خکھتہ ہوں گے۔ ایسی حالت میں مسیح علیہ السلام کی بشارت ان میں نبی روح پھوکے گی، ان کا ایمان تازہ اور مضبوط ہوگا اور انھیں سکون قلب حاصل ہوگا۔ اور ان کا یہ فائدہ ہوگا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے ایک فریضہ رسالت سے مددہ برآ ہوں گے۔ احادیث میں فتنہ دجال کے متعلق جو کچھ وار ہوا ہے، اس پر غور کرنے سے نزول مسیح علیہ السلام کا ایک دوسرا راز بھی کھلتا ہے۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معلوم ہوتا ہے کہ ”دجال“ یہود میں سے ہوگا اور اس فاد عقیم کا سرچشمہ بھی اسی قوم میں ہوگا، جنہیں الا انہم هم المفسدون (البقرہ) (خبردار ہو جاؤ کہ یہی لوگ مفسد ہیں) کی سند قرآن مجید نے دی ہے۔ ان کی فاد اگیزی اور فتنہ پر واazi کا آخری اور حکم ترین نشان دجال کا ظاہر ہونا ہوگا۔ یہود کو جو دشمنی وعداوت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہے، اس کے پیش نظر رب جلیل نے ان کے اس آخری فتنے کو حضرت عیسیٰ ہی کے دست مبارک سے خاک میں ملوانا مناسب سمجھا، تاکہ یہ ذلیل و مفسد قوم، یہود، حدود جذلیل و خوار ہو۔

ایک تیری حکمت بھی سمجھ میں آتی ہے۔ یہود دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب (چھانی) دے کر شہید کر دیا۔

قرآن نبیین کا ارشاد ہے۔

ترجمہ: یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہ کر سکے، نہ انھیں سوی دے سکے، بلکہ انھیں بیک و شبہ

موجودہ عیسائیت بھی یہودیت کی ایک شاخ ہے، اس لیے وہ بھی صلیب مسح (حضرت مسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دیتے جانے) کی تعلیم دیتی ہے۔ دنیا کے آخری دور میں قرآن مجید کی اس صداقت اور یہود و نصاریٰ کی اس غلطی و گمراہی کے اکھار و ثبوت کے لیے حضرت مسیٰ علیہ السلام کا پُلس نیس تشریف لانا، بہت ہی مناسب، پراز حکمت اور موجب ہدایت ہے۔ حضرت مسیٰ علیہ السلام کی آمد، قرآن مجید کی تصدیق اور نبوت محمدیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک دلیل و نشانی کے طور پر ہو گی۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ صلیب مسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ، موجودہ عیسائیت کے عقائد کی روپیہ کی ہڈی ہے، جو یہود کی عیاریوں کی وجہ سے عیسائیوں میں رانگ ہو گیا۔ اسی پر عقیدہ کفارہ کی بنیاد ہے، جس نے اس قوم میں آخرت فراموشی، کامرض پیدا کر دیا۔ حضرت مسیٰ علیہ السلام کا تشریف لانا خود اس جمیٹ عقیدہ کو پھانسی دینے کے متراوف ہے۔ اس واضح دلیل، یکہ مشاہدے کے بعد ان گمراہ لوگوں کے لیے کوئی عندر ہاتی نہیں رہتا اور اسلام محمدیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبول کرنا ان کے لیے ضروری و لازم ہو جاتا ہے۔



میجر جزل (ر) فضل احمد

شرار بوہی سے چراغِ مصطفویٰ ﷺ تک

سولہ سال پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے مجھ گنہگار اور میری آل اولاد پر احسان غلبیم فرمایا۔ ہمیں دھوکے، فریب اور کفر کے انہیاروں سے نکال کر شرف بہ اسلام فرمادیا۔ اس عنایت پر کتنا اور کس طرح شکر ادا کیا جاسکتا ہے! رینا تر منٹ کے بعد گذشتہ بارہ سال سے بیرون ملک خصوصاً افریقہ میں تحفظ فتح نبوت کے فرض سے وابستہ ہوں۔ اللہ کریم نے وہاں ہڑے باوقار اور انتہائی وسیع روزگار و کاروبار کا بندوبست بھی فرمادیا ہے۔ اللہ جانتا ہے، اسی ایک لگتے نے مجھے کفر کے انہیاروں سے اسلام کی نورانی بھاروں میں پہنچا دیا۔ یہ معروضات ان خواتین و حضرات کے لیے ہیں جو بدستی سے ابھی تک جھوٹ و جھلمازی کے اس جال میں بکڑے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر بھی مجھے جیسا کرم فرمادے، دین اسلام کی فتحیں اور غلامی رسول مقبول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکتیں ان کا مقدر بناوے۔ آمین! یہک اللہ تعالیٰ معاف کرنے اور توہنے قبول کرنے والا ہے۔

مسلمان ہونے کے لیے تھیں و مقرر عقائد اور احکام و ہدایات کا قبول کرنا اور ان کو برحق بناانا ضروری اور لازمی ہے، اسی کے ساتھ بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اسی کسی چیز کا مکر نہ ہو، جو ناقابل شک، یقینی اور قطعی طریقہ سے اور مسلسل تواتر سے ثابت اور معلوم ہو اور امت کے عوام تک کو معلوم ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تعلیم امت کو دی تھی۔ علماء اور فقہاء کی خاص اصطلاح میں اسی چیزوں کو ”ضروریات دین“ کہا جاتا ہے۔ مثلاً یہ بات کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لا اشريك اور معبدوں ہے اور یہ کہ حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسول ہیں اور قیامت و آخرت برحق ہے، قرآن پاک اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب ہدایت ہے، پانچ وقت کی نماز فرض ہے اور کعبہ مسلمانوں کا قبلہ ہے۔ یہ سب اسی باتیں ہیں، جن کے بارے میں ہر وہ شخص جس کو اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق کچھ بھی علم اور واقفیت ہے، یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان باتوں کی امت کو تعلیم دی تھی، اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے، تو مسلمان ہونے کے ناطے یہ ضروری ہے کہ اسی کسی بات کا انکار نہ کرے، کیونکہ اسی ایک بات کا انکار بھی، بلاشبہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم و ہدایات کا انکار ہے، جس کے بعد اسلام سے رشتہ کش جاتا ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جن باتوں کی تعلیم و ہدایات ایسے یقینی اور قطعی طریقہ

سے مسلسل تواتر کے ساتھ ثابت ہے، جن میں کسی ملک و شہر کی گنجائش بھی نہیں اور جن کو امت کے عوام بخوبی جانتے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نبوت کا سلسلہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم کر دیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد قیامت تک کوئی نیانی مبouth نہ ہو گا۔ جس قطعی اور یقینی طریقے سے اور جس درجہ کے تواتر کے ساتھ امت کو یہ معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کی وحدانیت، اپنی رسالت، قیامت و آخرت اور قرآن مجید کے کتاب الہی ہونے اور پائی نمازوں کی فرضیت اور خانہ کعبہ کے قبلہ ہونے کی تعلیم دی تھی، ویسے ہی قطعی اور یقینی طریقے سے اور اسی درجہ کے تواتر کے ساتھ یہ معلوم اور ثابت ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آخری نبی ہونے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی بھی قسم کے نبی کے مبouth نہ ہونے کی بات پوری وضاحت اور صراحت کے ساتھ بتلائی تھی اور اس طرح بتلائی تھی کہ اس سے زیادہ وضاحت و صراحت کا کوئی امکان نہیں، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت سے لے کر ہمارے دور تک، امت کا اس پر ایمان اور اتفاق ہے کہ جس طرح توحید و رسالت، قیامت، آخرت اور قرآن کے کلام اللہ ہونے کا مکر، ہنگامہ نمازوں اور کعبہ کے قبلہ ہونے کا مکر مسلمان نہیں ہو سکتا، اسی طرح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا یا اس کے دعوے اور دعوت کو قبول کر کے اس پر ایمان لانے والا مسلمان نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ پہلے مسلمان تھا تو اس کو دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد قرار دیا جائے گا اور اس کے ساتھ مرتدوں والا معاملہ کیا جائے گا۔ امت کی پوری تاریخ میں عملاً بھی سبی ہوتا رہا ہے۔ سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تمام صحابہؓ کرام نے نبوت کے مدعی میلہ کذاب اور اس کے مانے والوں کے بارے میں سبی فیصلہ کیا، حالانکہ تاریخی روایات میں محفوظ ہے کہ وہ لوگ توحید اور رسالت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قائل تھے۔ ان کے ہاں اذان ہوتی تھی اور اذان میں ”اشهد ان لا اله الا اللہ“ اور ”اشهد ان محمد رسول اللہ“ بھی کہا جاتا تھا۔

واضح رہے کہ اس مسئلہ کی بنیاد صرف یہ نہیں کہ قرآن مجید کی سورۃ احزاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ”خاتم النبیین“ فرمایا گیا ہے، بلکہ اس مسئلہ ختم نبوت اور خاتمہ سلسلہ رسالت سے تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ ارشادات جن کی تعداد سیکھڑوں تک پہنچنی ہے اور جو اس لفظ ”خاتم النبیین“ کی تشریع کرتے ہیں اور پھر مسلسل تواتر اور امت کا اجماع اور اس پر کار بند رہتا..... ان سب جیزوں کی وجہ سے مسئلہ کی نوعیت وہی ہو گئی ہے جو عقیدہ توحید و رسالت، قیامت اور نماز ہنگامہ کی فرضیت کی ہے اور ایسے کسی بھی مسئلہ کا انکار خواہ کسی دلیل کے ساتھ ہو، دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ ان عقائد و مسائل کا دلائل سے انکار کر کے بھی اگر کوئی فرد مسلمان کہلوانے کی ضم کرے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اسلام کے بنیادی عقائد و تعلیمات اور ”ضروریات دین“ کی بھی کوئی تمسیح دیشیت نہیں ہے۔ جس کا جو تمی چاہے، مطلب گھڑے!



حسن محمود عودہ

زنگھریں پھلتی ہیں !!

میری بیان اش جیدہ (فلسطین) میں 1955ء میں قادریانی ماں باپ کے گھر ہوئی۔ بُنستی سے تھیں آباؤ اجداد مرزا غلام احمد قادریانی کی حقیقت کے بارے میں کچھ جانے بغیر 1928ء میں قادریانیت کو تکوں کر دیتے، جو کہ ہمارے ملک میں ہندوستانی مسلمانین کے ذریعے سے پہنچتی تھی۔ انہیں یہ بتایا گیا کہ یہ اسلام کی اصلاح کے لیے آسمانی دھوت ہے اور مرزا غلام احمد کی صورت میں اسکے موجود اور مہدی موجود ظاہر ہو گئے ہیں۔

میرا بھی یہی عقیدہ تھا کہ قادریانیت ہی صحیح اسلام اور قادریانی ہی پچھے مسلمان ہیں اور دوسرے لوگ کافر، دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ ہم مرزا نیت کے بارے میں صرف مرزا ایں علماء کی تحریرات پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ یہ نظریہ پختہ ہو گیا کہ قادریانی ہونے کی حیثیت سے میں ہی برحق ہوں اور جو لوگ مرزا غلام احمد صحیح موجود، مہدی موجود پر ایمان نہیں لاتے، وہ باطل پر ہیں۔ میں نے مرزا نیت کے بارے میں مرزا ایں لٹریجیر ہی پڑھا تھا۔ مسلمانوں نے مرزا غلام احمد کے بارے میں جو کچھ تحریر کیا ہے، وہ میرے علم میں نہیں تھا۔

مرزا نیت کے اندر وہی ماحول اور مرزا نیتوں کے آپس کے تعلقات کے بارے میں پات لبی ہو جائے گی۔ مجھے اس بارے میں وسیع تجربہ حاصل ہے۔ مختصر اینہی کہہ سکتا ہوں کہ مرزا ایسے پڑھنے ماحول میں رہتے ہیں، جہاں کسی فرد پر دوسروں کے اخلاق و اطوار مخفی نہیں ہیں۔ میں اپنے آپ کو کسی عیب سے پاک نہیں سمجھتا اور مجھے یقین ہے کہ کوئی بھی قادریانی یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ قادریانی جماعت نے کسی بھی جگہ پر ایک اچھی جماعت ہونے کی مثال پیش کی ہے، بھکرا وجہ ہے کہ مرزا نیت کے ماحول کا فساد، بہت سے مرزا نیتوں سے مخفی نہیں ہے۔

ہانوی تعلیم کمل کرنے کے بعد یونیورسٹی کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے میں سویٹن چلا گیا، جہاں خلیفہ ثالث مرزا ناصر سے 1978ء میں درجہ میری ملقات ہوئی۔ اس وقت خلیفہ کے ساتھ ملقات میرے لیے ایک اہم اور خاص واقعہ تھا۔ خلیفہ کے مقربین میں جگہ حاصل کرنے کے لیے میں نے سویٹن کو

خیر باد کہا اور قادریان چلا آیا جو کہ مرزائیت کا پہلا ہیڈ کوارٹر اور اس کے باñی مرزاغلام احمد قادریانی کی جائے بیداٹش ہے۔

1979ء میں، میں نے قادریانی مبلغ بننے کے لیے قادریان میں تعلیم کا آغاز کیا۔ خلیفہ اور دوسرے ذمہ دار لوگ میرا خاص خیال رکھتے تھے، کیونکہ میں قیام پاکستان کے بعد پہلا اور مرزائیت کے آغاز کے بعد دوسرا یا تیسرا عرب طالب علم تھا، جو قادریان میں قادریانیت کی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ میں مرزاغلام احمد کی عربی تصنیفات کے مطالعہ کے علاوہ اس کی اردو تصنیف کو بخشنے کے لیے اردو زبان بھی سیکھتا تھا۔ قادریان میں میرا قیام تقریباً سات ماہ رہا۔ چھ ماہ ”بیت الفیافت“ میں اور ایک ماہ غرفۃ الریاضۃ میں۔ یہ وہی کمرہ ہے جہاں مرزاغلام احمد قادریانی نے نصف برس تک سلسل روزے رکھتے کے دوران اپنے خود ساختہ دعویٰ میں تمام انبیاء سے ملاقات کی۔

مجھے کہا گیا کہ مرزا کا گمراہ، جو ”شعاۃ اللہ“ میں سے ہے، اس میں قیام سے بڑی برکتیں ملیں گی۔ مرزا کا گمراہ ”بیت الذکر“، ”بیت الفکر“، ”بیت الدعا“ اور ”مسجد مبارک“ وغیرہ نام کے کمروں پر مشتمل ہے۔ بیت سے مراد ایک الگ کمرہ ہے۔ بیت الدعا ایک چھوٹا سا کمرہ ہے جو مرزا نے دعاء کے لیے مخصوص کیا تھا۔ بیت الفکر ایک دوسرا کمرہ ہے جس کو اس نے فلر یعنی تالیف و تصنیف کے لیے خاص کیا تھا۔ ”بیت الذکر“ وہ ذکر کے لیے استعمال کیا کرتا تھا۔ اس کا نام ”مسجد مبارک“ بھی ہے۔ اس کے دروازہ پر لکھا ہے۔ ”من دخله کان اهنا“ اور کمرے کی اندر وہی طرف دیوار پر لکھا ہے۔ (بشارۃ للقائیں النبیون) وہ بشارت جو نبیوں کو ملی۔ مسجد کے ساتھ ایک کمرہ ہے جس کا نام ایہ الحجر الاحمر ہے، ایک اور کمرے کا نام ”حقیقت الوحی“ ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی کمرے ہیں۔ قادریان میں اپنی تعلیم کی یہ مختصر مدت گزارنے کے بعد میں حیدہ والیں چلا گیا، تاکہ قادریانی مبلغین کی مدد کروں۔ پھر ایک سال کے بعد مجھے مرزائی لڑکی سے شادی کرنے اور دوسری مرتبہ سالانہ جلسہ میں، جو مرزا کی وصیت کے مطابق ہر سال منعقد ہوتا ہے، شرکت کرنے کے لیے دوبارہ قادریان جانا تھا۔ پھر حیدہ والیں آنے کے بعد 1984ء میں مجھے مرزائی خدام کا اور میری الہیہ کو بختہ اماء اللہ کا سربراہ بنا دیا گیا۔ 1985ء میں خلیفہ رانی مرزاطاہر نے مجھے مرزائی بمشترک قریبی اور لندن میں خلافت کے نئے مرکز میں بلا لیا۔ 1986ء کے شروع میں میرے لندن پہنچنے کے فرما بعد خلیفہ نے پہلی وفع اپنی جماعت میں عربی یکشن کی بنیاد رکھی اور مجھے اس کا ذائز کیم مقرر کیا۔ 1988ء میں خلیفہ نے مجھے اپنی تقاریر و خطبات کو عربی میں ترجمہ کرنے کے لیے منتخب کیا اور عربی زبان میں ایک ماہنامہ مجلہ شائع کرنے کی ذمہ داری مجھ پر ڈال دی۔

ان ذمہ داریوں کے علاوہ میں تبلیغی اور تدریسی کاموں میں بھی مشغول رہا۔ مثلاً برطانیہ آنے والے مبلغین کو پکھر زد ہا، برطانیہ میں مقیم مسلمانوں کو دعوت مرزائیت دینے کے لیے تبلیغی جلس منعقد کرنا،

ان مجالس میں، میں نے مسلمان علماء اور طلبہ سے مرزا غلام احمد قادری کے دعاویٰ کی صحائی کے بارے میں بحث و مباحثہ کیا، جس سے میرے ذہن میں ایسے سوالات پیدا ہوئے، جن کی وجہ سے مجھے مرزا غلام احمد کی شخصیت و دعوت کے بارے میں اپنے مطالعہ کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ یہ میرے ترک مرزا بیت کی اسباب میں سے ایک تھا۔

ایک اور سبب، میرا شخصی تجربہ اور مرزا تی نظم و ضبط کا مشاہدہ تھا۔ خلیفہ اور داعین پر مشتمل اس نظام کے مشاہدے سے مجھے یقین ہو گیا کہ مرزا بیت حق سے بہت وور ایک گمراہ تحریک ہے۔ ادارے میں میرے عملی تجربہ کے اضافہ کے ساتھ ساتھ مرزا تی عقائد اور نظام کے بارے میں میرے لٹکوں و شبہات بھی پڑھتے گئے۔

جون 1988ء میں خالصین مرزا بیت کے نام مرزا طاہر کی ”دعوت مبلہ“ بھی قابل ذکر ہے۔ اس وقت سے میں منتظر تھا کہ مرزا بیت کی خاصیت پر کوئی آسمانی نشانی اور مجرمہ ظاہر ہو گا۔ حتیٰ کہ خلیفہ نے پہلی نشانی کے ظہور کا اعلان کیا۔ یعنی صدر پاکستان جزل محمد ضیاء الحق شہید کرد یے گے۔ صدر پاکستان نے اگرچہ دعوت مبلہ کو قبول کیا نہ اس پر کوئی توجہ دی، لیکن پھر بھی مرزا تی (اپنے علم میں) ان کی شہادت کو آسمانی نشان سمجھتے تھے۔ جن مسلم علماء نے دعوت مبلہ کو قبول کیا تھا اور انسانیت پر مرزا بیت کی گمراہی کو آفکارا کیا تھا، وہ صحیح سالم زندگی برقرار رہے تھے۔ مرزا بیوں کے اس طرزِ عمل پر مجھے حیرت ہوئی اور اس حیرت میں اضافہ، تب ہوا جب خلیفہ طاہر نے اس ”آسمانی نشانی“ کے ظہور پر، خوشی کے انہمار کے طور پر، ”تل فورڈ“ میں، جہاں میں مقیم تھا، مرزا بیوں میں تقسیم کرنے کے لیے مٹھائی سمجھی۔

اس وقت سے میں اس دعوت مبلہ کے اصل مفہوم کے بارے میں متلاشی ہوا کہ آیا، یہ حقیقت مبلہ ہے یا محض ڈھونگ؟ خدا سے دعا مانگی کہ اللہم ارنا الحق حقاً و ارزقنا الباعث و ارنا الباطل باطلًا و ارزقنا اجتنابہ۔

میں دس جون کے اعلان مبلہ اور اس کے وقت کے تعین کے پس پرده اسباب پر غور کرتا رہا۔ مرزا طاہر احمد نے اعلان مبلہ سے قریباً ایک سال تک اعلان کیا تھا کہ اس نے پہر میں ایک خواب دیکھی ہے، جس میں کہا گیا ہے Friday the 10th (وس تاریخ کو جمعہ کا دن) چنانچہ مرزا تی 10 تاریخ والے ہر جمعہ کے دن کسی خاص اور اہم واقعہ کے رومنا ہونے کے منتظر رہتے، تا آنکہ خلیفہ نے 10 جون 1988ء بروز جمعۃ البارک اس اگریزی خواب کو پورا کرنے کے لیے دعوت مبلہ دی۔ یہ میرے غور و فکر کا ایک پہلو تھا، دوسرے پہلو سے میں نے دنیا میں مرزا بیت کے اندر ورن خانہ نظر ڈالی۔ 1989ء میں، جو مرزا بیت کی تائیں کی صدی پورا کرنے کا سال تھا، میں نے دیکھا کہ اوارہ اپنی سو سالہ کا دشون کے متاثر کی پرده پوشی کے لیے نئے اعلانات میں مشغول ہو رہا ہے، جس سے مجھے مرزا بیت کے دھوک، گمراہی اور خلق خدا کے لیے

ظلالت ہونے میں شکن بھی نہ رہا۔ خلیفہ اور ادارہ کی خاص کوشش بھی تھی کہ وہ ہر متعلق و غیر متعلق کے سامنے اپنی سوالات کامیابوں کا اظہار کریں۔ اس صورت حال میں حقیقت کو سمجھ لینا مشکل نہ رہا اور پھر میں جماعت مرزا نیت کے اندر وہی ویروانی احوال سے بخوبی واقف بھی تھا۔ اب میں نے مرزا نیت کو ایک نئے نقطہ نگاہ سے دیکھا۔ میں نے مرزا قادریانی کے قبل ازاں تسلیم شدہ دعاویٰ کو پرکھا اور اس کے بارے میں علماء اسلام کی تحریریات کا مطالعہ کیا، چنانچہ مجھ پر چند ایسے امور واضح ہوئے، جن سے میں پہلے واقف نہیں تھا یا یوں سمجھیں کہ جانے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔ مرزا نیت سے میرے ہنہ و قلمی بعد کا آغاز اسی وقت ہو گیا تھا۔ جن اشکالات سے میرا واسطہ پڑا، ان میں سے چند یہ ہیں۔

سچا مرزا نیت کے لیے اپنی آمدنی کا 25.6 فیصد جماعت کو ادا کرنا لازمی ہے۔

-1 مقیرہ الجنت میں جگہ حاصل کرنے کے لیے آمدنی کا کم از کم دس فیصد ادا کرنا ضروری ہے۔

-2 مرزا کا سامنہ سال سے مجاوز عمر میں ایک 17 سال نوجوان لڑکی سے نکاح پر اصرار کرنا اور یہ کہنا کہ ”یہ اللہ کا حکم اور ارادہ ہے“ اور پھر جب لڑکی نے اس کو محکرا دیا اور نکاح نہ ہو سکا تو مرزا نیت یہ عذر کرنے لگے کہ اس پیشین گوئی کا نصف حصہ اس صورت میں پورا ہو گیا ہے۔

-3 اس جماعت کی بنیاد پرے ایک صدی گزر گئی، لیکن اس کا اندر وہی ماحول فساد اور خرابی کی نذر ہوتا جا رہا ہے۔ مجھے پختہ یقین ہو گیا کہ یہ جماعت جب اپنی اصلاح پر قادر نہیں ہے تو اہل عالم کی اصلاح کیسے کرے گی؟

-4 99 فیصد مرزا نیت اسلام سے مرتد ہوئے ہیں، مرزا اپنے دھوے مسیحیت و مہدیت کے باوصف، غیر مسلموں کو تو اسلام میں داخل نہ کر سکا، البتہ مسلمانوں میں سے ہی اپنی ملت تیار کر لی۔

-5 یہ اشکالات ”شتنہ از خوارے“ کا مصدق ہیں، بہر حال میں نے آخر پست صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میرت مبارکہ طبیہ کے ساتھ مرزا نیت کی سیرت کا موازنہ کیا تو مجھے شب و روز کا فرق نظر آیا۔ میں نے ترک مرزا نیت اور قبول اسلام کا عزم صیم کر لیا۔ جون 1989ء میں، میں نے اپنے والدین اور اقرباء سے مل کر انھیں اپنے قبول اسلام کی خوشخبری سنائی۔

-6 17 جولائی 1989ء کو میں نے اپنی الہیہ اور بچوں کے ساتھ مرکز الاحمد یہ میں اپنے مکان کو چھوڑ کر ایک دوسرے مکان میں سکونت اختیار کی۔ میں نے پہلا کام یہ کیا کہ قریبی مسجد میں 21 جولائی 1989ء کے خطبہ جمعہ کے بعد مرزا نیت سے برات اور قبول اسلام کا اعلان کیا۔ اس کے بعد میں چند دوستوں سے ملا اور انھیں مرزا نیت کے بارے میں اپنے تجربات اور مطالعہ سے آگاہ کیا۔ خدا کا شکر ہے کہ میری الہیہ، بیٹے، بعض رشتہ دار اور دوست بھی مرزا نیت کو ترک کر کے اسلام قبول کر چکے ہیں۔ سو یہاں میں محترم احمد محمود رکن قادریانی جماعت، جیدہ میں میرے بھائی صالح عوودہ نے اپنے اہل خانہ کے ساتھ اور مرکاش اور الجزار کے

دیگر حضرات نے بھی ترک مرزا سنت کر کے اسلام قبول کر لیا ہے۔ فالحمد لله رب العالمين اللهم زد و بارک۔ مرزا اپنی جماعت کے عقائد، مثلاً یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی والدہ مکرمہ حضرت مریم علیہا الصلوٰۃ والصلیمات کے ساتھ ہجرت کر کے کشمیر چلے آئے تھے اور وہاں ایک سو بیس سال کی عمر میں وفات پا گئے اور ان کی قبر بھی وہیں ہے اور یہ کہ ان کا مثالیٰ "مرزا غلام احمد" ہے اور اس کا لقب بھی صحیح موعود ہے، تو اگرچہ سبب ترک مرزا سنت نہیں بنے۔ البتہ عقائد مرزا کی حقیقت جانئے میں بے حد دوگار ثابت ہوئے۔ بھی بات تو یہ ہے کہ قبول اسلام (ظاہراً) کسی سبب پر موقوف نہیں، بلکہ قانون خداوندی ہے۔ فعن پروردہ اللہ ان یہدیہ یشرح صدرہ للامسلم، البتہ کسی آدمی کے لیے اکشاف حقیقت کو آسان ہادینا بھی ہدایت ہی ہے۔ بجھ پر اللہ کی یہ رحمت ہوئی کہ اس نے مرزا قادیانی کی حقیقت کے بارے میں علم کو میرے لیے آسان کر دیا۔ مرزا قادیانی جس کو میں "نبی" اور صاحبِ حقیقت کہا تھا، اس کی ہربات میرے لیے حق تھی۔ جن کے انکار کی میرے لیے کوئی گنجائش نہ تھی، میں نے سرے سے اس کے ایسے دعاویٰ کی جائی ہی نہ کی۔

مثلاً یہ کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والصلیمات سری گھر کشمیر کے علاقہ میں مدفون ہیں یا یہ کہ اللہ نے اسے خطاب کیا ہے کہ "اسمع ولدی انت منی بمنزلة توحیدی و تفریدی" ایک مخلص قادیانی یا جس کی وہی تربیت مرزا اپنی طریق کار کے مطابق ہوئی ہو، وہ مرزا غلام عین کو اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل نہیں تو کم از کم اسے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کثر بحثتے کوتیاں نہیں ہے۔ والعیاذ باللہ۔ مرزا غلام احمد اپنی کتاب "خطبہ الہامیہ" میں لکھتا ہے:-

"ہمارے نبی کی روحانیت الف خاص میں اپنی بھل صفات کے ساتھ ظلوع ہوئی۔ اس وقت اس کی ترقی کی انتہا نہ ہوئی تھی، پھر کامل ہوئی اور یہ روحانیت الف سادس کے آخر میں یعنی اس وقت ظاہر ہوئی ہے، تاکہ اپنے کمال ظہور کو پہنچے اور اپنے نور کے غلبے سے ہمکنار ہو۔ پس میں ہی وہ نور مظہر اور نور معجود ہوں۔ ایمان لاو اور کافروں میں سے نہ ہو اور جان لو کہ ہمارے نبی جیسے الف خاص میں مبouth ہوئے تھے، اسی طرح الف سادس کے آخر میں صحیح موعود کی صورت میں مبouth ہوئے ہیں، بلکہ حق تو یہ ہے کہ آپ کی روحانیت الف سادس کے آخر یعنی ان ایام میں پہلے سالوں سے زیادہ قوی اور کامل ہے۔"

مرزا غلام احمد قادیانی نے جان لیا تھا کہ وہ اپنے زمانہ کے عام فقراء اور اہل ثروت سے کیسے پیسے بخور سکتا ہے۔ ایک ایسے زمانے اور ملک میں جہاں جہالت کا دور دورہ تھا، اس نے اسلام اور رسول اسلام کی مدح کے نام پر پیسے بخور نے شروع کیے، لیکن اس میدان میں وہ تباہانہ تھا۔ اس نے اپنے لیے ایک خاص بلند مرتبہ پسند کر لیا اور یہ عم خویش ایک عام داعی دین سے آہستہ آہستہ مجدد، مہدی، تک، آدم اور مافق کی طرف ترقی کرتا چلا گیا۔ اس کے خوش حال اور مخلص پیروکار اسے خادم اسلام سمجھتے ہوئے اس کا دفاع کرتے رہے۔ وہ اس کے دعویٰ مسیحیت، مہدویت، زرسالت، آخر الزمان، مثل محمد اور بروز جمع انہیاء

میں چھپے ہوئے زہر سے غافل اور جاہل ہیں۔ بالاختصار، مرزا نے دین اسلام کی مدح و توصیف کے ذریعہ سے مہرداروں پر اپنے دعاویٰ کے زہر قاتل کو اسلام کے لبادے میں چھانے کی کوشش کی۔ وہ جانتا تھا کہ عام مسلمانوں کو لوٹنا بجز اس ذریعہ کے مکن نہیں ہے۔

یہ مرزا یوں کی بد قسمتی ہے کہ وہ مرزا کے اسلام کی مدح میں چند اشعار اور اس کی "مزموہ و حی الہی (Mثلاً" Love You I "انت منی وانا منک انت من ماء نا انت منی بمنزلة عرضی و غيرها" کے بد لے میں اس کی نبوت مسیحیت اور مہدویت پر ایقان کر بیٹھے، جب کہ بفضل اللہ، مسلمانوں کی اکثریت نے اس کے مذکورہ دعاویٰ کو قبول نہیں کیا ہے۔ بہت سے عیسائیوں نے بھی اسلام، رسول اللہ اور صحابہ کرامؐ کی مدح میں لکھا ہے، مگر مسلمانوں نے صرف حق کو قبول کیا اور بھیشہ باطل کی تردید کی ہے۔

میں نے مرزا یت کو اس کے مخصوص منبع کی وجہ سے یا اس سبب سے ترک نہیں کیا ہے کہ اس جماعت میں عموماً گھنی قسم کے لوگ کام کرتے ہیں، بلکہ ان میں اچھے آدمی بھی ہیں، لیکن افسوس یہ ہے کہ یہ مرزا غلام احمد سے دھوکہ کھا گئے۔ ان مرزا یوں سے گذارش ہے کہ وہ مرزا یت اور مرزا کے بارے میں مسلمانوں کی کتابوں کا مطالعہ کریں اور خدا سے پدایت طلب کریں۔ انه هو الہادی و هو السمعی العجیب。 مرزا ای حضرات جان لیں کہ خلیفہ کے حکم کی اطاعت میں مسلمانوں کی ہر قسم کی تحریرات کو نظر انداز کرنے سے ان کے لیے حقیقت کو معلوم کرنا آسان نہیں ہو گا۔ مرزا ای، تعالیٰ اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں بلکہ وہ صرف اپنے آپ کو برحق اور باقی سب کو، جن میں مرزا غلام احمد کے مکرین بھی ہیں، باطل پر سمجھتے ہیں۔ انہوں نے اسلام سے ہٹ کر اپنا ایک علیحدہ جماعتی شخص بنایا ہے۔ جس کو احمدیت یا بقول بعض "اسلام صحیح" کہا جاتا ہے۔ اس کے مطابق، مرزا ای کا مسلمان کے پیچے نماز پڑھنا گناہ، مرزا ای عورت کا مسلمان سے نماح معصیت اور مسلمان کی نماز جنازہ پڑھنا مکرات میں سے ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں، بلکہ وہ مسلمان ہی نہیں سمجھتے، کیونکہ ان کے نزدیک جو مسلمان مرزا غلام احمد قادریانی کی اجائی نہیں کرتا، "غیر احمدی" یا دوسرے لفظوں میں کافر ہے۔ مرزا اور مرزا یت کی حقیقت کو سمجھتے ہوئے ہی متعدد اسلامی تحریکات نے مرزا یوں کے بارے میں "غیر مسلم" ہونے کے قتوے صادر کیے۔ مرزا یت کے مستقبل پر ان فتوؤں کا بڑا اثر پڑا ہے، کیونکہ عالم اسلام اور دنیا پر، مرزا یت کی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے، ان فتوؤں نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان کی وجہ سے مرزا یت کی ترقی رک گئی ہے اور مرزا ای دعوت و تبلیغ سے ہٹ کر اپنے مسلمان ہونے کے دفاع کی کوششوں میں لگ گئے ہیں۔ اگر وہ مرزا غلام احمد کو چھوڑ کر صرف اسلام پر راضی ہوتے تو انھیں اس دفاع کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔

میں مرزا غلام احمد قادریانی کو سچا ماننے سے انکار کرتا ہوں۔ میں سوچتا تھا کہ دنیا بھر کے مسلمان

جو کلہ پڑھتے، قرآن مجید کی تلاوت کرتے، نماز، روزہ، حج و رکوٰۃ کے احکام بجالاتے ہیں، آخر یہ سب لوگ قادریوں کے نزدیک کافر کیوں ہیں؟ مرزا قادریانی کی تصویر کا دوسرا رخ آج تک ہم سے چھپایا گیا تھا۔ خاندان مرزا اور قادریانی قیادت کے بارے میں تصورات اور عقیدت کی دنیا بہت سینئی، لیکن جب عمل واسطہ پر اور قریب سے دیکھا تو عقیدت کا یہ محلِ رز نے لگا۔ دل نے گواہی دی کہ جو لوگ دنیا بھر کی دنی اور روحانی قیادت کے دھوپدار ہیں، ان کی اپنی زندگی اس معیار پر پوری نہیں اترتی۔ اسرائیلی حکومت کے ساتھ قادریانی جماعت کے مرکز "حیفہ" کے بہت خوبگوار مراسم ہیں۔ اسرائیلی پولیس اور رضاکار فورس میں سینکڑوں قادریوں نوجوان کام کرتے ہیں۔ حیفہ کا قادریانی مرکز اسرائیلی حکومت کا وفادار ہے۔ حکیم آزادی فلسطین کے ساتھ قادریوں کا کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ اسے دشمنوں اور مقابلوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ قادریانی مرکز اور عباداتگاہوں کی تعمیر میں اسرائیلی حکومت فنڈز بھی فراہم کرتی ہے اور ہر طرح کا تعاون بھی میر آتا ہے۔



احمد ہاریادی

میں نے مرزا نیت کیوں چھوڑی؟

میں کدیری شرقی جاوا انڈونیشیا میں 1952ء میں پیدا ہوا۔ پیدائشی مسلمان تھا، کدیری میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے شرقی جاوا کے مرکزی شہر سرایما کا سفر کیا۔ 1971ء میں وہاں بیشکن نامی ایک قادریانی سے ملاقات ہوئی جو اصلًا پاکستانی تھا مگر اب انڈونیشیا کا رہائشی ہے۔ اس نے مرزا غلام احمد قادریانی کی کتب پڑھنے کے لیے دیں۔ دینی معلومات نہ ہونے اور دین کی طرف میلان کے باعث اس کی کتابوں کو ہی دین سمجھا اور کسی قدر متاثر ہونا شروع ہوا۔ رفتہ رفتہ قربت پرستی گئی تا آنکہ دسمبر 1973ء میں اس نے نہایت عماری سے مجھ سے قادریانیت کی بیعت کا فارم پر کرایا اور میں نے جلد وغیر کے مرتبی میان عبدالگنی، جو پاکستان سے معموت تھے، کے ہاتھ پر بیعت کی اور باقاعدہ قادریانی سلسلہ میں داخل ہو گیا۔ میری تربیت شروع ہو گئی اور ایک ہفتہ بعد جکارتہ میں خدام الاحمد یہ کا معلوماتی مقابلہ ہوا جس میں ملک بھر کے قادریانی نوجوان شامل ہوئے۔ اس میں مجھے بھی بطور خاص شریک کیا گیا۔ میں اس مقابلہ میں اول آیا۔ مجھے بہت سارے اخوات سے نواز کر میری حوصلہ افزائی کی گئی۔ میری معلومات اور قادریانیت سے دلچسپی کے باعث قادریانی مبلغین اور مربیوں نے ربوہ پاکستان میں قادریانی مبلغ کے کورس کے لیے بھیجنے کی ترغیب دی اور کوشش کی، مگر انہی دنوں ربوہ اشیش پر نشرت کالج میان کے مسلمان طلبہ پر "فتح نبوت زندہ باد" کے نفرہ کی باداش میں قادریانیوں کی جانب سے تشدید کا واقعہ رونما ہوا اور 1974ء کی تحریک شروع ہو گئی۔ یوں میں پاکستان "مرتبی کورس" کے لیے نہ جاسکا۔ بہر حال میں نے اپنے شوق سے قادریانیت کی اچھی طرح معلومات حاصل کر لیں اور میں مقامی علماء کے پاس جا جا کر بحث و مناظرے کرنے لگا۔ ظاہر ہے ان علماء کو قادریانی دجل و فریب سے چندان واقفیت نہ تھی اور میں قادریانی لٹریچر ایز بر کر چکا تھا۔ اس لیے مجھ سے کوئی بیعت نہ سکتا تھا۔ حتیٰ کہ انڈونیشیا کے بہت بڑے عالم اور مفسر جناب علامہ حاجی عبد المالک کریم اللہ المعرف حکاۓ میں جا لجھا اور انھیں بھی اپنے خیال میں لا جواب کر دیا۔

اگست 1975ء میں مجھے قادریانی اور ربوہ کا سفر کیے بغیر اطلاع دی گئی کہ تھیں صومالیہ کے جزیرہ سو ماڑا کا مبلغ بیاریا گیا ہے۔ میں مبلغ بن کر صومالیہ چلا گیا۔ 1975ء سے 1977ء تک میں وہاں کا

مبلغ اور مرتبی رہا۔ کچھ عرصہ بعد مجھے صومالیہ سے جکارتہ کا مبلغ بنادیا گیا۔ اسی اثناء میں مجھے مرزا بشیر الدین محمود کے ترجمہ قرآن کو عربی سے اٹھوئیشی زبان میں خصل کرنے والی تحقیقی کمپنی کا رکن نامزد کر دیا گیا۔ میں جکارتہ میں ہی تھا کہ 1979ء کے جلسہ سالانہ کے موقع پر مجھے رہوہ پا کستان اور پھر قادیانی کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر اپنی عقیدت و محبت کے آنسو بھائے اور خوب رویا۔ اس کے بعد میں جکارتہ آ گیا۔ تین سال وہاں مبہوث رہنے کے بعد مجھے مشرقی جاوا کے جزیرہ بالی میں مرتبی مقرر کیا گیا۔ وہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے۔ چہ ماہ سک وہاں رکھا گیا۔ یہ 1980ء کی بات ہے، اس کے بعد مجھے جزیرہ لمبوو کا مرتبی بنایا گیا۔ یہ جزیرہ بالی کی شرقی جانب ہے جس میں سو فصد مسلمان آباد ہیں۔ اس جزیرہ میں میرا تقریباً 70 علماء سے تین مسائل میں مناظرہ ہوا یعنی:

حیات و نزول عیسیٰ علیہ السلام

- 1 کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد غیر تحریمی نبی آ سکا ہے؟
- 2 کیا مرزا غلام احمد قادیانی اپنے دعویٰ مهدی و موعود میں سچا تھا یا نہیں؟
- 3 ان علماء کو میں نے مناظرہ کے بعد ایک خط کے ذریعہ دعوت مبلغہ دی۔ میرا وہ خط میرے اس رسالہ کے صفحہ 40 پر درج ہے، جس میں، میں نے قادیانیت قبول کرنے اور چھوڑنے کی تفصیلات ذکر کی ہیں۔ (مرا یہ رسالہ اٹھوئیشی زبان میں مطبوعہ موجود ہے)

بہر حال وہاں کے مقامی علماء اس وقت سے کما جہد واقفیت نہ رکھتے کی بنا پر مبارٹے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ ایک سال تک یہی سلسلہ جاری رہا۔ اسی اثناء میں حاجی عرفان نامی ایک عالم سے ملاقات ہوئی۔ ان سے مناظرہ ہوا اور پھر میں نے اس کو بھی دعوت مبلغہ دی اور کہا کہ مرزا غلام احمد کے بارے میں آپ کی کیارائے ہے؟ وہ اپنے دعویٰ میں سچا تھا یا جھوٹا؟ حاجی عرفان صاحب نے کہا کہ مرزا غلام احمد قادیانی سو فیصد جھوٹا، دجال، کذاب اور مرتد تھا۔ میں نے ان سے کہا، کیا آپ سو فیصد بھی اعتقاد رکھتے ہیں؟ انھوں نے کہا ہاں مجھے سو فیصد یقین ہے۔ اس پر میں نے کہا آپ اس پر حلف اٹھائیں اور تمیک بھی مطالبہ حاجی صاحب نے مجھے کر دیا چونکہ مجھے سو فیصد یقین تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی اپنے تمام دعوؤں میں سچا تھا۔ اگر میں جھوٹا ہوں تو لیے میں نے حلف اٹھایا اور کہا کہ مرزا غلام احمد قادیانی اپنے تمام دعوؤں میں سچا تھا۔ اگر میں جھوٹا ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھ پر تین میئنے کے اندر اندر ایسا عذاب نازل کرے جو دوسروں کے لیے باعث عبرت ہو۔ اس پر حاجی عرفان صاحب نے یہ قسم اٹھائی کہ اگر میں اپنے اعتقاد میں جھوٹا ہوں تو تین میئنے کے اندر اندر مجھ پر اللہ تعالیٰ کا ایسا عذاب نازل ہو جو دوسروں کے لیے باعث عبرت ہو۔ اسی کے ساتھ میں نے حاجی عرفان کا ہاتھ کپڑ کر کہا اگر تین میئنے کے اندر اندر تجوہ پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل نہ ہوا تو آپ میری گردن کاٹ سکتے

یہ۔ اس پر میرے اور ان کے طف کی تحریر تیار کی گئی اور دونوں کے دستخط لیے گئے اور اس مبلغ کی تقریباً چار ہزار فونو اسٹیٹ تیار کی گئی۔ یہ چودہ جولائی 1983ء کا قصہ ہے۔

اس کے ایک دن بعد یعنی 15 جولائی 1983ء کو میں نے مرزا طاہر احمد کو خط لکھا اور اس میں، میں نے حاجی عرفان سے اپنے مبلغ کی روئیداد کی گئی اور مبلغ کی پرستی تحریر کا فونو بھی اپنے خط میں بھیج دیا۔ اس پر مرزا طاہر احمد نے جواب دیا کہ:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
كَبَرَ اللّٰهُ أَكْبَرُ مَرْسَلُ الرِّحْمٰنِ

R A B W A H

4 Zahur 1362.

4 August 1983.

Dear Ahmad Muriadi Al Pancery,

Assalamo Alaikum.

Thank you for your detailed letter
of the 15th July, 1983/Wara 1362.

May Allah bless you with His eternal
favour and grant you the best of this life and
of the life to come.

May He further strengthen your faith
in Islam and charge you with renewed vigour and
determination to serve His cause.

May Allah guide you to the right path
and guard you against all evil. Ameen.

Yours Sincerely,



(MIRZA TAHIR AHMAD)
Khalifatul Masih IV

8 AUG 1983

Mr. Ahmad Muriadi,
Indonesia.

”اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا و آخرت میں کامیابی عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام پر مضبوطی عطا فرمائے۔ صراحت متفقہ عطا فرمائے اور برائیوں سے بچائے۔“

اس سے میرا اعتقاد و عقیدہ پہلے سے زیادہ مضبوط ہو گیا کہ طفیل صاحب نے میرے لیے دعا فرمائی ہے، میں ضرور کامیاب ہوں گا اور میرا دشمن تین ماہ کے اندر اندر ہلاک ہو گا۔ میں نے اس خاطر کے بعد اٹھتے، بیٹھتے، سوتے جاتے اللہ تعالیٰ سے خوب دعائیں کی کہا کہ تم اس مہبلہ کی کامیابی کے لیے اور میں کامیاب ہو جاؤں۔ اس کے علاوہ میں نے اپنے معتقدین سے کہا کہ تم اس مہبلہ کی کامیابی کے لیے صدقہ کے بکرے ذبح کرو۔ چنانچہ اس قادریانی مرکز، جس میں، میں رہتا تھا، 17 بکرے ذبح کیے گئے اور رو، رو کر دعا الگ کی گئی۔ میں رات کو تجدیں میں خوب دعا کرتا اور یہ بھی کہتا اے مطلب القلوب! حاجی عرفان کا مرزا غلام احمد قادریانی کی طرف دل پھیر دے ورنہ اسے عذاب میں جلا کر دے تاکہ میرا دل مطمئن ہو جائے چونکہ اس وقت مرزا کی تعلیمات کا مجھ پر خوب خوب اڑتا۔ اس لیے اپنی ہدایت کے بجائے خلاف قانونی ہدایت کی دعا مانگتا رہا چونکہ میرے اور حاجی عرفان کے مہبلہ پر مشتمل چار ہزار فونو اشیت ملک بھر میں پہلی تھیں اور اس حق دباٹل کے سرکر کی خبریں خوب گرم تھیں کہ تین ماہ بک حاجی عرفان ہلاک نہ ہوا تو وہ میری گروں کاٹ سکے گا۔ اس لیے تین ماہ گزرنے سے ایک ہفتہ قبل پولیس نے مجھے گرفتار کر لیا اور پولیس اشیش لے جا کر مجھے وہ تحریر دکھائی، جس میں، میں نے لکھا تھا کہ اگر میں جھوٹا ثابت ہو جاؤں تو میری گروں کاٹ دی جائے اور کہا، کیا یہ تیری تحریر ہے؟ میں نے کہا تھا ہاں۔ اسی طرح حاجی عرفان سے کہا کہ اگر احمد ہاریادی غائب ہو گیا، یا اسے قتل کر دیا گیا تو اس کے نہاد دار آپ ہوں گے؟

تین ماہ پورے ہو گئے تو میں نے ایک ایسے قادریانی سے جو حاجی عرفان کا پڑوی تھا، پوچھا کہ حاجی عرفان کا کیا حال ہے۔ اس نے کہا وہ بالکل ٹھیک ہے۔ میں نے ابھی ابھی اسے دیکھا ہے، وہ اپنے گمراکے سامنے اپنے شاگردوں کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ اس پر میرے دل میں خیال آیا کہ ایسے کیوں ہوا؟ میں غلطی پر ہوں یا مرزا غلام احمد قادریانی کی وہی غلطی کیونکہ مرزا صاحب کا الہام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”میں اس کو ذمیل کروں گا، جو تیری المانت کرے گا“ اس وعدہ الہی کے باوجود مرزا صاحب کے اس دشمن کو اللہ تعالیٰ نے آخر کیوں ہلاک نہیں کیا؟ چنانچہ رفتہ رفتہ میرے دل میں قادریانیت کے خلاف شکوک و شبہات پیدا ہونے لگے اور آہستہ آہستہ میرے دل سے قادریانیت نکلنے لگی۔ پہلے اس کی حقانیت پر سو فیصد یقین تھا، تو اب اسی فیصد پھر پچاس فیصد تک رہ گیا۔ جب میرے مغلوب ہونے کی اطلاع قادریانی مرکز کو ہوئی تو مرکز کی جانب سے مجھے کہا گیا کہ تم جزیرہ لمجھ سے جزیرہ مالی کی طرف پڑے جاؤ گریں نے قادریانی مرکز کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور میں نے جزیرہ لمجھوں کو نہیں چھوڑا اور میں حاجی عرفان صاحب کے آنے کا انتظار کرتا رہا۔ مگر وہ نہ آئے۔ یہاں تک کہ مہبلہ کی تاریخ سے دو بیانے اور ہو گئے تو میں

عرفان اپنے سینکڑوں ساتھیوں کے ہمراہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میرا اور آپ کا مبیلہ ہوا تھا۔ مدت مقررہ تین ماہ گزر گئے اور مجھ پر اللہ کا عذاب نازل نہیں ہوا۔ آپ نے کہا تھا اگر تین ماہ کے اندر اندر مجھ پر اللہ کا عذاب نازل نہ ہوا تو میں آپ کی گرون کاٹ دوں۔ لہذا اپنی گردن لائیے تاکہ میں اسے کاث کر یہ اعلان کر سکوں کہ آپ جبوٹے ثابت ہوئے اور مرزا غلام احمد کذاب، دجال اور مرتد تھا۔ اس پر میں نے آگے سے جوابی تقریر شروع کر دی۔ حاجی عرفان نے کہا میں تمہاری تقریر سننے نہیں آیا۔ حسب معاهدہ گردن لائیے تاکہ میں اسے کاث کر اعلان حق کر سکوں۔ بہر حال حسب معاهدہ میں نے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ قریب تھا کہ حاجی عرفان صاحب میری گردن کاٹ دیتے، مگر انھوں نے کہا میں اللہ تعالیٰ سے پڑامید ہوں کہ تجھے ہدایت نصیب ہو جائے۔ اس لیے میں تیری گردن نہیں کاشتا۔ اس کے ساتھیوں نے کہا اگر تم اس کی گردن نہیں کاشتے تو ہم اس کام کو سرانجام دیتے ہیں۔ حاجی عرفان نے ان کو بھی منع کر دیا۔ اسی اثناء میں فریقین کے تحفظ کے لیے پولیس آگئی۔ مجھے اور حاجی عرفان کو گرفتار کر کے لے گئی۔

اس سانحہ کے بعد میرے دل میں ٹھوک و شہمات نے کثرت سے جنم لینا شروع کر دیا کہ ایک طرف تو مرزا غلام احمد "کشتی نوح" میں لکھتا ہے کہ "میری روح ہر اس قادریانی کی مدد کو آئے گی، جو قلعہ ہو گا" اور یہاں باوجود اخلاص کے، میں یہ طرح لکھتے کھاچکا ہوں۔ مگر مرزا صاحب کی روح نے آکر میری مدد نہیں کی۔ اس ڈھنی کھلکھل کے طوفان بلا خیز کے سامنے میں مجبور ہو گیا اور قادریانیت کی صداقت کی فلک بوس عمارت مجھے زمین بوس ہوتی نظر آئی۔ میں تین دن کے بعد مجبوراً جزیرہ نماہ سے جزیرہ مالی چلا گیا۔ اب میں قادریانیت کو چھوڑنا چاہتا تھا مگر حالات اور معاملات سے اس قدر مجبور تھا کہ چاروں طرف سے مجھے مشکلات نظر آتی تھیں کہ کھاؤں گا؟ مگر کہاں سے لا دیں گا، پچھوں کا کیا ہو گا وغیرہ وغیرہ۔ گویا میں ہر طرف سے قادریانی حصار میں جکڑا ہوا تھا۔ اسی اثناء میں مجھے جزیرہ مالی سے جادا شرقی کے شہر مادیون کے مرتبی بن جانے کے احکامات موصول ہوئے اور میں بادول خواستہ وہاں چلا گیا۔ اب مجھ میں وہ جذبہ نہیں تھا جو اس سے قلیل تبلیغ قادریانیت کے سلسلہ میں اپنے اندر پاتا تھا۔ جبراً و قہراً اور اپنی مجبوری کی وجہ سے میں بہر حال ان کے ساتھ چل دیا۔ مگر دل کی خلش اور قلت کے باعث میں اس جتوں میں تھا کہ کوئی ملازمت مل جائے تو میں اس منحوس جماعت کو چھوڑ کر ترک قادریانیت کا اعلان کر سکوں۔ اس سلسلہ میں، میں نے پانچ بار بروڈنی کا سفر کیا۔ قادریانی مرکز کی جانب سے مجھے بار بار روکا گیا کہ خلیفہ کی اجازت کے بغیر آپ ملک سے باہر نہیں جا سکتے۔ میں نے ان کی ایک نسی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان سے مجھے مالمگر یا میں ملازمت مل گئی اور میں " مؤسسه الارقم بالدعوه" یعنی اسلامی فاؤنڈیشن میں صرف ٹھوک کا استاد مقرر ہو گیا۔ اس وقت میں نے وہاں کے اخبار الوطن اور ہفتہ وار جریدہ اسلامیہ اور روزنامہ یہنگاپور کے صحافیوں کے سامنے قادریانیت سے برات کا اعلان کر دیا۔ یہ تین سے گیارہ اپریل 1986ء کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد

قادیانیوں کی جانب سے ہر طرح کارابطہ فتح ہو گیا اور میں نے اپنے قادیانیت سے نکلے کی وجہات پر مشتمل ایک کتاب لکھی جس کا نام ہے ”میں نے قادیانیت کیوں چھوڑی؟“ اس میں، میں نے واضح کیا کہ دس سال تک قادیانی مبلغہ ہونے کے باوجود میں نے قادیانیت کیوں چھوڑی؟ میں نے اس کتاب کو تین ابواب پر تقسیم کیا:

قادیانیت سے قتل کے حالات

-1 قادیانیت میں داخل ہونے کے بعد کے حالات

-2 قادیانیت سے نکلنے کے اسباب و وجوہات

-3 یہ کتاب انٹرویوی زبان میں 76 صفحات پر مشتمل مطبوعہ موجود ہے۔ اس میں، میں نے مرزا طاہر احمد کو دعوت مبلغہ بھی دی دی ہے۔

دو سال تک، میں مالمیریا میں رہا۔ اسی اثناء میں میری یہ کتاب شائع ہوئی۔ اس کے تمام تر مصارف رابطہ عالم اسلامی انٹرویویا نے پرداشت کیے۔ اسی بنا پر رابطہ عالم اسلامی کے سکریٹری جزل جناب ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف نے رابطہ عالم اسلامی انٹرویویا کو لکھا کہ اس شخص سے ہر طرح کا تعاون کیا جائے اور اس کے تمام مصارف رابطہ عالم اسلامی کی جانب سے پورے کیے جائیں۔ میں والیں انٹرویویا آگیا اور مجھے رابطہ کی جانب سے مبلغہ نامزد کر دیا گیا۔ جب میری اور مرزا طاہر احمد کی خط و کتابت شروع ہو گئی اور میں نے مرزا طاہر احمد کو دوبارہ مبلغہ کا چیخنگ دے دیا:

مرزا طاہر احمد کو مبلغہ کے چیخنگ کا خط

جاتب مرزا طاہر احمد صاحب ظلیفہ رائج سعیح کذاب، حال ساکن لندن

-1 اس بنا پر کہ میں نے اپنی کتاب ”میں نے قادیانیت کیوں چھوڑی؟“ میں آپ کو مبلغہ کا چیخنگ دیا تھا۔

-2 آپ نے 4 اور 10 جولائی 1988ء کے خطبات جمعہ مسجد الفضل لندن میں اس کا تذکرہ کیا تھا کہ میں، عالم اسلام کے علماء اور خصوصاً علماء پاکستان سے مبلغہ کرنے کے لیے تیار ہوں بلکہ آپ نے علماء کو مبلغہ کا چیخنگ دیا تھا اور اسی مناسبت سے آپ نے مبلغہ کی ایک تحریر علماء اسلام خصوصاً علماء پاکستان کے نام بھیجی تھی۔ اسی طرح اس کی ایک کالپی آپ نے مجھے (احمد ہاریادی) کو بھی بھیجی تھی کہ میں اس پر دخنگا کر کے آپ کے ساتھ مبلغہ کرنے والوں کی صفت میں شامل ہو جاؤ۔

-3 مرزا غلام احمد قادیانی اپنی کتاب ”انجام آئھم“ ص 65-66 میں لکھتا ہے کہ مبلغہ پر طرفین کی جانب سے دخنگا ہو جانے کے بعد ایک سال کے اندر اندر جموئی پرانش کی لعنت کا ظہور ہو جاتا ہے۔

مرزا غلام احمد قادری اکتوبر پہلے اپنے خانمین کو مبلہ کا چیخنگ دیا کرتا تھا۔ ۴
 ان چار نکات کی نیاد پر، میں آپ کے پاس مبلہ کی تحریر کی ایک مختصر کاپی بیچ رہا ہوں۔ آپ اس پر فوراً دخطل کر دیں تاکہ اسے اخبارات و رسائل میں شائع کیا جائے تاکہ پوری دنیا پر حقیقت حال واضح ہو جائے۔
 میں تھیں اس تحریر پر فوراً دخطل کرنے کی دعوت دیتا ہوں اور میں تھیں آگاہ کرتا ہوں کہ اگر آپ نے دخطل نہ کیے تو آپ تم میں حانت ہو جائیں گے۔ آپ دخطل کر کے مرد اگلی دکھائیں۔ تھیروں کا کوارڈ ادا نہ کجھ۔
 جب آپ مبلہ کے سلسلہ میں جکارہ آتا چاہیں تو آپ کے آئے جانے کا لکٹ میرے ذمہ ہو گا۔ اگر اس مقصد کے لیے ہمیں اپنے مستقر لندن میں بلانا چاہیں تو ہم اپنے لکٹ پر وہاں حاضر ہونے کو بھی تیار ہیں۔
 سننے! میں آپ کے جواب کی انتشار میں رہوں گا۔ مجھے قوت ہے کہ آپ اپنی حتم سے مخفف نہیں ہوں گے۔

احمد ہاریادی سابق قادری مبلغ اغذونیشا

۱۷ محرم ۱۴۰۸ھ مطابق ۲۰ اگست ۱۹۸۸ء

مرزا طاہر کو مبلہ کا چیخنگ بسم اللہ الرحمن الرحيم

”میں احمد ہاریادی وس سالہ سابق قادری مبلغ، اس خط مبلہ کے ذریعہ اعلان کرتا ہوں اور تم اخھاتا ہوں کہ مرزا غلام احمد قادری بانی جماعت احمدیہ اپنے دعویٰ نبوت و رسالت میں جھوٹا، مفتری اور کذاب و دجال تھا اور وہ اپنے الہامات میں (جن کے بارے میں وہی کا دعویٰ ہمارے ہے) بھی جھوٹا اور مفتری تھا۔ یہ سب اس کے اپنے ذاتی خیالات و ادھام تھے۔ اگر میں اپنے طلف مبلہ میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔“

احمد ہاریادی، اغذونیشا

۲۰ اگست ۱۹۸۸ء مطابق ۱۷ محرم ۱۴۰۹ھ

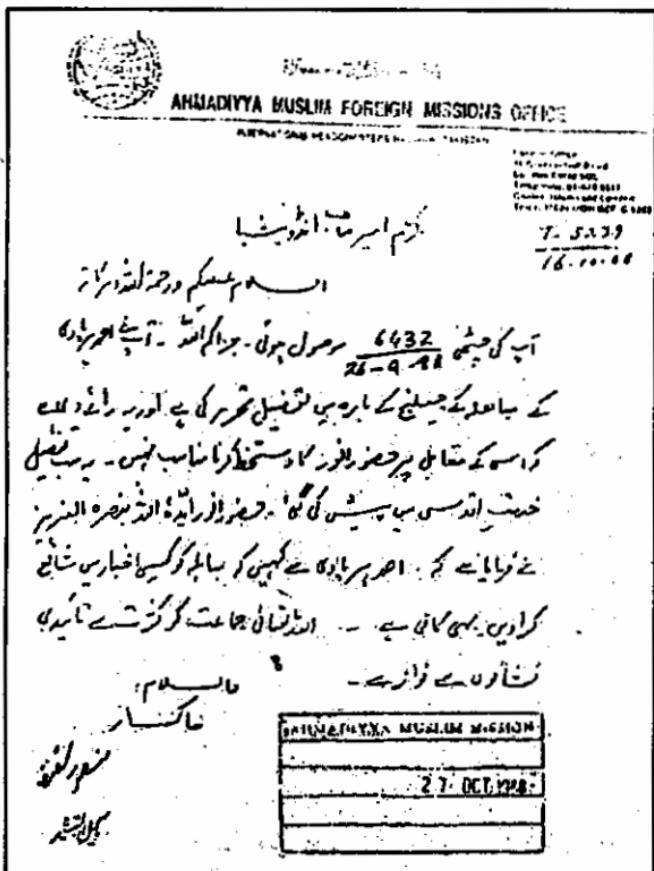
میں نے دعوت مبلہ اور اپنے خط کے ساتھ مرزا طاہر احمد کو ایک تحریر بھی کہ اگر آپ مجھ سے مبلہ کے لیے تیار ہیں تو تحریر پر دخطل کر دیں:-

”میں طاہر احمد سعیج کا چھقا خلیفہ اور عالیٰ جماعت احمدیہ کا سربراہ احمد ہاریادی کے اس خط کے جواب میں حتم کھاتا ہوں کہ مرزا غلام احمد قادری بانی جماعت احمدیہ، جس نے نبوت و رسالت کا دعویٰ کیا تھا، اپنے دعویٰ میں سچا تھا اور اس نے جو کچھ بیان کیا، وہ اللہ کی جانب سے سچی وہی تھی۔ وہ اس کے ذاتی خیالات و ادھام نہیں تھے، اس لیے میں اللہ کی حتم کھاتا ہوں کہ بے شک احمد ہاریادی پر عقریب اللہ تعالیٰ کی لعنت کی مار پڑے گی اور وہ اس مبلہ نامہ پر دخطل کرنے کے بعد ایک سال کے اندر اندر ذلیل و رسوا ہو کر

مرجائے گا اور اگر اس پر ایک سال کے اندر اندر مسیبت (عذاب) نازل نہ ہوئی تو میں اور پوری دنیا کے تمام احمدی، قادریانی مذہب چھوڑ کر اسلام میں داخل ہونے کے لیے تیار ہیں۔ پھر ہم سب دین اسلام میں (جو کہ حق ہے) شامل ہو جائیں گے۔

طاہر احمد، خلیفہ سعید ربانی
اس کے جواب میں مرزا طاہر کی طرف سے ریوہ کے وکیل تبیشر منصور احمد نے انڈونیشیا کے

قادیانی امیر کو لکھا:



دوسری طرف مرزا طاہر نے انڈونیشیا کی قائم قادریانی جماعتوں کو لکھا کہ ہر نماز کے بعد احمد ہاریادی کی ہلاکت کی دعا کریں اور ہر مرکز ایک ایک بکرا ذبح کرے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے کتنی مو بکرے ذبح کیے گئے۔

اس کے بعد میں نے انڈونیشیا کے قادریانی مرکز کو تقریباً ایک سو خطوط لکھے کہ مرزا طاہر احمد کو، میں نے مہبلہ کا چیخنگ دیا ہے گروہ میرے مقابلہ پر نہیں آتا۔ مرزا ہم نے مرزا طاہر احمد کو لکھا کہ اگر آپ چھے ہیں اور احمد ہاریادی جھوٹا ہے اور وہ مہبلہ کا چیخنگ بھی آپ کو دے چکا ہے تو اس پر اللہ کا عذاب کیوں

ہازل نہیں ہوتا اور وہ ہلاک کیوں نہیں ہوتا؟ اس پر مرزا طاہر احمد اور قادریانی مرتب انجیں جواب دیتے رہے کہ
عذربیب احمد ہاریادی پر اللہ کا عذاب ہازل ہوگا۔

لیکن جب اٹھوئیشی قادیانیوں کی جانب سے میرے اور حاجی عرفان کے مبلہ کے نتیجے میں
میری تکست اور میرے قادریانیت سے تائب ہونے اور حاجی عرفان کی فتح کے سلسلہ میں مرزا طاہر پر دباؤ
بڑھاتو مرزا طاہر نے نہایت غصہ میں اٹھوئیشیا کے قادیانیوں کے نام اردو زبان میں پندرہ صفحات پر مشتمل
ایک خط بھیجا اور لکھا کہ کافی لازم ہے کہ یہ احمدیوں کو پڑھ کر سنایا جائے کہ میں احمد ہاریادی کے مہابت سے بھی
ہوں۔ میرا اور احمد ہاریادی کا مبلہ نہیں ہوا بلکہ یہ ملعون اٹھوئیشی احمدیوں کا فعل ہے۔ یہ انہوں نے مبلہ
کیا تھا۔ لہذا میں اس سے بری ہوں۔

میری مبلہ والی کتاب شائع ہوئی تو میں نے قادریانی مرکز میں سے ہر ایک کو پانچ پانچ نئے
بھیجے تاکہ ان کو حقیقت معلوم ہو سکے۔ اس کتاب میں، میں نے واضح کیا میرا حاجی عرفان سے مبلہ ہوا۔
میں نے تکست کھائی، اس لیے قادریانی مذہب جھوٹا ہے پھر میں نے مرزا طاہر کو مبلہ کا چیخن دیا مگر وہ آج
تک میرے مقابلہ میں نہیں آیا۔

خلاصہ یہ کہ پوری مرزا کی امت نے میرے خلاف بدوعائیں کیں، کئی سو بکرے ذئع کیے گئے کہ
کسی طرح ہمارے گلے کا کائنات احمد ہاریادی مرجائے اور ہم مسلمانوں کو دھوکہ دے سکیں لیکن آج تک میں
امد نہ تھیک ہوں۔ ہاں البتہ میرے اس مبلہ کے بعد مرزا طاہر احمد کی یوں اور قادریانی مرکز اٹھوئیشیا کے
امیر محمود احمد چیخہ کی یوں مرگی۔

یہ میری صداقت اور مرزا طاہر کے جھوٹے ہونے کی واضح دلیل ہے۔ ہبھال میں اس کے بعد
بریکھم میں پار ہویں عالمی فتح نبوت کانفرنس 1997ء میں بھی مرزا طاہر احمد کو رو در رو مناقشہ، مناظرہ اور
مبلہ کا چیخن دے چکا ہوں۔ اب میں اس تحریر کے ذریعہ پھر مرزا طاہر احمد کو چیخن دیتا ہوں۔ اگر وہ یہاں
اٹھوئیشیا میں آنا چاہیں تو اس کے سفر کے تمام مصارف ہمارے ذمہ ہوں گے۔ ہرے شوق سے آئے اور
اگر وہ یہاں آنا پسند نہ کریں تو ہمیں جہاں فرمادیں، اپنے اخراجات پر آنے کو تیار ہیں۔

وَإِن لَمْ تَفْلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحَجَارَةُ.

جاء الحق وزهر الباطل ان الباطل كان زهوفاً.

میں ایک پار پھر موجودہ قادریانی طفیلہ کو مبلہ کا چیخن دعا ہوں اور انہیں دعوت دیتا ہوں کہ چند
روزہ عیش کی خاطر اپنی آخرت برپا نہ کریں بلکہ حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسن رحمت سے
وابستہ ہو کر اپنے آپ کو جہنم کی آگ اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچالیں۔

وَصَلَى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٌ وَآلُهُ وَاصْحَابِهِ اجمعِينَ.



ڈاکٹر عبداللہ خان اختر

قبول اسلام کی ایمان پرور سرگزشت

جاتب عبداللہ خان اختر جتوئی بلوچ غلغلہ مظفر گڑھ کے قصبہ جتوئی میں زیر تعلیم تھے کہ ایک قادیانی نجپر نے قادیانی بیچج دیا۔ تعلیم حاصل کر کے باہر کے ملکوں میں قادیانیت کے مبلغ بن کر گئے۔ پاکستان میں بھی قادیانیت کے مدارے ہے۔ 1953ء میں مرزا محمود نے عدالتی تحقیقات میں پیش ہو کر جو بیان دیا، وہ بیان، قادیانی تعلیمات سے اخراج تھا۔ عبداللہ اختر بھی گئے کہ قادیانیت فراذ ہے۔ نئے سرے سے قادیانیت کا مطالعہ کیا اور مسلمان ہو گئے۔ مسئلہ فتح نبوت اور مرزا نیت، حیات عیسیٰ علیہ السلام اور مرزا قادیانی کا انکار و اقرار، مرزا کی خطرناک بیماریاں، مرزا اور غیر محمد گورنمنٹ، مرزا نیت سے توبہ کے اسہاب، مرزا کے شیطانی الہام و شیطانی تحریریں وغیرہ محدود کتابی تحریر کیے۔ کچھ عرصہ عالی مجلس تحفظ فتح نبوت کے مبلغ بھی رہے۔ قصبہ جتوئی میں انتقال ہوا۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔

سب سے پہلے میں اس وحدہ لاشریک خداوند تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں اور اس کی بے حد حمد اور تعریف کرتا ہوں کہ جس نے مجھے 22 سال تک مرزا نیت جیسی گراہ کن اور اسلام دشمن تحریک میں رہنے کے بعد پچھے دل سے توبہ کرنے کی توفیق بخشی۔ گویا کہ میں صحیت اور گنہگاری کے سمندر کی لمبڑی میں پیغمبر کے حکما تھا جبکہ اس کے دست رحمت نے میرا ہاتھ پکڑ کر کنارے پر لاکھڑا کیا۔ پھر میں اس پاک ذات پر لاکھوں درود اور سلام بھیجا ہوں جو کہ تمام دنیا اور ما فیہا بلکہ تمام جہاؤں کے لیے رحمت بن کر آئے، جن کی ذات پا برکات کے مثقل تمام جہاں آپا کیے گئے اور وہ تمام انہیاء کرام کے سروار چیز اور خداوند تعالیٰ کے سب سے زیادہ محبوب ہیں، جن کا دیا ہوا ضابطہ حیات، قیامت تک کے لیے اور اس کے بعد بھی تمام جن و انس کی ہدایت و نجات کا موجب ہے، جن کے نام کا ہالی جھنڈا قیامت تک لہراتا رہے گا، جن کے بعد کسی اور نبی، رسول اور پیشوائی کی ضرورت باقی نہیں رہتی، جن کی پاک زندگی کا ایک ایک لمحہ ہر ذی شعور انسان کو درس ہدایت دے رہا ہے۔ الحمد للہ میں نے ان کے پاک دامن کو پھر سے پکڑ لیا ہے۔

اے میرے پیارے خدا تو رحیم و کریم ہے تو مجھ پر احسان فرماؤ اور میری 22 سالہ ان سرگرمیوں کو معاف فرمادے جو میں نے تائید مرزا نیت میں صرف کی ہیں۔ میں تیرے دربار میں کھڑا ہو کر پچھے دل سے

پھر تو بہ کرتا ہوں کہ تو میری توبہ کو قبول فرماؤ رائے میرے پیارے محبوب خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ مجھے پھر سے اپنے دامنِ رحمت میں جگہ دیں اور اسے میرے پیارے مسلمان بھائیوں میں آپ سب سے بھی معاف چاہتا ہوں اور درخواست کرتا ہوں کہ آپ بھی خداوند تعالیٰ کے دربار میں میری توبہ کی قبولیت کے لیے دعا کریں، تاکہ میرے تمام گزشتہ گناہ معاف ہو جائیں اور آئندہ تائید اسلام میں ہی میری تمام زندگی صرف ہوا در قیامت کے دن ان لوگوں میں شامل ہو کر انہوں، جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے عاشق تھے۔ آمن۔

میں اپنا مختصر ساتھ اس تعارف کرانا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ میں جتوںی ضلع مظفر گڑھ کا رہنے والا ہوں اور جتوںی بلوچ خاندان بے تعلق رکھتا ہوں۔ جب میں مقامی سکول کی آنھوں جماعت میں پڑھتا تھا، تو میرا انگلش ٹیچر قاضی ظہور اللہ صاحب، کسی غلط فہمی کی بناء پر مرزائی ہو گیا اور جلسہ پر قادریان بھی گیا۔ جب واپس آیا تو اس نے مرزائیت کی تبلیغ شروع کر دی۔ کرنا، خدا کا ایسا ہوا کہ میں مل کا فائل امتحان دے کر مارچ 1931ء میں بذریعہ چودھری محمد عبداللہ خان صاحب، برادر حقیقی سر ظہور اللہ خان صاحب، قادریان چلا گیا اور ظاہری حالات دیکھ کر میں نے بیعت کر لی۔ مگر میرے رہبر اس ٹیچر صاحب نے مرزائیت سے توبہ کر لی۔ حجیل تعلیم کی غرض سے میں ”درسہ الحجیۃ“ میں داخل ہو گیا اور ساتویں جماعت تک تعلیم پائی، جس میں دنیاوی تعلیم کے علاوہ دینی تعلیم بھی حاصل کی۔ ترجمۃ القرآن، تفسیر، ادب، صرف و نحو کے علاوہ احادیث اور فقہ کی کتب بھی ختم کیں۔ اسی دوران، مطالیہ تحریک جدید کے حواب میں، میں نے بھی غیر مالک میں جا کر تبلیغ کرنے کے لیے اپنا نام پیش کر دیا۔ چنانچہ مشرقی مالک میں جانے والے مبلغین کے گروپ میں مجھے سماں کا پورا اور طالیا، میں برائے تبلیغ بھیج دیا گیا۔ ساڑھے تین سال ہیکل تبلیغ کرنے کے بعد والیں قادریان آپا اور تھوڑا عرصہ بعد ایک معزز خاندان میں میری شادی ہو گئی اور مختلف اداروں میں کام کرتا رہا۔ پاکستان بننے پر میں نے مظفر گڑھ میں آباد ہو کر پاکستان میڈیا یکل ہال کھولا اور پھر جتوںی چلا آیا۔ اتنے میں ربوہ بھی مرکز بن چکا تھا اور اپنے بال پیچے لے کر وہاں چلا گیا اور پھر بطور مبلغ کام کرنے لگا۔ ضلع سرگودھا میں جگہ جگہ چلے کرائے، مناظرے کیے اور خوب زور و شور سے مرزائیت کا پروگرام کرتا رہا۔ اتنے میں تحریک ختم نبوت 1953ء شروع ہو گئی۔ تحریک کے ایام میں بھی، میں نے تائید مرزائیت میں بہت نمایاں کام کیا، مگر میرے دل میں ایک خلشی ضرور پیدا ہوئی اور دماغ، نظر ہاتھی کرنے کی طرف مائل ہوا۔ چنانچہ میں نے خالی الہ، ہن ہو کر لٹریچر کا دوبارہ مطالعہ شروع کر دیا۔ تحریک کے بعد مارشل لاء بھی ہٹ گیا تھا کہ میں نے رمضان شریف کے مبارک مہینہ میں کوٹ مونن کی جامع مسجد میں ترک مرزائیت کا اعلان کر دیا۔ پھر 22 سال بعد چار پیچے اور ایک یوں لے کر اپنے دلن میں واپس آ گیا ہوں۔

قادریانیوں ہی کی صد قاتب سے میں انشاء اللہ ثابت کروں گا کہ علموں اور انگریزوں سے مل

کر، پنجاب میں، مرزا غلام احمد قادری کے باپ مرزا غلام مرتضی اور اس کے بھائی میرزا غلام قادر، کس طرح نئے مسلمانوں پر وارکرتے رہے اور ان کے مال، جان اور عزت کو کس طرح برپا دکرتے رہے اور سکھوں اور انگریزوں کی فوج میں داخل ہو کر کس طرح ہزاروں مسلمانوں کو تکمیل کے لحاظ اٹارتے رہے۔ حتیٰ کہ اس زمانے کے آخری شہید حضرت شاہ عبدالحیل شہید، جنہوں نے سکھوں کے خلاف علم جہاد پنڈ کیا تھا، ان کو بھی، انھیں کے ہاتھوں جام شہادت پینا پڑا اور ضلع ہزارہ میں اب تک ان کے خون کا قطعہ قطعہ یہ گواہی دے رہا ہے۔ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب اپنی کتاب ”سریۃ نقح موعود“ میں تاریخی طور پر فخر کے ساتھ مندرجہ ذیل واقعات درج کرتے ہیں:-

”آخر اپنی تمام جا گیر کھو کر عطا محمد بیگوال، سردار فتح سنگھ آمولوالیہ کی پناہ میں چلا گیا اور 12 سال تک اس وامان سے زندگی بسر کی۔ اس کی وفات پر رنجیت سنگھ نے، جورام گڑھیسل کی تمام جا گیر پر قابض ہو گیا تھا، غلام مرتضی کو واپس قادیان بala یا اور اس کی جدی جا گیر کا ایک بہت بڑا حصہ اسے واپس دے دیا۔ اس پر غلام مرتضی اپنے بھائیوں سمیت مہاراجہ کی فوج میں داخل ہوا اور کشمیر کی سرحد اور دوسرے مقامات پر قابل قدر خدمات انجام دیں۔“

(گویا سکھوں کے خلاف مسلمانوں کو ہمیشہ ہتھیار کرتا رہا۔ نقل) پھر لکھتے ہیں۔

”ونہال سنگھ، شیر سنگھ اور دربار لاہور کے دور دورے میں غلام مرتضی ہمیشہ فومنی خدمات پر مامور رہا۔ 1841ء میں یہ جرنیل دنخوار کے ساتھ منڈی اور کلوکی طرف بھیجا گیا۔“

یعنی جہاں بھی مسلمان سکھوں کے خلاف سر اٹھاتے تھے، ان کو ختم کرنے کے لیے قادری نبی کے باپ نی کو بھیجا جاتا تھا اور وہ ان کو یہ تنقیح کیے بغیر واپس نہ آتا تھا۔ چنانچہ آگے لکھتے ہیں:-

”اور 1842ء میں ایک پیادہ فوج کا کمیڈان بننا کر پشاور روانہ کیا گیا۔ ہزارہ کے مقدمے میں اس نے کارہائے نمایاں کیے اور جب 1848ء کی بغاوت ہوئی تو یہ اپنی سرکار (سکھوں، نقل) کا نمک حلال رہا اور اس کی طرف سے (مسلمانوں کے خلاف، نقل) لا۔ اس موقع پر اس کے بھائی (مرزاۓ قادریان کے بھائی) غلام محبی الدین نے بھی اچھی خدمات کیں۔ جب بھائی مہاراج سنگھ اپنی فوج لے دیویان مولراج کی امداد کے لیے ملتان کی طرف جا رہا تھا تو غلام محبی الدین نے مسلمانوں کو بھڑکایا اور مصر صاحب دیال کی فوج کے ساتھ ”باغیوں“ (مسلمان مجاہدین، نقل) سے مقابلہ کیا اور ان کو ٹکست فاش دی۔ ان کو سوائے چتاب کے

کسی اور طرف بھاگنے کا راستہ نہ تھا، جہاں چہ سو سے زیادہ آدمی (مجاہد، ناقل)
ذوب کر رہے۔“

منہ بہ بالا و اقتات تو صرف سکون کے عہد حکومت سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ تو اسلام و ہندی کا
صرف ایک نمونہ ہے، دوسرا نمونہ جو کہ انگریزوں کے عہد حکومت سے تعلق رکھتا ہے، ذیل میں درج کرتا ہوں:
الحاقد کے موقع پر اس خاندان کی جا کیر ضبط کی گئی مگر 700 روپیہ کی پیش غلام
مرتضی اور اس کے بھائیوں کو عطا کی گئی اور قادیان اور اس کے گرونوواح کے
مواضعات پر ان کے حقوق مالکانہ رہے۔ اس خاندان نے خود 1857ء کے
دوران بہت اچھی خدمات کیں، غلام مرتضی نے بہت سے آدمی بھرتی کیے اور اس
کا بیٹا غلام قادر، جزل نکشن صاحب بہادر کی فوج میں اس وقت تھا۔ جبکہ اندر
موصوف نے ترمیموگھٹ پر 46 نینھیں المعری کے ہائیوں کو، جو سیا لکوٹ سے
بھاگے تھے، دفعت کیا۔ جزل نکشن صاحب بہادر نے غلام قادر کو ایک سندوی،
جس میں یہ لکھا ہے 1857ء میں خاندان قادیان طیح گوردا سپور تمام درسے
خاندانوں سے زیادہ نیک حلال رہا۔“

” نظام الدین کا بھائی امام الدین (مرزا نے قادیان کا پیچا زاد بھائی، ناقل) جو
1904ء میں فوت ہوا۔ ولی کے معاصرے کے وقت ہاؤ سن ہارس (رسالہ) میں
رسالدار تھا اور اس کا باپ غلام گی ام الدین تھیصلہ ارتھا۔“

(سیرہ سعیت موجود، مصنف مرزا بشیر الدین محمد احمد، ص 82)

اب آپ مرزا غلام احمد صاحب کا اپنا بھاگن پڑھتے، جو اس نے اپنے باپ کی اسلام و ہندی اور
انگریز دولت کے اعتراف پر اپنی کتاب ”البریہ“ میں لکھا ہے اور اس کے للا کے مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے
نے اپنی کتاب سیرہ المہدی کے صفحہ 120 پر درج کیا ہے:-

”میرے والد صاحب مرزا غلام مرتضی اس نواح میں ایک مشہور رہیں تھے۔ گورز
جزل کے دربار میں بزرگہ کری شین رئیسون کے ہیئت بلائے جاتے تھے۔
1857ء میں انھوں نے سرکار انگریزی کی خدمت گزاری میں پھاس گھوڑے مدد
پھاس سواروں کے اپنی گرد سے خرید کر دیے تھے اور آئندہ گورنمنٹ کو اس قسم کی
مد کا عندا لھر پورت وعدہ بھی دیا اور سرکار انگریزی کے حکام وقت سے، بوش
خدمات عمده عمده چشمیات خوشودی مراج، ان کوئی حصیں۔“

”غرض وہ حکام کی نظر میں بہت ہر لمحہ رہن تھے اور بسا اوقات ان کی دلجموئی کے لیے

حکام وقت ڈپٹی کمشنر اور کمشنر ان کے مکان پر آ کر ان کی ملاقات کرتے تھے۔“

اب ناظرین کرام پر یہ بات آشکار ہو چکی ہے کہ قادیانی کا خاندان حکم اپنی جاگیر اور جاہ و جلال کی خاطر مسلمانوں کے خون کا سودا پہلے عکھوں سے اور پھر انگریزوں سے کرتا رہا اور ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف کافروں کی طرف سے نبرد آزمرا رہا۔ لہذا جہاں مرزا نے قادیانی کے والد اور دوسرے بزرگوں نے مسلمانوں کے خون کے ساتھ ہولی کھیلی تھی، وہاں خود مرزا صاحب نے بھی یہی فرض ادا کیا مگر دوسرے طوروں طریقہ سے جیسا کہ خود بھی لکھتے ہیں ”سیف کا کام قلم سے ہے دکھایا ہم نے“ اب میں مرزا صاحب کی اپنی اسلام دشمنی اور انگریز دوستی کے متعلق ٹھوں واقعات کی بناء پر کارروائیوں کو درج کرتا ہوں۔

تعلیم

مرزا بشیر الدین محمود اپنی کتاب ”سیرۃ مجھ موعود“ کے صفحہ 14 پر اپنے نبی باپ کی تعلیم کے متعلق یوں رقم طراز ہیں:-

”جب آپ بچہ ہی تھے تو آپ کے والد نے ایک استاد آپ کی تعلیم کے لیے ملازم رکھا جن کا نام فضل اللہ تھا۔“

”اس کے بعد دس سال کی عمر میں فضل احمد نامی ایک استاد ملازم رکھے۔“

”اس کے بعد سترہ اخبارہ سال کی عمر میں مولوی گل علی شاہ آپ کی تعلیم کے لیے ملازم رکھے۔“

خاہر ہے قریباً 25 سال کی عمر تک مرزا غلام احمد صاحب، دینی اور دینی تعلیم حاصل کرتے رہے تاکہ پڑے ہو کر اپنے اکتسابی علم کے زور سے لوگوں کو اپنے دام تزویر میں لا سکتیں اور تمwar کے ذریعے نہیں بلکہ قلم کے زور سے مسلمان قوم کو انگریزوں کا مطیع اور فرمادار بنا سکتیں۔

ملازمت

اب میں وہ واقعہ درج کرتا ہوں جس کی بنا پر انھوں نے سیاکلوٹ میں ملازمت اختیار کی۔ آپ یہ واقعہ پڑھئے اور داد دیجئے کہ کس طرح نبی بننے والے شخص نے پیش کا 700 روپیہ چند دنوں میں ناجائز طریقوں سے اڑاکر حکم کیا اور پھر اپنی بد اعمالیوں کے پیش نظر گھروالیں نہ آیا بلکہ سیاکلوٹ میں ایک معمولی ملازمت اختیار کی۔

ان کا لڑکا مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے سیرۃ المهدی کے ص 43-44 پر اپنی والدہ کی روایت یوں درج کرتا ہے:-

”بیان کیا مجھ سے والدہ صاحبہ نے ایک دفعہ اپنی جوانی کے زمانہ میں حضرت مجھ

موعود تھارے دادا کی پیش وصول کرنے گئے تو مجھے مرتزہ امام الدین بھی چلا گیا۔ جب آپ نے پیش وصول کر لی تو وہ آپ کو پھسلا کر اور دھوکہ دے کر بجائے قادریان لانے کے، باہر لے گیا اور ادھر ادھر پھرتا رہا۔ مگر جب اس نے سارا روپیہ اڑا کر فتح کر دیا تو آپ کو چھوڑ کر چلا آیا۔ مسح موعود اس شرم سے گھر نہیں آئے..... اس لیے آپ سیالکوٹ شہر میں ڈپنی کشنز کی کچھی میں قلیل تنخواہ پر ملازم ہو گئے۔

مجھے اس روایت پر حاشیہ آرائی کرنے کی ذرا بھی مبنی نظر نہیں آتی کیونکہ ہر شخص اس کا مفہوم اور مطلب خود ہی سمجھ سکتا ہے اور اندازہ لگا سکتا ہے کہ کیا نبوت جیسا اعلیٰ ترین اور پاکیزہ درجہ کو حاصل کرنے والوں کے اعمال اور کروار نعمود بالشادی یہی ہوتے ہیں؟

اب میں یہ بیان کرتا ہوں کہ سیالکوٹ میں کس طرح انہوں نے عیسائی مشتری سے ساز باز کی اور خفیہ طور پر کس طرح مسلمانوں میں سے مسئلہ جہاد کے مٹانے کی ذمہ داری اپنے سر پر لی اور کس طرح خفیہ طور پر تنخواہ بھی وصول کرتے رہے اور پھر ان کی عربی زبان کی لیاقت کا انگریزوں کو کیونکہ پڑھا اور وہ ان کو اپنا ابجٹ بنانے کے لیے کیونکہ مجبور ہوئے، یہ سب کچھ آئی پڑھئے۔

”مرزا صاحب کی لیاقت سے کچھی وا لے آ گاہ نہ تھے، مگر چونکہ اسی سال کے اوائل گرامیں، ایک عرب نوجوان محمد صالح نام شہر میں وارد ہوئے، ان پر جاسوسی کا شبہ ہوا۔ ڈپنی کشنز صاحب، جن کا نام پرکسن تھا، محمد صالح کو اپنے مکان میں بغرض تفتیش حالات طلب کیا۔ ترجمان کی ضرورت تھی۔ مرزا صاحب چونکہ عربی میں کامل استعداد رکھتے تھے اور عربی زبان میں تحریر و تقریر بخوبی کر سکتے تھے، اس لیے بلا کر حکم دیا کہ جو بات ہم کہیں، عرب صاحب سے پوچھو اور جو جواب وہ دیں، اردو میں ہمیں لکھواتے جاؤ۔“ مرزا صاحب نے اس کام کو کما حقدہ ادا کیا اور آپ کی لیاقت لوگوں پر مشکل ہوئی۔“

(”سیرۃ المهدی“ حصہ اول، ص 154-155)

جب مرزا صاحب کی لیاقت کا انگریزوں کو علم ہو گیا اور پھر ان کے خاندان کی مسلمانوں سے غداری اور انگریزوں کی بھی وفاداری کا جائزہ بھی لے لیا تو پھر ایک عیسائی مشتری مسٹر یورڈ بٹلر ایم۔ اے کی معرفت ان کی خدمات حاصل کیں۔ مرزا بشیر الدین محمود صاحب اپنی کتاب ”سیرۃ مسح موعود“ میں لکھتے ہیں:

”آپ کا سوانح نگار لکھتا ہے کہ یورڈ بٹلر ایم۔ اے سیالکوٹ مشن میں کام کرتے تھے، جن سے حضرت صاحب کے بہت سے مباحثات بھی ہوتے رہتے تھے۔“

جب ولادت والہیں جانے لگے تو خود پکھری میں آپ کے پاس ملنے کے لیے چلے آئے اور جب ڈپٹی کمشنر صاحب نے پوچھا کہ کس طرح تشریف لائے ہیں؟ تو ریورنڈ مذکور نے کہا کہ صرف مرزا صاحب کی ملاقات کے لیے اور جہاں آپ بیٹھے تھے، وہیں سید ہے چلے گئے اور کچھ دیر بیٹھے کروالہیں چلے گئے۔ یہ ان دونوں کا واقعہ ہے جب گورنمنٹ برطانیہ کی نئی نئی فتح کو پادری لوگ اپنی فتح کی علامت قرار دیتے تھے۔“

”ریورنڈ بذر آپ کی نیک نیتی اور اخلاص اور تقویٰ کو دیکھ کر متاثر تھے۔“ (نہیں نہیں!! بلکہ وہ مسلمانوں سے غداری اور اگر بیرون سے وفاداری پر آمادگی سے متاثر تھے۔ ناقل)

”اور باوجود اس بات کو محسوں کرنے کے کہ یہ فتح میرا شکار نہیں۔ ہاں ممکن ہے کہ میں اس کا شکار ہو جاؤں اور باوجود طبعی نفرت کے جو ایک صید کو صیاد سے ہوتی ہے، وہ دوسرے مناظرین کی نسبت مرزا صاحب سے مختلف سلوک کرنے پر مجبور ہوئے اور جاتے وقت کچھری میں ہی آپ سے ملنے کے لیے آگئے اور آپ سے طے بغیر جانا پسند نہ کیا۔“

امید ہے کہ ناظرین کرام اس نکلنے کو سمجھ گئے ہوں گے کہ مسٹر بذر، جو کہ ولادت والہیں جا رہا تھا، مرزا صاحب سے مکمل معاہدہ کیے بغیر نہیں جا سکتا تھا۔ آخر کار مکمل معاہدہ کے بعد بذر تو ولادت چلا گیا اور مرزا صاحب طازمت چھوڑ کر گھر آگئے اور دوسرا خفیہ طازمت کا چارج لے لیا۔

مرزا محمود صاحب آگے لکھتے ہیں:-

”قریباً چار سال آپ سیالکوٹ میں طازم رہے لیکن نہایت کراہت کے ساتھ۔ آخر والد صاحب کے لکھنے پر فوراً استغفار کروالہیں قادیانی آگئے۔“

(”سیرہ سعیج موجود“ ص 16 تا 18)

خفیہ طازمت

آپ حیران ہوں گے کہ خفیہ طازمت کا یہاں کوئی ذکر نہیں، آپ یونہی الزام لگا رہے ہیں۔ لیکن وہ بھی، میں درج کر دیتا ہوں۔ مرزا شیر احمد صاحب ایم۔ اے ”میرہ المهدی“ حصہ اول کے صفحہ 48 پر لکھتے ہیں:-

”یہاں کیا مجھ سے جھنڈا سنگھ ساکن کالہواں نے کہ میں بڑے مرزا صاحب کے پاس آیا جایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ مجھے بڑے مرزا صاحب نے کہا کہ جاؤ غلام احمد کو

بلا لاؤ، ایک انگریز حاکم میرا واقف ضلع میں آیا ہے۔ اس کا منشا ہوتا کسی اچھے عہدہ پر ملازم کرنا دوں۔ جنہذا سمجھ کہتا تھا کہ میں مرزا صاحب کے پاس گیا تو دیکھا چاروں طرف کتابوں کا ذہیر لگا کراس کے اندر بیٹھے ہوئے کچھ مطالعہ کر رہے ہیں۔ میں نے بڑے مرزا صاحب کا پیغام پہنچا دیا۔ مرزا صاحب آئے اور جواب دیا "میں تو نوکر ہو گیا ہوں۔" بڑے مرزا صاحب کہنے لگے، اچھا کیا واقعی تو کر ہو گئے ہو؟ مرزا صاحب نے کہا "ہاں! ہو گیا ہوں۔" بڑے مرزا صاحب نے کہا: "اچھا اگر فوکر ہو گئے ہو تو خیر ہے۔"

اب ملازمت کا اقرار تو موجود ہے مگر نہ بڑے مرزا صاحب نے پوچھا کہ کیا ملازمت ہے اور نہ ہی چھوٹے مرزا صاحب نے بتایا کہ میں کس کام پر ملازم ہوں، کیونکہ جنہذا سمجھ کے سامنے بھید کھل جانے کا اندازہ تھا۔ چونکہ ملازمت سخت خطرناک اور خفیہ تھی، اس لیے اس سے قبل اس کا ذکر انھوں نے اپنے باپ سے بھی نہیں کیا تھا، تاکہ راز فاش نہ ہو جائے۔ اب آپ یہ بھی سوال کریں گے کہ ان کو تجوہ اکتی اور کیے ملتی تھی۔ مجھے وہ بھی میں درج کر دیتا ہوں۔ دیکھئے مرزا صاحب نے اس راز کو چھپانے کے لیے کیا کیا ہتھکنڈے استعمال کیے؟ پہلے خواب اور پھر الہام کا لبادہ اوڑھ کر حقوق خدا کو لو بنتے رہے ہیں۔

مرزا شیر احمد ایم۔ اے اپنی کتاب "سیرۃ المہدی" حصہ سوم ص 101-102 پر درج کرتے ہیں:

"مرزادین محمد صاحب ساکن لکھروال ضلع گوردار پور نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ حضرت مسیح موعود نے مجھے منع کے قریب جگایا اور فرمایا کہ مجھے خواب آیا ہے۔ میں نے پوچھا کیا خواب آیا ہے؟ فرمایا میں نے دیکھا ہے کہ میرے تحت پوش کے چاروں طرف نمک چتا ہوا ہے۔ میں نے تبیر پوچھی تو کتاب دیکھ کر فرمایا کہ کہیں سے بہت سارو پہیہ آئے گا۔ اس کے بعد میں چاروں دہان رہا۔ میرے سامنے ایک منی آرڈر آیا جس میں ہزار سے زائد روپیہ تھا۔ مجھے اصل رقم یاد نہیں۔"

"ہم نے دیکھا تو منی آرڈر بھیجنے والے کا پتہ اس پر درج نہیں تھا۔ حضرت صاحب کو بھی پتہ نہیں لگا کہ کس نے بھیجا ہے۔"

اب میں پوچھتا ہوں کہ یہ روپیہ کہاں سے آیا تھا؟

ممکن ہے کہ کوئی سرپھرا مرزا ایم یہ کہہ دے کہ اللہ میاں نے اپنے نبی کو خفیہ طور پر روپیہ بھیجا تھا، تو میں عرض کرتا ہوں کہ مرزا صاحب کا اللہ میاں اگر ان کو روپیہ بھیجا تو وہ "پُتھی پُتھی" فرشتے کے ہاتھ بھیجنادے کہ منی آرڈر اور ڈاک خانے کے ذریعہ بھیجا۔ لہذا میرا دعویٰ ہے کہ یہ ایک ہزار سے زائد روپیہ کا منی آرڈر اس ملازمت کی تجوہ اکتی، جس کا اقرار اگر گزشتہ روایت میں مرزا صاحب نے اپنے باپ کے سامنے کیا ہے۔ چونکہ

مطلوبت بھی خفیہ تھی، اس لیے لازمی تھا کہ تنخواہ بھی خفیہ طریقے سے ادا ہوتی۔

اب آخری سوال یہ رہ جاتا ہے کہ وہ ملازمت کیا تھی؟ اس کا جواب خود مرزا صاحب کی اپنی تحریرات پیش کرتی ہیں۔ آپ یہ تو پڑھی چکے ہیں کہ سیالکوٹ سے آنے کے بعد وہ ہر وقت کتابوں ہی کے مطالعہ میں الگ علی الگ بینٹ کر مستخرق رہتے تھے۔ اب ان کی سب سے پہلی کتاب ”براہین الحرمیہ“ چھپی ہے۔ اس میں اپنی خفیہ ذیویٰ کو بیوں ادا کرتے ہیں:-

”یہ امر قابل تذکرہ ہے جس پر گورنمنٹ انگلشیہ کی عنایات اور توجہات موقف ہیں کہ گورنمنٹ مدد و مدد کے دل پر اچھی طرح یہ امر مرکوز کرنا چاہیے کہ مسلمانان ہند، ایک وفاداریت ہے۔“ ”کوئنکہ بعض ناواقف انگریزوں نے اس دعویٰ پر اصرار کیا کہ مسلمان لوگ سرکار انگریزی کے دلی خیر خواہ نہیں ہیں اور انگریزوں سے جہاد کرنا فرض صحیح ہے۔“

”افسوں کہ بعض کو ہستانی اور بے تمیز سہاہ کی نالائق حرکتیں اس خیال کی تائید کرتی ہیں۔“ ”لیکن حققت پر یہ امر پوشیدہ نہیں رہ سکتا کہ اس قسم کے لوگ اسلامی مذہبیں سے دور اور مجھور ہیں۔“ ”لہٰنس ظاہر ہے کہ ان کی یہ ذاتی حرکات ہیں نہ کہ شرعی پابندی سے اور ان کے مقابل پر ان ہزارہا مسلمانوں کو دیکھنا چاہیے کہ جو یہی شرعاً جائز اسی سے خیر خواہی دولت انگلشیہ کی کرتے رہے ہیں اور کرتے ہیں۔ 1857ء میں جوفزاد ہوا، اس میں بجز جہلاء اور بد چلن لوگوں کے اور کوئی شائستہ نیک بخت مسلمان جو ہاتھیز تھا، ہرگز مفسدہ میں شامل نہیں ہوا، بلکہ پنجاب میں بھی غریب غریب مسلمانوں نے سرکار انگریزی کو اپنی طاقت سے زیادہ مدد دی۔ چنانچہ ہمارے والد صاحب مرحوم نے بھی با صرف کم استطاعتی کے اپنے اخلاص اور جوش خیر خواہی سے پچاس گھوڑے اپنی گرہ سے خرید کر اور پچاس مضبوط اور لائق سپاہی بھی پہنچا کر سرکار میں بطور مدد کے نذر کیے تھے اور اپنی غریبانہ حالت سے بڑھ کر خیر خواہی دکھلائی۔“

”بہر حال مسلمان بھائیوں پر لازم ہے کہ متعدد ہو کر خیر خواہی ظاہر کریں۔“

”اسکی سلطنت سے لڑائی اور جہاد کرنا جس کے زیر سایہ مسلمان لوگ..... زندگی بر کرتے ہوں اور جس کی عطیات سے ممنون منت اور مرہون احسان ہوں اور جس کی مبارک سلطنت حقیقت میں ہدایت اور نسلی پھیلانے کے لیے کامل مددگار ہو، قطبی حرام ہے۔“

”سواس عاجز کی دانست میں قرین مصلحت یہ ہے کہ انہم اسلامیہ لا ہو، کلکتہ اور بسمی وغیرہ یہ بندوبست کریں کہ چند نای مولوی صاحبان، جن کی فضیلت اور علم اور زہد اور تقویٰ اکثر لوگوں کی نظر میں مسلم الشبوت ہو۔ اس امر کے لیے جو جائیں کہ اطراف و اکناف کے اہل علم کو اپنے مسکن کے گرد و نواح میں کسی قدر شہرت رکھتے ہوں، اپنی اپنی عالمانہ تقریروں جن میں بر طبق شریعت حقہ سلطنت انگلشیہ سے، جو مسلمانان ہند کی سربی و محنت ہے، جہاد کرنے کی صاف صاف ممانعت ہو۔ ان علماء کی خدمت میں بہت سوا ہیر بیچ ویں کہ جو بوجب قراردادو بالا اس خدمت کے لیے منتخب کیے گئے ہیں اور جب سب خطوط جمع ہو جائیں کہ جو مکتوبات علمائے ہند کے نام سے موسم ہو سکتا ہے، کسی خوشخط مطیع میں بصحت تمام چھاپا جائے اور پھر دس بیس نجفی جات اس کے گورنمنٹ میں اور باقی نجفی جات متفرق مواضع پنجاب و ہندوستان، خاص کر سرحدی ملکوں میں تقسیم کیے جائیں اور گورنمنٹ انگلشیہ پر بھی صاف باطنی مسلمانوں کی اور خیرخواہی اس رعیت کی کماحدہ کھل جائے گی اور بعض کوہستانی چہلاء کے خیالات کی اصلاح بھی بذریعہ اسی کتاب کی وعظ و نصیحت کے ہوتی رہے گی۔ ہلا آخر یہ بات بھی ظاہر کرنا ہم اپنے نفس پر واجب سمجھتے ہیں کہ سلطنت مدد و حمد کو خداوند تعالیٰ کی نعمت سمجھیں۔“

”اور اس کا شکر بھی ادا کریں لیکن پنجاب کے مسلمان بڑے تاشکرگزار ہوں گے، اگر وہ اس سلطنت کو، جوان کے حق میں خدا کی ایک عظیم اشان رحمت ہے، نعمت عظیمی یقین نہ کریں۔“

”پس فی الحقیقت یہ سلطنت ان کے لیے ایک آسمانی برکت کا حکم رکھتی ہے۔“

”حقیقت میں خداوند کریم و رحیم نے اس سلطنت کو مسلمانوں کے لیے ایک باران رحمت کر کے بھیجا۔“

”کیا الکی سلطنت کی بدخواہی جائز ہو سکتی ہے حاشا و کلا ہرگز نہیں۔“

”ہم سچ سچ کہتے ہیں کہ دنیا میں آج تکی ایک سلطنت ہے جس کے سایہ عاطفت میں بعض بعض..... مقاصد ایسے حاصل ہوتے ہیں جو کہ دوسرے ممالک میں ہرگز ممکن الحصول نہیں۔ شیعوں کے ممالک میں جاؤ تو وہ سنت جماعت کے وعظوں سے بر افروختہ ہوتے ہیں اور سنت جماعت کے ملکوں میں شیعہ اپنی رائے ظاہر کرنے سے خائف ہیں۔ ایسا ہی مقلدین، موحدین کے شہروں میں اور موحدین،

مقلدین کے باد میں دم نہیں مار سکتے۔“

”آخر بھی سلطنت ہے جس کی پناہ میں ہر ایک فرقہ امن و امان اور آرام سے رائے ظاہر کر سکتا ہے۔“ سلطنت انگلشیہ کی آزادی نہ صرف ان خرابیوں سے خالی ہے بلکہ اسلامی ترقی کی بدرجہ غایت ناصرو مودید ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس خدا و انہت کی قدر کریں۔“ (ملکتس۔ غلام احمد عفی عنہ)

یہی وہ ملازمت تھی جس کا ذکر میں نے اوپر کیا، جس کی تجوہ جناب مرزا جی صاحب، ایک ہزار سے بھی زیادہ ماہوار پاتے تھے۔ یہ تو ابتداء تھی، آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔

دیکھنا تو یہ ہے کہ کیا علماء کرام اور دیگر مسلمانوں نے اس تحریر کو پڑھ کر مرزا صاحب کی تجویز کو پسند کر کے قبول کیا یا اس کو پڑھ کر دکھ اور تلقی محسوس کیا اور اسکی تحریرات سے نہ صرف بیزاری کا انکھار کیا بلکہ اسکی کارروائیوں کو روکنے اور بند کرنے کے لیے خلوط بھی لکھے۔ چنانچہ مرزا صاحب خود ہی لکھتے ہیں کہ ”تھوڑا عرصہ گزرا کر بعض صاحبوں نے مسلمانوں میں سے اس مضمون کی بابت

کہ جو حصہ سوم کے ساتھ گورنمنٹ انگریزی کے ٹکر کے بارے میں شامل ہے، اعتراض کیا ہے اور بعض نے خلوط بھی بھیجے اور بعض نے ختم اور درشت لفظ بھی لکھے کہ انگریزی عملداری کو دوسری عملداریوں پر کیوں ترجیح دی، لیکن ظاہر ہے کہ اسلام کا ہرگز یہ اصول نہیں کہ مسلمانوں کی قوم جس سلطنت کے ماتحت رہ کر اس کا احساس اٹھاوے، اس کے ظل حمایت میں با امن اور آسائش رہ کر اپنا رزق مقوم کھاؤے، اس کے انعامات متواترہ سے پورش پادے، پھر اسی پر عرب کی طرح نیش چلاوے۔“ (”براہینِ احمدیہ“ حصہ چہارم)

مندرجہ بالا اقتباسات سے ظاہر ہے کہ مرزا صاحب رزق مقوم بھی انگریزوں کا کھاتے تھے اور انھیں کے انعامات متواترہ سے پورش بھی پاتے تھے۔ اس لیے اگر وہ اس کو آسمانی رحمت سمجھتے تھے تو ان کو یہ مدح اور توصیف بھی زیب دیتی تھی۔ مگر کیا دوسرے مسلمانوں کے ساتھ بھی انگریزوں کا بھی سلوک تھا؟ بلکہ اس کے برخلاف مسلمانوں کی تمام سلطنت پر قبضہ کر لیا تھا۔ بہادر شاہ کو قید کر دیا تھا۔ ہر اس شخص کو جو مسلمانوں کی سلطنت کا حامی تھا، قتل کر دیا۔ ان کی عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو شیخ ہنادیا تھا اور شاہی خاندان کے افراد جو حق رہے تھے، درود کی بھیک مانگ رہے تھے۔ غرضیکہ مسلمانوں کے بچے بچے کو انگریزوں نے اپنادیشن جان کر کل ڈالا تھا تاکہ کوئی مسلمان دوبارہ سر نہ اٹھا سکے۔ ان حالات کے پیش نظر مسلمانوں کے جذبات کب خشنڈے ہو سکتے تھے۔ جس قوم نے ایک ہزار سال متواتر ہندوستان پر عدل اور انصاف کے ساتھ حکومت کی ہو، اس کے بعد یکدم انگریزوں نے نہ صرف ان کی سلطنت چھین لی بلکہ اقتصادی لحاظ سے

بھی اس کے معاشرہ کو تھس نہیں کر دیا اور اس کے مقابلہ میں اس قوم کو ان پر مسلط کر دیا جس پر بڑی شان و شوکت سے حکومت کر پکے تھے، وہ کس طرح انگریزوں جیسی مکار اور دجال صفت قوم کی غلائی میں رہ کر خوش ہو سکتے تھے۔ مرزا صاحب کی اس تحریر نے ان کے زخموں پر نمک پاشی کی گمراہی کی حکومت وقت مرزا صاحب کی پشت پناہی کر رہی تھی، اس لیے مسلمان بیچارے کیا کر سکتے تھے۔ باوجود تمام مشکلات کے مسلمانوں کے دلوں میں رہ رہ کر ایک ولولہ ضرور المحتاطا اور انگریزوں کے خلاف بسا اوقات علم جہاد بلند کرتے ہی رہتے تھے۔ چنانچہ 1857ء میں بھی اسی جذبہ کے ماتحت علم جہاد بلند کیا تھا۔ گر مرزا صاحب نے ان کو ”جہلاء اور بدھلن“ کے خطاب سے نوازا ہے کیونکہ مرزا صاحب کا خاندان اور خود مرزا صاحب تو مسلمانوں کے خون کا سودا انگریزوں کے ساتھ کر پکے تھے اور اس کے عوض پشمن، تխواہیں اور دیگر معاملات حاصل کر رہے تھے۔ اس لیے باوجود یہ کہ تمام علمائے کرام اور دیگر مسلمانوں نے مرزا صاحب کی مندرجہ بالآخری سے سخت بیزاری کا اظہار کیا تھا، گر مرزا صاحب نے اپنے کام کو جاری رکھا کیونکہ وہ دنیوی مفادات کی وجہ سے انگریزوں کے ساتھ نمک حلائی اور مسلمانوں کے ساتھ خداری کرنے پر مجبور تھے۔ ذرا مرزا صاحب کی مندرجہ ذیل تحریرات کو پڑھئے اور ان کو ان کی اس جہارت پر داد بینجئے۔ لکھتے ہیں:

”اب اے بھائی! ایک دوسرا کام ہے جو میں شروع کرنا چاہتا ہوں۔ آپ لوگ یقین تھے جیسیں، سرکار انگریزی اس درست کی طرح ہے جو پہلوں سے لدا ہوا ہو اور ہر ایک شخص جو میہدہ جنی کے قواعد کی رعایت سے اس درست کی طرف ہاتھ لبا کرتا ہے تو کوئی نہ کوئی پھل اس کے ہاتھ میں آ جاتا ہے۔ ہماری بہت سی مرادیں ہیں جن کا مرچع اور مدار خدا تعالیٰ نے اس گورنمنٹ کو بنا دیا ہے اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ رفتہ رفتہ وہ ساری مرادیں اس مہربان گورنمنٹ سے ہمیں حاصل ہوں گی۔“

(”تبیغ رسالت“ جلد بیغم ص ۴)

”اس گورنمنٹ محمد سے ہرگز چہارو درست نہیں بلکہ پچھے دل سے اطاعت کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔“ (”تبیغ رسالت“ جلد ششم ص ۶۵)

”میرے نزدیک واجب تنظیم اور واجب الاطاعت اور ٹکر گزاری کے لائق گورنمنٹ انگریزی ہے۔“ (”تبیغ رسالت“ جلد ششم، ص ۱۱۴)

”ہم اس گورنمنٹ سے ولی اخلاص رکھتے ہیں اور ولی وفادار اور ولی ٹکر گزار ہیں۔“ (”تبیغ رسالت“ جلد ششم ص ۱۱۵)

اگرچہ مرزا صاحب کی مکاری، قوم فروشی اور خداری اظہر من المحسن ہے مگر دیکھنے مرزا صاحب انگریزوں کو خوش کرنے کے لیے کیا کیا چالیں چلتے رہے ہیں کہ جمعہ کے خطبے میں بھی مسلمان بادشاہوں کی

طرح انگریزوں کے نام کا خطبہ بھی پڑھا جائے، لکھتے ہیں کہ
”ہم رعایا کی یہ تمنا ہے کہ جس طرح اسلامی ریاستوں میں ان سلاطین کا شکر کے
ساتھ خطبہ میں ذکر ہوتا ہے، ہم بھی اور بلاد کے مسلمانوں کی طرح یہ دائیٰ شکر
جمعہ کے ممبروں پر اپنا وظیفہ کر لیں کہ سرکار انگریزی نے ہم پر بھی عذایات کی
نظر کی ہے۔“

”بالآخر ہم رعایا کی دعا ہے کہ ہماری گورنمنٹ کو خدا تعالیٰ ہمارے سروں پر قائم
رکھے۔“ (”تلخی رسانی“ جلد بیم، ص 10)

پلٹیکل خیرخواہی

”گورنمنٹ کی خوش قسمتی سے برٹش اندیامیں مسلمانوں میں سے ایسے لوگ معلوم
ہو سکتے ہیں جن کے نہایت فحشی ارادے گورنمنٹ کے برخلاف ہیں، اس لیے ہم
نے اپنی محض گورنمنٹ کی پلٹیکل خیرخواہی کی نیت سے اس مبارک تقریب پر یہ
چاہا کہ جہاں تک ممکن ہو، ان شریروں لوگوں کے نام ضبط کیے جائیں جو اپنے عقیدہ
سے اپنی مسدادہ حالت کو ثابت کرتے ہیں۔“ (”تلخی رسانی“ جلد بیم، ص 21)

”میں دھوے سے کہتا ہوں کہ تمام مسلمانوں میں سے اول درجہ کا خیرخواہ گورنمنٹ
انگریزی کا میں ہوں، کیونکہ تمن باتوں نے مجھے خیرخواہی میں اذل درجہ پر بنا دیا
ہے۔ اول والد مرحم کے اثر نے، دوم اس گورنمنٹ عالیہ کے احсанوں نے،
تیسراے خدا تعالیٰ کے الہام نے۔“ (”تلخی رسانی“ جلد ششم، ص 53)

حکوم کے الہام سے اللہ بچائے
غارت گر قوم ہے وہ صورت پنگیز
وہ نبوت ہے مسلمان کے لیے برگ حشیش
جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام

(اقبال ”ضرب کلیم“ ص 51)

”آج سے انسانی جہاد جو تکوار سے کیا جاتا تھا، خدا کے حکم کے ساتھ بند کیا گیا ہے
اب اس کے بعد جو شخص کافر پر تکوار اٹھاتا اور اپنا نام عازی رکھتا ہے، وہ رسول کریم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے۔“

”سواب میرے ظہور کے بعد تکوار کا کوئی جہاد نہیں۔ ہماری طرف سے اسن اور صلح
کاری کا سفید جنڈا بلند کیا گیا ہے۔“ (”تلخی رسانی“ جلد بیم، ص 47)

"یاد رہے کہ مسلمانوں کے فرقوں میں سے یہ فرقہ جس کا خدا نے مجھے امام اور پیشو
اور بہر مقرر فرمایا ہے، ایک بڑا اقتیازی نشان اپنے ساتھ رکھتا ہے اور وہ یہ کہ اس
فرقہ میں تکوار کا جہاد بالکل نہیں اور نہ اس کی انتظار ہے۔" "اور قطعاً اس بات کو
حرام جانتا ہے۔" ("تبیغ رسالت" جلد نهم، ص 83)

اگر میں مرزا صاحب کی اسلام دشمن اور انگریز لواز تحریرات کو درج کروں تو بہت بڑی ضخیم کتاب
بن جائے گی۔ لہذا اس کو مختصر کر کے مرزا صاحب کی صرف ذیل کی تحریرات پر فتح کرتا ہوں جن کی وجہ سے
میں نے مرزا بیت سے علیحدگی اختیار کی ہے۔

"تریاق القلوب" کے ص 25-26 پر مرزا صاحب یوں رقمطراز ہیں:

"میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید اور حمایت میں گزارا ہے اور
میں نے صفائح جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں اور
اشتہار شائع کیے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں آئندھی کی جائیں تو پچاس الماریاں
اس سے بھر سکتی ہیں۔ میں نے اسکی کتابوں کو تمام ممالک عرب اور مصر اور شام اور
کامل اور روم تک پہنچا دیا ہے۔ میری ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان سلطنت کے
چیخ خرخواہ ہو جائیں۔"

"اور جہاد کے جوش دلانے والے مسائل جو احتقون کے دلوں کو خراب کرتے ہیں،
ان کے دلوں سے محدود ہو جائیں۔"

"میں جانتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے اپنے خاص فضل میں میری اور میری جماعت کی
پناہ اس سلطنت کو بنا دیا ہے۔ یہ اُن جو اس سلطنت کے زیر سایہ میں حاصل ہے
نہ یہ اُن کے معظلم میں مل سکتا ہے نہ مدینہ میں اور نہ سلطان روم کے پایہ تخت
قطلنگیہ میں۔"

اب مرزا صاحب نے واہگاف الفاظ میں بیان کر دیا کہ ان کی ڈیوٹی انگریزوں کی طرف سے
یہ مقرر ہوئی تھی کہ مسلمانوں کے دلوں سے جہاد کے خیال کو منا کر انگریزوں کی اطاعت کا جذبہ ان کے دلوں
میں بخادے۔ لہذا انہوں نے اپنی ڈیوٹی کو واقعی ایمانداری سے ادا کیا ہے۔

آخر میں، میں یہ بھی ثابت کر دیتا ہوں کہ یہ مرزا بیت کا پودا خود انگریزوں نے لگایا تھا اور وہ
ہمیشہ اس کی آبیاری بھی کرتے رہے ہیں تاکہ مسلمانوں میں ہمیشہ انتشار کا منبع جاری رہے اور ہماری حکومت
ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان پر جاری و ساری رہے۔

مرزا صاحب اپنے قلم گوہر بارے رقمطراز ہیں کہ.....

”سرکار دولت مدار ایسے خاندان کی نسبت جس کو پچاس برس کے متواتر تجربہ سے وفادار اور چانثار ثابت کر چکی ہے اور جس کی نسبت گورنمنٹ کے معزز حکام نے ہمیشہ ملکیم رائے سے اپنی چھیاتیں میں یہ گواہی دی ہے کہ وہ قدیم سے سرکار اگریزی کے کچے خیرخواہ اور خدمت گزار ہیں۔ اس خود کا شتہ پودا کی نسبت نہایت حزم اور احتیاط اور تحقیق اور توجہ سے کام لے اور اپنے ماتحت حکام کو اشارہ فرمائے کہ وہ بھی اس خاندان کی ثابت شدہ وفاداری اور اخلاقیں کا لحاظ رکھ کر مجھے اور میری جماعت کو ایک خاص عنایت اور مہربانی کی نظر سے دیکھیں۔ ہمارے خاندان نے سرکار اگریزی کی راہ میں اپنے خون اور جان دینے سے فرق نہ کیا اور نہ اب فرق ہے۔ لہذا ہمارا حق ہے کہ ہم خدمات گزشتہ کے لحاظ سے سرکار دولت مدار کی فوری عنایت اور خصوصیت توجہ کی درخواست کریں۔“

(”تبیخ رسالت“ جلد بیستم، ص ۱۹-۲۰)



محمد صالح نور

قادیانیت، حقائق نامہ

جتاب محمد صالح نور بڑے عالم، فاضل اور زہین و شفیع انسان ہیں۔ وہ خاندانی اور وراثتی قادیانی تھے۔ مرتضیٰ محمود کی اوپا شوون کو دیکھا تو دل پارہ پارہ ہو گیا۔ قادیانیت کو چھوڑ کر لاہوری گروپ سے جاتے۔ مرتضیٰ محمود کی اسکی خبر لیتے کہ اسے کسی سمت مجنون نصیب نہ ہوتا۔ زندگی بھر مرتضیٰ محمود کی کرتوتوں سے قادیانی قوم کو باخبر کرتے رہے۔ 1972ء کے صدرانی ایکوازی کمیشن میں اپنا بیان رپورٹ کرایا جو قادیانی مظالم کی آنکھوں دیکھی کہانی ہے۔ حضرت مولانا تاج محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے قریحی تعلق تھا۔ ان کی وفات کے بعد مولانا تاج محمود کے بیٹے صاحبزادہ طارق محمود صاحب ربودہ گئے۔ صالح نور لاہور سے اپنے کسی عزیز کو ملنے کے لیے ربوہ آئے ہوئے تھے۔ ان حضرات کا پتہ چلا تو عالمی مجلس تحفظ نہم نبوت کے مرکز، "مسجد محمدیہ" میں آئے۔ صاحبزادہ طارق محمود صاحب سے بتلکیر ہوئے۔ اتنا روئے کہ وہاں موجود حضرات کی بھی جیجنیں نکل گئیں۔ بعد میں قدرت حق نے کرم کیا۔ قادیانیت کی طرح مرتضیٰ (یعنی لاہوری گروپ) کو بھی چھوڑ کر مسلمان ہو گئے۔ متعدد رسائل و کتب تحریر کیں جو زیادہ تر لاہوری قادیانی اختلافات پر مشتمل ہیں۔ ملازمت کے لیے سعودی عرب چلے گئے تھے۔ قدرت حق انھیں ایمان پر ثبات قدم رکھے۔ آمن۔

میں ایک قادیانی گھرانے میں، 1927ء میں، پیدا ہوا۔ میرے والد محمد یامین قادیانی تھے۔ میں ربوہ میں، تحریک جدید میں، نائب وکیل تعلیم کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ 1948ء میں قادیان (بھارت) سے پاکستان آیا اور ربوہ کے نزدیک "احمر گر" میں رہائش اختیار کر لی۔ 1949ء میں ربوہ قائم ہوا تو میں وہاں منتقل ہو گیا۔ بعدزاں، جب قادیانی جماعت نے مرتضیٰ شیر الدین محمود کے ایما پر مجھے ربوہ سے نکال دیا تو میں اپنی بیوی اور دو بیجوں کے ہمراہ قصور آ گیا۔ ربوہ سے نکالے جانے کے بعد میں نے اپنا نہ ہب تبدیل کر لیا۔ اب میں قادیانی نہیں، مسلمان ہوں۔

قادیان کی آبادی طی حلی تھی۔ ہندو اور سکھ بھی قادیان میں رہتے تھے، لیکن قادیانی اکثریت میں تھے۔ جب میں ربوہ آیا تو یہ ناؤں کمیتی تھی، جس کے سربراہ مرتضیٰ صراحت کے بھائی تھے۔ ربوہ کی نواجی بستیوں میں غیر احمدی آبادی زیادہ ہے۔ سالانہ جلسہ کے موقع پر قادیانی کوشش کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو

ربوہ میں لا میں، تا کہ انھیں قادر یا نیت قبول کرنے کی ترغیب دیں۔

میں نے تحریک جدید کے علاوہ اسکی دوسرے شعبے میں کام نہیں کیا، البتہ جب میں قادریان میں تھا تو میں نے بطور رضاکار، کار خاص کے سر بردا، جسے مختص کہا جاتا ہے، کے ساتھ کام کیا تھا۔

قادریانی تنظیمیں

ابن جمن احمدیہ، 1906ء میں، قادریان میں قائم کی گئی۔ قیام پاکستان کے بعد ابن جمن کا مرکز، قادریان سے ربوہ منتقل ہو گیا۔ احمدیہ جماعت کو چار طبقوں میں تقسیم کیا گیا ہے: ایک حصہ عورتوں پر مشتمل ہے، اسے لجنة اماء اللہ کہتے ہیں۔ دوسرا حصہ انصار اللہ کہلاتا ہے۔ اس میں صرف مرد ہوتے ہیں، جن کی عمر چالیس سال یا اوپر ہو۔ تیسرا حصہ خدام الاحمدیہ ہے، جو 15 سے 40 سال کے درمیان عمر کے مردوں پر مشتمل ہے۔ چوتھا حصہ اطفال الاحمدیہ کہلاتا ہے۔ اس میں پندرہ سال سے کم عمر کے بچے ہوتے ہیں۔ ہر (Locality) میں ایک افسر ہوتا ہے، جسے زعیم کہتے ہیں، جو اپنی آبادی کے رہائشیوں کی سرگرمیوں پر نظر رکھتا ہے اور ہر قابل ذکر واقعہ کی اطلاع امور عامہ کو دیتا ہے۔ ربوہ میں بھی ایسی یعنی تنظیم ہے۔ ہر محلہ کی ایک انتظامیہ ہوتی ہے، جو زعیم کے تحت ہوتی ہے۔ ربوہ شہر میں تمام زعیم ایک صدر عمومی کے تحت ہوتے ہیں۔ ربوہ میں یہ تنظیمیں اس لیے قائم کی گئی ہیں کہ کیونکی مختلف سرکاری تکمیلوں سے آزاد رکھا جائے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ربوہ میں سوسائٹی اس قدر Exclusive ہو گئی ہے کہ باہر کا کوئی آدمی یہ معلوم نہیں کر سکتا کہ اس سوسائٹی کے اندر کیا ہو رہا ہے۔ خدام الاحمدیہ کے تمام ارکان پورے ملک سے ربوہ میں سال میں ایک مرتبہ تین چار روز کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ وہاں خدام الاحمدیہ کو گھر سواری، شوٹنگ اور تنی امور میں تربیت دی جاتی ہے۔ امور عامہ اپنے انتظام کے لیے خدام الاحمدیہ کو بطور پولیس فورس استعمال کرتا ہے۔ 1956ء میں، جب میں ربوہ میں رہتا تھا، خدام الاحمدیہ کی تعداد ہزار، ڈیڑھ ہزار لوگوں کو مشتمل تھی، جبکہ ربوہ کی تمام آبادی پانچ سے چھ ہزار تک تھی۔ میں آخری مرتبہ تین سال قبل ربوہ گیا تھا۔ اب ربوہ کی آبادی تقریباً بارہ، تیرہ ہزار کے قریب ہو گی۔ یہ تعداد ربوہ کے واقعہ سے قبل تھی اور اب، اس واقعہ کے بعد بہت سے احمدی "ہجرت" کر کے ربوہ پہنچ گئے ہیں اور اب ان کی آبادی پہنچیں تک ہزار کے قریب ہو گی۔ ربوہ میں ناؤں کیمیٰ بھی ہے۔ یہاں جو لوگ زمین پہ پر حاصل کریں، اسے دفتر آبادی ربوہ میں ایک رجسٹر میں درج کیا جاتا ہے۔ یہ "صدر ابن جمن احمدیہ" کی ایک براخی ہے۔ ربوہ میں زمین کے سودوں کا اندر اچ گورنمنٹ کے مقرر کردہ رجسٹر ایسا برجسٹر اس کے دفتر میں نہیں ہوتا، بلکہ ابن جمن کے دفتر میں ہوتا ہے۔ انصار اللہ کوئی خاص کام پر نہیں کیا جاتا کیونکہ یہ بوزھے لوگوں پر مشتمل ہے۔ مرتضیٰ بشیر الدین محمود خدام الاحمدیہ سے Manual Labour حاصل کیا کرتے تھے تا کہ ان میں پست ذہنیت پیدا ہو۔ اپنے لیے سیالاب زدگان کی امداد کر کے نام حاصل کرتے ہیں۔ دراصل، وہ خدمت ظلیق کا کام اپنے چہروں کی سیاہی ہونے اور اپنی

شهرت قائم کرنے کے لیے کرتے ہیں۔

امانت کے شعبہ نے، جو تمام احمدیوں کے لیے بینک کا کام دیتا ہے، خواہ وہ پاکستان میں ہوں یا ہمروں پاکستان، احمدیوں کو یہ ہدایات دیں کہ دوسرا بینکوں میں اپنی رقم مجمع نہ کرائیں۔ سبکی وجہ ہے کہ ربوبہ میں بینک کھونے کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ احمدیوں کو اپنے حسابات شعبہ امانت میں مجمع کرنے پڑتے ہیں۔ ویگر بینکوں کی کسی بھی شاخ میں احمدی لین دین نہیں کرتے۔ یہ بینک ہمروں کی کافی کام نہیں کرتا۔ ہمروں کی کافی کام سیست بینک کی معرفت کیا جاتا ہے۔

صدر انجمن احمدیہ کے تحت دارالقصناۃ کا ایک الگ محلہ ہے جو باہمی جگہوں کا فیصلہ کرتا ہے۔ دیوانی نوعیت کے مقدمات کا فیصلہ دارالقصناۃ میں ہوتا ہے، جبکہ فوجداری جگہوں کا تصفیہ امور عامہ کراتا ہے۔ امور عامہ کے شعبے کے سربراہ کو ناظر امور عامہ اور ان کے نائب کو نائب ناظر کہتے ہیں۔ جب میں ربوبہ میں رہتا تھا، ان دونوں نظارتوں پر فوج کے رئیس افران فائز تھے۔ میکر رئیس عارف زمان ناظر تھے اور کمپنی خادم حسین نائب ناظر تھے۔ ربوبہ میں تمام قابل دست اندازی کیوں کی اطلاع ربوبہ پولیس کو نہیں دی جاتی۔ بعض ایسے کیوں میں امور عامہ اپنے درشن دے کر پولیس کو پورٹ دیتی ہے۔ امور عامہ یا کسی اور شعبے کی قانون میں کوئی اختاری نہیں ہے کہ وہ قابل دست اندازی جرم کا فیصلہ کرے، لیکن اس کے باوجود امور عامہ اور دارالقصناۃ والے ایسے مقدمات کا فیصلہ کرتے ہیں۔ گویا شعبہ امور عامہ پولیس کے فرائض انجام دیتا ہے۔ دارالقصناۃ کے فیصلوں کے خلاف اہل ایک بورڈ کے پاس جاتی ہے اور خلیفہ وقت، آخری اختاری ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص ان عدالتوں کے فیصلوں کی تافرمانی کرے تو اس کا سوشل بائیکاٹ کیا جاتا ہے۔ اس کے خلاف تحریری کارروائی بھی کی جاتی ہے، جس میں جماعت سے خارج کرنا شامل ہے۔ دراصل، پہلا قدم سوшل بائیکاٹ ہے۔ اگر اس سے معاملہ نہ سدھ رے تو اسے ربوبہ سے نکال دیا جاتا ہے اور آخری چارہ کار کے طور پر اسے جماعت سے خارج کر دیا جاتا ہے۔ خلیفہ کے خامدان کے لوگ اس کارروائی سے مستثنی ہیں۔

ادارہ اصلاح و ارشاد کو پہلے ادارہ دعوت و تبلیغ کہا جاتا تھا۔ جب 1953ء کے بعد تبلیغ رک گئی تو اس کو ادارہ اصلاح و ارشاد کہا جانے لگا۔ تحریک جدید کے بہت سے شعبے ہیں۔ وکیل المال، وکیل الایان، وکیل اتعیش، وکیل اتحادیم اور وکیل الخراجت۔ تبلیغ مشتری باہر بھیجتے ہیں۔ ربوبہ میں ایک محلہ کار خاص امور عامہ کے محلے کے تحت ہے۔ یہ جا سوی کرنے والی تنظیم ہے۔ اس شعبہ پر خرچ ہونے والی رقم کا آڈٹ نہیں کیا جاسکتا۔

انتقامی کارروائیاں

تشدد کرنا ربوبہ والوں کا عام اصول ہے۔ میں متعدد مظالم کا ہمارا ہوں جو میرے خلاف احمدیہ

گرہ نے کیے۔ میں صرف ایک ہی نہیں، جسے ستایا گیا، بلکہ ہر روز کسی نہ کسی شخص کو ایسے مظالم کا فکار ہونا پڑتا ہے۔

ان دنوں مجھے اس وقت کے خلیفہ مرتضیٰ الشیر الدین محمود کی ذاتی زندگی کے تعلق ان کے کچھ تأثیر پر حالات معلوم ہوئے تھے، جن کا ذکر میں نے اپنے دستوں سے کیا تھا۔ جب مرتضیٰ صاحب کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے میرے سمت پچاس کے قریب افراد کے سو شل بائیکاٹ کا حکم دے دیا۔ مجھے جماعت سے خارج کر دیا گیا اور ملازمت سے الگ کر کے ربوہ سے لکال دیا گیا میرے پھول کو روک لیا گیا۔ خلیفہ صاحب نے میرے سر کو یہ فتویٰ دیا کہ یہ (میں) مرد ہو گیا ہے، اس لیے اس کی بھروسی اس کے نکاح میں نہیں رہ سکتی۔ ہم پچاس آدمی ربوہ سے باہر آ گئے۔ میرے تمام رشتے دار ربوہ میں ہیں۔ ان سب کو بہت تکلیفیں دی گئیں۔ ان کی زندگیاں اچیرن کر دی گئیں۔ اس کے بعد جب بھی میں ربوہ کسی مرگ یا کسی دوسرے موقع پر جاتا تو سچھ آدمی میرا بیچھا کرتے۔

1958ء میں، میں سالانہ جلس کے موقع پر ربوہ گیا تھا کیونکہ ان دنوں شادیاں وغیرہ بھی ہوتی ہیں اور ربوہ کے مکینوں کے تمام رشتے دار ہاں ان تقریبات کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ مجھے میرے بھائیجے نے بتایا کہ امور عامہ کے ملازموں کی طرف سے مجھے اخوا کرنے کا پروگرام بنایا گیا ہے، وہ ایک کار میں کچھ عورتوں کے ساتھ میرا تعاقب کریں گے۔ اس نے مجھے یہ بھی بتایا کہ وہ نہ صرف مجھے ماریں گے، بلکہ میرے خلاف یہ اسلام بھی گائیں گے کہ میں نے ان عورتوں کو مجھرا ہے، لیکن میں نے ایک ہوٹ میں داخل ہو کر اور دوسرے راستے سے نکل کر ایک دوست کے گھر میں پناہ لے لی۔ میرے ساتھ پروفیسر غلام رسول، محمد یوسف ناز اور چودھری نور نبی بھی تھے۔ پروفیسر غلام رسول میرے ساتھ بھاگ جانے میں کامیاب ہو گئے، مگر دوسرے دنوں کو پکڑ لیا گیا اور امور عامہ کے دفتر لے جایا گیا۔ پروفیسر غلام رسول نے اس اخوا کی تحریری رپورٹ ربوہ چوکی کے ائمہ آئمی کو دی۔ آؤہ گھنٹے کے بعد میرے دوسرے ساتھی یوسف ناز اور نور نبی والیں آگئے اور بتایا کہ عبدالعزیز بھانجی نے اپنے امور عامہ کے کارکنوں کو مجھرا کر انہوں نے ہم چاروں کو کسی نہ گرفتار کیا۔ اس کے بعد دنوں کو چھوڑ دیا گیا۔

1965ء میں میرے والد صاحب بیمار ہو گئے اور میں ربوہ میں ان کی خدمت کے لیے گیا۔ اس دوران میں قادری گرہ کے سربراہ مرتضیٰ الشیر الدین نے پیغام بھیجا کہ چونکہ میرے والد پرانے احمدی ہیں، اس لیے مرتضیٰ صاحب ان کی حارداری کے لیے آنا چاہتے ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ صاحب قور (مریض کا لڑکا) مریض کے پاس موجود نہ ہو۔ اس پر میرے والد صاحب نے جواب دیا کہ میرا اچھے میری خدمت کر رہا ہے، مرتضیٰ صاحب خود تکلیف نہ کریں۔

1967ء میں میری والدہ فوت ہو گئی۔ انھیں میری جدائی کا بہت غم تھا، اسی غم میں وہ فوت ہو

گئیں۔ انھیں اس سے قبل فضل عمر ہپتال میں داخل کرایا گیا۔ انچارج ڈاکٹر منور احمد، جو مرزا ناصر احمد کے بھائی ہیں، نے انھیں دیکھنے سے انکار کر دیا، کیونکہ وہ میری ماں تھیں۔ ان کا ہپتال ہی میں انتقال ہوا۔ جب میں ہپتال میں اپنی والدہ کو دیکھنے کے لیے گیا تو ان کی موت میں صرف آدھ گھنٹہ رہ گیا تھا، اس لیے انھیں کسی دوسرے ہپتال میں منتقل کرنا ممکن نہ تھا، باوجود یہ کہ ان کو فضل عمر ہپتال میں اس روز بالکل نظر انداز کر دیا گیا تھا، جس دن ان کی موت واقع ہوئی۔ ایک دوسرے موقع پر، میرے والد صاحب نے مرزا ناصر احمد سے درخواست کی کہ میری بھیشیرہ کا نکاح پڑھائیں۔ انھوں نے نہ صرف نکاح پڑھانے سے انکار کر دیا، بلکہ حکم دیا کہ چونکہ صالح نور مرد ہے، اس لیے جو اس کی بھیشیرہ کا نکاح پڑھائے گا، اسے ریوہ سے نکال دیا جائے گا۔

جماعت احمدیہ کی طرف سے ربوہ کے ہر شہری کی یہ ڈیوٹی لگائی گئی ہے کہ کسی بھی ناخوچگوار واقعہ کی اطلاع امور عامہ کے شبے کو فوراً مہیا کریں۔ اس شبے کی کارکردگی کی ایک مثال یہ ہے کہ ربوہ میں ایک گھر میں رفاقت موصول ہوتے تھے، جو عورتوں کو لکھتے جاتے تھے۔ یہ لٹک ظاہر کیا گیا کہ میں یہ رفاقت اپنے بھائی عبد الجلیل ظفر کے ذریعے بھگواتا ہوں۔ اس لٹک پر اسے امور عامہ کے وفتر لے جایا گیا اور خوب مارا پینا گیا۔ بعد میں امور عامہ والوں کو یہ علم ہو گیا کہ اس معاملے میں میرا بھائی ہے، نہ میرے بھائی ہے۔ اس وقت میرے بھائی کی عمر تقریباً چودہ پندرہ سال تھی۔

میں نے احمدیہ کیونٹی کی جانب سے ہر اسال کیے جانے کے بارے میں متعدد افراد کو درخواستیں بھی دی تھیں، لیکن کسی نے میری مدد نہ کی۔ جب میں نے پولیس اسکلپٹ انچارج لالہ تھانے لا لیاں جیب اللہ خان کو یہ اطلاع دی کہ مجھے اور میرے رشتہ داروں کو ہر اسال کیا جا رہا ہے، تو اس نے اپنی مجروری کا اظہار کیا اور کہا کہ اگر مجھے قتل بھی کر دیا جائے، تو ربوہ میں اسے ایک گواہ بھی شہادت کے لیے نہ لے گا۔ انھوں نے مجھے مشورہ دیا کہ ربوہ سے دور ہی رہوں یا پھر جب وہاں جانا ہو تو پولیس کی مدد بھی لے کر جاؤ۔ میں نے، اس سلسلہ میں، پولیس اور فوج کے اعلیٰ حکام کو مارشل لاء کے ٹوں میں کئی درخواستیں دیں، لیکن ان سب کا بھی کوئی نتیجہ نہ لکھا۔

1956ء سے اب تک 19 سال ہو گئے ہیں، میرے سرال والے مجھ سے نہیں مل سکتے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر وہ مجھ سے ملے تو ان کا بھی دعیٰ حشر ہو گا، جو میرا ہوا۔

قاویانی ظلم و ستم

1954-55ء میں لاکل پور (فصل آباد) کے مولوی غلام رسول جنڈیلوی کا لڑکا اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ ربوہ گیا۔ انھیں ریلوے شینش پر خدام الاحمدیہ اور فرقان فورس کے ارکان نے پکڑ لیا۔ انھیں ”خدام“ نے جامع احمدیہ کے قریب اور پھر امور عامہ کے وفتر کے صحن میں سخت مارا بیٹا، یہاں تک کہ

ان کی ہڈیاں نوٹ گئیں، جس کے نتیجے میں مولوی غلام رسول کا لڑکا موقع ہی پر مر گیا، لیکن پولیس نے اس واقعہ کو دوسرا نگہ دے دیا اور پولیس مقابلہ ظاہر کر کے مقدمہ درج کر لیا۔ ربودہ، تھانہ لاالیاں کی حدود میں واقع ہے اور مختلفہ پولیس افسروں احمد یہ گروہ سے باقاعدہ وظیفہ پاتے ہیں۔

ربودہ میں رہنے والے میرے رشتہ داروں نے بتایا کہ ایک سال قبل ایک وکیل سیر کے لیے ربودہ رکھتے۔ ان کے ساتھ انہی کے سلوکی کی گئی، ان کے کپڑے تک پھاڑ دیے گئے، اس شک کی بنا پر کہ وہ جاؤں ہیں۔ مولوی عبدالمنان عمر، جو خلیفہ اول مولوی نور الدین کے بیٹے ہیں، کو بھی ربودہ سے نکلا گیا۔ بچھے ہیں سال میں، وہ صرف دو تین مرتبہ ربودہ جائے، اس لیے کہ وہ جب بھی ربودہ جاتے ہیں، ان کا پیچھا کیا جاتا ہے۔ مرتضیٰ ابیشیر الدین نے یہ اعلان کیا تھا کہ کوئی احمدی ان کے اور ان کی بیوی کی طرف نہ دیکھے۔ جب وہ اپنی والدہ کی قبر پر قاتح پڑھنے کے لیے آئیں اور کوئی ان کو سرراہل جائے، تو حکوم کر اپنا چھروہ پھیر لے۔ عبدالمنان نے مجھے خود بتایا تھا کہ خدام الاحمد یہ نے ان کے اغوا کا پروگرام بتایا تھا، مگر بر وقت پڑتے چل جانے سے انھیں تو نکلنے کا موقع مل گیا، لیکن مرتضیٰ ابیشیر الدین کو وہاں سے نکلتے ہوئے غلطی سے اغوا کر لیا گیا۔ انھیں امور عامہ کے دفتر لے جایا گیا اور پھر وہاں چھوڑ دیا گیا کیونکہ وہ مرتضیٰ احمد قادریانی کا پوتا ہے۔

کچھ اختلافات کی بنا پر، دوسرے خلیفہ مرتضیٰ ابیشیر الدین نے مولوی عبدالکریم مبلہ کے، قادیانی میں واقع، مگر کونڈر آتش کر دیا تھا اور اس کو قادیان سے نکلا دیا تھا۔ یہ واقعہ میرے بھین کے دنوں کا ہے۔ مولوی عبدالکریم مبلہ پر حلے بھی کیے گئے۔ مولوی صاحب اور خلیفہ صاحب کے درمیان اختلافات، بعض تاگفتہ بہ حالات کی بنا پر، پیدا ہوئے تھے۔ مولوی عبدالحیی مبلہ بھی احمدی تھے۔ چند سال بعد، ایک اور احمدی سمشیر الدین ملتانی نے خلیفہ صاحب کے کردار کی بنا پر، ان پر بعض اعتراضات کیے تھے۔ انہوں نے کہا تھا کہ مرتضیٰ ابیشیر الدین خلافت چھوڑ دیں یا اپنی اصلاح کریں۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ مرتضیٰ ابیشیر الدین نے فخر الدین ملتانی کو مردا دیا۔ ایسے ہی حالات میں شیخ عبد الرحمن مصری کو قادیان سے نکال دیا گیا۔

خلیفہ صاحب کے علم میں لائے بغیر ربودہ میں کوئی واقعہ نہیں ہو سکتا۔ خلیفہ وقت کے حکم کو، احمدی ہر دوسرے حکم پر فوکیت دیتے ہیں، خواہ وہ حکم ملک میں کسی بھی مجاز احتراٹی کی طرف سے دیا گیا ہو۔ اگر کسی کو ربودہ سے نکلنے کا حکم دیا جائے اور وہ اس کی قیمت نہ کرے، تو اسے ربودہ شہر کی حدود سے باہر اٹھا کر پھینک دیا جاتا ہے اور اس کا مکمل سماجی بائیکاٹ کیا جاتا ہے۔ خلاف ورزی کرنے والے کا سامنے کی طرح پیچھا کیا جاتا ہے۔ خدام الاحمد یہ کیطرف سے خلاف ورزی کرنے والے کو جسمانی سزا بھی دی جاتی ہے۔ ربودہ چھوڑنے تک ہی نہیں، بلکہ موت تک یہ سلوک کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی غیر احمدی ربودہ میں ان کے عقائد کے خلاف کوئی نظرہ وغیرہ لگائے، تو امور عامہ کو روشن کیا جاتا ہے۔ امور عامہ والے کوئی کارروائی کرنے سے پہلے خلیفہ صاحب کی منظوری لیتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ بطور پالیسی، ربودہ والے، قوت کا استعمال اپنے

خالصین پر کرتے ہیں، اور اس پالیسی کی منکوری ہمیشہ غایفہ وقت کی طرف سے حاصل رہتی ہے۔ اس محاٹے میں، احمدی یا غیر احمدی میں تیز نہیں کی جاتی۔ تشدد کے بہت سے واقعات ربوہ میں ہوئے، لیکن وہ مجھی رکھے گئے۔ جن لوگوں کو علیفہ سے اختلاف ہوتا ہے، انھیں جماعت سے نکال دیا جاتا ہے۔ ایسے اختلافات کچھ وقظ کے بعد ہوتے رہتے ہیں۔ اب بھی ربوہ میں بہت سے ایسے لوگ موجود ہیں، جو عظیم احمدیہ جماعت سے اختلاف رکھتے ہیں۔

جن لوگوں کو جماعت سے نکلا گیا، ان میں سے چند ایک کے نام درج ذیل ہیں:
 راجہ منور احمد ایم نبی اے کے ہوئے بھائی راجہ بشیر احمد رازی، پروفیسر غلام رسول ایم۔ اے گورنمنٹ کالج شیخوپورہ، میاں عبدالمنان عمر الگ روز نامہ جہور، عبدالواہاب عرب اور عبدالسلام عرب کو اپنے خاندانوں سمیت، عبدالرحمن خادم، مناظر ربوہ کے بھائی ملک عزیز الرحمن ایڈو وکٹ گمراہ، پروفیسر فیض الرحمن فیضی، عطاء الرحمن، راحت ملک، چہدروی صلاح الدین خال ناصر، جماعت کے تین مبلغین مرزا طیف اکبر، مرزا سلیم اختر، مرزا شفیق اور (یہ تینوں بھائی ہیں) محمد صادق شفیق گورنالہ اور عبدالرب خان برہم لاہل پور۔

قادیانی..... اپنے عقائد کے آئینے میں

میں نے تمام احمدیہ لڑپڑ پڑھا ہے۔ احمدیوں نے قرآنی آیات کی معنوی تحریف کی ہے اور تجویز خلاف کی ہے۔ میں نے ایک احمدیہ مسجد کی تصویر دیکھی ہے، جو نایجیریا میں بنائی گئی ہے۔ اس پر کلمہ اس طرح لکھا ہے۔

۱

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَحْمَدُ رَسُولَ اللَّهِ“ ایساں لیے کیا جا رہا ہے کہ احمدی کیوں افریقہ میں مرزا غلام احمد کو ایک نبی کی حیثیت سے پیش کرتی ہے۔ پاکستان میں ان کا کلمہ وہی ہے، جو عام مسلمانوں کا ہے، لیکن نایجیریا میں انہوں نے کلمہ تبدیل کیا ہے۔

عام مسلمانوں میں اس بات کا پرا پیغامہ کیا جا رہا ہے کہ احمدی ربوہ اور قادیان کو کہہ اور مدینہ سے زیادہ حرکت کرنے ہیں۔ یہ بات بے غایب نہیں ہے، کیونکہ مرزا بشیر الدین نے کما تھا کہ کہ اور مدینہ کے چشمے خلک ہو گئے ہیں اور قادیان اور ربوہ کے چشمے پھوٹے ہیں۔ مرزا غلام احمد کے سچے پیغمبر کا کارکہ اور مدینہ کو قادیان پر فویت دیتے ہیں۔

مرزا بشیر الدین محمود کا یہ بھی فتویٰ ہے کہ جو مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی نہ مانے، خواہ ان کے پارے میں سنائیں ہو، وہ کافر اور خارج از اسلام ہے۔ اس فتویٰ پر تمام احمدی مغل کرتے ہیں۔ اسی لیے مرثیہ اللہ نے قائد اعظم کا جائزہ پڑھنے سے انکار کر دیا تھا۔

احمدیوں نے اپنا الگ کیلئہ بنایا ہوا ہے، جس کے مبنیوں کے نام اس طرح ہیں: نبوت، اخاء،

تلخ، امان، بھرت وغیرہ۔ یہ درست ہے کہ احمدی، غیر احمدی امام کے پیچے نماز نہیں پڑھتے، اس لیے وہ عام مسلمانوں کی مسجد میں نہیں جاتے۔ بیت اللہ میں بھی احمدی امام کعبہ کے پیچے نماز نہیں پڑھتے۔ میرا ایمان ہے کہ جو شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرے، وہ خود بخدا اسلام کے دائرہ سے خارج ہو جاتا ہے۔ مسٹر احمد نور ایک کالمی احمدی تھے۔ انھوں نے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ ایک اور آدمی خوبجہ اسماعیل، جوزندہ ہیں اور لندن میں رہتے ہیں، انھوں نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا۔ وہ بھی احمدی تھے۔ ان کے علاوہ بھی کئی احمدیوں نے نبی ہونے کے دعوے کیے، لیکن مجھے ان کے نام یاد نہیں۔

بیرونِ ممالک میں قادیانی مشن

عرب ممالک میں پہلے کچھ احمدیہ مشن قائم تھے، مگر جب عربوں کو ختم نبوت کے بارے میں احمدیوں کے عقیدے کا پتہ چلا، تو وہ مشن بند کر دیے گئے۔ میرے علم کے مطابق اندونیشیا اور طالیبکھا کے علاوہ، مشرق و مغرب کے تمام اسلامی ممالک میں احمدی مبلغوں کا داخلہ بند ہے۔ اس کی بڑی وجہ احمدیوں اور ان ممالک کے باشندوں کے درمیان ختم نبوت کے مسئلہ پر اختلاف ہے۔

احمدیوں کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اسرائیل کے انجمن ہیں۔ یہ تاثر، اس پاپ، قوم کیا گیا ہے کہ اسرائیل میں احمدی مشن ہے۔ جیہہ (اسرائیل) میں قائم احمدی مشن جاسوسی کے مرکز کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ پاکستان سے جو احمدی، اسرائیل جاتے ہیں، وہ ڈبل پاسپورٹ رکھتے ہیں۔ وہ پہلے کسی افریقی ملک میں پاکستانی پاسپورٹ پر جاتے ہیں، وہاں سے کسی دوسرے ملک کے پاسپورٹ پر اسرائیل جاتے ہیں۔ دوسرے ملکوں کے پاسپورٹ وہ خفیہ رکھتے ہیں۔ بیرون ملک جانے والے مبلغوں کو تمام ضروری معلومات احمدیہ جماعت مہیا کرتی ہے۔ پاسپورٹ رکھنے کا طریقہ ایسے ممالک کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، جن کے ساتھ پاکستان کے سفارتی تعلقات نہ ہوں۔ جیہہ (اسرائیل) میں احمدی مشن ایک ماہوار پرچہ "البشری" کے نام سے شائع کرتا ہے۔ اس کے ایئیٹھر مولوی ابوالخطاء اللہ دین، مولوی محمد شریف اور حافظ بشیر الدین عبید اللہ رہے ہیں۔ اسرائیل جانے والے مبلغوں کو صرف عربی زبان سے واقف ہونا چاہیے اور احمدی لٹریچر کا مطالعہ کیا ہونا چاہیے۔ جہاں تک مجھے علم ہے، آج تک کوئی اسرائیلی یہودی مشن کے ذریعے احمدی نہیں ہوا۔

قادیانیوں کی پاکستان دشمنی

تعمیم ملک کے وقت، مرتضیٰ بشیر الدین اکٹھنڈ بھارت کے حق میں تھے۔ انھوں نے اپنے اس خیال کی تبلیغ کے لیے تمام ذرائع استعمال کیے۔ ان کا اکٹھنڈ بھارت کا حاجی ہونا اس خیال پر منی تھا کہ اس طرح ہندوؤں اور سکھوں میں تبلیغ کے زیادہ موقع ہوں گے اور دوسرے یہ کہ احمدی: یادہ گفتوظ ہوں گے۔

مرزا بشیر الدین محمود خلیفہ نے یہ کہا تھا کہ خدام الحمدیہ اسلام کی قوت ہے، اور یہ کہ احمدیہ جماعت بہت جلد بر سر اقتدار آنے والی ہے۔ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد نوجوان احمدیوں کو سول اور ملٹری کی مختلف سروہنی میں بھرتی کیا جاتا ہے۔ انجمن احمدیہ کی ہدایات کے تحت، اس پالیسی پر پاکستان کے معرض وجود میں آنے سے پہلے عمل کیا جاتا رہا اور آج بھی اس پر عمل ہو رہا ہے۔

1956ء میں افواج پاکستان میں پہچاس سے سو تک احمدی کھنڈ افران تھے۔ بعض احمدی افراد کو ریاضت کے بعد ربوہ کی انتظامیہ میں ملازم رکھ لیا جاتا ہے۔ بیت میں شال ہونے سے ہر احمدی اپنے آپ کو ایک **Brotherhood** کا فرد سمجھتا ہے، اس لیے، احمدی اس رشتے کی وجہ سے ایک دوسرے کی مدد کرنا ضروری سمجھتے ہیں، خواہ یہ مدد جائز یا ناجائز طریقے سے ممکن ہو۔

احمدیہ کیوں پاکستان کا انتظام سنبھالنے کی امید لگائے بیٹھی ہے۔ وہ ایک دن فاتحانہ طور پر قادیانی میں داخل ہونے کی امید بھی لگائے بیٹھی ہے۔ میں نے یہ بات مرزا بشیر الدین، مرزا ناصر احمد اور دیگر قادیانی رہنماؤں کی تقریروں سے اخذ کی ہے۔ ایک دفعہ سول ڈنپس آفسر بہاولپور رانا محمد یوسف، جو احمدی ہیں، نے دوران گنگو محیے کہا تھا کہ یہ ملک صرف اسی صورت نئی سکتا ہے، جب اس کا سربراہ، نہ صرف خخت گیر ہو، بلکہ اس کا تعلق خدا سے ہو۔ اس پر میں نے تجویز کیا کہ پاکستان میں ایسا آدمی تو صرف مرزا ناصر احمد، موجودہ سربراہ احمدیہ کیوں ہے، تو انہوں نے میری اس بات سے اتفاق کیا۔ اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے قادیانی جماعت ربوہ میں تیاریاں کر رہی ہے۔ کوئی غیر احمدی ربوہ میں رہائش نہیں رکھ سکتا، کیونکہ ربوہ کی کیوں اپنی سرگرمیوں کو غلبی رکھنا چاہتی ہے۔

مرزا بشیر الدین محمود کی خواہش تھی کہ سیاسی غلبہ حاصل کیا جائے۔ آج کل کا ربوہ، انتظامی لامڑ سے، 1947ء سے قبائل کے قادیانی کاموونہ ہے اور سیاسی برتری حاصل کرنے کے لیے، ربوہ کے لوگوں کے عزم ای طرح ہیں، جیسے قادیانی کے لوگوں کے عزم تھے۔ احمدیوں نے اقتدار میں شامل ہونے کے لیے پاکستان پہلے پارٹی کا ساتھ دیا تھا۔

احمدی عالم مسلمانوں کو دشن کہتے ہیں۔ ربوہ شہر میں، کار و بار میں بھی، کوئی غیر احمدی نہیں ہے، اس لیے کہ ایک احمدی کو، کار و بار میں بھی، غیر احمدی پر ترجیح دی جاتی ہے۔

قادیانیوں نے، قیام پاکستان کے فوراً بعد، انجمن احمدیہ پاکستان کے نام سے ایک اور انجمن قائم کر لی اور سندھ میں واقع اصل انجمن کی تمام جائیداد قبضہ میں کر لی، کیونکہ ان دنوں کشوؤین مسٹر عبداللہ خان تھے، جو احمدی ہیں اور سر ظفر اللہ خاں کے بھائی ہیں۔ پاکستان میں انجمن کی جائیداد، جو بھارت میں رہ گئی تھی، کے خلاف کوئی کلیم نہ دیا گیا کیونکہ خلیفہ صاحب کا یہی حکم تھا، البتہ، انہوں نے خود اپنی ذاتی جائیداد، جو بھارت میں چھوڑی تھی، اس کا کلیم دیا اور جائیداد حاصل کر لی۔ خلیفہ نے ہر احمدی کو یہ حکم دیا تھا کہ

قادیان میں چھوڑی ہوئی ذاتی جائیداد کا فلکیم داخل نہ کریں، کیونکہ ہم جلدی قادریان والہیں پڑے جائیں گے۔ فرقان فرس، جس کا میں ممبر تھا، 1948ء میں کشیر کے حاذن افسرو شیرہ پر لڑی تھی، میں وہاں اس حاذ پر تین ماہ تک لڑا تھا۔ ایک دو سال بعد اس کو جزل گرسی نے ختم کر دیا تھا۔ اس پر، اس فورس کو پاکستانی فوج نے جو اسلحہ دیا تھا، وہ پر سائل آفیسر رملیز میں غلام محمد اختر کی زیر گمراہی ایک رملیوے ویکن میں روہو لایا گیا۔ اس اسلحہ کو محمود مسجد کے قریب زیر زمین دفن کر دیا گیا۔ ایک شخص ملک رفیق، جو میجر رفیق کہلاتا ہے، اس اسلحہ پارو دکان پنجارج تھا۔

حرف آ آخر

بعض حقائق پر سے عدیم کے باعث پرده اٹھانے سے قاصر ہا ہوں۔ پھر اگر کوئی ایسا موقع پیدا ہو تو اثناء اللہ العزیز لکھا جائے گا، ابھی بعض موضوع تشنہ رہ گئے ہیں جن کا اجہا لاذ کر کر دینا ضروری ہے، جو یہ ہیں:

- 1 جماعت ربہ کا نظام سراہ ایک سیاسی نظام ہے۔
- 2 قادیانی خلیفہ کی جماعتوں کی عصموں اور امامتوں کے بارے میں رویہ۔
- 3 قادیانی خلیفہ اور خاندان خلافت کی مالی بے راہ رویاں اور دھاندیاں۔
- 4 ربہ میں ایک آمرانہ نظام اور اس کی چیزوں دستیاں۔
- 5 صدر انجمن احمدیہ قادیان جو 1906ء میں بنائی گئی اور وہ اب تک قادیان میں کام کر رہی ہے اور وہ ایک ہندوستانی انجمن ہے۔ اس کی تمام جائیداد جو پاکستان میں ہے، اس پر خلیفہ صاحب کیا انجمن احمدیہ پاکستان کا ناجائز قبضہ۔ صدر انجمن احمدیہ قادیان نے بھارت میں اپنی جائیداد اس بنیاد پر واگزار کروائی کہ اس انجمن نے ایک لمحے کے لیے بھی بھارت کو نہیں چھوڑا اور ادھر خلیفہ صاحب نے پاکستان میں اس انجمن کی تمام جائیداد پر اس بنیاد پر قبضہ کر لیا کہ وہ انجمن بھرت کر کے پاکستان میں آگئی ہے۔ سوچنے والوں کے لیے مقام حیرت اور جائے عبرت ہے کہ کیا یہی مونناہ شان ہے، جس کا سبق تمام دنیا کو دیا جاتا ہے۔
- 6 انکم لیکس اور سیل لیکس میں حکومت وقت کے قانون کی خلاف درزی۔
- 7 سڑک کا روبار جو خود خلیفہ صاحب کرتے رہے اور سودی کاروبار۔
- 8 انجمن کی بعض جائیدادوں پر خلیفہ صاحب کا بلطائفِ انجیل قبضہ اور جماعت کی خاموشی۔
- 9 1953ء میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کو عقاقد میں مناسب تبدیلی کی پیکش اور احمدی نام حذف کر دینے کی خواہش کا اعلان اور تبلیغی ادارہ کے نام میں تبدیلی اور مبلغین کی بجائے مریبان کی تاویل لفظی۔

-10 پیاری کے ایک طویل عرصہ میں خلیفہ صاحب کی عبادات سے محرومی اور ان کے تمام ان ساتھیوں کا، جن پر انھیں زندگی بھرنا زرہ، ایک ایک کر کے اس دنیا سے رخصت ہو جانا اور ان کے دوچھوٹے بھائیوں کی وفات۔

-11 خلیفہ صاحب نے جس قدر مبلغین یورپ، امریکہ اور افریقہ میں بھجوائے ہوئے تھے، ان میں سے ان لوگوں کا ستون سے علیحدہ ہو جانا، جن سے بہت بھاری توقعات وابستہ رکھی گئی تھیں اور جن کی اچھی خاصی تعداد ہے۔

-12 بے شمار قادیانیوں کا خلیفہ صاحب کے قلم و تم کا نشانہ بننا اور جماعت اور مرکز سے علیحدگی اور مقلطعہ و بائیکات کی صوبتیں برداشت کرنا۔

ان موضوعات کے لیے ایک دفتر درکار ہے اور اس کے لیے وقت اور فرصت چاہیے، اس لیے اشارہ ذکر کر دیا گیا ہے۔

ورق تمام ہوا اور ”مرح“ باتی ہے
خینہ چاہیے اس ”بھر مکران“ کے لیے



ڈاکٹر حافظ فدا الرحمن

قادیانیت سے واپسی

فضل عمر پہل ربوہ کے ڈاکٹر حافظ فدا الرحمن نے 29 مئی 1982ء کو اپنے کتبہ کے سات افراد سمیت مجلس تھنڈا ختم نبوت ربوہ کے مرکز میں آ کر اسلام قبول کر لیا۔ وہ بھی رعنائی کوت چھپ، ذمہ عازی خان کے رہنے والے ہیں۔ انہوں نے پہاڑیورہ قائد اعظم میڈیکل کالج سے ایجمنی بی بی الیں کیا۔ دو سال دکتوریہ پہل میں ملازمت اختیار کی۔ خبر پور میڈیکل آفیسر بھی رہے، پھر انہی عوامت کے کہنے پر ربوہ فضل عمر پہل آگئے۔ انہوں نے اپنے خامعان کے درسے افراد، طاہرہ فدا، صنیہ، ناز، اللہ فوز، رب وزار، شاہد فواز، حیدہ، ڈازمیت اسلام قبول کر لیا، جس کی خبر جلد وی اخبارات نے تفصیل کے ساتھ شائع کی۔ انہوں نے ڈاکیانیت سے تابع ہونے کے اسلوب پر مشکل درج ذیل بیان الکہ کر رہے تھے ”تو اے وقت“ میں شائع کر دیا۔

میں ایک خاندانی مرزاںی تھا۔ میرے خامعان کے بزرگوں نے ذمہ عازی خان سے بدل چل کر ڈاکیان میں مرزا غلام احمد ڈاکیانی کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ میرے خارے یہ بزرگ اپنی آنے والی ہر نسل کو مرزاںیت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے خلاف فروخت کی تعلیم دیتے رہے۔ اس محاشرے کے لئے کوئی لاکریاں جب کسی کے دور سے گزرتے ہیں، تو ان کو روک کے جامد احمدیہ میں داخل کر کر تعلیم کی محفل لے کر پڑھاتے ہیں۔ اس جامد احمدیہ میں لکھی تعلیم دی جا رہی ہے کہ مرزاںیت کے بغیر وہ کچھ نہیں سمجھ سکتے۔ اگر کوئی لاکا سمجھنے کی کوشش کرے بھی، تو وہ مذید نہیں کیونکہ ان کو لکھی ذمہ داریاں سنبھ دی جاتی ہیں، جو ان کے ذہنوں کو مغلوب کر دیتی ہیں اور وہ انہی بندہوں میں بندھ جاتا ہے۔

ربوہ میں ان کی انجمن کی تعلیم شروع ہوتی ہے۔ اس کی شاخص غیر ملکوں میں بھی ہیں۔ ان کی مشتریاں بھی ہیں۔ وہاں رہنے والے بھی اس مرض میں جلا ہیں، پھر تمام لوگ جو خاندانی مرزاںی ہیں یا ازسراف مرزاںی ہوتے ہیں، ان کی تمام جائیداد، ملازمتیں، کاروبار زندگی، اولاد کی تعلیم و تربیت، سب کچھ انہی کے ہاتھ میں آ جاتی ہے۔

سارے کام اسکام ان کے اشارے پر رقص کرتا ہے۔ لوگوں سے وقف زندگی کے قائم پر کروا

لیتے ہیں، جو ساری زندگی کے لیے ان کے زر خرید غلام ہو جاتے ہیں۔ اسکی صورت میں یہ لوگ شریعت محضی کو کیا جائیں، کیا سمجھیں، یہ لوگ حقیقتاً بمحض ہوتے ہیں۔

پھر تھی سادہ لوح، پڑھے کہکھے لوگوں کو رشتؤں کالائج، غیر مالک بھجوانے کالائج، نقد قم کی امداد کالائج دے کر اسلام سے مخرف و خارج کر لیتے ہیں۔ (توبہ نعوذ بالله)

اگر میں ان چیزوں کی تفصیل عمر بھر لکھوں تو ختم نہ ہو گی۔ میں نے ربوہ میں آ کر قریب سے ان کو دیکھا۔ نیچتاً میں نے مرزا بیت ترک کر دی۔ میرا قلم اس کو ”دجال“ کا یعنی صحیح نام دے سکتا ہے۔ اسی دجال کے دعویٰ نبوت سے لے کر، آج تک کی تمام کتب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کا مجموعہ ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ ایک وجود رکھنے والے ایک آدمی نے کتنی دعوے کیے ہوئے ہیں، جو سارے غلط اور بے بنیاد ہیں۔ خلا

-1 دجال لکھتا ہے کہ میں خدا کی بیہوی ہوں۔

-2 ”ایک عالمی کا ازالۃ“ کے حاشیہ پر لکھتا ہے کہ تم بیداری کے عالم میں حضرت قاطمة الہرا نے میرا سارا پی ران پر رکھ لیا۔ (توبہ نعوذ بالله)

-3 میں عینی علیہ السلام ہوں۔ (نعمۃ بالله)

-4 وہ درجات و کمالات عطا ہوئے کہ مجھے خدا نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو بے پہلو کمزرا کر دیا۔ (نعمۃ بالله)

-5 میں اپنے وقت کا نبی ہوں۔ (توبہ نعوذ بالله من ذا لک) ان کی تمام ترقیات اسکی فرض و بے بنیاد باقتوں پر تھی ہیں۔

ان وجوہات کی عبارت میں نے خیر طور پر تمام تاریخی اور عربی کتب، سیرت و تفاسیر کا مطالعہ کیا۔ بچھٹے دنوں ان دجالوں کے کمر و فریب کا نیا خطرناک اور بے دینیت کا پہلو سامنے آیا، جس نے ان کی بے دینی کو بے ثواب کر دیا۔ مرزا ناصر، چھوٹے دجال نے کشف کے طور پر مرزا بیٹوں کو کہا کہ لا اله الا اللہ کوہ گویا محمد رسول اللہ کاٹ دیا گیا ہے، جس کا زندہ ثبوت ربوہ کے ہر چوک میں بیزرنگ ہوئے ہیں۔ کلمہ شریف کا درس ارجو محمد رسول اللہ کا ہوا ملے گا۔ توبہ نعوذ بالله۔

میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں نے کافی سوچ پچار کے بعد فصل کیا کہ وجود ایک، دعوے کئی۔ اس ختم کا جھوٹ بولنے والا کبھی سچا نہیں ہو سکتا، اس لیے میں نے مرزا ناصر کو ایک خط لکھا کہ میں ختم نبوت کے سلسلے میں چند ایک سوالات کرنا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے جواب دیں تو انہوں نے مرزا طاہر کو لکھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ایک مستقل آدمی کے سلسلے و تسلسلے کا خدا شہ پیدا ہو رہا ہے۔ آپ ان سے فوری ملیں۔ لندن یا کسی دوسرے ملک کی پہنچ کریں۔ مرزا طاہر نے مجھے خیر طور پر بلا کر علیحدگی میں ملاقات

کی۔ میرے سوالات سننے کی بجائے دوسری مراعات دینے اور لائج وغیرہ کی باتیں کرنے لگا۔ میں نے ہر جی چد و جہد کے بعد آخر کار متذکرہ چند سوالات کر ڈالے۔ اس سے کوئی جواب نہ من پڑا۔ میں ان کے دارالفضیافت ربوہ میں مرزا کو، خارج از اسلام اور دجال وغیرہ کے الفاظ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے زبردست طاقت والے رب، مجھے سیدھا راستہ دکھا، قورات کو خوب میں مجھے نیک بزرگ کی طرف سے اشارہ ہلا، جو میں نے اپنے کافنوں سے نہ کر قولوا لا اله الا الله محمد رسول الله۔ یہ آواز سننے ہی میں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ اب مجھے در مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جانے میں درپیشی کرنی چاہیے اور فوراً مشرف بہ اسلام ہونا چاہیے۔ جب میرے اہل خانہ یعنی میری یتیمی طاہرہ فدا، چھوٹے سالے، ساس وغیرہ، اس خواب و دیگر حالات سے آگاہ ہوئے تو سب کے سب اپنی عاقبت سنوارنے کے لیے تیار ہو گئے۔ میں گمراہوں کی طرف سے بھی الہیمان پا کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کے سیدھا مجلس تحفظ ختم نبوت ربوہ میں مسجد محمد یہ رحلے شیش پہنچا۔ وہاں قاری شبیر احمد، مولانا احمد یار چاریاری سے ملاقات ہوئی۔ ان بزرگوں کے ساتھ چل کر مجلس تحفظ ختم نبوت ربوہ کے دوسرے مرکز مسلم کالونی میں مولانا اللہ وسایا صاحب کے پاس پہنچا۔ (اتفاقاً) علامہ مولانا محمد لقمان علی پوری، مولانا خدا بخش شجاع آبادی بھی موجود تھے۔ ان بزرگوں کی معرفت، میں دین کی دولت سے مالا مال ہو کر واپس آیا۔ جلے والا نزد لاالیاں مولانا احمد یار تشیندی مجلس تحفظ ختم نبوت نے اپنے مکان میں مجھے میرے اہل و عیال سمیت رکھا۔ رات کو جلوہ ہوا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کے قصل و کرم سے اپنے مسلمان بھائیوں کے سامنے، جو جلسے میں حاضر تھے، اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔ میری تقریر کا خلاصہ یہ ہے:

”امت محمد یہ کا ایمان اس اساس پر قائم ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے آخری نبی درسول ہیں۔ آپ کے بعد مدی نبوت و رسالت، سلسلہ وقی کے اجر اکا قائل کذاب و دجال ہے اور اسلامی تحریرات کی رو سے سزاوار قائل ہے۔ امت محمد یہ کا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں سب سے پہلے اس بات پر اجماع ہوا کہ مدی نبوت، کافر اور قاتل کے لائق ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد پہلا جہاد مسلمہ کذاب مدی نبوت کے خلاف ہوا۔ بر صیریر میں استخاری سازش نے مرزا غلام احمد قادریانی دجال سے دعویٰ نبوت کروادیا۔ اس نے دعویٰ نبوت کے ساتھ انجیاء علیہم السلام، صحابہ کرام، اہل بیت، عامۃ المسلمين پر سب وشم کی بوچھاڑ کی اور اپنے نہ ماننے والوں کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا، جس کے باعث امت مسلمہ نے بالاتفاق اسے کافر قرار دیا۔ مفکر پاکستان علامہ اقبال نے نہ صرف اس فتویٰ کی تصدیق کی بلکہ انگریزوں سے

قادیانیوں کو غیر مسلم اقیت قرار دینے کا مطالبہ بھی کیا۔ میں شکر کرتا ہوں کہ اسلامیان پاکستان کی محنت بار آور ہوئی اور 1973ء کے آئین میں ترمیم کے ذریعے 7 ستمبر 1974ء کو پنجشیر اسلامی نے مرزا غلام احمد قادریانی دجال کے ہر دو گروپ، لاہوری و قادیانی کو غیر مسلم اقیت قرار دیا۔ اب اللہ تعالیٰ نے ڈلن عزیز پاکستان کی کسی صدارت پر جنرل محمد خیام الحق کو تحریکن کیا ہے۔ صدر مملکت خدا اور رسول اور قرآن و سنت کے شیدائی ہونے کے ساتھ ساتھ پاکستان میں اسلامی نظام کے موجہ و داعی ہیں۔ میں حکومت پاکستان سے استدعا کرتا ہوں کہ قادیانیوں کی تحریک کاری کا سدباب کریں اور برادران اسلام سے اجتنب کروں گا کہ وہ سادہ لوگوں کو قادیانیوں کے فتنے سے نجات دلانے کی کوشش کریں۔ دعا ہے کہ حق کا ہبل بالا ہو، کفر کا منہ کالا ہو۔ میرے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے دین کی خدمت کی توفیق اور استحامت طاکرے۔ آمن۔



پروفیسر ڈاکٹر محمد اسماعیل

(شعبہ عربی و اسلامیات جامعہ الہ آباد، الہ آباد۔ ناگریا)

گمراہی سے ہدایت تک

میں اللہ کے سامنے ہے تم یہ اقرار کرتا ہوں کہ میں قادیانی فرقہ اور ان کے مذہب قادیانیت کے خلاف، کسی قسم کا ذاتی بغض و کینہ نہیں رکھتا۔ میرا یہ بخوبی ایمان ہے کہ ہر شخص ذاتی طور پر اپنے دین اور اپنے اختیار کردہ مذہب کے لیے اللہ کے سامنے خود ذمہ دار اور جواب دہ ہے۔ قادیانیت سے توبہ کے سلسلے میں میری اس تحریر کا اصل مدعا بالکل واضح الفاظ میں صرف یہ اعلان کر دیا ہے کہ میری حقیقت کے مطابق قادیانیت، اسلام نہیں۔ یہ اعلان اس لیے بھی ضروری ہو گیا ہے کہ اکثر و پیشتر مواقع پر، میں نے محبوس کیا کہ قادیانیت کے ساتھ میری واپسی، دوسروں کو قادیانی مذہب اپنائے میں معاون ثابت ہو رہی ہے۔

اس لیے جب قادیانیت کی اصل حقیقت مجھ پر مشکل ہوئی تو میں نے اپنی ذمہ داری اور بوجہ سے سکدوں ہونے کی کوشش کی اور دل میں یہ بات آئی کہ اس حقیقت سے انھیں بھی پا خبر کروں جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھ پر مشکل کیا ہے۔

موجودہ کاوش سے میرا مقدمہ دراصل یہ ہے کہ جو لوگ غلوص دل کے ساتھ قادیانیت کی حقیقت کے متعلقی ہیں، ان کو صحیح صورت حال سے آگاہ کروں..... اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان کو عقل سلیم عطا کرے اور صراط مستقیم دکھائے۔ میں ان کے حق میں یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ انھیں اس کی توفیق عطا فرمائے کہ وہ خلط راستے کو ترک کرنے اور جھوٹ سے کنارہ کشی کرنے کے معاملہ میں شجاعت اور جرأت مندی سے کام لیں۔

ترجمہ: ”اور اس شخص سے زیادہ کون خالم ہو گا جس کو اس کے رب کی آیتیں یاد دلائی جائیں، وہ ان سے اعراض کرے۔ ہم ایسے مجرموں سے بدلہ لیں گے۔“

(الم اسجدہ: 22)

ترجمہ: ”آپ (ان سے) کہئے کہ کیا ہم تم کو ایسے لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے بالکل خسارہ میں ہیں۔ یہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں کی کرائی محنت، سب گئی

گزری ہوئی اور وہ (بوجہ جہل کے) اسی خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو رب کی آمیں کا (یعنی کتب الہی کا) اور اس کے ملنے کا (یعنی قیامت کا) انکار کر رہے ہیں۔ سو (اس لیے) ان کے سارے کام غارت ہو گئے تو قیامت کے روز ہم ان کے (بیک اعمال) کا ذرا بھی وزن قائم نہ کریں گے (بلکہ) ان کی سزا وحی ہوگی یعنی دوزخ، اس سبب سے کہ انہوں نے کفر کیا تھا اور (یہ کہ) میری آنکھوں اور جنگلروں کا نہ اق بنا یا تھا۔“ (الکف: 102-104)

ان دنوں ہندوستان کے مرتضیٰ عالم احمد قادریانی کے تبعین کے خلاف عالمی سطح پر ایک زوردار شورش برپا ہے۔ آنجہانی مرتضیٰ عالم اصحاب نے 1908ء میں اپنی وفات سے قبل خود کو اور اپنے تبعین کو ”احمدی“ کے نام سے متاز کیا تھا (جو بعد میں دو فرقوں میں تقسیم ہو گئے)۔ یہ شورش خاص کر ان مسلمانوں میں بھی ہوئی ہے، جو یہ سمجھتے ہیں کہ قادریانی اسلام کے نام پر خفیہ طور پر ان کے حقوق پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں۔ اس وجہ سے دوسرے مقامات کے مقابلہ میں پاکستان میں یہ تازعہ اور اس کی تخفیٰ زیادہ محسوس کی جا رہی ہے۔ یہ صورت حال انھیں صرف نہ ہی طور پر ہی نہیں بلکہ سیاسی طور پر متأثر کر رہی ہے۔

جیسا کہ پاکستان کے نام سے ظاہر ہے، یہ ملک اسلام کے نام پر عالم وجود میں آیا۔ اسی وجہ سے پاکستان کے دستور کی دفعات میں ایک دفعہ یہ بھی رکھی گئی کہ ملک کے اعلیٰ سیاسی منصب پر صرف مسلمان ہی فائز ہو سکتا ہے۔ یہ دفعہ کسی نہ ہی تحسب کے تحت شامل نہیں کی گئی۔ اس کا نشانہ صرف اسلام کی مصلحتوں کا تحفظ تھا جو ہمیشہ سے پاکستان کا سرکاری نہ ہب رہا ہے۔

حصول آزادی کے بعد ہی سے پاکستان کے مسلمان، اپنی حکومتوں سے یہ مطالبہ کرتے رہے ہیں کہ قادریانیت کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے اور یہ مان لیا جائے کہ قادریانیوں کا تعلق انکی اقلیت سے ہے جس میں سے نہ وزیر اعظم منتخب ہو سکتا ہے اور نہ صدر اور اس کا مطلب بھی تھا کہ پاکستان کی نظریاتی حدود کا بھی تحفظ ہو سکے۔

ساری دنیا میں مسلمانوں کی ایک زبردست اکثریت نہ قادریانیت کو اسلام سمجھتی ہے اور نہ ان کو مسلمان مانتی ہے۔ آئیے دیکھیں کہ قادریانیوں کے خلاف دنیا کے مسلمانوں کے اس موقف کی حمایت یا مخالفت میں کیا کیا دلیلیں پیش کی جا سکتی ہیں۔

بچپن میں میری تربیت کچھ ایسے ماحول میں ہوئی تھی کہ ہندو پاکستان کے قادریانی تبلیغ مھموں کو میں عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ یہ مشن ہماری دنیٰ سرگرمیوں کی گھرانی اور رہنمائی کرتے تھے۔ جب یہ جماعتیں ہمارے بزرگوں اور ان کی وساحت سے ہم تک پہنچیں تو اسی اعتاد کی وجہ سے ہم ان کی تمام باتوں پر پورا پورا یقین کر لیتے تھے۔

ان کے وعدہ بظاہر قابل عمل معلوم ہوتے تھے اور ان کے استدلال کو ہم نیک نتیٰ کے ساتھ قول کر لیا کرتے تھے۔ وہ لوگ ان مسائل میں اپنے دعوؤں کو ثابت کرنے کے لیے اسلامی کتابوں کا حوالہ دیتے تھے اور ہم اپنے اعتقاد کی وجہ سے ان حوالوں کی چھان بین کیے بغیر ہی، بے چون و چراقوبل کر لیا کرتے تھے۔ ان کا طریقہ کاریہ تھا کہ وہ ہمیں مسلمانوں کے سوادا عظیم سے سوادا عظیم سے بیگانہ کر دیں، جن کی اسلامی طرز زندگی میں وہ کیڑے نکالا کرتے تھے۔ اس طرح اپنے زعم میں وہ قادریانیت کے نام پر ہمارے سامنے حصہ اسلام پیش کرتے تھے۔

وہ اکثر ہمیں یہ تاثر دیتے کہ تقسیم ملک سے قبل ہندوستان میں اور اس کے بعد پاکستان میں قادریانیوں کو جس شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، وہ قادریانیت کی صداقت کا تمیز بیوٹ ہے کیونکہ کوئی نبی خود اپنی ہی بھتی یا اپنے ہی ملک میں آسانی سے قبول نہیں کیا جاتا۔ یہ دلیل بھی ہمیں قابل فہم نظر آتی تھی۔ اس لیے پر خلوص اعتقاد کے ساتھ ہم ان کے پیچے چلتے رہے۔

اسی اعتقاد کے ساتھ ہم نے قادریانی لوگوں کی کانفرنس سے 1972ء میں خطاب کیا تھا۔ بعد ازاں کچھ ایسے واقعات روپنا ہوئے جن کی روشنی میں مجھے قادریانیوں کے ان دعوؤں کا، جو اس وقت تک مقبول ہو چکے تھے، ازسرنو جائزہ لیتا پڑا تاکہ ان کے حوالوں کی مزید چھان بین کی جاسکے۔

میرا مقصد دراصل یہ تھا کہ قادریانیوں کے خلاف روز افزول مخالفت کے مقابلے کے لیے خود کو مضبوطی کے ساتھ تیار کروں۔ یونیورسٹی کے ایک استاد کی حیثیت سے مجھے اس بات کا پورا پورا احساس تھا کہ قادریانیت کی جماعت میں، میں جو اعلانات کرتا رہتا ہوں، ان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ مستند اسلامی کتب کے حوالہ جات پر مبنی ہوں، مگر قادریانی تبلیغی مشن کے حوالہ جات کی اس چھان بین کے ماہیوں کن تباہ برآمد ہوئے۔

اللہ تعالیٰ اور انسان دونوں کے سامنے مجھے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ان کے دعوؤں اور ان کے مفروضہ مقاصد کی، خود اُنہیں کی خاطر میں نے، بحقیقی زیادہ چھان بین کی اتنی ہی وضاحت سے مجھ پر مکشف ہوا کہ قادریانی تبلیغی مشن دونیا کی آنکھوں میں دھول جوکہ رہا ہے اور اپنے بہت سے تبعین کی لاطینی سے تاجائز فائدہ اخخار ہا ہے۔ اکثر وہ ایسے مصنفوں کا حوالہ دیتے ہیں جو کمل کر قادریانی عقائد کے خلاف ہیں مگر یہ حوالے چالاکی کے ساتھ ایسے طور پر پیش کیے جاتے ہیں کہ محسوس ہو کہ یہ مصنفوں قادریانی عقائد کی حمایت کر رہے ہیں۔ ایک قاری اور حقیقت حال کا متاثر یہ بات صرف اسی وقت محسوس کر سکتا ہے جب وہ حوالہ جات کی بنیادی کتابوں کا خود مطالعہ کرے اور ان کے سیاق و سبقاً کو ذہن میں رکھ کر انہیں پڑھے۔ مثال کے طور پر دعوائے نبوت کی حمایت میں اکثر پیشتر قادریانی اس حدیث کا حوالہ دیتے ہیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منسوب کی جاتی ہے ”یہ کہ آپ نبیوں کی مہر

بیں یہ نہ کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔“

یہ بات قاتل ذکر ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی زوجہ مطہرہ کی طرف منسوب یہ حوالہ صحاح ستہ یعنی بخاری، مسلم، ابو داؤد، ابن ماجہ، ترمذی اور نسائی، امام مالک کی موطا بیا مسند امام ابن حبیل یا مکملۃ المسانع وغیرہ حدیث کی ایسی کتابوں میں موجود نہیں ہے جو عالمی سطح پر مانی ہوئی حدیث کی کتابیں ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث بھی مجموع الائسناد اور ناقاتل اعتبار ہے۔ نیز بخاری و مسلم کی احادیث متواترہ، مرفوہ کے مقابلے میں جوت نہیں۔ مگر قدیماً بخوبی کے بیان، یہ کہ حدیث بڑی گراں قدر سمجھی جاتی ہے، اس لیے مستند احادیث کو سامنے رکھ کر ہمیں اس کا جائزہ لینا چاہیے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ قاریانی جماعت اس حدیث کا حوالہ صرف یہ ثابت کرنے کے لیے دیتی ہے کہ ”خاتم النبیین“ سے مراد نبی آخر الزمان نہیں ہیں۔

ان کلمات کی تشریع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مثال کے ذریعہ واضح فرمائی ہے جو صحیح مسلم، فتحائل 26 میں موجود ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میری مثال مجھ سے پہلے انہیاء کے ساتھ ایسی ہے جیسے کسی شخص نے گھر بنایا اور اس کو بہت عمدہ اور آرستہ و پیڑاستہ کیا مگر اس کے ایک گوش میں ایک اینٹ کی جگہ قیر کے لیے چھوڑ دی۔ ہم لوگ اس کے دیکھنے کو حق درجون آتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں کہ یہ ایک اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی گئی۔ (تاکہ مکان کی قیر کمل ہو جاتی) چنانچہ میں نے اس جگہ کو پر کیا اور مجھ سے یہ قصر بیوت کمل ہوا اور میں یہی خاتم النبیین ہوں (۱) مجھ پر تمام رسل فتحم کر دیے گئے۔

لذکر وہ حوالہ جات اور دوسری مستند احادیث سے یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ خاتم النبیین کا مفہوم خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک بھی بھی تھا کہ آپ افضل الانبیاء اور اللہ کے سارے نبیوں میں سب سے آخری نبی تھے اور آپ کے بعد کوئی اور نبی آنے والا نہیں ہے۔ بھی وہ سبب ہے جس کی وجہ سے قرآن کریم نے مولی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبیین کے لقب سے یاد کیا ہے اور اس پر قرآن مجید کا واضح اعلان موجود ہے:

”مولی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں
لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے فتحم پر ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز خوب
جاناتا ہے۔“

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کے خاتم النبیین ہونے کے ذکر کا اس بات سے کیا تعلق ہے کہ آپ کا کوئی فرزند باقی نہ رہے۔ مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ آپ کے سید الانبیاء ہونے کے باوجود آپ کے فرزند کا منصب نبیت پر فائز نہ ہونا آپ کی عظمت شان کے مناسب نہ تھا اور احر اللہ تعالیٰ کو آپ

کے بعد کوئی اور نبی بھیجا نہیں تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی بھی مرضی تھی کہ آپ کے کوئی زینہ اولاد باقی نہ رہے۔ چنانچہ آپ کے بھائی کسی فرزند کا زندہ نہ رہتا بھی اس بات کی ایک بنی دلیل ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں۔

چونکہ قادریانیوں کے ذہن سے یہ خیال مسلط رہا ہے کہ ہر قیمت پر مرتضیٰ احمد کی نبوت ثابت کی جائے، اس لیے یہ لوگ نہایت عجیب و غریب طور پر اور بے شریٰ اور ڈھنائی کے ساتھ اپنے اس مقصد کی حمایت میں قرآن پاک کی بعض آیتوں کے معنی اور تفسیر، تو ز مرد کر پیش کرتے ہیں۔ اس تفسیر کی ہیر پھیر انہوں نے قرآنی آیت و من يطع الله والرسول کے ترجمہ میں میں کی ہے۔ وہ کہتے ہیں ”اور جو کوئی اللہ اور اس کے اس نبی کی اطاعت کرتا ہے۔“ اس آیت کے جن کلمات کا ترجمہ قادریانی مشن ”اور اس کے اس نبی“ کی ٹھیک میں کرتے ہیں، وہ قرآن کے عربی متن میں والرسول ہیں، جن کے معنی ہر اعتبار و معیار سے صرف ”اور رسول“ ہی ہو سکتے ہیں۔ ان کے کوئی اور معنی ہوئی نہیں سکتے۔ قرآن کے سیاق و سبق سے اخراج کرتے ہوئے (قادیانی) تبلیغی مشن نے جو ترجمہ فی الواقع کیا ہے، وہ ان عربی کلمات کے ہو سکتے ہیں ”رسولہ نہا“ یعنی اس کا یہ رسول۔ اگر نہا تبلیغی مشن کی اس کوتولت کا اس کے مخفی تیجہ تک پہنچا کیا جائے تو اس کے معنی بھائی تھیں گے کہ قرآن میں اپنی طرف سے اضافہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور بالآخر اسلامی نظریت سے یہ ایک تھیں جرم ہے۔ اس لیے کہ اگر صرف قادریانیوں کے ترجمہ کو شائع کیا جائے تو ان کلمات کی صدیک یہ ترجمہ متن سے بالکل مختلف ہو جائے گا۔

کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ نائجیریا اور دوسرے افریقی ممالک کے مسلمان جو قادریانی مشن کی رفاقت کا دام بھرتے ہیں، اپنی اس رفاقت پر نظر ہافی کریں، اگر وہ واقعی دل سے اس اسلام سے وچھی رکھتے ہیں، جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کو روشناس کرایا۔

قادیانی مشن نے اس آیت شریفہ کے صرف ابتدائی حصہ میں اس لیے اضافہ کیا ہے کہ اپنے غلط ترجمہ کے ذریعہ پوری آیت سے اس کی چوہل لاکڑا سے اپنی غرض سے ہم آہنگ کرویں۔ پوری آیت کا ترجمہ یوں ہے:-

”اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مان لے گا تو ایسے اشخاص بھی ان حضرات کے ساتھ ہوں گے، جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی انعام اور صدیقین اور شہداء اور صلحاء اور یہ حضرات بہت اچھے رہنگی ہیں۔“ (التساء: 69)

اس آیت کی غلط تفسیر پیش کر کے قادریانی کہتے ہیں کہ خدا اور رسول کی اتباع کر کے کوئی شخص نبوت کے اعلیٰ منصب پر فائز ہو سکتا ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ایسے جو بھی نبی، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مجوہوں گے، ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پر اور قرآن پر عمل

کریں، کونکہ ان کو یہ روحانی مرتبہ برآ راست نہیں ملے گا بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجماع کے خلاف میں ہی ملے گا۔

اس غلط تفسیر کرنے کا سب سصرف یہ ہے کہ اس مختصر رائے کے خلاف، جس پر مسلمانوں کی زبردست اکثریت کا اجماع ہے اور جس میں خود محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے مبارک بھی شامل ہے، یہ ثابت کیا جاسکے کہ مرتضیٰ غلام احمد بھی، اللہ کے ایک رسول اور نبی تھے (نبوذ بالله) یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ قادیانی مشن نے دنیا والوں کو اس تفسیر سے آگاہ کیوں نہیں کیا جو قرآن فی القاض کی مستند قسموں کی روشنی میں کی گئی ہے۔ مثلاً مفردات راغب یا اس کی روشنی میں جو قرآن و حدیث، مفسرین و محدثین کی مشہود و معروف کتابوں میں منقول ہے۔ قادیانی یقیناً اس تفسیر سے انکار نہیں کر سکتے جس کو اسلامی علوم اور تفسیر قرآن کے مستند علماء اس آیت کے بارے میں آنکھہ آنے والی نسلوں کے لیے احاطہ خرچی میں لائچے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر پر بحث کرتے ہوئے ابن کثیر (بیہودت ایڈیشن 1969 جلد 1 صفحہ 522)

کہتے ہیں: ”یعنی جو کوئی بھی اللہ اور اس کے رسول کے تابعے ہوئے احکام پر چلنا ہے اور ان چیزوں سے پچتا ہے، جس سے اللہ اور اس کے رسول نے منع کیا ہے تو اللہ سبحانہ تعالیٰ اس کو اپنے عالیشان محل میں ان لوگوں کے ساتھ رکھے گا جس پر اس نے انعام فرمایا اور ان کو رفاقت عطا فرمائے ان نبیوں کی، پھر ان کے بعد نہ کو صدیقین کی، پھر شہیدوں کی اور عام مومنوں کی جو حقیقی ہیں اور جو چھپ چھپ کر اور اعلانیہ نیکِ محل

کرتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ ان کی تحریف یوں پہنچان فرمائے گا: ”یہ بڑی اچھی رفاقت میں ہیں۔“

حدیث کی بہت سی کتابیں مخلاف مسلم، مسنون احمد بن حنبل وغیرہ کی روایات میں اس واقعہ کا ذکر موجود ہے جو اس آیت کا شان نزول ہے۔ مدینہ کے انصار میں ہے ایک شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، جس کا چھوڑہ ادا شما۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے ادائی کا سبب دریافت فرمایا۔

”اے رفقی میں کیوں تھیں اداس دیکھتا ہوں؟“

”اے اللہ کے رسول میں کسی سوچ میں پڑ گیا ہوں۔“

”وہ کیا ہے؟“

ہم لوگ رات دن آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے ہیں۔ آپ کے روزے مبارک کو دیکھتے ہیں اور آپ کی محبت سے شرف ہوتے ہیں۔ شاید کل قیامت کو آپ نبیوں کے پاس اللہ جائیں اور آپ تک ہماری رسائی نہ ہو سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر حضرت جبرائیل وحی میں آیت لائے اور فرمایا کہ وہ لوگ جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں، روز قیامت انہیاً وغیرہم کے ساتھ ہوں گے۔ یہ ہے آیت کا شان نزول اور اس کی یہ سادی تفسیر۔ یہ اتنی واضح

ہے کہ کسی حرمہ تشریع کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

میری صرف سبکی خواہش ہے کہ قادریانی حضرات مناسب انداز میں اس پر غور و خوض کریں اور ان نہیں مقائد کو مسترد کر دیں جن کے جال میں ان کے مبلغین نے بڑی کامیابی کے ساتھ انھیں پھنسا رکھا ہے۔ یہ امر مسلم ہے کہ کوئی شخص یا ایک جماعت جہور کو بھی شہریت کے لیے دوکر میں نہیں رکھ سکتی۔ کسی نہ کسی دن اس فریب کی قلمیں کھل جائے گی۔ ناجیہر یا کے قادریانیوں اذ راغور کرو اور نظر ہانی کرو (اپنے گمراہ کن مقائد پر) اب رعنی بات اس قرآنی آیت کی:

یعنی ادم اما یا تینکم رسی منکم یقصون علیکم ایتی لمن اتفی و
اصلح فلا خوف عليهم ولا هم يحزنون۔ (آل اعراف: 35)

قادریانی ملنے اپنے حوالہ میں جو اس کا ذکر کیا ہے، تو وہ بھی سیاق و سبق سے بالکل ہٹ کر ملط قفسر بھائی کی ہے، ایک کہانی ہے جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے اس فلسط نظریہ کی پشت پناہی کریں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی سلسلہ نبوت جاری ہے۔

قرآن کی تکذیب اور محتوى تحریف کے ساتھ قادریانیوں کا ایک دوسرا عقیدہ یہ بھی ہے کہ وہ مسلمانوں کی نماز جہازہ میں شریک نہ ہوں۔ قرآن کی مخالفت کے علاوہ یہ عقیدہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک حکم کی بھی مخالفت کرتا ہے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول جو انہن مجب المحن 8 جملہ 357-278 اور 382 میں مردی ہے، یوں آیا ہے:

”میری امت کا اجماع قلطی پر نہیں ہوگا۔ تم مشرکوں میں پر سواد عظم کے فیصلوں پر عمل کرنا واجب ہوگا۔ جس شخص نے ایک بیانش کے برابر بھی امت سے کنارہ کشی انتیار کی تو اس نے گویا اسلام کے حلقوں کو اپنی گردن سے اتار پھینکا۔“

یہ حدیث بھی حقیقتاً اس قدر واضح ہے کہ کسی تشریع کی ضرورت نہیں ہے۔ قادریانیوں کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ اپنی بُرکوں کی شادی مسلمانوں سے نہ کریں۔ یہ بھی اسی ضمن میں آتا ہے۔ اپنے اس حقیدہ کی حمایت میں وہ اسلام کے اس حکم کا حوالہ دیتے ہیں کہ مسلمان عورتوں کی شادی غیر مسلموں کے ساتھ نہیں کرنی چاہیے۔ اس کے حقیقی تواریخ ہوئے کہ قادریانی لوگ مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ اس عقیدہ کا جواز صرف اسی صورت میں ہیں کیا جاسکتا ہے جبکہ قادریانیت کو اسلام سے بالکل ہی مخالف نہ ہب قرار دیا جائے ورنہ بصورت دیگر یہ حقیدہ بالکل ہی ناجائز اور ناقابل دفاع ہو جاتا ہے۔ اسی صورت میں اگر سعودی عرب کی حکومت یا کوئی اور حکومت قادریانیت کو غیر اسلام اور قادریانیوں کو غیر مسلم سمجھتی ہے تو کون ہے جو اس حقیقت کو مان لینے کے بعد بھی آسانی سے ان حکومتوں کو مورد الزام نہ ہرائے گا۔

قادریانیوں کی ایک دوسری خصوصیت جو انھیں مسلمانوں سے الگ تھا اسی کی وجہ سے ان کی دو

چالبازی ہے جس کے ذریعہ سے وہ اپنے آپ کو مسلمانوں پر مسلط کرتے رہتے ہیں، یہ جانتے ہوئے کہ مسلمان ان کو من نہیں لگاتے وہ اپنی جماعت کے تعلیم یا فد ارکان کو حکومت کی کلیدی اسامیوں پر قائز کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ایسے افراد کی وساحت سے اسلام کے نام پر قادریانیت کے مفاد میں پوشیدہ طور پر بالواسطہ سرگرم عمل رہتے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ قادریانی حضرات کے لیے اب وہ وقت آگیا ہے کہ دنیا کے سامنے اپنا موقف ظاہر کر دیں کہ وہ مسلمان نہیں ہیں۔ اگر وہ خود کو مسلمان سمجھتے ہیں تو ان کو مسلمانوں کی اجتماعی رائے پر عمل کرنا ہو گا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی نبی کے نالح کے خیال سے وثیبردار ہونا پڑے گا، دیگر باطل اور جھوٹے عقائد کو بھی یکسر چوڑتا ہو گا۔ انھیں اسلام کو مخلص اور تحد کرنے کے لیے وہرے مسلمانوں کے دوش بدش کام کرنا ہو گا۔ وہ اس فریضہ کو وہرے مسلمانوں سے مل جل کر یعنی بخوبی انعام دے سکتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ وہ اپنے گمراہ کن عقیدوں اور طرزِ عمل کے ذریعہ انھیں الگ تحمل کر دیں۔ مخالف اس کے اگر قادریانی کی مخصوص جماعت سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ شی یہداوار ہیں تو انھیں چاہیے کہ وہرے مسلمانوں سے الگ رہیں اور اپنی امتیازی حیثیت کا اعلان کر دیں تاکہ جو لوگ قادریانیت اختیار کریں، ان کو شروع سے ہی اس بات کا علم ہو جائے کہ وہ ایک نئے نہجہ میں داخل ہو رہے ہیں، بجائے اس کے کہ وہ اس غلط فہمی میں چلا رہیں کہ وہ مسلمان ہیں۔

قادریانیت کے نام کو چنانے رکھنے کے لیے یہ غدر کافی نہیں ہے کہ ایک طبقہ غلام احمد کو صرف مجدد مانتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ (اگر انھیں مجدد فرض بھی کر لیا جائے تو) اسلام میں صرف یہی ایک صاحب مجدد نہیں ہوئے ہیں۔ مختلف اوقات میں بہت سے مصلحین اسلام، غلام احمد قادریانی سے قتل آپکے ہیں اور ان میں سے ہر ایک نے اسلام کی مجموی ترقی کے لیے خصوصی فرائض انعام دیے ہیں۔ گران میں سے کسی نے بھی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اسلام نے اسکی کوئی شرط عائد نہیں کی ہے۔ کوئی مصلح اپنی ایک خاص جماعت ہا کر اس کا کوئی خاص نام رکھ دے۔ غلام احمد سے قتل کبھی کسی سابق مجدد نے ایسا نہیں کیا۔ مثلاً اسلام کے سب سے رفیع الشان مصلح وہ حضرت امام غزالیؒ تھے۔ انھوں نے کبھی کسی خاص نام سے کوئی خاص جماعت نہیں بنائی (اس کے علاوہ اسلام کے کسی مجدد یا مصلح نے کبھی خود یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اللہ نے اسے مجدد یا مصلح ہا کر بھیجا ہے، یہ لقب تو ان کی زندگی میں یا وفات کے بعد ان کی دینی خدمات کے اعتراف میں، جبکہ انھیں دیتی ہے جو شخص خود اس حسم کا دعویٰ کرے اور اپنی مجددیت کا ذہن دراپنئے، وہ یقیناً کوئی فرمی ہی ہو سکتا ہے۔

میں اس سے بخوبی واقف ہوں کہ جہاں تک تائجیر یا اور دھرمی جگہ مثلاً لاہوری قادریانیوں کا تعلق ہے، وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ غلام احمد صرف ایک مجدد یا مصلح تھے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ مسلمان،

دونوں جماعتوں میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ سعودی عرب کی حکومت بھی ان دونوں کے ساتھ یکساں معاملہ کرتی ہے اور اپنے اس موقف کی یہ دلیل قیش کرتی ہے کہ اگر ان دونوں جماعتوں کے درمیان کوئی معتقد بر فرق ہے تو یہ دونوں ایک ہی مشترک نام یعنی "احمدیت" سے کیوں موسم ہیں۔ سارے قادریانیوں کے نزدیک "احمدیت" (یا احمدی) کا نام بانی قادریانیت یعنی غلام احمد قادریانی کے نام پر ہی رکھا گیا ہے، ان کو ایک دوسرے نام "قادیریانی" سے بھی یاد کرتے ہیں جو مرحوم غلام احمد کی جائے ولادت ہندوستان کے قصبہ "قادیریان" سے منسوب ہے۔

قادیریانی اسے پسند کریں یا نہ کریں، قادریانیت یا تو معدوم ہو کر صرف تاریخ کی کتابوں میں باقی رہ جائے گی یا کسی اور نہ ہب کی شکل میں تبدیل ہو جائے گی۔

(لاہوری جماعت یہ دعویٰ بھی کرتی ہے کہ مرحوم غلام احمد قادریانی نے کبھی دعویٰ نبوت نہیں کیا بلکہ قادریانی جماعت نے غلام احمد کی تحریروں میں تحریف کر کے انھیں مدعاً نبوت بتا دیا۔ اگر اسے صحیح فرض کر لیا جائے تو ایک جماعت دوسری جماعت کے نزدیک کافر ہو گئی۔ باس ہم کسی جماعت نے دوسری جماعت کے خلاف کفر کا فتنی صادر نہیں کیا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں جماعتوں اپنی اپنی جگہ ایک ہی مقصد کی خدمت کر رہی ہیں۔

اگر یہ حق ہے (بقول قادریانیوں کے) کہ قادریانیت یعنی اسلام ہے تو کیا وجہ ہے کہ قادریانی مسلمانوں کے درمیان قادریانیت کی تبلیغ کرتے پھرتے ہیں۔ کیا اس تبلیغ ہم سے ظاہر نہیں ہوتا کہ قادریانیت بذات خود ایک الگ نہب ہے؟ اگر قادریانیت کوئی نیانہب نہیں ہے تو ان کے مبلغ اپنے قادریانیوں کو یہ سبق کیوں پڑھاتے ہیں۔ "کہ جب کبھی کوئی احمدی کسی نئی جگہ جائے اور آس پاس کوئی دوسرا احمدی نہ پائے تو وہ اس وقت تک اکیلا عی نماز پڑھتا رہے جب تک کہ دوسروں کو احمدی نہ بنا لے" اور پھر بعد میں ایسے "نواحیوں" کے ساتھ باجماعت نماز کا اہتمام کر لے۔ یہ ہیں وہ سوالات جو قادریانیت کے بارے میں، ذہن میں ابھرتے ہیں۔

میری تمنا ہے کہ نائجیریا اور دیگر ممالک کے قادریانی غور و فکر کریں اور قادریانیت کے ساتھ اپنی دلچسپی پر نظر ہاتی کریں۔ اگر وہ واقعی حقیقی اسلام سے دلچسپی رکھتے ہیں تو گرہ باندھ لیں کہ اس سوال کا جواب "قادیریانیت" نہیں ہے۔

اگر میرا موقف غلط ثابت ہو جائے تو میرے والد مجھے مردود اور عاق کر دیں، اجتماعی طور پر قادریانی مجھ پر لعنت بھیجیں اور مجھے سولی پر چڑھا دیں۔ بخلاف اس کے اگر میرا موقف درست ثابت ہو تو نائجیریا کے سارے قادریانیوں پر، جن میں میرے خونی اور خاندانی روشنہ دار بھی شامل ہیں، واجب ہو جاتا ہے کہ (قادیریانیت کے ساتھ) اپنے تعلق پر نظر ہاتی کریں جیسا کہ میں نے خود کیا ہے۔

اللہ عز وجل کے حضور خشوع و خصوع کے ساتھ دست بدعا ہوں کہ اللہ انھیں پڑے اسلام کی راہ
دکھائے اور اس پر گامزن ہونے کی انھیں توفیق دے۔

والسلام علی من اتبع الہدی (ط: 47)

آخر میں نہایت سنجیدگی اور خلوص کے ساتھ، میں ان سب لوگوں سے جو اسلام کی کمی محبت اور
حلاش میں اب تک قادریت سے چھٹے ہوئے ہیں، اعلیٰ کرتا ہوں کہ وہ اچھی طرح یہ سمجھ لیں کہ کسی اعتبار
سے بھی قادریت اسلام نہیں ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اس کے باñی نے اس کو قادریت کا نام دیا، یہ اس بات
کی نشان دہی کرتا ہے کہ شروع سے (اسلام سے جدا) یہ ایک نیا مذہب رہا۔ علاوه بریں قادریتوں کے چند
بنیادی عقائد اور اعمال، قادریت کو اسلام سے بالکل جدا کر دیتے ہیں۔ مجھے اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ
هر شخص اس معاملہ میں آزاد ہے کہ وہ اپنی پسند کے مطابق جو مذہب چاہے اختیار کرے اور اس کے مطابق
عمل کرے۔ بلاشبہ، یہ قانونی قواعد و ضوابط اور بنیادی انسانی حقوق کی قرارداد کے میں مطابق ہے۔
باہی ہم یہ بات بھی اہم ہے کہ ایک شخص کا ذہن اس کام کے بارے میں بہت صاف ہونا چاہیے جسے کہ وہ
کر رہا ہے۔ اس بات سے الکار نہیں کیا جا سکتا کہ قادریت اسلام سے الگ کوئی اور ہی نہ مذہب ہے۔ اس
لیے اس کے کثر میہروں کو قرآن کے ارشاد کو یاد رکھنا چاہے اور اس پر غور و فکر کر لینا چاہیے کہ ”جو بھی
اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب کا طالب ہو تو اس سے وہ مذہب قبول نہیں کیا جائے گا اور آخرت میں وہ
خسارہ پانے والوں میں ہو گا؟



رشید احمد خالد

جب قدرت نے راہنمائی فرمائی

میرا نام رشید احمد خالد ہے۔ میں قادریانی گھرانے میں پیدا ہوا۔ قادریان کی کفریہ اور غلیظ فحنا میں آنکھ کھولی۔ ہاپسے مرزا قادریانی کے عقائد بالطلہ اور خرافات و رافت میں حاصل کیں اور بالغ ہونے پر ایک کثر اور تھصیب قادریانی تھا۔ میں نے مرزا بیت کا لٹر پیپر خرب پڑھا اور قادریانیت کے پارے میں اہمی خاصی معلومات حاصل کر لیں۔ پاکستان بخشنے کے بعد میں دارالکلل ربوہ خلیل ہو گیا۔ یہاں میں نے بڑے زور و شور سے قادریانیت کا پرچار شروع کر دیا۔ میری خدمات کو دیکھتے ہوئے مجھے مرزا ناصر کے ذاتی شاف میں شامل کر لیا گیا۔ وقت گزرتا گیا اور میں کفر و الحاد کی ولڈل میں دھستا گیا۔ لیکن ایک اہم کتنا کتنا جاؤں جس نے میری کایا پلٹ دی کہ قادریانی ہونے کے باوجود مجھے حضرت علی ہجویریؒ سے بے پناہ عقیدت تھی اور میں اکثر ان کے مرزا اطہر پر حاضری دیا کرتا تھا۔ آج سے تقریباً تین سال پہلے مجھے درود گردہ شروع ہو گیا۔ بڑے بڑے قادریانی ڈاکٹروں سے علاج کروایا تھا لیکن تکلیف بڑھ گئی۔ اس پریشانی کے عالم میں ایک رات سو گیا تھا میرے بخت جاگ اٹھے۔ خواب میں مجھے حضرت علی ہجویریؒ کی زیارت نصیب ہو گئی۔ انہوں نے پوچھا ”کیوں پریشان ہو؟“ میں نے نہایت مودہاں انداز میں جواب دیا ”ورد گردہ نے تاک میں دم کر رکھا ہے“ حضرت نے دعا کی اور جب میں خواب سے بیدار ہوا تو درود گردہ سے مکمل نجات پا چکا تھا۔ ایک رات پھر مجھے حضرت کی خواب میں زیارت نصیب ہوئی۔ حضرت نے پوچھا کیوں پریشان ہو؟ میں نے جواباً عرض کیا بھول کے کچھ محاملات ہیں۔ اس سلسلے میں ہوا گفرمند ہوں۔ حضرت نے دعا فرمائی اور میری وہ م حلکات بھی چند دنوں میں حل ہو گئیں۔ ایک رات پھر حضرت کی زیارت نصیب ہوئی اور حضرت نے مجھے حکم دیا کہ مرزا بیت پر لاخت بیچ کر مسلمان ہو جا۔ مجھ بیدار ہوا تو میں نے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا اور میرے ساتھ میرے بھوی پچھے بھی مرزا قادریانی پر لاخت بیچ کر مسلمان ہو گئے۔ جمارے مسلمان ہونے کی خبر راتیں فیملی پر برق بن کر گری اور جھوٹی نبوت کے ایساں دنوں میں بھیل بیچ گئی۔ قادریانی میری جان لینے کے درپے ہو گئے۔ قادریانی قواعد کے مطابق پہلے مجھے لائچ دیا گیا۔ میں نے الکار کر دیا تھا دھکا یا گیا۔ خوفناک مستقبل کی مشین گوئیاں کی گئیں۔ لیکن میں نے نبوت کے ان قراقوں سے بیانگ دل

کہہ دیا کہ یہ گردن کوئی کفری گردن نہیں جو جنک جائے۔ اب اس جسم میں جناب خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے بھرا ہوا خون دوڑتا ہے۔ یہ گردن کٹ تو سکتی ہے جنک نہیں سکتی اور میں نے نبوت کے شیروں کو لالکار کے یہ بھی کہہ دیا کہ میں ربہ نہیں چھوڑوں گا اور نہیں فتح نبوت کا مورچہ قائم کر کے تھاری جعلی نبوت کا پول کھولوں گا۔ گھر کا بھیدی ہونے کے ناتے تھاری سیاہ کرتوں سے لوگوں کو آگاہ کروں گا۔ میری کفری کفری باتیں سن کر قادیانیوں کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور ایک رات جب میں چیزوں سے گمراہیں آرہا تھا تو راستے میں مجھ پر فائر گک کی گئی، لیکن جسے اللہ کے اسے کون چکے۔ میں صاف فتح گیا۔ فتنے میں، میں نے ابتدائی رپورٹ درج کروادی اور ان کے خلاف تحریزی، بہت کارروائی بھی ہوئی۔ میں نے اب قادیانیوں کو اٹھاگاف الفاظ میں کہہ دیا ہے، میری ایک جان کیا، اگر رب العزت مجھے ہزار جانیں بھی عطا کرے تو میں آئندہ کے لالہ کی فتح نبوت پر چھادر کر دوں گا لیکن تھاری انگریزی نبوت کا تعاقب کرنا نہیں چھوڑوں گا۔

کیونکہ میں قادیانیوں کا تربیت یافتہ آدمی تھا اور ان کے کفر والوں کے داؤچی اچھی طرح سمجھتا ہوں، لہذا اب میں ان کے لیے بہت خطرناک ثابت ہو رہا ہوں۔ خداوند کریم کا شکر ہے کہ اب تک میں تینیں قادیانیوں کو اسلام قبول کرواجکا ہوں اور اثناء اللہ زندگی کے آخری سانس تک ہر قادیانی تک جناب خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام پہنچاتا رہوں گا۔



محمد اللہ و سایا ذیر وی

میں مسلمان کیوں ہوا؟

جب ایک اللہ و سایا ذیرہ عازی خان کے رہنے والے تھے۔ ورزی کا کام کرتے تھے۔ آزاد خیال تھے، قادیانیت کے نزغے میں آگئے۔ قادیانیت کی رومانی والیاں برکات سے مستحب ہوئے۔ بعد میں مسلمان ہو گئے۔ ”قادیانیت سے اسلام تک“ ایک کتاب پر تحریر کیا جو قادیانی حکایت کی وجہ پر مشتمل ہے۔

مجھے اس حقیقت کا انعامہ کرتے ہوئے صرف محسوس ہوتی ہے کہ میں ایک ”مرصدِ تک ارتداد“ مذالت کے مہلک گڑھوں میں دھکے کھانے کے بعد اب حلقوں اسلام ہو گیا ہوں اور آج میں نے خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دامن ختم نبوت مصیبوں کے ساتھ قائم لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی پر سما رخاتھ کرے آمین!!..... ارتداد کی زندگی کا تفصیل خاکر پیش کرنے کے لیے دفترِ دکار ہیں۔ بھاں پر غصہ طور پر یہ بات بیان کرنی ہے کہ میں نے مرزا اسٹ اسٹ سے توبہ کیوں کی؟..... اور وہ کون سے اسبابِ عمل ہیں جنہوں نے مجھے قادیانی کذاب کا دامن چھوڑ کر دامن صفتی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قاٹنے پر مجھوں کیا.....!

میں مغربی پاکستان کے ایک پہماندہ ضلع ذیرہ عازی خان کا باشندہ ہوں۔ شہر میں گزیوں کی میری ایک دکان ہے۔ میں شروع سے ہی ان باتوں میں بچپن لیا کرنا تھا کہ ”مسلمان قوم“ چونکہ آج کل انتہائی پہمانگی اور دلت کا شکار ہے، اس قوم کی اصلاح کے لیے ضرور کوئی تیار اقدام کرنا چاہیے۔ اس سلسلہ میں دین و دنہب کی تبلیغ و اشاعت کے لیے ملک بھر میں حقیقی جماعتیں اور تبلیغیں موجود تھیں، ان کی سرگرمیوں کا بغور مطالعہ کرتا رہا۔..... مرزا ای سبلغین جب ارتداد کی تبلیغ کرتے تو وہ بھی ”قوم“ کی اصلاح اور مسلمانوں میں زندگی کی ترقی روح پھوٹکنے کے وزامن کا انعامہ کرتے۔ چنانچہ وہ لوگ مرزا غلام احمد قادیانی ہوئے وہرے مرزا ای حضرات کے ایسے ایسے اقوال پیش کرتے جو ان ہی باتوں سے تعلق ہوتے۔ ان لوگوں کی طرف سے ایسی باتوں کا اعلان میرے جذبہ عقیدت کو اور تقویت پہنچاتا۔ میں نے دل و دماغ سے یہ باور کر لیا کہ مرزا اسٹ کی ”اسلام“ ہی کی تبلیغ و اشاعت کا درس امام ہے اور یہ گروہ بھی اسلام میں وہی مقام

رکتا ہے، جو مقام دوسرے مسلمان خروں خلا دیجے ہندی، برٹھی وغیرہ کو حاصل ہے۔ ایک طرف حقیقت و احترام کا یہ عالم تھا کہ علماء کرام اور دوسرے لوگوں کی زبان سے مرزا ایت کے بارے میں کوئی اخلاقی مکمل سخنے کے باوجود میرے دل کی کیفیت یعنی کہ خاتمین مرزا ایت کی بات سن کر مجھے تشویش لاحق ہو جاتی۔! اور میرے دل میں ہمہ یہ کلکار رہتا کہ اگر میں مر گیا تو میری نجات کی صورت کیا ہوگی۔؟ کیوں نہ اس بارے میں پوری حقیقت کے صحیح اقدام کر لیا جائے۔!

بھال ڈیہہ عازی خال میں بہت سے علماء کرام اور ان کی فتنی جماعتیں موجود ہیں، لیکن خدا بھلا کرے ”کارکنان مجلس تحفظ ثم ثبت“ کا کافیوں نے نہ صرف مسلم قوم کو مرزا ایت کے پروفیب جال سے پچانے کے لیے سرہڑ کی باری لگائی، بلکہ ملک کو مرزا ایتوں کی خدامانہ سرگرمیوں سے محفوظ و مامون رکھنے کے لیے لکھی خدمات انجام دی ہیں کہ موجود ان سنبھلی خدمات کو کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتا۔! علاش حق کے لیے میں نے مجلس تحفظ ثم ثبت کے اہمکان سے معلومات حاصل کرنے شروع کیں۔ خوں نے پوری حصہ دی اور پرتوں جذبات سے میری رہنمائی کی۔!

پہلے مسئلہ ختم ثبت سمجھانے کے لیے ثابت مطہر پر عتف کیاں اور پختخت مجھے مطالعہ کے لیے دیے۔ جب اس بارے میں میری لمحہ بندگی تو میں نے حقیقت مرزا ایت مسلم کرنے کے لیے مرزا ایت کا لڑپیر پوری توجہ اور غور کے ساتھ پڑھنا شروع کیا۔! چنانچہ جن باتوں کو محل جذبہ حقیقت میں انداھا ہو کر فخر انداز کر جانا تھا، اب ان کی قباحت مجھ پر آفراہ ہونے لگی اور اسلام، خدا، رسول اور قرآن کے تحفظ مرزا قلام احمد قادریانی یا دوسرے مرزا ایت حضرات جو گستاخان استھان اگنیز اور ایجادی نیشن الفاظ استھان کرتے تھے، اب وہ میرے لیے ہائل برداشت حدیث پہنچ گئے۔

میں نے اپنی خود دگر کے بعد یہ رائے قائم کی کہ مرزا ایت کوئی چاقانہ بوب تو دکنار۔ عام شریف انسانوں کا مسلک بھی نہیں ہو سکتا۔ مرزا ایت کا لڑپیر گستاخوں، استھان اگنیز ہوں اور جس کلمات سے بھر پہنچے ہے۔

مرزا ایت کا اصلی چہرہ

مرزا ایت کوئی خاص ذہنی فرقہ نہیں، بلکہ اسلام کے ایک ایک رکن، ایک ایک جزو اور اس کے ایک ایک تصور کے ظافر بہت بڑی سارش ہے۔

اگر یونے ہندستان میں اپنے اقتدار کے تحفظ اور اسلام کے خاتم کے خاتم کے لیے ”مرزا ایت“ کو جنم دیا۔ مگر اس کی پرتوں کے لیے اپنی مالی اور جانی المدعا کے تمام دعاوے کو حاصل دیے۔!

مسلمان ہندستان میں چھٹکل ایک ”غلام“ کی جیشیت سے زندگی کے اخراجی سُنگایا ہم کزار، سے

تھے، اس لیے وہ من جیت القوم تحریک آزادی دلن سے اپنی پہلی تجہ قدر مزایمت کے استعمال کی طرف تو مبذول نہ کر سکے، البتہ جزوی طور پر ایک صافت الگی ضروری جو اخلاص دلن کی تحریک میں نمایاں خدمات انجام دینے کے ساتھ ساتھ "مزایمت" کے خلاف بروزی کارروائی۔

"قدمرزایمت" کے بارے میں چند نمایاں باتیں پیش کی جاتی ہیں۔ ان پر خصوصی توجہ دینے کے بعد قارئین کرام خودی فیصلہ کریں کہ اس حم کے فضیلت و محتاند کی موجودگی میں اسلام کا تقدیس اور اس کی عظمت و ہوکت کس طرح باقی رہ سکتی ہے؟

خداتحالی

اسلام نے خالق کائنات خدا تعالیٰ کا تصور یہ پیش کیا ہے کہ وہ ایک الگ پاک لور مزدہ ذات ہے جس کے ساتھ کسی حم کا صاحب، برعلی اور بے ہوہہ ہی کا تصور بھی کنایہ حرم ہے۔

خدا تعالیٰ کی ذات و صفات میں کوئی بھی ہمسر یا شریک نہیں۔ طاقت و محبہ سے افضل حقوق، انسان ہے۔ اگر کوئی شخص کسی "انسان" کی بوئی صفت کو بھی اللہ تعالیٰ کی ذات سے وابستہ کرے گا تو وہ خدا کے ہاں بہت بُرا حرم ہو گا۔ خلا انسان کھانا ہے، پیٹا ہے، نکاح کرتا ہے اور بچے بھتا ہے۔ اگر کھانے پینے اور بچے بختنے کی صفت خالق کائنات "خدا تعالیٰ" کی ذات سے بھی وابستہ کر دی جائے تو خدا تعالیٰ کا تقدیس کہاں باقی رہا؟

قدمرزایمت کے بانی مرزاق اعلام احمد قادریانی نے سب سے پہلے اسلام کے اس تصویر کی اس طرح مٹی پلید کی کہ

"خدا تعالیٰ نے میرے ساتھ نکاح کیا اور بھر میرے ساتھ وہی کام کیا جو عام انسان اپنی موت کے ساتھ کرتے ہیں۔ بعد میں مجھے محل تمہرا۔ اور مجھے ان تمام مرامل سے گزنا پڑا جن سے موت کا گزرا جاتا ہے! (لطھنا)

..... چنانچہ مرزاق اعلام احمد قادریانی کے ایک مردی نے ایک شریکت بتوان "اسلامی قربانی" میں لکھا ہے!

"حضرت سعی مسعود نے ایک موقع پر اپنی حالت یہ ظاہر فرمائی کہ کشف کی حالت آپ پر اس طرح طاری ہوئی کہ کویا آپ موت ہیں اور "الله تعالیٰ نے رویت" کی قوت کا انکھار فرمایا۔"

(فریکٹ ۴۳ "اسلامی قربانی" مصنفہ حسین یہ محمد حبیبانی، مطبوعہ ریاض الحند پرنس، بہتر)

قارئین کرام خودی فیصلہ کریں کہ جب خدا تعالیٰ کی ذات کے ساتھ اس حم کے فضیلت وابستہ کیے جائیں تو خدا کی ذات کے حقیقی اسلام کا بنیادی مقدوس تصور کس طرح باقی رہ سکتا ہے؟

اسلام سے اختلاف رکھنے والے ”بعض کافروں“ نے خالق کائنات کے وجود سے تو انکار کیا ہے، لیکن آج تک خدا تعالیٰ کی ذات کے ساتھ اس حجم کا گندرا اور جوش تصور کی نے بھی پیش نہیں کیا جو بے ہودگی مرزا غلام احمد قادریانی نے کی ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ

خدا تعالیٰ کی ذات کے حقائق ایک مقدس عقیدے اور پاکیزہ نظریے کے بعد اسلام نے دوسرا تصور، انجیاء و رسول کے حقائق پر پیش کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے انسانوں میں سے عی انجیاء و رسول مسجوت فرمائے ہیں اور ان تمام انجیاء کرام میں سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا آخری خبیر اور رسول ہا کر بھیجا۔ خدا نے آپ پر اپنی آخری کتاب قرآن مجید نازل فرمائے اس بات کا اعلان کر دیا ہے کہ انسانوں کی فلاں و نجات کے لیے جو کچھ میں نے نازل کرنا تھا، وہ کر دیا، اب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت و رسالت ختم کر دی گئی ہے۔!

قرآن مجید پر کتاب..... اور اسلام پر اپنے دین کو مکمل کر دیا ہے!

کویا..... اسلامی عقائد و نظریات میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کو ایک مرکزیت عطا فرمائی گئی ہے.....! اگر خبیر علیہ السلام کی ذات کا واسطہ درمیان سے ہٹا دیا جائے تو نہ خدا کے حقائق کی تصور قائم رہتا ہے اور نہ یہ اسلام کا کوئی دوسرا نظریہ.....! اسلام کی مرکزیت جاہ کرنے کے لیے مرزا غلام احمد قادریانی نے سب سے شرمناک جہارت یہ کی کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کے حقائق پر تصور پیش کیا:

”جس“ محمد رسول اللہ“ کے ساتھ اسلام کی مرکزیت قائم ہے، وہ میں یعنی ہوں۔“

چنانچہ اس دعویٰ کی دلیل کے لیے مرزا غلام احمد نے سب سے پہلے ہندوؤں کے نظریہ نماخ سے اپنی تائید حاصل کی اور یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ایک انسان بہت سی روحیں میں منتقل ہو کر ایک زمانہ گز رجانے کے بعد پھر اپنی مکمل اور مکملی حیثیت میں رونما ہو سکا ہے۔!

مرزا صاحب لکھتے ہیں:

”غرض جیسا کہ صوفیوں کے نزدیک مانا گیا ہے کہ مراتب وجود و دور دیے ہیں، اسی طرح ہم اہم علیہ السلام نے اپنی خواہ طبیعت اور دلی مشاہد کے لحاظ سے قرباً اڑھائی بزار برس اپنی وقات کے بعد پھر عبد اللہ پسر عبدالمطلب کے گھر جنم لیا اور محمد کے نام سے پکارا گیا۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔“

(”تریاق بالقول“ ص 298، ایڈیشن ۳، بیت المقدس طبع و اشاعت بیرونیہ پوکا دیان)

مرزا غلام احمد نے نظریہ نماخ کی تائید کے بعد اپنے لیے اس دعوے میں مبنی تائش پیدا کر لی کہ وہ

خود محمد رسول اللہ بن گئے۔

چنانچہ لکھا ہے:

”حق یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے، اس میں ایسے لفظ ”رسول“ اور ”رسل“ کے موجود ہیں، چنانچہ میری نسبت یہ وحی اللہ ہے۔ محمد رسول اللہ (الایہ) اس وحی الہی میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی۔“

(”ایک غلطی کا ازالہ“ مصنفہ مرزا قادیانی، ص 14)

”میں محمد مجتبی ہوں اور احمد مختار ہوں۔“

(”تریاق اقلوب“ ص 6)

مرزا غلام احمد قادیانی نے نظریہ تائغ کی رو سے یہ دعویٰ کیا کہ جو ”محمد رسول اللہ“ ملک عرب میں پیدا ہوئے، جو پہلا آخراً زمان کی حیثیت میں مسجوت ہوئے تھے، وہ میں ہی ہوں۔ اس دعوے کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ثانیہ میں جو حکم و شہادت پیدا ہو سکتے تھے، اس ابہام کو ان واضح الفاظ سے دور کر دیا۔

”ہمارا حقیقت ہے کہ دوبارہ حضرت محمد رسول اللہ ہی آئے ہیں۔ اگر محمد رسول اللہ پہلے نبی تھے، تو اس بعثت میں بھی نبی ہیں۔ اگر محمد رسول اللہ کے اکار سے پہلے انسان کافر ہو جاتا قاتل اب بھی آپ کے اکار سے انسان ضرور ضرور کافر ہو جائے گا۔ ہم نے مرزا کو بحیثیت مرزا نہیں مانا، بلکہ اس لیے کہ خدا نے اسے محمد رسول اللہ فرمایا ہے۔“

(”تقریب مختصر“ مقدمہ جماعت مولوی سرور شاہ..... ”المفضل“ 27 دسمبر 1914ء ص 7)

”اور یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ وہ ایک دفعہ اور خاتم النبیین کو دنیا میں مسجوت کرے گا جیسا کہ آیت الحیرین میں ہے۔ پس سچ مسعود خود محمد رسول اللہ ہے جو اشاعت اسلام کے لیے دوبارہ دنیا میں تشریف لائے۔ اس لیے ہم کو کسی نئے کلکر کی ضرورت نہیں، ہاں اگر محمد رسول اللہ کی جگہ کوئی اور آتا تو ضرورت پیش آتی۔“

(”کلت المفضل“ ص 158)

گویا اس طرح یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ علیہ دراصل مرزا غلام احمد قادیانی کی کھل میں دوبارہ مسجوت ہوئے ہیں۔ اس بعثت ثانیہ کے دعوے کے ساتھ ساتھ ان باقوں کی بھی تصریح کردی کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو توں بعضیوں پر ایمان لانا ضروری ہے،

لیکن ان دونوں بعثتوں میں ایک امتیاز اور خصوصیت یہ ہے کہ بحث اولیٰ ناقصہ تھی اور بحث ثانیہ تامہ اور اکمل ہے۔ مرزا غلام احمد قادریانی نے اپنے کلام میں اس بات کا اعلان کیا ہے:

روضہ آدم کہ تھا وہ ناکمل اب تملک
میرے آئے سے ہوا کامل بجملہ بگ و بار

(”درشین“، اردو، ص 112)

”حق یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانیت ان دونوں (مرزا غلام احمد کا زمانہ) میں پہ نسبت ان (حضور علیہ السلام کا زمانہ) سالوں کے اوقیٰ و اکمل و اشد ہے، بلکہ بذر کامل چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے۔“

(”خطبہ الہامیہ“، مصنفہ مرزا غلام احمد، ص 181)

مرزا غلام احمد قادریانی نے اسلام کی جگائی اور اس کی مرکزیت کو نیست و تابود کرنے کے لیے دوسرا انتہائی گستاخانہ تصور یہ پیش کیا کہ جس طرح ایک انسان ترقی کر کے خود ”محمد رسول“ بن سکتا ہے (نحو ز باللہ) یعنیم ایک انسان ترقی کے منازل طے کر کے اپنی محنت اور کوشش سے بڑھ بھی سکتا ہے۔

اس نظریہ کی تائید میں مرزا بشیر الدین محمود خلیفہ قادریانی نے اپنے ایک خطبے میں اعلان کیا ہے: ”اگر کوئی شخص مجھ سے پوچھتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی کوئی شخص بڑا درجہ حاصل کر سکتا ہے تو میں کہا کرتا ہوں کہ خدا نے اس مقام کا دروازہ بند نہیں کیا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی شخص بڑھنا چاہے تو بڑھ سکتا ہے۔“

(خطبہ مرزا محمود، مندرجہ ”الفضل“، 16 جون 1956ء، ص 8)

”یہ بالکل صحیح بات ہے کہ ہر شخص ترقی کر سکتا ہے اور بڑے سے بڑا درجہ پا سکتا ہے، حتیٰ کہ محمد رسول اللہ سے بھی بڑھ سکتا ہے، کیونکہ اگر روحانی ترقی کی تمام را ہیں ہم پر بند ہیں تو اسلام کا کچھ بھی فائدہ نہیں ہے اور پھر اس میں کوئی خوبی بھی نہیں کر ایک کو بڑھا دیا جائے اور دوسرے کو بڑھتے دیا جائے۔“

(یاد میں مرزا محمود، مندرجہ ”الفضل“، 17 جولائی 1922ء، ص 5)

حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات القدس پر اس قسم کے گستاخانہ اور ناقابل برداشت حلے کے بعد مرزا غلام احمد قادریانی نے تیراقدام یہ کیا کہ اس نے اپنے ہر وکاروں اور مرپووں کو وہی درجہ عطا کیا جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشار ساقیوں اور فداکار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل ہے، چنانچہ مرزا غلام احمد نے لکھا ہے:

”جو شخص نیری جماعت میں داخل ہوا، وحقیقت سردار خیر الملین کے صحابہ میں

داخل ہوا۔" ("خطبات الہامیہ" ص 171)

مرزا نبیوں میں مرزا غلام احمد کے اس اعلان کی رو سے ان لوگوں کو "صحابہ کرام" کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے اور ان میں سے جو مر گئے ہیں، ان کے ناموں کے ساتھ "رضی اللہ عنہم" لکھا جاتا ہے تاکہ مرزا غلام احمد کے صحابہ کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام کے ساتھ ممتازت نام حاصل ہو جائے!.....

اہانت و گستاخی

اہانت و گستاخی کا یہ پہلو یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ مرزا غلام احمد اور اس کی امت نے انہیاء کرام، بزرگان دین اور اولیاء کرام کی شان میں وہ گستاخانہ اور اشتعال انگیز جملے استعمال کیے ہیں کہ ایک شریف انسان انھیں قطعاً برداشت نہیں کر سکتا!.....

خوف طوالت کی وجہ سے یہاں پر چند حالہ جات و رج کر کے اس بحث کو ختم کیے دیتا ہوں اور فیصلہ قارئین پر چھوڑتا ہوں کہ جو لوگ حدود شرافت پہنچاند کر اس حد تک کمینگی اور سفلہ پن پر اتر آئیں، ایک عام شریف انسان..... ان کے ساتھ اپنی عقیدت کی گریں کب تک باندھ سکتا ہے؟.....

حضرت سعیّد

مرزا غلام احمد قادریانی نے حضرت سعیّد بن مریم علیہ السلام کی شان القدس میں لکھا ہے: "یوسع" کے ہاتھ میں سوائے کمر و فریب کے اور کچھ نہیں تھا، پھر افسوس کی نالائق عیسائی ایسے شخص کو خدا بنا رہے ہیں۔ آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے۔ تم نے دادیاں اور ننیاں آپ کی زنا کار اور کبھی عورتیں تھیں، جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا.....!" (ضمیر "انجام آخرت" ص 6 "تور القرآن" 2، ص 12)

حضرت حسینؑ

"تم نے مشرکوں کی طرح حسین کی قبر کا طواف کیا۔ پس وہ تمیس نہ چھڑا سکا اور نہ مدد کر سکا۔ تم نے اس کشت سے نجات چاہی کہ جو نومیدی سے مر گیا اور بخدا اس کی شان مجھ سے زیادہ نہیں۔ میرے پاس خدا کی گواہیاں ہیں۔ پس تم دیکھ لوا اور میں خدا کا کشت ہوں اور تمہارا صیم و شمنوں کا کشت ہے۔ پس فرق کھلا کھلا اور ظاہر ہے۔ تم نے خدا کے جلال و مجد کو بھلا دیا اور تمہارا اور در صرف حسین ہے۔ کستوری کی خوشبو کے پاس گوہ کا ذہیر ہے.....!" (اعجاز احمدی، ص 80، "درشیں" عربی، ص 240)

اب..... اس شخص کا اپنا کیریکٹر اور اخلاق ملاحظہ کیجئے جو (نحوذ باللہ) محمد رسول اللہ کا روپ

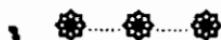
دھار کر قادیان میں مبوبت ہوا جو رسول کریم علیہ السلام سے بڑھ کر ہے، جو ابن مریم اور حسین بن علی سے افضل ہے۔

”چونکہ حضرت مرزا صاحب نبی ہیں، اس لیے ان کو موسم سرما کی اندر ہیری راتوں میں غیر محروم عورتوں سے ہاتھ پاؤں دیوانا اور ان سے اختلاط و مس کرنا منع نہیں ہے بلکہ کاررواب اور موجب رحمت و برکات ہے۔“

(”افضل“ 20 مارچ 1928ء، ص 6 قادیان ”سیرۃ المهدی“ حصہ سوم، ص 210-212 ”اٹھم“ 17 اپریل 1897ء،) اخلاق و کردار کے اعتبار سے اس حرم کا گھٹیا انسان، جو غیر محروم عورتوں سے پاؤں دیوائے، سرد اندر ہیری راتوں میں غیر عورتوں سے اختلاط و مس کرے، جب یہ کہے کہ میں ”محمد رسول اللہ“ ہوں تو خدا کے لیے بتایا جائے..... کہ اس گستاخانہ، اشتعال اگیز اور انتہائی ناگفتہ ہر بے کی چوٹ کہاں جا کر پڑتی ہے؟.....

ان باتوں سے اسلام کی عقائد کو کس طرح پارہ پارہ کیا گیا ہے۔

میں نے جب اس حرم کے قوش حوالہ جات دیکھے تو ایک ایک حرف پر میرے رو گلنے کھڑے ہو گئے۔ مجھ میں اتنی تاب نہ تھی کہ ان حوالہ جات پر نگاہ جاسکوں۔ میں نے انتہائی فکر و تحسیس کے بعد یہ رائے قائم کی ہے کہ دور حاضر میں اسلام کی سب سے بڑی خدمت قتنہ مرزا ایت کا استیصال ہے۔ جب تک یہ قتنہ موجود ہے، اسلام کی عقائد و شوکت کا باقی رہنا مشکل ہی نہیں، بلکہ ناممکن ہے.....!



عزیز احمد

نیا سفر

جناب عزیز احمد مصکیدار چک جمیرہ ضلع قصل آباد کے رہنے والے تھے۔ خاندان مسلمان تھا۔ 1927ء میں قادریت کے ہٹھے چڑھ گئے۔ چک جمیرہ کی قادریانی جماعت کے روح روایا ہو گئے۔ اتفاق سے قادریانی ملازمین چک جمیرہ میں بسلسلہ ملازمت آئے۔ ان کے کرتوت دیکھئے، وزیری ہسپتال کے اسٹاف قادریانی کی ”پینگ بازی“ ہائی سکول کے قادریانی ہینڈ ماسٹر کی اخلام بازی، ایک نامہ معزز چودھری قادریانی کی شراب نوشی اور ایک قادریانی عربی نچپروسوہ کی زنا کاری دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ قادریانیوں کی یہ حرام کاریاں دیکھ کر سوچتے تھے کہ شاید انفراوی کمزوریاں ہیں۔ ربوہ رہائش اختیار کی تو مرزا محمود سے لے کر اس کی بیوی تک، بازار و کوچہ سے لے کر محلات تک، منی سے لے کر اینٹ و گاراٹک، پانی سے لے کر کچڑ سب کو ان حرام کاریوں میں جلا پا کر عقیدت کی دیواری زین میں بوں ہو گئی۔ ان کو تعلیم الاسلام کا لج رویہ کا مصکید دیا گیا۔ ربوہ ائممن و مرزا محمود کے مالیاتی کرشوں کو دیکھا تو جیج اٹھے۔ قادریانیوں نے ان کے غافل اپنی عدالت میں کیس دائر کر دیا۔ جس کے متعلق خود عزیز احمد لکھتے ہیں ”احمری وکیلوں نے وہ جھوٹ بولے کہ کوئی بڑے سے بڑا مفتری اور کاذب آدمی دیدہ دلیری کے ہاتھ شاید قتل کے مقدمہ میں بھی جھوٹ نہ بول سکتا ہو اور ہر جھوٹ بولنے کے بعد احمدی حضرات ایک خاص تصریح پر ہوتا ہے اور اپنی داڑھیوں پر فخریہ اور فتح مندانہ انداز میں ہاتھ پھیرتے تھے۔ محترم صح نے مسکھر خیز فیصلہ کیا۔ 1927ء میں قادریت کی خاطر ایمان کو چھوڑا تھا۔ 1947ء کے بعد عقیدت کی خاطر اپنے ٹلن چک جمیرہ کو چھوڑا۔ ربوہ میں قادریانی قیادت کی اخلاق بانٹھی، حرام کاری دیکھ کر 15 مارچ 1951ء میں قادریت کو چھوڑ کر مسلمان ہو گئے۔ (خود ربوہ کی کہانی، ربوہ والوں کی زبانی) ایک کتابچہ میں یہ حالات تحریر کیے ہیں۔

خاکسار نے 1927ء میں جماعت قادریانی میں شمولیت کی۔ گواہارے خاندان میں بعض افراد کا اس جماعت سے تعلق تھا مگر ہمارے گھر میں مجھ سے ہی ابتداء ہوئی۔ میرے والد محترم میاں فضل کریم صاحب مرحوم منڈی چک جمیرہ میں ایک بہترین، نیک اور ذی عزت مسلمان تھے۔ شہر اور علاقہ کے ہندو اور مسلمانوں کو ان سے خاص عقیدت تھی مگر میرے احمدیت کو قبول کرنے سے مسلمان صاحبان کو مجھ سے دیئی اور دنیاوی اختلافات پیدا ہوئے۔ میں نے اس مخالفت کے ان اثرات کو اہمیت نہ دی۔ اوائل میں تو

شاید میری قول احمدیت محض رکی ہو گی مگر متواتر قادریان میں آمد و رفت اور دیگر احمدی رشتہ داروں کے خونگوار تعلقات سے متاثر ہو کر جماعت احمدیہ سے ایک عقیدت ہو گئی اور اس سلسلہ کو محض خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے ماتحت دنیاوی تکلیفات پر ترجیح دی اور ہر رکاوٹ کا مقابلہ کیا۔ اپنی اس چوتھی سالہ زندگی میں سلسلہ احمدیہ سے خلوص دل سے تعلقات رکھے۔ اپنے کئی عزیزوں، دوستوں اور طازموں کا احمدیت سے تعارف کرایا اور حضرت سعیج موجود کی تائید میں تبلیغی اجلاس منعقد کرائے اور احمدیت کا پیغام عوام تک پہنچایا اور اپنی فرض شناسی کا ثبوت دیا۔ تقسیم ملک سے پیشتر چک جہرہ میں صرف خاکساری مقامی احمدی تھا۔ چند احمدی طاز میں وقت طور پر وہاں رہے اور ان کی نمونہ زندگی سے متاثر ہو کر اور کسی کوشامل ہونے کا موقع نہ ملا۔ ایک موسمی ہسپتال میں دیگر زری استنشت تھے۔ جن کو ”پینگ بازی“ کا بہت شوق تھا۔ ہائی سکول کے ہیئت ماضر صاحب ایک بدترین اخلاق سوز فصل کے مرکب رہے۔ ایک معزز چودھری صاحب نے ہمیشہ شراب نوش فرمائے کا فضل جاری رکھا اور اب موجودہ ایک عربی پیغمبر صاحب سود لینا محبوب خیال نہیں فرماتے بلکہ ان کی مقرر کردہ شرح سود ہے، مگر پہنچانوں کی طرح بہت زیادہ ہے۔ ایک مختصر مدار میرے مذکور کے خانگی حالات بہت شرمناک رہے۔ موضع جہڑا نوالہ ایک قریعی گاؤں کے مولوی نذیر احمد صاحب برق خاندانی احمدی نے، کمی ہندرو اصحاب کو حضرت سعیج موجود کا خصوصی نمائندہ ظاہر کر کے بہت زیادہ لوٹا اور بدترین فعل کیے۔ میرے پاس ان کا ایک پارک کے نام خط موجود ہے، جس میں کہ انھوں نے اس پارکی احمدیت میں شمولیت کی دعوت دی ہے؛ اور اس کی چھوٹی بیگی کا رشتہ خود اپنے لیے خداوندی حکم کے ماتحت طلب کیا ہے اور خود میں، ایک سورہ دلی طاقت موجود ہونے کا انتہا کیا ہے۔ اس خط سے ان لوگوں میں ایک بیجان پیدا ہو گیا تھا۔ وہ خط عنقریب آپ حضرات کے مطالعہ کی غرض سے شائع کر دیا جائے گا۔ غرضیکہ ان حالات کے ماتحت اور کسی مسلمان کو چک جہرہ سے احمدیت میں شامل ہونے کا حوصلہ ہوا اور میرے لیے مزید مشکلات کا سامنا ہوا۔ مگر ان احمدی حضرات کے ان غالے، میرے عقائد پر اثر انداز نہ ہو سکے۔ انفرادی کمزوریاں سمجھ کر جماعت احمدیہ کی تعلیم پر شکر کیا اور احمدیت کو خدا تعالیٰ کی طرف سے یقین کرتے ہوئے اپنے عقیدہ پر چنان کی طرح قائم رہا۔ کراچی میں ایک بہت بڑے ڈاکٹر ہیں جو کہ حضرت سعیج موجود کے عزیزوں سے ہیں اور موجودہ خلیفہ صاحب کے نزدیکی رشتہ دار ہیں۔ انھوں نے خانگی حالات کے زر اثر چند ذی عزت احمدیوں کو ہم خیال بنا کر ایک پارٹی ہائی ہوئی ہے جو کہ اس موجودہ قادریانی جماعت اور ان کے امیر کے خلاف زہر اگلتی رہتی ہے۔ میں نے ہمیشہ اس پارٹی سے عدم تعادن رکھا اور بھی بھول کر بھی ان کے بیانات پر یقین نہ کیا بلکہ ذی افتادہ کمزور احمدیوں کا ایک فتنہ سمجھا اور بعض گھر بیلو حالات کے غلط اثرات پر یقین کیا۔ میں بہر کیف ایک دنیا وار انسان تھا۔ مگر وہی عقائد پر عمل کرنے کی تمنا ضرور تھی۔ گنہگار ضرور تھا مگر ہمیشہ خدا تعالیٰ سے دنیٰ اور دنیاوی برکات حاصل کرنے میں میری دعائیں شامل

رہیں۔ چنانچہ 1949ء کراچی میں مجھے اپنے نئے "مرکز احمد یہ ربوہ" میں ٹھیکیداری کا کام کرنے کی ترغیب دی اور وہاں پر ہونے والی تیری سرگرمیوں کا ذکر کیا اور ربوہ میں دینی اور دنیاوی لحاظ سے مجھے میرا مستقبل نہایت روشن دکھایا گیا۔

ربوہ جیسی مقدس جگہ پر سکونت اختیار کرنے اور بچوں کی بہترین تعلیم و تربیت کے ذرائع پیدا ہونے پر ایک والہانہ خوشی ہوئی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اپنے کاروبار کو سینتا۔ مکان وغیرہ فروخت کیا، دفتر اور کاروباری پلاٹ واقع کاروں کے پرد کیا اور اپنے خانگی اور رہائشی سامان کو سکلے پلاٹ میں چھوڑ کر سالانہ جلسے سے پہلے پہلے ربوہ آگیا۔ ربوہ میں ابھی عمارتی نقشہ جات کی تعمیل ہونا باقی تھی۔ اس لیے عارضی طور پر شوب دیل کا ایک سرکاری کام حاصل کر لیا اور اپنی رہائش ایک واقفیت کی بناء پر کسی دوست کے ساتھ ربوہ میں اختیار کر لی اور ہر رات کو خود بھی وہاں آ جایا کرتا تھا۔ ربوہ میں سلسلہ عالیہ احمدیہ کے افران اور ان کے متعلقہ عملہ سے بہترین تعلقات قائم کر لیے۔ گوان کی طرف سے ناجائز فرمائیں بھی ہوا کرتی تھیں اور میں محض تقدس کے ماتحت ان کی فرمائیں پوری کر دیا کرتا تھا کیونکہ مذہبی طور پر ان لوگوں کو حق بجانب خیال کیا جاتا تھا۔ مگر قابل برداشت حد تک آخر کار مجھے ٹی۔ آئی ہائی سکول ربوہ کی عمارت بنانے کا تھیکیل گیا۔ تب میں نے اپنے میزائل سے ابھیں کی عارضی زمین پر انہار ہائی مکان تعمیر کر لیا اور اپنی کمل ذمہ داری پر اس کی تعمیر شروع کر دی۔ تب تک میرے محترم حضرت صاحب کوئی تعریف لے جا چکے تھے۔ سرکاری کام کو اپنے فتشی کے پرد کیا جو کہ اس کام کو چلانہ سکا اور میں نے اس کام پر توجہ دینا اپنے لیے نامکن خیال کیا۔ کام بند کر دیا گیا۔ اب سلسلہ کے ان افران سے بھی دیکھی ملاقت کرنے کا وقت نہ ملتا تھا کیونکہ میرے زندگی سب سے ضروری فرض، سلسلہ کی تعمیر پر گمراہی کرتا تھا۔ میرے اس فرض کے ماتحت ان افران کو میرا وہاں ان کے در دوست پر حاضر نہ ہونا یقینہ ناپسند آیا اور تعمیر افسر صدر ابھیں احمدیہ ربوہ نے میرے دیے ہوئے ٹینڈر پر میرے نام کے کام کا ایک حصہ اپنے ایک دوسرے ٹھیکیدار کو خود بخود دے دیا اور تعمیر کا میزائل برآ راست اس دوسرے ٹھیکیدار کو سپالائی کیا جاتا تھا۔ پانی کی بھی سخت تکلیف دی گئی۔ اپنی ضرورت کے مطابق اپنے لیے میزائل مجھے خود سپالائی کرنا پڑا، جو کہ معابدہ کے خلاف تھا اور میرے لیے یہ کام سخت تکلیف دہ تھا کیونکہ ہر کام جس کو کرنا پڑا، وہ فوری ضرورت کے ماتحت ہوا اور بہت رکاؤں سے ہوا۔ افران نے باقاعدہ مصدق طور پر کام کا ایگر یہ نہ بھی نہ کیا حالانکہ بار بار تحریری طور پر اس ضرورت کا اظہار کیا مگر ہر وقت وعدوں پر ٹال مثول ہوتی رہی۔ تعمیری کام میں جو مشکلات دی گئیں، مختلف افران کو مختلف اوقات میں، موقع پر اس تکلیف کی اطلاع دی اور اس کے نتھانات کا اظہار کیا۔ حالانکہ بار بار تحریری طور پر اس ضرورت کا اظہار کیا مگر کسی نے کوئی توجہ نہ دی اور کسی طریقے سے بھی کوئی مشکل حل نہ ہوئی بلکہ میری ان

تکلیفات میں ہمیشہ اضافہ ہوتا چلا گیا۔ جس قسم کے تعلقات یہ احمدی حضرات مجھ سے چاہتے تھے، وہ مجھے یقیناً پسند نہ تھے کیونکہ محض ایمانداری اور نیک نیتی کے ماتحت اپنے مرکز میں کام شروع کیا تھا۔ اگر دنیا دارانہ طریقہ پر ہی کام کرنا تھا تو پھر دنیا بہت تھی۔ اس مقام کو تو دین کا مرکز سمجھا اور دین داری طریقہ پر کام کرنا پسند تھا۔ میرے نظریہ میں یہ کام قوم کا تھا۔ انجینئر مگ کے لحاظ سے کسی کو اعتراض کی مجباش نہ ہو سکی اور اگر محض تعلقات اور میرے خود دارانہ روایہ کی وجہ سے یہ لوگ مجھ سے شاکی تھے، تو مجھے ان کی خاطر کسی طرح بھی منظور نہ تھی۔ اب مجھے صرف حضور کا انتظار تھا۔ میرے خیال میں حضور کی آمد مبارک پر یہ تکلیفات فوری طور پر دور ہوتا لازمی اصر تھا۔

یہ افسران لوگ محض غلط فہمی کی بنا پر خود کو عوام پر ہر لحاظ سے فوقیت دیتے تھے اور عوام کی نسبت ان کو ایک خاص امتیاز حاصل تھا۔ ان کا طرزِ عمل ان کے مذہب سے جدا گانہ تھا۔ ملک کے دیگر سرمایہ دار لوگوں سے ان کی ذہنیت ملتی جلتی ہے اور ربوہ کے افسران بغیر سرمایہ کے ہی احمدی عوام کو تغیرتیں ملتوں خیال کرتے ہیں، کیونکہ احمدیت کا ماحول ہر کیف امیرانہ ہے اور ان افسران کو ترقی یا ہر وقت ایسے ہی لوگوں سے واسطہ رہتا ہے، اس لیے ان کی ذہنیت یقیناً سرمایہ دارانہ ہو چکی ہے، جس کو کوئی خود دار احمدی برداشت نہیں کر سکتا۔ چاہے وہ کس قدر غریب یا ان کے رحم پر ہی کیوں نہ ہو اور نہ ہی کوئی مومن اور نیک احمدی ان کے نمونہ زندگی کو دیکھ کر ان کو پسند کر سکتا ہے۔ ان لوگوں کے ظاہر و باطن میں ایک نمایاں فرق ہے۔ یہ لوگ نہ صرف اپنے ”امیر المؤمنین“ کو دھوکا دیتے ہیں، بلکہ یہ ہمیشہ ایک عورت کی طرح خود کو بھی دھوکے میں رکھتے ہیں۔ ان کی بول چال، شکل و شباہت، میل طاپ، رہنے سبھی غرضیکہ ہر فعل اور حرکت میں تصنیع اور بناوٹ ہے۔ یہ لوگ کسی ناوجہب حرکت یا عمل کو ظلم اور بے انسانی خیال ہی نہیں کرتے۔ جس احمدی دوست کو میرے اس بیان سے اختلاف ہو، وہ اس کی صداقت کے امتحان کے لیے وہاں خود رہ کر دیکھے۔ وہاں رہنے سے اس حقیقت کا پتہ بخوبی چل جائے گا۔

لی۔ آئی ہائی سکول ربوہ کی عمارت چھت تک پہنچ کر ناکمل رہ گئی کیونکہ چھت کا سامان اجمیں نے جان بوجھ کرنہ مانگوایا تھا۔ یہ ان لوگوں کی مکمل اور کامیاب سازش تھی کیونکہ ان کی سابق سب چالیں اور طرز حکومت، کام کو بند کرنے میں محض ناکام ہو کر رہ گئی تھیں۔ آخری انسانیت سوز ان لوگوں نے یہ حرکت بھی کی کہ میری لاگت شدہ رقم کو تا اعتماد عمارت روکنے کا اعلان کر دیا۔ یہ ان کی ایک گھری چال تھی۔ ایک ملکیدار یا کسی تجارتی معاملہ میں ایک معقول رقم حقدار کو ادا نہ کی جائے تو یقیناً کار و باری صورت پر اس کا اثر بہت گمرا پڑے گا۔ حالانکہ عمارتی قانون کی رو سے اور شینڈر کی رو سے ان لوگوں کو میری لاگت مدد ہر جانے کے ادا کرنی چاہیے تھی۔ مگر شاید ایسے لوگوں کو انسانیت پر قرار رکھنے کی چند اس ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ یہ لوگ خود کو

نمہب کے اجارہ دار خیال کرتے ہیں۔ نہ بھی طور پر یا اپنی الہامی کتاب کا صرف مطالعہ کر کے عوام کے سامنے اپنا مظاہرہ کرتا چاہتے ہیں اور شاید سننا بھی منظور نہ ہو بلکہ ان کے سامنے بینھنا ضروری خیال کرتے ہیں تاکہ یہ ضروری اور لازمی دنیاوی روزگار ہمیشہ قائم رہ سکے ورنہ ان کو نہ اپنی ذمہ داری کا احساس ہے اور نہ یہ اپنے امیر جماعت کی عزت کا پاس، غریب اور عوام احمدی کو تو ایک بڑتین انسان بھی خیال نہیں کیا جاتا، چہ جائیکہ وہ زیادہ مغلص اور ایماندار اور ذمہ داری کیوں نہ ہو۔ ان افرسان کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ کسی نوادر احمدی کو ان کی سوسائٹی کے امنروں میں حالات کا علم نہ ہو سکے، ان کی زندگی کا کوئی پہلو اجاۓ میں نہ آ سکے، ہمیشہ اندر ہمراہ ہے اور جو کوئی کچھ دیکھے پائے، اس کی زبان بند کر دی جائے اور دوسروں کی آنکھوں کو بند کر دیا جائے۔ اپنی طاقت پر ناز ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کی گرفت کے مکر ہوتے ہیں غرضیکہ اسی دوران میں جونیئر کو اور زخمیک جدید کے مینڈر ہوئے۔ کم رہت ہونے کی بنا پر مجبوراً اس نے حملہ کو بھی میرا مینڈر ہی منظور کرنا پڑا۔ اس میں میثمل ہمارے ذمہ تھا۔ اور سیر صاحب نے تمدن و فتح مینڈر کی رقومات میں کمی میشی کرائی۔ ہر ٹھیکیدار کے لیے یہ ایک انوکھی بات ہو سکتی ہے مگر شاید ان کی روزمرہ کی عادت ہو۔

اس کل کام کا 1/3 حصہ مجھے ملا۔ 1/3 حصہ کرم نواب محمد احمد صاحب کو دیا گیا اور 1/3 حصہ خود تعمیر کمیٹی نے خود تعمیر کرنے کے لیے ریزرو کھا مگر حسب قاعدہ خود شروع نہ کیا۔ اس میں بھی حملہ کی خود بے ایمانی تھی۔ اگر وہ خود کام کرتے تو ان کا ایک نمونہ قائم ہو جاتا۔ مگر ان کی خشتو ہمارے کاموں میں نقص نکال کر ہم کو بھگانے کی تھی اور روزانہ اجرت پر کام چلانا تھا، جس میں کہ ان لوگوں کو بے ایمانی کی بنا پر ایک معقول بچت ہوتی ہے، جیسا کہ اب کام ہو رہا ہے۔ یعنی ان کی خشتو تھی۔

اگر یہ نئے جونیئر کو اور زخمیک جدید ہونے کے دوسرے روز یعنی دریائے چناب میں طغیانی آئی اور بوجہ کے چاروں طرف کے راستے بند ہو گئے۔ اگر یہ نئے میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ ارضی اور سماوی حدائق کی بنا پر ٹھیکیدار پابند احتقام کام وقت مقررہ نہ ہوں گے۔ چنانچہ "حضور" بھی واپس سیدھے ربوہ تشریف نہ لاسکے۔ بلکہ ان کو ایک عرصہ تک لا ہور کتا پڑا۔ چنانچہ جب کار کے ذریعے سڑک کچھ آمد و رفت کے قابل ہوئی تو حضور تشریف لائے۔ کچھ روزان کے آرام فرمانے کے بعد حضور کی خدمت میں عمارت سکول کی تکلیفات کا ذکر کیا۔ تمدن چار علیینے تحریر کرنے کے بعد جب حضور نے کوئی جواب نہ دیا تو پھر دوبارہ ایک کامل خط تحریر کیا۔ جس میں سب تکلیفات کی تفصیل دی اور اپنے کچھ روپیہ کا مطالبہ کیا۔ جس کو اصل پیاس یا نرخ کے جگڑے سے کوئی تعلق نہ تھا اور حضور سے عرض کی گئی کہ میثمل کی سلائی میں بے انصافی کر کے مجھے شدید نقصان پہنچایا گیا ہے۔ کوئی حق ری نہیں ہوئی۔ سفر میں حضور کو اس لیے اطلاع نہیں دی گئی کہ مرکزی نظام کی برائیوں کی اطلاع حضور کی صحت پر ہر یہ اثر انداز نہ ہو۔ حضور کی طبیعت متواتر ناساز ہی

ہے۔ میں نے اضافہ نہیں کرنا چاہا۔ اب حضور تشریف لے آئے ہیں۔ ایک تحقیقاتی کمپنی کا تقریب فرمادیں جو آزادانہ تحقیق کر کے تعمیری کاموں میں رکاوٹوں کی اصل وجوہات حضور کے سامنے پیش کرے۔ نیز مجھے سکول کی رقم کی ادائیگی کا ہونا اس لیے بھی ضروری ہے کہ سلسلہ کے تحریک جدید کے کام بھی کرنا ہے۔ ۴ اکتوبر 1950ء کو میں نے یہ خط لکھا۔ ۶ اکتوبر کو مجھے حضور کے روپرو�ا حاضر ہونے کا موقعہ طلا۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی، سب رسومات طاقت ادا کیں مگر مجھا کیلئے کو شرف طاقت نہ بخواہیا گیا، بلکہ تحریک جدید کی تعمیر کمپنی کے ساتھ میں مجھے کمرہ طاقت ادا میں بلا یا اور حضور نے بغیر مجھ سے کچھ دریافت کیے، مگر میاں عبدالرحمٰن احمد صاحب کو حکم دیا کہ عزیز احمد صاحب تھیکیدار تصدیق شدہ احمدی ہیں؟ جواب ملا: حضور تعارف امور عامہ میں مصدقہ طور پر رجسٹرڈ ہیں اور تعمیری کمپنی کے بھی منظور شدہ تھیکیدار ہیں۔ مقامی امیر جماعت چک جبڑہ نے بھی ان کی تصدیق کی ہے اور ربوہ کے فاضل بچ نے بھی ان کو تصدیق کیا ہے اور محظب صاحب نے بھی تحقیق کرنے کے بعد ان کا نام منظور فرمایا ہے اور یہ واقعی دیرینہ مغلص احمدی ہیں۔ کوئی شک و شبہ بیوں نہیں ہو سکا۔ حضور نے فرمایا کہ میاں عزیز احمد صاحب کے غلاف محقق قضا میں جو نیز کوارٹر ز تحریک جدید ربوہ بر وقت تعمیر نہ کرنے کے جرم میں ہرجانہ کا دھوٹی دائز کر دو۔ صاحب صدر نے فرمایا: بہت اچھا حضور۔

مگر چودھری مشتاق احمد باجوہ ایں۔ ایں۔ بی۔ جو انگلینڈ سے واپس تشریف لائے ہیں، نے عرض کی: حضور جس روز ایگر یمنٹ ہوا ہے، دوسرے ہی روز دریا کی طغیانی کے باعث سب راستے مسدود ہو گئے تھے اور معابدہ میں حادثات ارضی و سماوی کی رو سے میعاد مقررہ پر اختتام کی پاندی ضروری نہیں رہتی۔

حضور نے فرمایا کہ ”بھلی گر گئی تھی، جس کی وجہ سے میعاد پڑھ کتی ہے؟“

مشتاق صاحب نے کہا کہ ”حضور پانی کی وجہ سے سب راستے بند ہو گئے تھے۔ بنیاد کے کام میں چوتا روزی میں طیا جانا ضروری تھا جو کہ باہر سے لایا جاتا تھا۔ چنیوٹ میں بھی نایاب تھا، اس لیے کام میں روک واقع ہو گئی۔“

حضور نے فرمایا کہ ”نہیں ان کی نیت کام کو ختم کرنے کی نہیں ہے۔“

مشتاق صاحب نے کہا کہ حضور جب بھی راستے قابل گزر ہوئے ہیں، انہوں نے چونے کی گاڑی لالیاں شیش پر اتر والی ہے اور بذریعہ ٹرک ڈھلانی کرائی ہے۔ اب تک روزی و چنانی پتھر کا کام ہو چکا ہے، مزید کام جاری ہے اور سرگودھا میں لکڑی کا کام ہو رہا ہے۔ اصل میعاد مطابق معابدہ اگر نہ بھی بڑھائی جائے تو 16 جنوری 1951ء ہے اور اب 6 اکتوبر 1950ء ہے۔

حضور نے فرمایا کہ جلدی کی ضرورت کے ماتحت ہم کو یہ کوارٹر 20 دسمبر 1950ء کو مکمل چاہئیں۔ معابدہ کرنے والے افراد نے ظلطی کی ہے جو میعاد رکھی ہے، اگر یہ جلدی کام ختم نہ کریں گے، تو بعد میں ہم ان کو کام کرنے میں نہ دیں گے اور لیبر کو ان کے ہاں کام کرنے سے روک دیں گے اور پھر یہ اصل

میعادنک کام کو کیسے ختم کر سکیں گے؟

پچھوں کے بعد مشاق صاحب مایوس ہو کر بولے کہ حضور معاہدہ کے قانون کے مطابق عمل از میعاد دعویٰ نہیں ہو سکتا۔

حضور نے فرمایا کہ قانون ہم بتائیں گے، آپ دعویٰ کریں۔

مشاق صاحب نے دریافت کیا کہ حضور نواب محمد احمد صاحب جو کام چھوڑ دی گئے۔

حضور نے فرمایا کہ ہاں ان پر دعویٰ کرنا ہی پڑے گا۔ چنانچہ ۱۸ اکتوبر کو جماعت احمدیہ کی خود ساختہ عدالت میں، مجھ پر دعویٰ ہو گیا۔ پورے تین دن تک مقدمہ کی کارروائی ہوتی رہی۔ صحیح چائے سے لے کر نماز ظہر تک اور نماز عشاء تک مقدمہ کی ساعت فاضل بج نہ کی۔

مدی کی طرف سے تین احمدی وکیل عدالت عالیہ احمدیہ میں ساتھ پیش ہوتے رہے اور میں غریب اکیلا بغیر کسی جنم کے قید محض میں رہا۔ مدی کے وکیلوں نے وہ جھوٹ بولے کہ کوئی بڑے سے بڑا مفتری اور کاذب آدی، دیدہ دلیری کے ساتھ شاید قتل کے مقدمہ میں جھوٹ بول سکتا ہے اور ہر جھوٹ بولنے کے بعد وہ احمدی حضرات تمسخر اپنے ہونوں پر لاتے تھے اور اپنی مخصوص دانیجوں پر فریب اور فتح مندان انداز میں ہاتھ پھیرتے تھے۔ محترم بخ نے مسحکہ خیر فیصلہ کیا۔ پھر اس کی اجیل کو بھی غیر قانونی قرار دیا اور میرے اجیل میعاد کے مطالبہ پر بتایا گیا کہ یہ فیصلہ خود غلبہ صاحب کے ایما اور نشا پر یوں کیا گیا ہے۔ اس لیے اجیل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ جو فیصلہ ہوا، اس کے مطابق میں نے کام کو پورا کر دیا اور بہ فیصلہ شدہ جرمانہ منسون سمجھا گیا۔ فیصلہ کی کوئی شرطیہ تھا، عایجہ کردہ شرط جب میں نے پوری کر دی تو پھر بہ عدالتی کارروائی میں پھر بھی اس کی قبول کرتا، جبکہ ہر دو فریق احمدی خیال کیے گئے تھے۔ تو معمولی حالت میں بھی دیا جاتا تو میں پھر بھی اس کی قبول کرتا، جس کی بنا پر مجھ پر دعویٰ کیا گیا تھا، یعنی سکول رقم کی ادائیگی، وہ سو آج تک بھی نہ ہو سکی، بلکہ تحریک جدید کے کام کو چلانے کے لیے چودھری شریف احمد صاحب ملکیکدار ۱۳ ابتد روڈ لاہور سے، جھوٹ نے کہ بڑی جدوجہد اور خلوص دلی سے تحریک کام شروع کیا تھا، نہایت اخلاق سوز اور وحشیانہ حرکات معزز احمدی افراں حضرات نے روک دیں اور ہم سے بھعد مجروری کام بند کروا یا گیا۔

مندرجہ بالا ہر اڑام کے ثبوت میں صدق تحریریں موجود ہیں۔ احمدی حضرات ملاحظہ فرمائتے ہیں۔ میں اپنے معزز احمدی حضرات کو یقین دلاتا ہوں کہ ربوہ کے مرکزی احمدی ملازمین اور افران سلسہ کے اخلاقی اور عملی نمونہ کو اگر زدیک سے دیکھا جائے تو احمدیت کی تعلیم پر قطعاً کوئی عمل نہیں ہے۔ یا مجروراً

یوں کہا جائے گا کہ تعلیم کو سمجھنا ہی مشکل ہے اور یہ تعلیم میں یعنی کوئی خاص فرق ہو گا کیونکہ وہاں پر اکثر ہم ایسے احمد یوں کی ہے، جو وہاں پر منافقانہ زندگی گزرا رہے ہیں۔ ان کے دل احمدیت سے بیزار ہیں۔ بعض تو وہاں کی مسلم یہ ایکوں میں شامل ہیں اور بعض نفرت کا اکابر کرتے ہیں مگر احمدیت کو چھوڑنیں سکتے۔ دنیاوی روزگار کا مسئلہ درپیش ہے، مگر رشتہ داروں کا بھی ایک ایسا جال ہے جس سے کہ لکھا بہت مشکل ہے۔ افسران لوگ حکومت کرنے کا خبط سوار ہے۔ کوئی کسی کے قلم کے خلاف آواز نہیں اٹھا سکتا۔ دھڑے بندیوں اور پارٹی بازوں میں ہر ایک پہنچا ہوا ہے۔ وہاں پر جھوٹ، فربت، دھوکا، بے انصافی اور قلم کا ایک مظلوم جال بن چکا ہے۔ قریان میں جو تھوڑا بہت تقدیس باقی رہ گیا تھا، افسوس کہ یہاں پر سب کچھ مخفود ہے اور خدا کے بندوں کو گمراہ کیا جا رہا ہے۔ مرحوم صاحب کو سب کو علم ہے، ان سے کوئی بات پوچھیدہ نہیں۔

-1 محمدی صاحب ملکیدار سینہ کو تقریباً آٹھ ہزار روپیہ کا نقصان دے کر باہر کال دیا۔

-2 لیف احمد ملکیدار کو سینہ کے کاروبار میں سخت نقصان دیا اور اس سے بے انسانی کی۔

-3 عبدالعزیز صاحب بھاجبری نے شمیری کو محض حضرت سعیح مسعود کے ہاتم کو بلند کرنے کی بنا پر اس قدر بھاجبری کو سزا دی کہ ربوہ کی پیہاڑیاں بھی اس کی جنی و کار سے کاپ اٹھیں۔

-4 پلانوں کی الائچت میں اس قدر بے انصافی ہو رہی ہے اور عوام مکانات نہ ہونے کی وجہ سے زمین کے لیے نالاں ہیں۔ مگر کوئی شکوہی نہیں ہو رہی۔

-5 بندوقوں کی جمعیتی رقم ہی بھی ہے، اس کی واحدی پر کمی کسی نے غوری نہیں کیا۔

-6 سندھ کی سنجوں میں قلم، بے انصافی اور نپالے درجے کی بے ایمانی ہو رہی ہے، بلکہ خود ایمن احمدیہ کو بہت بے درحقیقی سے لوٹا جا رہا ہے۔

-7 ربوہ کے افسران نے اپنی ناجائز آمدن کے معقول ذرائع بیار کے ہیں۔

-8 خاندان سعیح مسعود کے بعض حالات بہت حد تک قتل اعتراف ہو چکے ہیں۔

-9 واقعیتی زندگی کے ساتھ مناسب سلوک نہیں کیا جاتا۔ جس کی بنا پر اکتو لوگ نالاں ہیں۔

-10 ہر دنی ممالک کے ملکیتیں کے ساتھ انصاف نہیں کیا جاتا۔

-11 جماعت ربوہ میں سرمایہ دارانہ ذہنیت اور محض دنیاواری پیدا ہو جکی ہے۔

-12 ربوہ میں خاص طبقہ موجود ہے جو کہ احمدیت کا دش ہے لیکن یہاں دردست ہے۔

-13 میرے ساتھ جو کچھ ہوا ہے آخر دہ کس بنا پر ہوا ہے جوکہ میرا کوئی قصور نہیں تھا۔

-14 میرے تحریر کردہ مکان کو میرے چھوڑ دینے کے بعد خیال ہاتے کے لیے کہوں تجویز کیا گی۔

-15 دعویٰ کے بعد جو سراسر ناوجہب اور غیر منصفانہ سلوک ہمارے ساتھ افسران قبیلے نے رواد

انسانیت کو بھی اس سے عار ہونی چاہیے۔ جن افسران کو حضور کی آمد سے پہلے ہم لوگوں سے زیادتی کرنے میں کچھ بھی حجاب تھا۔ حضور کے دعویٰ کرنے کے ارشاد ہونے پر اور حضور کے نظریہ کو دیکھ کر وہ لوگ بے انسانیوں، وعدہ خلائقیوں اور مظالم ڈھانے میں بیباک ہو گئے بلکہ انسانیت کے دائرہ سے بھی باہر ہو گئے۔ حتیٰ کہ ہمارا وقت، ہمارا حال، ہمارا گھر، ہماری آزادی سب کچھ جھین کی گئی۔ ہمارا تمیری سامان ضبط کر لیا گیا۔ جو ہمارا سامان امیر محلہ نے اپنے پاس امانت رکوالیا، وہ بھی واپس نہیں کیا گیا۔ ہمارا کام بند کر دیا، تحریک جدید کی پائش اور کٹوتی، کوئی رقم بھی ادا نہیں کی گئی۔

اور بالکل بھی کچھ چودھری شریف احمد ملکی دار 3 ایجٹ روڈ لاہور کے ساتھ ہوا۔ اس کی مکمل تحریرات کی نقل، جو اس نے دوران تعمیر سلسلہ کے ارکان کو اسال کی تھیں، میرے پاس موجود ہیں۔

6 فروری 1950ء سے لے کر آج تک متعدد ہار اخبار ”آزاد“ ”مغربی پاکستان“ اور ”زمیندار“ میں ان مظالم کے خلاف احتجاج کیا گیا ہے مگر کوئی شناوی نہیں ہوئی اور نہ ہی ارباب حکومت نے ان مظالم کے انسداد کرنے پر توجہ دی۔ ضروری خیال کیا ہے۔ شاید جماعت احمدیہ سرمایہ داروں اور ذی اقتدار لوگوں کی جماعت ہے اور ان کے نزدیک ہر قانون کی زد سے باہر خیال کیا گیا ہے ورنہ کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ یہ لوگ اس قدر جابر ان حکومت کا مظاہرہ کر سکیں۔ جماعت احمدیہ نے میری آواز کے خلاف آج تک ایک حرف بھی تردید میں تحریر نہیں کیا جس سے کہ صاف ظاہر ہے کہ میرے پاس صداقت ہے۔ میرے بیانات میں غلط بیانی کا شاہراہ تک نہیں اور پھر کسی حد تک میرے پاس ان حقائق کی تائید میں تحریرات بھی موجود ہیں، جس سے کہ انحراف نہیں کیا جا سکتا۔ وہ جماعت احمدیہ کی طرف سے تصدیق شدہ اور مہرشدہ ثابت کی گئی ہے۔ حضور نے اپنے ایک خطبہ میں خود میرے بیانات کی حرفاً حرف تائید کر دی ہے اور جو کچھ کہ میں نے اس کی تائید اپنے الفاظ میں کی ہے۔

بہر کیف اس سلسلہ کی صداقت پر ٹھک کرتے ہوئے 15 مارچ 1951ء کو احمدیت سے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ کسی دنیاوی غرض کے ماتحت نہیں، بلکہ جماعت مذکورہ کی دنیا دارانہ روایت سے متاثر ہو کر مگر میں جماعت کو واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ آخر مجھے بھی احمدیت کبھی پیاری تھی۔ میں اس پر دل و جان سے فدا تھا۔ تھیں پچھیں سال کا عرصہ عمر کا ایک خاص حصہ ہوتا ہے۔ تمام عمر اس سوسائٹی اور اسی ماحول میں گزاری۔ کافوں نے یہی ایک آواز سن تھی۔ یہ خیال بھی نہ تھا کہ کبھی ان کافوں میں اس کے خلاف آواز بھی قول کی جائے گی۔ یہ خدا تعالیٰ کی شان ہے۔

اللہ اکبر، بعض منافق اور بے ایمان اور بے ایمان احمدی کہنی گے کہ میرا ایمان پہلے ہی سے کمزور ہو گا۔ ان کو خدا تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا چاہیے اور ان کو فوراً خود اپنے گناہوں کا جائزہ کرنا چاہیے۔

مجھے علم ہے کہ ہیر و فی جماعتوں کے احمدی حضرات صدق دل سے ایمان رکھتے ہیں اور ان کو مرکزی نام نہاد احمد یوں، افروں اور الہکاروں کا کچھ بھی علم نہیں اور وہ محض خدا تعالیٰ کی رضا کے ماتحت یہاں بھکٹے ہوئے ہیں۔ ان کا ریوہ کے منافقین ظالموں سے کبھی واسطہ نہیں پڑا ہوگا۔ ان سے میری خاص طور پر درخواست ہے کہ میرے اس بیان کو کسی مخالف کا سمجھ کر پھینک نہ دیں بلکہ مطالعہ فرمائیں اور پھر اس کا امتحان کریں اور اگر یہ سب کچھ تھیک ہوتا پھر شندے دل سے غور کریں۔ یہ ضرور ہو گا سوسائٹی کے لحاظ سے رشته دار یوں کے تعلقات کی بنابر اقتصادی طور پر بہت سی مسئلہات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مجھ پر خود ان سب حالات نے اپنے اثرات ڈالے گر خدا تعالیٰ ہر مشکل کو آسان کر سکتا ہے۔ مومن کا ہر قدم خدا تعالیٰ کی رضا کے ماتحت ہتا ہے اور پھر جو قدم اتنا ہے، وہ مضبوط ہوتا ہے، ظاہر و باطن ایک ہوتا ہے۔ مجھے بھی ریوہ کے ایک معنوی رشته دار نے منافقانہ زندگی گزارنے کی ترغیب دی تھی اور اپنی مثال پیش کی تھی گر منافق سے کافر ہزار درجہ بہتر ہے۔ جو احمدی اپنی زندگی منافقین میں گزارہے ہیں، وہ اپنی زندگیں پر اپنی اولادوں پر علم کرتے ہیں۔ ان سے انتقام لینے والا خود خدا تعالیٰ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت دے، گمراہی سے بچائے اور ہر مشکل کو آسان کرے اور آخرت نیک کرے۔ آمين، ثم آمين۔



رفیق احمد باجوہ

کیجھ تھام لو پہلے، سنو پھر داستان میری

جانب رفیق باجوہ خاندانی طور پر قادیانی تھے۔ بھنو صاحب نے جب پرانی بیٹی میتی اداروں کو قوی تحولیں میں لیا تو یہ ان دونوں ربوہ تعلیم الاسلام کالج میں زیر تعلیم تھے۔ انہوں نے اس ادارہ کو سرکاری تحولیں میں آنے کے فیصلہ کو دل سے قول کر لینے کے لیے قادیانی قیادت پر زور ڈالا تو قادیانی قیادت ان کے خلاف ہو گئی۔ ربوہ میں ان پر قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ یہ خون آلودہ کپڑوں اور رُخْمی دل کے ساتھ مولا ناتاج محمود کے ہاں فیصل آباد آئے۔ حضرت مرحوم کے اخلاقِ محمر کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔ رفیق باجوہ کے خاندان کو ربوہ چھوڑ کر مجبوراً چھوڑہ آبائی گاؤں جانا پڑا۔ بھائی پر قلم و تم کے قادیانی حادثہ کو دیکھ کر بین بھی مسلمان ہو گئی۔ موصوف چھوڑہ میں تھے تو قادیانی احقوں نے ان پر بھر قاتلانہ حملہ کیا، قدرت نے کرم کیا، وہ بال بال بیٹھ گئے۔ آغا شوش کا شیریٰ اور مولا ناتاج محمود نے حکومت پنجاب کو متحجب کیا تو قادیانیوں کو لیئے کے دینے پڑ گئے۔ بڑے قد آور، خوش رو، پچے گورے کریل جوان ہیں۔ بعد میں کینیڈا چلے گئے آج کل سیالکوٹ سے ہفت روزہ ”صلائے آدم“ کے نام سے پرچہ نکالے ہیں۔

میرے والد چوہدری رحمت خاں باجوہ سفید پوش ضلع سیالکوٹ دوسرے کئی لوگوں کی طرح مرزا ایت کا فکار ہوئے اور انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ میرے والد چوہدری بشیر احمد باجوہ پیدائشی قادیانی تھے۔ انہوں نے مذہبی عقیدت کے جوش اور جنون میں مرزا بشیر الدین محمود کی اہمیت پر بہترین سرکاری ملازمت چھوڑ کر مرزا ایت کے لیے زندگی وقف کر دی اور معمولی تنخواہ پر گزر اوقات کرنا قبول کر لیا۔

میرے والد اور والدہ دونوں کے خاندان مرزا ایت سے متعلق تھے، پھر میری پیدائش بھی ربوہ کے خالص مرزا ایت ماحول میں 1952ء میں ہوئی۔ ظاہر ہے کہ میرا مرزا ایت ہونا ایک قدرتی بات تھی۔ میرے گھر والوں کے کہنے کے مطابق میرا نام بھی مرزا بشیر الدین محمودی نے تجویز کیا تھا۔

ایسے حالات میں، اکیس برس گزارنے کے دوران، میں یہ یتصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ میں مرزا ایت سے تائب ہو جاؤں گا اور یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہ آ سکتی تھی، اسی لیے میں ایک ٹلس

مرزاںی طالب علم کی حیثیت سے مذہبی اور جماعتی سرگرمیوں میں حصہ لینے لگا۔ پہلے اطفال الاحمدیہ، جو مرزاںی بچوں کی مذہبی اور جماعتی تنظیم ہے، اس کا کامبر رہا۔ اس کے بعد مرزاںی نوجوان رضاکاروں کی تنظیم خدا مالکہ احمدیہ میں سرگرم رکن رہا۔ میں جماعتی سرگرمیوں میں جیسے جیسے زیادہ حصہ لینے لگا، ویسے ویسے مجھے ربودہ کے ماحول کو بھر گیر طور پر دیکھنے کا موقع ملا۔ میں بھی دوسرے اندر ہے مقلدوں کی طرح اگرچہ مرزاںیت کا بڑا اندھائی تھی، لیکن جب میں یہ دیکھتا کہ دوسرے لوگوں اور مرزا صاحب کے خاندان کے لوگوں میں نمایاں فرق روا رکھا جاتا ہے تو ہلکی سی خواہش میرے دل و دماغ پر آ جاتی، جس کی تکلیف اور کوئی حسن میں محوس کر کے سوچ میں پڑ جاتا۔

ہر بچے کے جذبات اپنے ماں باپ کے متعلق تازک ہوتے ہیں۔ قدرتی طور پر مجھے بھی اپنے والدین سے بے پناہ محبت ہے، جبکہ میں ان کا انکلکوتا بیٹا ہوں اور انہوں نے مجھے بڑے پیار، محبت اور شفقت سے پالا۔ میرا اپنے والدین پر اس لیے بھی دل دکھتا کہ وہ ایک زمیندار گمراہ کے چشم و چراغ ہوتے ہوئے عقل جماعت کے لیے نہایت محترم اور قیامت کی زندگی برقرار ہے ہیں۔

جب میں اپنے والد صاحب سے شاہی خاندان کے افراد کا تکمیلہ سلوک دیکھتا تو میرا دل کلڑے کلڑے ہو جاتا، لیکن میں پھر اپنے دل کو تسلی دیتا کہ وہ ہمارے مذہبی پیشوایں، ان میں روحاںیت ہے اور وہ جماعت کے لیے قابلِ احترام ہیں، اس لیے خاموش رہتا۔ مرزا صاحب کے خاندان کے افراد کا اپنے آپ کو شاہی خاندان قرار دینا اور ربودہ کے دوسرے تمام مکینوں کا اپنے آپ کو خاندان غلامان تصور کر لیتا۔ میرے دل میں ہر وقت کھلتا رہتا، پھر جبکہ میرے کالنوں میں اس شاہی خاندان کے بعض شہزادوں کے ناگفتہ بہ حالات بھی پہنچنے لگے۔ میں میرک میں پڑھتا تھا کہ ایک روز مجھے ربودہ کے ہی ایک دوست نے ایک کتابچہ ”تاریخ احمدیت“ پڑھنے کے لیے دیا۔ معلوم ہوا کہ جماعت کے بعض لوگ مرزا محمود کے خلاف بغاوت کرنے پر بھجوہ ہوئے اور وہ اس طرح کہ ان کے پاس خلیفہ صاحب کے بعض رکنیں اور علیمین راز تھے، جن کی وجہ سے ان کی عقیدت خلیفہ صاحب سے ختم ہو گئی۔ مرزا محمود نے ان رکنیں اور علیمین رازوں کے افشا کے ذریعے ان صاحبان پر قلاں نہ حلے کرائے اور انھیں قادیان اور ربودہ سے لکھتا پڑا۔ میرے ذہن میں یہ جتو شروع ہوئی کہ وہ رکنیں اور علیمین راز کیا تھے؟ جن کی وجہ سے عبد الرحمن مصری اور میاں عبد المنان جیسی عظیم شخصیتوں کی عقیدت خلیفہ صاحب سے ثوٹ گئی اور خلیفہ صاحب نے جماعت کے اتنے بڑے بڑے ستونوں کو قتل کروانے کی کوشش کی اور وہ جانیں چاکر مرزاںیت کے مراکز سے چلے گئے۔ میں نے اس سلسلہ میں بہت کوشش کی، لیکن میں بھی دوسرے مرزاںیوں کی طرح ربودہ کے مخصوص ماحول میں کتوں کا مینڈک ہی تھا، اس لیے کوئی مجھے کچھ کہہ دیتا اور کوئی مصلحت آئیز نصیحت کر کے خاموش کر دیتا اور میں پھر خاموش ہو جاتا۔ ماں باپ کی جماعت کے ساتھ جو عقیدت تھی، اس کے پیش نظر بھی اور ان کے احترام اور

خوف کی وجہ سے بھی ان کے سامنے اپنے یہ خدشات نہ ظاہر کرتا تھا۔ اگرچہ میری جماعت کے متعلق سرگرمیاں جاری رہیں، لیکن میں ربوبہ کے پورے ماحول میں کمل مل کر اس کا مزید مشاہدہ اور مطالعہ کرتا رہا۔ اب میں تعلیم الاسلام کا نجٹ کا طالب علم تھا۔ اپنی اقماۃ طبع کے باعث میری سرگرمیاں طالب علموں کے لیے بھی خیر خواہانہ اور رفاقتی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ طالب علموں میں نمایاں اور ممتاز تھا۔ انہی دنوں مجھے ربوبہ کے ایک اور دوست نے ایک اور کتاب پڑھنے کے لیے دی۔ یہ کتاب مظہر ملتانی کی کلچری ہوئی تھی۔ مظہر ملتانی قادیانی کے رہنے والے، جماعت کے ایک "شہید" فخر الدین ملتانی کے بیٹے ہیں۔ وہ بھی قادیانی کے ماحول میں رہتے رہتے اور خلافتی ماحول کے قریب ہو کر بعض رنگلین اور سمجھیں رازوں سے آگاہ ہو گئے اور اب پاکستان میں انھوں نے یہ کتاب "تاریخ محمودیت" شائع کی، جو کئی بار شائع ہو چکی ہے، جس کے متعلق یہ بھی بتایا گیا کہ مرزا نیوں نے حکومت میں اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے اس کتاب پر پابندی لگوا کر اسے خلاف قانون قرار دلوادیا ہے اور اب یہ کتاب چوری چھپے لوگوں کے پاس پہنچتی ہے اور لوگ اسے پڑھتے ہیں۔ یہ باتیں سن کر میری اس کتاب سے دلچسپی بڑھ گئی اور میں نے بھی اسے چوری چوری اوقل سے آخر تک پڑھا۔ اس کتاب میں نگ بھگ تیں معتبر اور خالص با اثر مرزا نیوں کی مرزا محمود احمد خلیفہ ربوبہ کے کردار کے متعلق موکد بعد اب اللہ شہادتیں درج تھیں۔ اس کے علاوہ عبدالرحمن مصری صاحب کا دل دہلا دینے والا، مرزا محمود احمد خلیفہ کے نام خط درج تھا۔ یہ کتاب پڑھ کر مجھ پر ساری حقیقت حال واضح ہو گئی۔ میں بھی دوسرے مرزا نیوں کی طرح اس کتاب کو غلط اور گراہ کرن کرہ دیتا، لیکن بعض چیزیں اور باتیں میرے علم میں مسلسل آچکی تھیں، جن کا مجھ کو بالکل یقین حاصل ہو چکا تھا۔ میرے ان خیالات کا سلسلہ اس کتاب کے مندرجات سے بالکل بڑھ گیا اور میرا ذہن بالکل صاف ہو گیا۔ ربوبہ میں شاہی خاندان کی ساری روحاںیت اور پیشوائی مجھ پر روشن ہو گئی۔ مجھے بالکل یقین ہو گیا کہ یہ شاہی خاندان کے افراد کی فروعیت اور دوسرے لوگوں کی غلامی، کسی مذہبی اور روحاںی برتری یا کمتری کی وجہ سے نہیں، بلکہ یہ لوگ صرف دولت اور ربوبہ میں اپنی طاقت کے مل بوتے پر خدا تی کر رہے ہیں اور یہاں رہنے والے لوگ بعض پیش کی مجبوریوں کی وجہ سے ذلت اور خواری پر مجبور ہیں۔ اب میرا ذہن بالکل بغاوت پر آنادہ ہو گیا، اس لیے کہ میری طبیعت پیش کی خاطر یا بعض اپنے والدین کی مجبوری کی خاطر جھوٹ کوچ، سیاہ کوسفید کہنے کے لیے آنادہ تھی۔

اسی دوران پیپلز پارٹی کی تحریک شروع ہوئی اور بھنو صاحب نے "سلطانی جمہور کا آتا ہے زمانہ" کا نغمہ رستاخیز بلند کیا۔ یہ نغمہ میرے جذبات کے عین مطابق تھا کیونکہ میں بھی ع جو نقش کہن تم کو نظر آئے منادو
کا قائل تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے مکان پر پیپلز پارٹی کا جھنڈا ربوبہ کے خداوں کی مرضی کے خلاف لہرا دیا۔

ربوہ کے شاہی خاندان اور اس کے کاسہ لیں حواریوں نے بہت کوشش کی تھیں میں نے جھنڈا اتارنے سے انکار کر دیا۔ یہ میری ربوبہ کے خداوں کے خلاف مکمل بغاوت تھی۔ مرزا ناصر احمد غلیظہ ربوبہ، اس سے پہلے اپنے سالانہ جلسہ میں سو شلزم کے خلاف فتویٰ صادر کر چکے تھے۔ کسی مرزاًی کو ربوبہ میں کیسے جرأت ہو سکتی تھی کہ غلیظہ صاحب کی مرضی کے خلاف دم مار سکے، تھیں میں نے ہنپڑ پارٹی کی عوایح تحریک کے لیے یہ جھنڈا ہمراۓ رکھا اور ہمارے مکان چھوڑنے کے آخری دن تک یہ جھنڈا وہاں لہرا تھا۔

ہنپڑ پارٹی یہ سراقدار آگئی اور اس سے پہلے ہی مرزا ناصر احمد صاحب اور ان کے حواری بھی بھٹو صاحب کے آستانہ عالیہ پر حسب عادت مجده ریز ہو چکے تھے کیونکہ ہر چیز متنے سورج کی پوجا کرنا اور اسے ہداری بھی کہنا ان کی عادت ہے۔

تعلیم الاسلام کا لئے ربوبہ کو حکومت نے اپنی تجویل میں لے لیا اور میں حکومت کے اس اقدام سے خوش قہا کہ کم از کم کانج کی فضائیت کی آمریت سے آزاد ہو گی اور یہاں ہم آزادی کی فضائیں اپنی تعلیم چاری رکھ سکیں گے، تھیں ربوبہ نے اپنی آسمانی گرفت کانج پر مضمون کی ہوئی تھی۔ وہ اندر ہی اندر حکومت کے اس اقدام پر کڑھ رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ طلبہ سے کانج کے واجبات اور ہوش کے بھایا جات وصول کر کے ہڑپ کر رہے تھے۔ میں نے طلبہ سے مل کر اس علم کے خلاف آواز بلند کی کہ اب کانج کی حکومت کی تجویل میں ہے اور اب یہ سرکاری ادارہ ہے۔ ربوبہ والوں کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ طلبہ سے بچھلے بھایا جات وصول کر کے ہڑپ کریں۔ یہ سرکاری قند ہیں، انھیں سرکاری خزانہ میں جمع ہونا چاہیے، تھیں پر مل ایک تو مرزاًی اور دوسرا ان کا زر خرید، تیرسا اپنے بعض محبوب کی وجہ سے ان کا خوشامدی۔ وہ اُس سے مس نہ ہوا، بلکہ اس نے ایک روز طلبہ سے خطاب کرنے کے دوران مرزاًی قند ہوں سے بھج پر حملہ کر دیا۔ کانج کے تمام طلبہ، مرزاًی قندوں کی اس حرکت سے مشتعل ہو گئے اور انھوں نے کانج میں ہڑتال کر دی۔

اب پر مل صاحب کے حواس گم ہو گئے۔ انھوں نے کانج میں جوڑ توڑ شروع کر دیے، تھیں وہ ۰ طلبہ کے اتحاد کو توڑنے میں ناکام رہے۔ اگلے روز تمام طلبہ جن میں احمدی اور غیر احمدی سب شامل تھے، نے بیٹھ کر فیصلہ کیا کہ اس علم کے خلاف آواز بلند کی جائے اور پرلس کے ذریعہ حکومت کے نوٹس میں یہ معاملہ لایا جائے۔ چنانچہ طلباء کا ایک وفد دوسرے روز چھبوٹ پہنچا اور انھوں نے پرلس کلب چینیوں میں تویی اخبارات کے نمائندگان کی ایک پرلس کا نافرمان طلب کی۔

یہ ناخوٹگوار فریضہ طلبہ نے میرے سپرد کیا کہ میں ان کی طرف سے کانج میں رواجی جانے والی تمام بے قاعدگیوں اور دعائیوں پر روشنی ڈالوں۔ میں نے پرلس میں وہ تمام چیزیں دے دیں جو کانج کے تویی تجویل میں آ جانے کے بعد مرزاًیوں کی بے جاماً خلعت، خیانت، خرد بر وغیرہ کی صورت میں کی جا رہی تھیں۔

تیرے روز اخبارات میں ہماری پریس کانفرنس کی روڈ اوسٹائچ ہو گئی۔ پھر کیا تھا، الیوان خلافت ربوہ میں زلزلہ آ گیا۔ ایک طوفان بد تینی برپا ہو گیا۔ احمدی طلباء کے والدین کی بیٹیاں شروع ہو گئیں۔ ان سے پوچھ گئے شروع ہو گئی۔ سفارتی اور نظارتی سطح پر انکو اسیاں شروع ہو گئیں اور بعض طالب علموں کے متعلق کالج سے اخراج اور دوسری سزاوں کے فیصلے ہونے لگے۔ چوتھے روز ہمیں معلوم ہوا کہ ڈاکٹر عبدالحق وزیر تعلیم پنجاب لاکل پورا آ رہے ہیں۔ ہمارا ایک نمائندہ وفد، ان کی خدمت میں لاکل پور پہنچا اور انھیں بتایا کہ تعلیم الاسلام کالج کس طرح فضایت کی زدمی ہے۔ حکومت کے قومی ملکیت میں لینے کی پالیسی کی مٹی پید کی جا رہی ہے۔ طلبہ کے خلاف مختلف سزاوں کے فیصلے ہورہے ہیں اور خوف و ہراس کی فضایہ اکی جا رہی ہے۔

ڈاکٹر عبدالحق نے طلبہ کی فکایات سن لیں اور گہری ہمدردی کا انتہا کرتے ہوئے غالباً ربوہ کے لفظ سے مرعوب ہو کر ٹال دیا۔ وہاں سے واپسی پر طلبہ نے لا ہور جا کر گورنر ہاؤس کے سامنے مظاہرہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اگلے روز سو طلبہ کا ایک نمائندہ وفد گورنر ہاؤس پہنچا اور اپنے مطالبات پہنچائے اور حکومت کو بتایا کہ تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے پرنسپل صاحب ربوہ کے ذمہ دکانداروں کے آہ کا رہنے ہوئے ہیں۔ گورنمنٹ کی نیشنلائزیشن کی پالیسی کی مٹی پید کر رہے ہیں۔ خدارا حکومت کو اس طرف تعجب دینی چاہیے۔ دوسرے روز وفد وزیر اعلیٰ سے بھی ملا اور ان کے سامنے بھی ربوہ میں طلبہ کے برخلاف کی جانے والی زیادتیوں پر احتجاج کیا۔ وزیر اعلیٰ نے طلبہ کے تحریری مطالبات پر پرنسپل صاحب کے نام پر زورنوٹ لکھا اور طلبہ کو دے دیا۔ وفد ربوہ والیں پہنچ گیا۔ معلوم ہوا کہ پرنسپل صاحب تمام رہنمای طلبہ کے خلاف تحریری کارروائی کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ ادھر ربوہ کی ہمانی سرکار بد سے بذریعہ کے فیصلے کر رہی ہے۔ جو نبی طلبہ نے وزیر اعلیٰ پنجاب کا وہ حکم نامہ پرنسپل صاحب کو پیش کیا، پرنسپل صاحب آپ سے باہر ہو گئے اور اس حکم نامہ کو چھڑا کر پھینک دیا۔

اب طلبہ نے سوچا کہ اس غنڈہ گردی اور ظلم سے بچنے کا اور کیا طریقہ ہو سکتا ہے۔ طے پایا کہ طلبہ کا ایک وفد چینیوں کے مشہور عالم دین مولانا منظور احمد چینیوی اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے رہنما مولانا تاج محمود، ایڈیٹر ”لو لاک“ لاکل پور کو ملے اور ان واقعات سے انھیں باخبر کیا جائے تاکہ وہ عوامی احتجاج کے ذریعہ ان ظالموں کو ظلم سے باز رکھیں۔ چنانچہ ایک وفد میری سرکردگی میں چینیوں کے پہنچائے اور لاکل پور، ان حضرات کی خدمت میں پہنچا۔ اس وفد میں نصف احمدی طلبہ اور نصف غیر احمدی طلبہ شامل تھے۔ مولانا منظور احمد صاحب نے واقعات سن کر فرمایا کہ ہم اس ظلم کے خلاف عوام میں زبردست احتجاج کریں گے اور حکومت کو سٹنچ کے ذریعہ ان واقعات سے آگاہ کریں گے۔ مولانا تاج محمود کے پاس جب وفد پہنچا تو انھوں نے بتایا کہ میں نے آپ لوگوں کی پریس کانفرنس کی روپورٹ اخبارات میں پڑھ کر اندازہ کر لیا تھا کہ اب آپ کی

خیر نہیں ہے۔ ربوہ کے مذہبی آمروں کے خلاف ربوہ کے اندر سے صدائے احتجاج بلند ہوا اور پھر اس میں احمدی لڑکے شامل ہوں، مرزا گیوں کے نزدیک قیامت سے کم نہیں ہے اور مرزا اُنی اس قیامت پر کوئی بڑی قیامت پتا کریں گے۔ انہوں نے ہمیں بڑی شفقت اور پیار سے یہ باور کرایا کہ ہمارا یہ طریقہ جذبات اور محض جوش میں آجائے گا۔ اور اس راہ میں ہمارے لیے بڑے خطرات ہیں۔ بہتر یہ تھا کہ آپ اس طرح احتجاج نہ کرتے، تھوڑا صبر سے کام لیتے تو شاید آپ لوگوں کو زیادہ پریشانی نہ ہوتی۔ پھر ہماری دلبوچی کے لیے اٹھے اور انہا ایک فائل ہمیں دکھایا کہ میں نے آپ لوگوں کی پرنس کانفرنس پر گرفتار کر لیا گزر صاحب، صدر مملکت اور درسرے مuttleque وزرا اور حکام کو تاروں دیے تھے۔ یہ تار بڑے بچے تھے لفاظ میں مفصل ہم کے تار تھے۔ حکومت کو فوری طور پر مداخلت کرنے اور طلبہ کے حقوق کے تحفظ کی طرف متوجہ کیا ہوا تھا۔

مولانا بڑے با اخلاق طریقے سے پیش آئے اور صحیح کی کہ ہم اب بھی احتجاج کا انداز چھوڑ کر اپنی تعلیم کی طرف متوجہ ہوں، ورنہ نقصان کا خدشہ زیادہ ہے۔ اس دو گھنٹہ کی ملاقات میں جو بات میں نے خاص طور پر نوٹ کی، وہ یقینی کہ مولانا، جماعت احمدیہ کے خلاف ہونے کے باوجود یہ کوشش نہیں کر رہے تھے کہ ان طلبہ کو مرزا گیوں کے خلاف بھڑکا کر استعمال کیا جائے۔ انہیں ہماری جانبی کی تعلیم اور ہمارے مستقبل کی فکر زیادہ تھی۔ جب انہیں بتایا گیا کہ اس وفد میں احمدی طلبہ بھی شامل ہیں تو انہوں نے بڑی شفقت سے فرمایا کہ آپ سب لوگ میری اولاد ہیں، ملک کا سرمایہ ہیں اور اس قوم کی مناسع عزیز ہیں۔ جب وہ نے انہیں یقین دلایا کہ یہ سب احمدی طلبہ مرزا گیوں کے اس وقت خلاف ہیں، تو انہوں نے پھر بھی سمجھی کہا کہ ٹھیک ہے، یہ لوگ وقتی طور پر ان کے مقابلہ میں لیکن میں انہیں مرزا گیوں سے لا اکر انہیں قتل کرنے کا گناہ اپنے سر لینے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ میں مرزا گیوں کا مقابلہ ہوں لیکن میری مقابلہ ذاتی نہیں، مذہبی اور دینی عقیدوں کی وجہ سے ہے۔ میں اس تقالفت کو اصولوں کی بنیاد پر انسانیت، شرافت اور خود دین کی حدود میں رکھ کر جاری رکھے ہوئے ہوں۔

پھر مولانا نے صحیح آمیز لمحہ میں فرمایا کہ عزیزو! تم دراصل مرزا گیوں کی تصوری کے اس رخ سے آگاہ نہیں ہو کر وہ اپنی تعلیم میں اختلاف رائے رکھنے والوں سے کیا سلوک ردار کھتے ہیں؟ اس لحاظ سے ان کی ایک مستقل تاریخ ہے، جس کی تفصیل میں، میں نہیں جانتا چاہتا کیونکہ آپ میرے سامنے ہیں اور میں آپ کی دل آزاری کرنا نہیں چاہتا، البتہ یہ ضرور کہوں گا کہ اگر تم اس تاریخ سے واقف ہو تو تم اس طرح پرنس کانفرنس اور مظاہرے نہ کرتے اور اختلاف رائے کا یا بیزاری کا کوئی اور طریقہ اختیار کرتے۔ میں چونکہ مرزا گیوں کی اس تاریخ سے آگاہ ہوں، اس لیے تمہیں یہ مشورہ دے رہا ہوں۔۔۔۔۔ پھر مولانا نے کہا کہ عجیب بات ہے کہ خود مرزا اُنی مسلمان معاشرے میں انتہائی اختلاف رائے رکھنے کا حق مالکتے ہیں، مسلمانوں کی دل آزاری کرتے ہیں، اشتغال انگریز عقیدوں کا اکھماں اور عبارتوں کا پرچار کرتے ہیں اور اگر

ان کے، اس اختلاف کے پیش نظر یا ان کی اس مردم آزاری کے پیش نظر انھیں کچھ کہا جائے تو آسان سر پر اٹھا لیتے ہیں کہ دیکھو مسلمان کتنے ظالم ہیں، ہمیں اختلاف رائے اور اختلاف عقیدہ کا حق نہیں دیتے، حکومت اور عوام میں مظلوم بنتے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، لیکن قادریاں میں اور اب ربہ میں اگر ان کے عقیدے رکھنے کے باوجودو، ان کا مجرم اور وفادار ہونے کے باوجود کوئی ذرا سا اختلاف کر دے تو فوراً بائیکاٹ، اخراج اور قتل وغیرہ پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

مولانا یہ باتیں کر رہے تھے اور میں اس سوچ میں تھا کہ یہ لوگ ہیں جن کی خدا جانے کیسی بھی انک تصور ہمیں ربہ میں دکھائی جاتی رہی ہے۔ بہر حال میں مولانا کی باتوں سے بہت متاثر ہوا۔ دوسرے ساتھی بھی بڑے مطمئن ہوئے اور یہ فیصلہ کیا کہ ہر ہنال ختم کر دیں گے اور اپنی تعلیم کی طرف متوجہ ہوں گے اور اب آئندہ مرزا یحییٰ کے خلاف اپنے اتحاد کو قائم رکھتے ہوئے اخلاقی جنگ لڑیں گے، جوش اور جنون کے بغیر تحریک آزادی کو جاری رکھیں گے۔

مولانا نے ہمارے ایک ایک کے نام اور پتے دریافت کیے اور تحریر کر لیے اور ہمارے ساتھ جو غیر احمدی طلبہ تھے، انھیں فرمایا کہ تم اپنی اس تحریک میں اپنے ساتھی احمدی طلبہ کے نہیں جذبات کا احترام رکھتے ہوئے وہاں کام کرو۔ بڑی محبت سے چائے وغیرہ پلائی اور رخصت کر دیا۔

وائسی پر میں سارے راستے یہ سوچتا گیا کہ یہ لوگ ہیں جن کا نقشہ ہمیں کچھ بتایا جاتا رہا ہے اور ہم بھی انھیں خدا جانے کیا سمجھتے رہے ہیں، لیکن آج معلوم ہوا کہ یہ کتنے بلند اخلاق اور کشاورہ ڈہن لوگ ہیں اور جنھیں ہم پیشو، مقتدا اور نبی زادے سمجھتے رہے ان کا اخلاق و کردار کیا ہے؟ ربہ وائسی ہوئی۔ شام ہو گئی تھی۔ میں اپنے گھر پہنچا تو گھر کے سب لوگ پریشان تھے۔ یہ 12 دسمبر 1972ء کی شام تھی۔ مجھے محسوس ہوا کہ ہمارے ساتھ کچھ ہونے والا ہے کیونکہ صحیح سے ہی ہمارے گھر کے ارد گر ربہ کی سکیورٹی فورس گھیرا ڈالے ہوئے تھی۔ تھوڑی دیرگز ری تو خدام الاحمد یہ اور ناظر امور عامہ کے پانچ سو غنڈوں نے میرے گھر کا گھیرا ڈا کر لیا۔ ان غنڈوں کی قیادت مرزا ناصر احمد خلیفہ ربہ کا ایک بینا مرزا القمان احمد کر رہا تھا۔ غنڈوں کی صفائی میں تھوڑا احمد باجوہ ناظر امور عامہ، رشید غنی پروفیسر تعلیم الاسلام کا لمحہ ربہ، عزیز ساجد پرہل طبیبہ کا لمحہ ربہ، حمید اللہ صدر خدام الاحمد یہ مرکزیہ ربہ شامل تھے۔ یہ غنڈے بندوقوں، پستولوں، کلپاڑیوں اور ڈھنڈوں سے مسلح تھے۔

غنڈوں کے ایک بڑے سر غنڈہ سعیج اللہ، جو نائی یا سیال ہیں، انہوں نے غنڈوں کو لالکارا کہ اگر یہ لوگ کنڈا نہیں کھو لتے تو دیواریں پھلا گک رکھر میں داخل ہو جاؤ اور رفت باجوہ کو قتل کر دو۔ غنڈے گھر کی چار دیواری پر چڑھ گئے، جس پر گھر کی ہاپر دہ خواتین نے بے پرده ہو کر چیخ دیکار کی اور غنڈوں کا مقابلہ کیا۔ کسی احمدی مسکن کو ہم پر ترس نہ آیا۔ غنڈے دیواروں سے اتر گئے۔ مجھے میری والدہ نے گھر میں کہیں

چھپایا ہوا تھا۔ محاصرہ جاری رہا۔ کسی نے جب پولیس چوکی میں اس غنڈہ گردی کی اطلاع دی تو پولیس نے مداخلت کرنے سے محفوظی کا انکھار کر دیا۔ لا لیاں تھانے میں پولیس سے رابط قائم کرنے کی کوشش کی گئی تو معلوم ہوا ربوہ کے آپ بیٹھنے والے فون کا رابط لا لیاں سے کاٹ رکھا ہے۔ آخر رات 2 بجے کسی طریقے سے میں گمر سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اور دسمبر کی سردی میں ربوہ سے دور ایک بستی میں جا کر رات کا بیتھنے کے لئے گزار۔ اگرچہ میں تو ربوہ سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا اور غنڈوں کے ہاتھ آنے اور قتل کیے جانے سے فیکھ گیا، لیکن جب غنڈوں کو معلوم ہوا کہ میں اندر نہیں ہوں اور نکلنے میں کامیاب ہو گیا ہوں تو انہوں نے ہمارے گمر کا سارا سامان مکان سے نکال کر دروازے کے باہر لا کر رکھ دیا۔ گمراہوں کو اندر سے نکال کر باہر کر دیا۔ مکان کے دروازے مغلل کر دیے گئے اور میرے والد کو، جو پیدائشی احمدی اور اس بڑھاپے کی عمر تک مغلانہ اور مخلصانہ زندگی بر کر کے احمدیت کے لیے وقف تھے، ربوہ سے فراں لکھ جانے کا حکم دے دیا گیا۔ والد صاحب بچارے کہنی سے ٹرک لائے اور سامان لاد کر اپنے آبائی گمراہوں میں بال بچوں کو لے کر چلے گئے۔

جب مجھے یہ اطلاع ملی کہ میرے والدین کے ساتھ یہ سلوک ربوہ کے جھوٹے نبی زادوں نے روارکھا ہے تو میں نے دل میں سوچا کہ اگر کوئی خطا ہو سکتی تھی تو میری تھی، لیکن میرے ماں باپ نے کیا تصویر کیا تھا کہ ان سے یہ سلوک روارکھا گیا۔ ان کا قصور صرف یہ ہے کہ انہوں نے اپنے اکتوتے یعنی کوئی کرنے کے لیے غنڈوں کے سپرد نہیں کیا۔ اب مجھے یقین اور بالکل یقین حاصل ہو گیا کہ یہ ربوہ اور اس کی نبوت، سیحیت اور روحانیت وغیرہ سے فرما اور خالص دکانداری ہے۔ مجھ پر مرزا بیت کی ساری حقیقت واضح ہو گئی۔ مجھے مولا ناتاج محمود کی باتیں ایک ایک کر کے یاد آنے لگیں کہ وہ کہتے تھے کہ ”آپ لوگ اس جماعت کی تاریخ سے آگاہ نہیں ہیں۔“

میں نے اگلے روز مولا ناتاج محمود صاحب کو ایک چشمی لکھی اور ایک آدمی کے ذریعہ پہنچائی اور تمام واقعات سے آگاہ کیا اور دل میں فیصلہ کیا کہ ان جھوٹوں کو اب بھیث کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ مرزا بیت سے توبہ کر لئی ہے اور آئندہ زندگی مرزا بیت کے اندر ہے کوئی کی بجائے عالمگیر سچائی کے علمبردار اسلام کی رہنمائی میں بس رکھنی ہے۔ جب اس مردوں میں مولا ناتاج صاحب کو میری مصیبت کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے مجھے جواب درج ذیل دستی خط تحریر کیا۔

16 دسمبر 1972ء

عزیزی رفق احمد باجوہ صاحب طول عمرہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ آپ کا خط ملا۔ خدا کی قدرت ہے، آپ کا خط ملنے سے پہلے ہی میں خت بے چین تھا۔ خدا کا شتر ہے کہ آپ کی جان فیکھی۔ مجھے انجھائی دکھ ہے کہ آپ اور آپ کے والدین سے اس نام نہاد جماعت نے انجھائی نارو اسلوک کیا ہے۔ بدشیتی سے میری اور آپ کی ملاقات چیزوں کی

پریں کا فن فس کے بعد ہوئی۔ اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں آپ کو پریں کا فن فس نہ کرنے دتا، بلکہ یہ پریں کا فن فس ہم کسی اور ذریعہ سے کر لیتے۔ خیر جو اللہ کو مخمور تھا، ہوا۔ مجھے خصوصاً آپ کے والدین کی پریشانی کا بھی بہت رنج ہوا ہے جو خواہ تجوہ ان ظالموں کے قلم کا نشانہ بن گئے ہیں۔

ظہیر چھٹ دو رات سے میرے پاس ٹھہرے ہوئے ہیں۔ وہ ذہنی ہوئے، اسی طرح غنیمہ علی کو ضربات آئیں۔ ان دنوں کی طرف سے لا لیاں تھانہ میں رپورٹ درج ہو گئی ہے۔ ایک دن آج اسی محالہ کو لے کر ملک صراحی خالد سے بھی ملا ہے۔ رات میری ایسیں پی جھنگ سے بھی فون پر بات ہوئی ہے۔ آج ڈپنی کمشز صاحب چھپوٹ اور بودہ پہنچا ہوا ہے۔ انھیں کہلوا کر بیجا ہے کہ پہلے پہل کو تبدیل کیا جائے، ٹلبہ کو تحفظ دیا جائے۔ جنہیں ضربات بھی ہیں، ان کے مقدمات درج کیے جائیں اور مجرموں کو سزا میں دلوائی جائیں۔

کل صحیح ظہیر چھٹ اپنے دھرے ساتھیوں کے ہمراہ لا الہ پریں پریں کا فن فس کر کے سارے حالات پریں میں لا رہا ہے۔ آپ کے لیے دل مخترب ہے، لیکن آپ اپنے والدین کے ہمینان کے لئے خیر نہ آئیں۔ ویسے میرے پاس آئیں تو آپ انشاء اللہ حنافت میں ہوں گے۔ ظہیر صاحب وغیرہ بھی آپ کو ملتا چاہتے ہیں۔ جواب سے ضرور مطلع کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سرفراز فرمائے اور آپ کی مد فرمائے۔ والسلام

دعاؤں

تاجِ محمد

مولانا کا یہ خط پڑھ کر کچھ دنوں بعد میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت تک لا لیاں کی پریں، چھپوٹ کے حکام اور ٹھنڈ کے افران بالا بودہ فوازی کا حق ادا کر پکے تھے۔ سرکاری کالج کے روپاں پہلے نے جن کریزوں کو کالج سے نکال دیا۔ ظہیر چھٹ کو ہمدردی کے شیشہ میں اتنا اور لا لیاں لے جا کر کالج چھوٹنے کا سریشکیت دے دیا۔ اسلام و زانج نے گجرات کالج میں اور الورڈ ہاؤس سرگودھا کالج میں داخلہ لے لیا۔ مولانا نے بہت شفقت اور اخلاق سے اپنا گروپہ کر لیا۔ میں نے ان کے "لولاک" میں اپنے اسلام قبول کر لیا اور مرزائیت کو ترک کر دینے کا اعلان بھی کر دیا۔ مولانا نے تھیت کی کہ میں چھڑہ میں اپنے ماں باپ کی خدمت بجالاؤں اور اپنی تعلیم کی تحریک کروں۔ اب میں اپنے ماں باپ کی خدمت کرتا ہوں اور اپنی تعلیم کی تحریک میں بھردنے مصروف ہوں۔

میرے چھڑہ میں جانے سے وہاں سے اللہ نے ایک چھوٹی سی مسجد کو مرزائیوں کے ناپاک وجود سے پاک کر دیا ہے۔ میں اس میں بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیتا ہوں، ان میں جذبہ جہاد اور حب وطن ابجاگر کرتا ہوں۔ اس مسجد میں چھڑہ کے علاوے کرام کا باری باری درس قرآن مجید ہوتا ہے۔ اللہ نے اس طرح مجھ پر مرزائیت کی تھیقتو واعظ کر دی اور مجھے حلقة گوش اسلام بنا دیا ہے۔



محمد بشیری باجوہ

الوداع قادیانیت!

میرے دادا چوہدری رحمت خان صاحب باجوہ خید پوش چوڑھ نے مرتضیٰ احمد کے ہاتھ پر بیعت کی اور میرے والد صاحب نے مرتضیٰ احمد دین محمد کی اہل پر سرکاری ملازمت سے استعفی دے کر قادریانی جماعت کے لیے زندگی وقف کی۔ ربودہ کی سیاسی اور مذہبی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے ہزاروں موقع میسر آئے، شروع سے ہی ربودہ میں رہنے کے باعث ایک ہی قسم کا لٹریچر پڑھائے جانے کی وجہ سے ہمیں حقیقت حال سے بالکل بے خبر رکھا جاتا تھا۔ وہاں کی سیاسی اور مذہبی سرگرمیوں کے تحت "امامت" کی تبلیغ کی جاتی اور حضرت رسول اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں تقریبات میں شاذ و نازری سرگرمی ہوتی اور وہ بعض اخباری کارروائی کے لیے منعقد کی جاتی تھیں۔

تحلیم الاسلام کا لج ربدہ میں طلباء کی تعلیم ہانے پر مرتضیٰ انصار کے حکم سے 12 دسمبر 1972ء کو تقریباً تین صد (300) مخدوں نے ربودہ میں میرے بھائی رشیق احمد باجوہ پر قاتلانہ حملہ کیا۔ کچھ مخدوں نے باپوہہ گمراہ کی چار دیواری پہانچی۔ مرتضیٰ انصار احمد، جن کا دھوٹی ہے کہ جماعت احمدیہ تمام دنیا کی اصلاح اور اسلام کی اشاعت کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہائی گئی ہے، بالکل قطعاً ثابت ہوا۔ قادریانیوں کا کام بعض لوگوں کو نہ ہب کی آڑ میں بے ڈوف بنا اور بلیک میلت اور ہتلر کے قدم پر جل کر ان پر تسلیق اتم رکھتا ہے۔ اس پر میں نے پھر سے جماعت احمدیہ کے لٹریچر کا مطالعہ کیا اور اس کے ساتھ ہی اسلامی تعلیمات کا موازنہ کیا تو مجھ پر یہ حقیقت کھل گئی کہ قادریانی ایک جھوٹے نہب کے علمبردار ہیں۔

محکمہ امور عامہ، ربودہ شہر میں، عموماً، احمد کیوں کے لیے وہی کام انجام دیتا ہے جو مجھ پر پیس انجام دیتا ہے۔ جب کوئی ربودہ کی انتقامی کے خلاف ہو جائے یا اس کے امدادوںی محاولات کے خلاف آواز اخنائے تو مجھہ امور عامہ اس کا محاطلہ اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ اس کے لیے، ان کا طریقہ واردات یہ ہے کہ وہ ایسے فرد کے خلاف نوجوان لڑکوں کو چمیڑ نے کا لازم عاید کرتے ہیں۔ امور عامہ کے پاس اسی نوجوان لڑکیاں موجود رہتی ہیں، جو پیس کے پاس جا کر رپورٹ لکھوائی ہیں کہ قلاں بعض نے ان کو چمیڑا ہے۔ امور عامہ والے بعض افراد کو اپنے دفتر میں لے جا کر چکا کر کے تشدد کرتے ہیں۔ وہ لڑکوں کو چمیڑ نے

کا بہانہ اس لیے کرتے ہیں کہ کوئی پولیس کو اپنے ساتھ ہونے والے تشدیکی فکایت نہ کرے۔ امور عامہ میں ربودہ میں رہنے والے ہر شخص کی فال بنی ہے، جس میں اس کی گھریلوں، نبی اور سیاسی سرگرمیوں کا ریکارڈ رکھا جاتا ہے۔ جب کسی کی قابل اعتراض سرگرمی کی اطلاع ملتی ہے، اسی وقت اس کی فال کمل جاتی ہے۔

ربودہ میں اس کے علاوہ خدمت خلق کے نام سے ایک تعلیم ہے۔ پہلے اس کا نام حفاظت مرکز تھا۔ ان کا کام یہ ہوتا ہے کہ خلیف وقت اور تمام آبادی کو بیرونی خطرہ سے بچاؤ کے لیے ان کی حفاظت کریں۔ کئی ایسے شبے ہیں جن کا کام فتنہ زا کشنا کرنا ہے۔ اس طرح کا ایک شعبہ بیت المال ہے۔ اس کے علاوہ وکیل اہمیت اور وقف جدید چیزے تجھے بھی ہیں جو ربودہ میں کیے جانے والے فیصلے کو اندر ہوں و بیرون ملک احمدیوں تک پہنچاتے ہیں۔ یہ فیصلے نبی بھی ہوتے ہیں اور سیاسی بھی۔ البتہ وقف جدید شہری تنظیموں سے Deal نہیں کرتا۔ شہری تنظیموں کے ساتھ رابطہ پرائیویٹ سیکرٹری ٹو سر بر اہ کیوں رکھتا ہے۔ نثارت تعلیم کا شعبہ، تعلیمی اداروں کو کٹرول کرتا ہے جو کیوں کے تحت چلتے ہیں۔ ہنگامی حالات میں اس کے فرائض یہ ہوتے ہیں کہ تعلیمی ادارے بند کر کے ان اداروں میں زیر تعلیم طلبہ کو رضا کاروں کی حیثیت سے استعمال کیا جائے۔ ربودہ میں ایک دفتر رشتہ ناط بھی ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ احمدیوں کے آئیں میں رہتے ہے کرائے۔ اس شبے کا کام یہ بھی ہے کہ اس بات کا اطمینان کر لے کہ کوئی احمدی بڑی کسی غیر احمدی بڑی کے ساتھ شادی نہ کر لے۔ قواعد کے تحت ایک احمدی بڑی کو، جو کسی غیر احمدی بڑی کے سے شادی کر لے، بائیکات دغیرہ کی سزا دی جاتی ہے۔

ربودہ میں ایک دفتر کمپنی آبادی ہے۔ اس دفتر میں جائیداد غیر منقولہ کے سودوں کا اندر ارج ہوتا ہے۔ اس دفتر کی یہ ذمہ داری ہے کہ ربودہ کی جائیداد میں ہے کوئی حصہ کسی غیر احمدی کے پاس نہ چلا جائے۔ خواتین کے دو شبے قائم کیے ہیں۔ 15 سال سے اوپر کی عورتوں بحمد امام اللہ کی تعلیم سے مسلک ہیں۔ اس تعلیم کے تحت عورتوں کو اپنے گھروں میں بچوں کے اندر غلامانہ ذہنیت پیدا کرنے کی تربیت دی جاتی ہے۔ دوسری تعلیم ناصرات الاحمدیہ ہے، جس میں پندرہ سال سے کم عمر کی بچیاں شامل ہیں۔

مورخہ 25 جنوری 1974ء کو چونڈہ کے مرزائی توہین قرآن، توہین مسجد اور توہین اسلام کے مرکب ہوئے، جس سے ثابت ہو چکا ہے کہ قادریانوں کا واحد مقصد اسلام کو دنیا سے ختم کرنا ہے، اس لیے میں آج مورخہ 30 جنوری 1974ء کو واکاف الفاظ میں اعلان کرتے ہوئے مرزائیت سے توبہ کر کے حلقہ گوش اسلام ہو رہی ہوں۔



مولانا عبدالکریم مبلہ

باطل سے حق کی طرف

میرے خیالات قیاس پر منی نہیں بلکہ تجربہ کی نہاد پر ہیں، کیونکہ رقم المعرف خود حصہ ۱۶^{۱۷} مرس قادیانیت کا فنگارہ چکا ہے۔ معنوی قادیانی نہیں بلکہ آزری (بلا تجوہ) مسئلہ ہوتے ہوئے، میں قادیانیت کی تلفیق کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ مگر خداوند کریم کے فضل و احسان نے قادیانیت کی حقیقت کو مجھ پر آفکار کر دیا اور اس گروہ کے اندر ولی حالات نے مجھے اس نتیجہ پر بھیجا کر یہ کوئی لمبی جماعت نہیں بلکہ تجارتی کمپنی ہے۔ اس لحاظ سے مجھے یہ حق بھیجا ہے کہ میں اپنے خیالات کا انتہا کروں اور ناظرین سے درخواست کروں کہ وہ میرے تجربے سے فائدہ اٹھائیں۔

- ۱ - قادیانی کمپنی نے وقات سُج علیہ السلام اور امکان نبوت کے مسئلہ کو صرف اور صرف اس لیے اپنے مستحدثات میں شامل کر رکھا ہے تاکہ دنیا اُسیں ایک لمبی گروہ خیال کرے۔ قادیانی کمپنی کو خوب معلوم ہے کہ اس اختلاف کے موجودہ خود نہیں بلکہ بہاء اللہ ایرانی یا ہمارے زمانہ کے چندی روشنی کے پروردہ لوگ ہیں۔ لیکن وہ ایسا شخص ہیں جن کے خیالات کی روشنی میں قادیانی کمپنی نے اپنانہ ہب یا بالفاظ دیگر کار و بار شروع کیا۔ ان سائل پر قادیانی کمپنی نے اس لیے حد سے زیادہ زور دیا تاکہ دنیا لمحی سمجھے کہ ان خیالات کی موجودگی کمپنی ہے اور اہل اسلام اور قادیانیوں کا اختلاف ایک لمبی اختلاف ہے۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ پہلی یہ اندازہ عینہ کر سکے گی کہ یہ گروہ کوئی تجارتی گروہ ہے۔

قادیانی کمپنی کو اپنا کار و بار شروع کرنے کی جرأت اس بات سے ہوئی کہ انہوں نے ہندوستان کی حالت کا مطالعہ کیا۔ انہوں نے دیکھا کہ اس ملک کے باشندوں کی یہ ذاتیت ہے کہ وہ ایک اشتہاری عامل کے گردیدہ ہو جاتے ہیں اور متعدد جھوٹے ہیران کے مال و متناب پر ڈاکر ڈالنے میں کاملاً بارہ جاتے ہیں، تو کیا یہ کوئی مشکل کام ہے کہ ایک دو باتوں کو بناء اختلاف قرار دے کر نہب کے پرده میں کار و بار شروع کر دیا جائے۔

- 2 - قادیانی کمپنی نے ایک یہ چیز بھی اپنے لیے مفید خیال کی کہ ان ہر دو سائل پر جب کبھی ملکوں پر

گی تو اس میں صرفی، نجوی، بخوبی، مطمئناً، غرضیکہ ہر قسم کی علمی بحث ہو گی۔ عوام الناس جو اس بحث کو سنبھلے گے، وہ ان علوم سے بے بہرہ ہوں گے، وہ کیا اندازہ کریں گے کہ درست بات کون کہہ رہا ہے۔ پہنچا ہو گا، جو تمیز و طرار، چالاک و ہوشیار ہو گا، پہلک اس سے متاثر ہو گی۔ پہلک کیا سمجھے کہ از روئے علوم اسلامیہ کون صحیح بات کہہ رہا ہے؟ اس پہنچے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ حاضرین میں سے کوئی ایک آدھے ہماری طرف ہو جائے گا اور باقی ہمارے مخالف رہیں گے۔ ہر کیف سودا مہنگا نہ ہو گا۔ اگر اس زمانہ میں دہرات پہلیں سختی ہے اور لوگ خدا کے بھی منکر ہو سکتے ہیں تو کیا قادریانیت کا پر چار نہیں ہو سکتا۔

-3
مذکورہ بالا امر کی وضاحت اس مثال سے ہو سکتی ہے کہ وقت صحیح علیہ السلام یا امکان نبوت پر ایک قادریانی اور مسلمان عالم میں مناظرہ ہو، مناظرہ میں قرآن کریم اور احادیث کی رو سے بحث ہو گی۔ صرفی، نجوی، باتیں بھی ہوں گی۔ دونوں طرف کے مناظر اپنے اپنے دلائل پیش کریں گے۔ سامعین کون ہوں گے، وہ لوگ جو عربی علوم سے تھی دست ہیں۔ اب معزز ناظرین خیال فرمائیں کہ مناظرہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ لوگ فیصلہ کر سکیں کہ حق و صداقت کس طرف ہے؟ لیکن غور فرمائیے کہ دونوں مناظروں کا مباحثہ وہ لوگ سن رہے ہیں، جو خود ان علوم کے ناموں سے بھی نہ آشنا ہیں، جن کی رو سے بحث کی جا رہی ہے، چاہیے تو یہ، کہ مناظرہ سختے والے وہ لوگ ہوں جو دونوں مناظروں سے بھی زیادہ علم رکھتے ہوں، جو یہ فیصلہ دے سکیں کہ کون درست کہہ رہا ہے، مگر تجب ہے کہ مناظرہ کی منصف وہ پہلک بن جاتی ہے، جو خود ان علوم سے قطعی ناواقف ہے۔

کیا اس امر سے انکار کیا جاسکتا ہے کہ مردیجہ سکولوں کی دسویں جماعت کا امتحان وی لے سکتا ہے جو خود ایکس پاس ہو۔ اسی طرح ایف۔ اے کا امتحان، وہ لے سکتا ہے جو خود بی۔ اے ہو۔ بی۔ اے کا امتحان وہ لے سکتا ہے جو خود ایم۔ اے ہو۔ جب دنیاوی معاملات میں دنیا کا طرز عمل یہ ہے تو کیا وجہ ہے کہ ہم دنی معاشرات میں خود منصف بن پیشیں اور یہ خیال کر لیں کہ دنیی مباحثت کا فیصلہ ہم کر سکتے ہیں۔

-4
میرا یہ مطلب نہیں کہ ہر جگہ کے لوگ اس بات کا خیال نہیں کرتے اور مناظرہ کروا کر خود منصف بن جاتے ہیں کیونکہ بہت سے مقامات ہیں، جہاں قادریانیوں نے اپنا داؤ چلانا چاہا مگر وہاں کے لوگوں نے یہ کہا کہ ہم مناظرہ کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ یہ مشکل ہے کہ ہم پہلے ان علوم کو حاصل کریں، جن کی رو سے مناظرہ ہو گا اور پھر تمہارا مناظرہ نہیں۔ یہ وہ زمانہ نہیں کہ ہر شخص علوم دینیہ سے واقفیت حاصل کرنا ضروری خیال کرتا ہے۔ اس لیے بہتر صورت یہ ہے کہ ایک ٹالٹ مقرر کرو جو غیر جانبدار ہو اور اس قابل ہو کہ تم دونوں کے بیانات کا موازنہ کر کے فیصلہ صادر کر

سکے۔ چنانچہ اس جواب پر قادریانی بھاگ اٹھے کیونکہ ان کا مقصود طلب حق تو ہوتا نہیں۔ اگر ہو تو وہ فوراً ٹالٹ مان لیا کریں مگر ان کو اپنے دلوں کی حقیقت معلوم ہے، اس لیے ٹالٹ بھی نہ مانیں گے، بلکہ وہ تو جھکڑا چاہتے ہیں تاکہ جھکڑا میں اپنے فائدہ کی راہ اختیار کر سکیں۔

اگر کسی بجھ ٹالٹ مقرر کرنے کے لیے قادریانی سے کہا جائے تو ان کے مناظر نقش آمیز بھی میں کہا کرتے ہیں کہ اگر ان سائل میں کسی عالم کو ٹالٹ بنانے کی ضرورت ہے تو معاذ اللہ، یہ اسلام پر ایک خطرناک حملہ ہے۔ گوفر آن و حدیث کے علم اس قدر مشکل ہیں کہ تم لوگ ان کو سمجھ بھی نہیں سکتے اور دو مناظروں کی گفتگوں کر فیصلہ نہیں کر سکتے۔ خداوند کریم نے قرآن کریم کو نہایت آسان بنایا ہے تاکہ ہر شخص با آسانی سمجھ سکے۔ ہیں کسی ٹالٹ کی ضرورت نہیں۔ اگر تم ٹالٹ کا مطالبہ کرو گے تو بالفاظ دیگر قرآن پاک پر ایک حملہ کرو گے گویا یہ انکی کتاب ہے کہ اسے سمجھا ہی نہیں جا سکتا۔

اس سوال کا جواب اس مناظر کو یہ دینا چاہیے۔

جناب من! اگر آپ کا قول درست تسلیم کیا جائے تو آپ کو کیا ضرورت تھی کہ دس سال کے لیے عرصہ میں مولوی فاضل بنئے۔ مناظرہ کرنے کی مشق کے لیے دو تین سال صرف کرتے۔ آخر آپ اتنے سال قادریان میں ٹریننگ حاصل کرنے کے بعد مناظرہ کے لیے تشریف لائے ہیں تو کیا یہ قرآن پاک یا اسلام پر خطرناک حملہ نہیں کہ آپ نے اپنے عمل سے یہ ثابت کیا کہ ان علوم کو سمجھنے یا ان سائل پر گفتگو کرنے کے لیے اپنی زندگی کا پیشہ حصہ آپ کو تیاری میں گزارنا پڑا۔ لطف تب تھا جب آنجلاب بھی ہماری طریقہ ان باتوں سے بے بہرہ ہوتے اور پھر گفتگو کرتے۔ آپ کے عمل نے ہی ثابت کر دیا کہ ان سائل پر گفتگو کرنے کے لیے قابلیت کی ضرورت ہے۔ اگر آپ کو بحث کرنے کے لیے ان علوم کی ضرورت ہے تو ہمیں فیصلہ کرنے کے لیے ان چیزوں کی ضرورت کیوں نہیں؟

آپ کے نقش آمیز وعظ کے چکر میں ہم نہیں آ سکتے۔ اگر کسی مریض کے علاج کے لیے ڈاکٹر بننے کی ضرورت ہے اور باقاعدہ تعلیم حاصل کرنی ضروری ہے، اگر مصنف بننے کے لیے علم ادب کی ضرورت ہے، اگر انسان کو اپنی روزی بیدا کرنے کے لیے کسی صنعت و حرفت کا سیکھنا ضروری ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ علوم دینیہ میں دخل دینے کے لیے کسی علم کی احتیاج کا انہمار کیا جائے۔ اگر ہم ان علوم سے نادانقہ ہیں تو فیصلہ کا آسان طریقہ یہ ہے ایک ٹالٹ کا انقرہ رہو جو خود عالم ہو اور بہترین فیصلہ دے سکے۔

اگر تم بغیر ٹالٹ گفتگو کرنا چاہتے ہو تو ہم اس کے لیے بھی تیار ہیں بشرطیکہ تم ایسے موضوع پر

-5

-1

-2

-3

بحث کرو، جس میں کسی علم کی ضرورت لائق نہ ہو اور صرف اردو کا جانا کافی ہو۔ مثلاً مسئلہ ”صداقت مرزا“ کا موضوع ہے۔ مرتaza قادیانی کی اکثر کتب اردو میں ہیں۔ ہم میں سے ہر شخص اس زبان کو سمجھتا ہے۔ اس موضوع پر مناظرہ کرو اور فیصلہ بالکل آسان ہو گا۔ آخر تم خود بھی تو سبھی کہتے ہو کہ وفات سعی علیہ السلام اور امکان ثبوت کے مسائل مرتaza قادیانی نے پیش کر کے الی اسلام کو ایک خطرناک جہالت سے نکالنا چاہا ہے۔ مگر مرتaza کی صداقت پر بحث کرو۔ اگر وہ سچا ثابت ہو گیا تو اس میں یہ بات بھی آگئی کہ وہ ان مسائل میں بھی چاہے یا نہیں آپ کے پیغمبر یعنی مرتaza قادیانی کا یہ فتوی موجود ہے۔

”ظاہر ہے کہ جب ایک بات میں کوئی جھوٹا ثابت ہو جائے تو پھر دوسرا باقاعدہ میں بھی اس پر اعتبار نہیں رہتا۔“

(”پشمہ صرفت“ صفحہ 222)

اس فتوے کی رو سے ہماری بات تم کو تسلیم کرنی پڑے گی کہ صداقت مرزا پر بحث کافی ہے۔ وفات سعی علیہ السلام یا امکان ثبوت کے مسائل پر تم کو بحث کرنے کی ضرورت صرف اس وجہ سے ہے کہ تم مرتaza کی صداقت کو واضح کرو۔ وفات سعی علیہ السلام ثابت کرتے ہو، اس لیے کہ مرتaza میں سعی علیہ السلام بننے کے، امکان ثبوت ثابت کرتے ہو اس لیے کہ مرتaza نبی یا پیغمبر بن سکے۔ آخر یہ ساری تکلیف صداقت مرزا کو منوانے کے لیے تو ہے۔ مگر جو چیز تم نے ان مسائل کے بعد پیش کرنی ہے کہوں پہلے ہی اس امر پر بحث نہیں کرتے جو تمہارا اصل مقصود ہے، ناک کو ہاتھ لگانا ہے تو سیدھے نکاؤ، چکر ڈال کر ہاتھ لگانے سے کیا فائدہ؟ اگر تم صداقت مرزا ثابت کرنے میں کامیاب ہو گئے تو تمہاری ہر بات بھی۔ ورنہ سب جھوٹ۔

اگر تم یہ کہو کہ صداقت مرزا کے سلسلہ میں بھی بعض معیار پیش ہوں گے جن میں پھر علوم کی واقفیت ضروری ہو گی۔ تو ہم یہ اقرار کرتے ہیں کہ مناظرہ میں صرف اردو اقوال پیش ہوں گے۔ اگر کوئی مرتaza کی عربی عبارت ہو گی تو خود مرتaza کا اردو ترجمہ پیش کریں گے۔ ہمیں عربی الفاظ سے کوئی تعلق نہ ہو گا۔ ہمارا مقصود تو صرف یہ ہے کہ ایسے طریق سے بحث ہو کہ حاضرین اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اردو عبارت میں کیا جھکڑا ہر شخص اردو عبارت کو دیکھ کر فیصلہ صادر کر سکے گا اور ہمیں کسی ٹالٹ کی ضرورت نہ ہو گی اور نہ کسی علم سے واقفیت کی احتیاج۔

میں یہ وہ طریق ہے جس سے ہر شخص قادیانیوں سے گھنکو کر سکے گا مگر آپ دیکھیں گے کہ قادیانی اس بات سے کیونکر بھاگتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ کتب مرتaza، تردید مرتaza کے لیے کافی ہیں۔

قادیانیوں سے گفتگو کرتے وقت ہمیشہ یہ خیال رہے کہ قادیانی بھی ایک بات پر نہ تھہرے گا۔ ہمیشہ ایک بات کو چھوڑ کر دوسری طرف رخ کرے گا اور بحث کو اس جگہ لے جائے گا، جہاں جھٹزا ہوا اور گفتگو بغیر نتیجہ رہ جائے۔ میں ہمیشہ گفتگو کرتے وقت یہ مدنظر رکھتے کہ جو چیز آپ پیش کریں، آخر وقت تک اس بات کو درہ راستے جائیں اور اس سے جواب کا مطالبہ کیجئے اور ہر وقت یہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ گفتگو منخر ہو اور ایک وقت میں ایک ہی بات ہو۔

قادیانی ہوشیار و چالاک پارٹی ہے، موقعہ کے مناسب حال چال چلتا ان کا دستور العمل ہے۔

جونہی ان کو معلوم ہو گا کہ ہمارا متناقل مسلمان ہمیں دنداں تک جواب دے گا، وہاں فوراً بحث سے گریز کریں گے اور یہ تقریر شروع کر دیں گے کہ اسلام مصائب میں گمراہ ہوا ہے، متناظروں کو چھوڑ دو۔ آہم میں تحد ہو کر اسلام کی ترقی کی کوشش کرو، ہمارے خلیفہ نے اسلام کے درد سے متاثر ہو کر یہ حکم دے رکھا ہے۔

”میں ان کو صحبت کرتا ہوں اور وہ یہ کہ اب تک ہماری جماعت سے ایک غلطی

ہوئی ہے، میں نے بارہاں سے روکا بھی ہے مگر اس جماعت نے جو اخلاص میں

بے نتیجہ ہے، تا حال اس پر عمل نہیں کیا اور وہ یہ کہ مباحثت کو ترک کرو۔ میرے

نزدیک وہ گلستہ ہزار دو یہہ بہتر ہے، جو لوگوں کے لیے ہمایت کا موجب ہو، یہ

نبیت اس صلح کے جو لوگوں کو حق سے دور کرے۔ میں ایک دفعہ پھر جب کہ

ہمارے مبلغ تبلیغ کے لیے جا رہے ہیں، انھیں اور دوسروں کو بھی صحبت کرتا ہوں کہ

مباحثات کو چھوڑ دیں اور ایسا طرز اختیار کریں، جس سے دوسروں کے ساتھ

ہمدردی اور خدا تعالیٰ سے خیشیت ظاہر ہو۔“ (”الفضل“ ۱۱ جلاں ۱۹۲۵ء، صفحہ ۴)

اس حکم کی رو سے ہم متناظر ہیا بحث نہیں چاہتے، میں قادیانیوں کے ہر ہجھنڈا کو سمجھتے اور اسے کہنے کہ اگر اسلام کافی الواقعہ درد ہے تو دیہات میں تمہارے آدمی روزانہ بحث و متناظر ہ کیوں کرتے ہیں؟ اس لیے کہ وہاں لا علی ہے اور وہاں کے لوگ تمیں اپنا شکار نظر آتے ہیں۔ تمہاری یہ چال صرف ”صداقت مرزا“ کی بحث سے فرار اختیار کرنے کے لیے ہے۔ رہنمایوں خلیفہ کا حکم، سو تھاری دو رنگیاں ہم خوب جانتے ہیں۔ خلیفہ قادیانی کا مذکورہ بالا حکم تم نے پیش کیا مگر اسی اخبار کے صفحہ ۵ پر اس کا یہ قول بھی موجود ہے، جس سے صاف عیاں ہے کہ اس کا اصل مقصود کیا ہے؟

”مگر ساتھ ہی یہ خیال رکھنا چاہیے کہ وہ مبلغ کی خیشیت سے نہیں جا رہے ہیں بلکہ مدرب کی خیشیت سے جا رہے ہیں، ان کا کام یہ دیکھنا ہے کہ اس ملک میں کس طرح تبلیغ کرنی چاہیے۔“

اگر اسلام کا درد ہے تو آؤ سیدھی طرح مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے سے

تحریری توبہ نامہ لکھ دو۔ بہر کیف میں برادران اسلام سے یہ کہوں گا کہ وہ بھی کسی امر پر بحث کرنے سے پہلے دشمن کی چال سمجھا کریں۔ اگر قادیانی خود مناظرہ کا میدان گرم کرنے کی کوشش کرے تو آپ بھی حالاً قیش کر کے دریافت کیا کریں کہ تمہارے خلیفہ کا تو حکم ہے کہ مناظرہ نہ کرو۔ تم کیوں ایسا کرتے ہو، اگر وہ خود یہ معلوم کر لے کہ میراً مدعی مقالی دندان ٹکن جواب دے گا اور مناظرہ سے فرار اختیار کرے اور اسلام کے درو کا انہصار کرنا شروع کرے، تو آپ ان کے ساتھیوں کا حال بیان کریں جو عموماً قادیانی اخبار میں درج ہوتا ہے کہ فلاں جگہ مناظرہ ہوا۔ فلاں جگہ بحث ہوئی اور دریافت کریں کہ وہاں مناظرے کیوں ہوتے ہیں؟ صاف بات کیوں نہیں کہتے کہ تم مرزا کی کتابوں کے حوالہ جات سے گھبراتے ہو۔ ہاں اگر کوئی ناقف حال میں جائے تو مناظرہ کی ڈیکھ مارتے ہو۔ ایسے موقع پر اس موضوع پر گفتگو یہ ہوا کہے کہ حضرت! ہم آپ کی چالوں سے واقف ہیں وقت وقت کی چال چلنا آپ کا شیدہ ہے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش

من انداز قدت را مے شام

تم کوئی گفتگو کرو، تمہارا آخری نقطہ مرزا کی تبلیغ ہوگی۔ میں آؤ اسی موضوع پر گفتگو کے قصہ ختم کریں۔ بعض اوقات قادیانی مناظرہ سے الٹارہ کیا کرتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر ان کی رگ جوش مارا کرتی ہے اور مناظرہ کے لیے گفتگو شروع کر دیتے ہیں۔ ایسے موقعہ پر جب سوال کیا جائے کہ اب کیوں بحث کرتے ہو تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ بحث نہیں جادلہ خیالات ہے۔ غرضیکہ یہ لوگ منٹ منٹ کے بعد اپنا رنگ بدلا کرتے ہیں۔ جس پوری ہوشیاری سے پہلے ان کی چال دیکھا کریں اور پھر گفتگو شروع کیا کریں۔

مذہب کے پرده میں تجارت

میرے ذاتی تجربہ اور تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ قادیانی گروہ کوئی نہیں جماعت نہیں بلکہ ایک تجارتی کمپنی ہے، جس نے مذہب اور روحانیت کو اپنا سرمایہ تجارت بنارکھا ہے۔ ہر آدمی ان کے کلام و عقائد تجربیوں سے یہ جیز با آسانی معلوم کر سکتا ہے کہ وہ اپنی ہربات کو تقدس آمیز لیجہ میں پیش کرنے کے عادی ہیں اور اس امر کی پوری کوشش کی جاتی ہے کہ وہ خود کو ایک با خدا گروہ ظاہر کریں۔ مگر ایک محقق بنظر فور حالت و واقعات پر غور کرے گا، تو اس پر، اس حقیقت کا انکشاف ہو جائے گا کہ اس کمپنی نے مذہب کی اور حصہ اور حصہ کر تقدس و روحانیت کے پرده میں ایک جال بچھا رکھا ہے۔ پہلک پر اپنا اثر ذاتی کے لیے قرآن کریم کا درس بھی ہے (جس کا مقصود من گھرست تادیلات سے اپنے عینہ کی صداقت بیان کرنا ہوتی ہے) بعض اوقات بوقت ضرورت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت بھی بیان کی جاتی ہے۔ تقدس سے بھر پور وعظ بھی ہوتے ہیں۔ غرضیکہ دینداری کی پوری نمائش ہوتی ہے لیکن اندر وہی حالت و خیالات کی پڑتال کی جائے تو ایک اور عنی میں نظر آتا ہے۔ آپ اس نظر نگاہ سے دیکھئے کہ کیا یہ گروہ ایک مقدس

جماعت ہے یا یہ تمام کاروبار تجارتی اغراض پر منی ہے۔ مثلاً اس پاکٹ بک میں ان کے عقائد کا ذکر ہو گا۔ ان عقائد کی موجودگی میں اگر کوئی قادریانی آپ کے سامنے اتحاد اتحاد کی رٹ لگانی شروع کرے اور درد مندانہ الفاظ سے آپ کو متاثر کرنے کی کوشش کرے، تو آپ نے ان عقائد کو پیش کر کے مطالبہ کرنا ہو گا کہ تمہارے قدر اگلیز عقائد کی موجودگی میں تمہارا یہ وعظِ محض گرگٹ کی طرح رجک بدلتا ہے۔ جس طرح دو کاندرا ہرگاہک کے متناسب حال گھنکو کرتا ہے اسی طرح تم اپنے عقائد کی رو سے اپنی جماعت کو تو مسلمانوں کو جاہد و بر باد کرنے کے لیے ابھائی کوشش صرف کرنے پر زور دیتے ہو اور دن رات اُسیں تلقین کرتے ہو کہ ہمارا فرض ہے کہ مسلمانوں کو سوت کے گھاٹ اتاریں اور یہ ثابت کر دیا کہ پہلا سچ تو خود سوئی پر چڑھنے کے لیے آیا تھا مگر یہ سچِ خالقین کو سوئی پر چڑھانے کے لیے آیا ہے۔ مگر مسلمانوں سے جب کلام کرتے ہو تو اتحاد اتحاد کی رٹ لگانا شروع کر دیتے ہو۔ اگر یہ دو کاندرا نہ اصول نہیں تو اور کیا ہے؟

اسی طرح وہ تمام گالیاں جو مرزا قادریانی نے حضرت سعیح علیہ السلام کے حق میں دیں، قادریانی کہنی گے کہ یہ عیسائیوں کے یسوع سچ کے تعلق ہیں۔ اس کے جواب میں آپ مرزا قادریانی کا وہ قول پیش کریں گے، جس میں وہ مکمل عظیم کو ایک درخواست بھیجا ہوا خود کو یسوع کی روح بتاتا ہے۔ ہر دو امور کا مقابلہ کر کے آپ ثابت کریں گے کہ قادریانوں کا مقصود صرف مطلب براری ہے۔ مسلمانوں کو خوش کرنا ہوا تو کہہ دیا کہ ہم عیسائیوں کے خالق ہیں۔ ان کو ساكت کرنے کے لیے اور اسلام کی حنفیت کے لیے ان کے یسوع سچ کو گالیاں دی گئی ہیں۔ تم جانتے ہو کہ یہ لوگ کس بے باکی سے اسلام پر اعتراض کرتے ہیں، ان کا علاج یہ ہے۔ اگر عیسائیوں نے واسطہ پڑے، ان سے کوئی مطلب ہو تو قادریانی یسوع سچ کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ حتیٰ کہ اپنی نسبت یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یسوع کی روح مجھ میں موجود ہے اور میں یسوع کے نام پر دنیا میں آیا ہوں اگر یہ وقت وقت کی باتیں نہیں، تو اور کیا ہیں؟

جس چیز کو مفید سمجھا جاتا ہے، اس کو بیان کر دیا جاتا ہے، خواہ وہ ہمیں باقتوں کے صریح خالق و تھا قصہ ہی کیوں نہ ہو۔ قادریانی کہنی کے اس طرزِ عمل کی تائید خود ان کے الفاظ میں سنئے۔ خلیف قادریان "نصاری مبلغین" کے صفحہ 20 پر اپنے مبلغوں کو ہدایات دھتا ہوا لکھتا ہے:

”مبلغ کا فرض ہے کہ ایسا طریق اختیار نہ کرے کہ کوئی قوم اسے اپناؤں سمجھے۔

اگر یہ کسی ہندوؤں کے شہر میں جاتا ہے، تو یہ نہ ہو کہ وہ سمجھیں کہ ہمارا کوئی دشمن آیا

ہے بلکہ وہ یہ سمجھیں کہ ہمارا پنڈت ہے۔ اگر عیسائیوں کے ہاں جائے تو سمجھیں کہ

ہمارا پادری ہے۔ وہ اس (مبلغ) کے جانے پر ناراض نہ ہوں، بلکہ خوش ہوں۔ اگر

یا اپنے اندر ایسا رنگ پیدا کرے تو پھر غیر احمدی سمجھی تھمارے شہر میں جانے پر کسی

مولوی کو نہ بلا سئیں گے، نہ ہندو کسی پنڈت کو اور نہ عیسائی کسی پادری کو، بلکہ وہ

تمہارے ساتھ محبت سے پیش آئیں گے۔" ("نسخ مبلغین" صفحہ 20)

ان الفاظ سے قادریانی خلیفہ کا مطلب صاف اور واضح ہے، صریح الفاظ میں وقت وقت کی راستی
الاپنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ عجیب تر یہ کہ ایک طرف اس درجہ نزدی اور ملاطفت کی تعلیم اور دوسری طرف
ہندو اور عیسائیوں کو بے نقطہ گالیاں دی گئی ہیں۔ وجہ صرف یہ کہ ان گالیوں سے مقصود مسلمانوں کو اپنی کار
گزاری دکھا کر ان کی جیسوں کو خالی کرنا ہے۔ غرضیکہ اس کمپنی کا نام ہب "بامسلمان اللہ بالہ رام
رام" کا مصدقہ ہے، جس کا انہوں نے خود بھی اقرار کیا ہے۔

قادیانی عقائد

اتحاود و اتفاق کا وعظ

قادیانی جب کبھی نو تعلیم یافت یا ان اشخاص سے جو قادیانیوں کے عقائد سے ناواقف ہوتے ہیں،
ملتے ہیں تو انہی کے مذاق کے مطابق ہنگامہ شروع کرتے ہیں۔ ان کے وعظ کا شخص یہ ہوتا، کہ اسلام چاروں
طرف سے مصائب میں گمراہ ہوا ہے، مسلمانوں پر تزلزل و ادبار کا دور دورہ ہے۔ ان حالات میں جو لوگ
بائی گلیفربازی کا مشغل اختیار کرتے ہیں، دراصل وہی اسلام کے جانی دشمن ہیں۔ آج وقت یہ ہے کہ آپس
کے اختلاف کو بالائے طاق رکھا جائے، آپس میں کوئی جھگڑا نہ کیا جائے۔ ہر وہ شخص جو لا اله الا اللہ
محمد رسول اللہ کا قائل ہے۔ خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو، ایک دوسرے سے متحد ہو کر غیروں
کے مقابلہ میں بینہ پر ہو جائے۔ نکھل خیالی کو دور کر دیا جائے۔ غرضیکہ ایسی تقریر کریں گے جو ایک ناواقف
حال پر بھی اڑا لے کر یہ قادریانی اسلام اور مسلمانوں کے مصائب سے پوری پوری ہمدردی رکھتے ہیں اور
انہیں ان کی گلیف کا اس قدر احساس ہے کہ شاید رات کی نیند بھی ان پر حرام ہو چکی ہے۔

چونکہ قادیانیوں کا یہ ہنگمنڈ آج کل عام ہے کیونکہ ان کے خیال میں کالجوں کے تعلیم یافتہ لوگ
نمہب سے ناواقف ہوتے ہیں۔ وہ اپنے نمہب سے واقف نہیں تو ان کو قادیانیوں کے عقائد کا کیا علم ہو
گا؟ اس لیے قادریانی ان کی مجالس میں، اور مسائل کو چھوڑتے ہوئے بھی حرہ اختیار کرتے ہیں، جس سے
ان کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ مسلمان طالب علموں یا دوسرے ناواقف حال اصحاب کو ممتاز کر کے علماء اسلام سے
متفرگ کیا جائے اور ان کے ذہن نشین کیا جائے کہ فساد کے بانی بھی "مولوی" ہیں، جن کا مشغلہ باہی گلیفربازی
ہے۔ جب اس نفرت دلانے میں کامیابی ہوگی اور یہ لوگ اپنے علماء کے مواعظ حدث سے مستفید ہی نہ
ہوں گے تو ان کو آہستہ آہستہ اپنے رنگ پر لایا جائے گا اور قادریانیت کے پرچار میں بہت زیادہ آسانیاں ہو
جائیں گی۔

چونکہ قادریانی آج کل زیادہ تر اس حرబ کو استعمال کرتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ سب سے

پہلے ان کے عقائد کو نقل کر کے دکھایا جائے کہ اصل حقیقت کیا ہے؟ بخیر بازی کس کا مشظہ ہے؟ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والوں کوں دائرہ اسلام سے خارج ہاتا ہے؟ مسلمانوں کے بیچے نماز پڑھنا کون حرام سمجھتا ہے؟ مسلمانوں سے رشتہ و ناطہ ناجائز اور ان کے مضموم بچوں کا جائزہ تک پڑھنا کون حرام ہاتا ہے؟

ان کے، ان عقائد کی روشنی میں ہر شخص مجھ سے کہ ان کا اتحاد کا وعدہ کیا حقیقت رکھتا ہے، ان کا ہدروزانہ پیغمبر دراصل شاطر انہیں ہوتی ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ آج اتحاد کا کوئی دشمن ہے تو قادریاں، مسلمانوں کی مصائب پر خوشی منانے والا کوئی ہے تو قادریاں، مسلمانوں کو آپس میں لڑائی کرانے کی کوشش کرنے والا اگر کوئی ہے تو قادریاں، مسلمانوں کے خلاف اگر ایک کینہ تو جماعت پیدا کر رہا ہے تو قادریاں۔ ان عقائد کو قادریاں کے سامنے رکھئے اور مطالبہ کیجئے کہ کیا یہی آپ کے عقائد ہیں؟ بغیر کسی ہمچا بھی اور اگر مگر کے صاف الفاظ میں بتاؤ کیا تمہارے عقائد ہیں؟ اور کیا تم اس وقت تک ان پر رقم نہیں، اگر یہ درست ہے تو تم مسلمانوں سے کیا ہدروی ہو سکتی ہے اور تم اتحاد کے حابی کیوں گرہو سکتے ہو۔ تمہاری لفظی ہدروی اگر ہخن کرو فریب نہیں تو اور کیا ہے؟

مسلمانوں سے قطع تعلق

”تمیں دوسرے فرقوں کو جو دعوے اسلام کرتے ہیں، یعنی ترک کرنا پڑے گا۔“

(ماشیہ ”تغیرات“ صفحہ 27)

”غیر احمدیوں سے دینی امور میں الگ رہو۔“

(”نحو الحصل“ صفحہ 382)

تمام اہل اسلام کافر اور دائرہ اسلام سے خارج

”سوم یہ کہ کل مسلمان جو حضرت سعیج موجود کی بیت میں شامل نہیں ہوئے، خواہ انہوں نے حضرت سعیج موجود کا نام بھی نہیں سنائے۔ وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ میرے عقائد ہیں۔“

(”آنیہ صفات“ ج 30)

مسلمانوں کی اقداء میں نماز حرام

”ذائقی چاہتا ہے کہ یہ ایک جماعت پڑا کرے مگر جان لوجہ کر ان لوگوں میں گھٹا، جس سے وہ الگ کرنا چاہتا ہے، خدا الہی کی خلافت ہے۔ میں تم کو بتا کیوں منع کرتا ہوں کہ غیر احمدی کے بیچے نماز نہ پڑھو۔“ (”بیکیم“ ۲ فروری ۱۹۰۳ء)

”یاد رکھو کہ جیسا خدا نے مجھے اطلاع دی ہے، تمہارے پر حرام اور قطعی حرام ہے کہ کسی مکفر و مکذب یا متعدد کے پیچھے نماز پڑو۔“ (حاشیہ ”تحذیلزادیہ“ صفحہ 27)

کسی مسلمان کے پیچھے نماز جائز نہیں

”ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم غیر احمد یوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں کیونکہ وہ خدائے تعالیٰ کے ایک نبی (مرزا غلام احمد) کے مکفر ہیں۔ یہ دین کا معاملہ ہے، اس میں کسی کا اپنا اختیار نہیں کر سکھ کر سکے۔“ (”انوار خلافت“ 90)

جائز نہیں! جائز نہیں!! جائز نہیں!!!

”بہر سے لوگ بار بار پوچھتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ تم حقیقی دفعہ بھی پوچھو گے، آپ دفعہ میں یہی جواب دوں گا کہ غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھنی جائز نہیں! جائز نہیں!! جائز نہیں!!!“ (”انوار خلافت“ صفحہ 89)

مسلمانوں سے رشتہ و ناطہ حرام

ظیف الدین اکٹھا ہے کہ میرے پاپ سے:

”ایک شخص نے ہار بار پوچھا اور کتنی حکم کی مجبور یوں کو پیش کیا تھا ایک آپ نے اس کو سمجھی فرمایا کہ لڑکی بخانے رکھو یعنی غیر احمد یوں میں نہ دو۔ آپ کی وفات کے بعد اس نے غیر احمد یوں کو لڑکی دے دی تو حضرت ظیف الدین نے اس کو احمد یوں کی امامت سے ہٹا دیا اور جماعت سے خارج کر دیا اور اپنی خلافت کے چھ سالوں میں اس کی توبہ قبول نہ کی، باوجو دیکھو وہ بار بار توبہ کرتا رہا۔“

(”انوار خلافت“ ص 94)

مسلمانوں سے رشتہ و ناطہ جائز نہیں

”غیر احمد یوں کو لڑکی دینے سے بڑا انتصان ہوتا ہے اور علاوہ اس کے کہ وہ نکاح جائز نہیں۔ لڑکیاں چونکہ ملغا کمزور ہوتی ہیں، اس لیے وہ جس گھر میں بیانی جاتی ہیں، اس کے خیالات و اعتقادات کو اختیار کر لیتی ہیں اور اس اپنے دین کو جاہ کر لیتی ہیں۔“ (”برکات خلافت“ 73)

”حضرت سعیج موعود کا حکم اور زبردست حکم ہے کہ کوئی احمدی غیر احمدی کو لڑکی نہ دے۔“ (”برکات خلافت“ ص 75)

”جو شخص غیر احمدی کو رشتہ دیتا ہے وہ یقیناً سعیج موعود کو نہیں سمجھتا اور نہ یہ جانتا ہے

کے احمدیت کیا چیز ہے؟ کیا کوئی غیر احمدیوں میں ایسا بے دین ہے جو کسی ہندو یا
میسانی کو اپنی لڑکی دے۔ ان لوگوں کو تم کافر کہتے ہو، مگر تم سے اچھے رہے کہ کافر ہو
کر بھی کسی کافر کو لڑکی نہیں دیتے مگر تم احمدی کہلا کر کافر کو دیتے ہو۔“

(”ملائجہ اللہ“ ص 46)

مسلمانوں کی نماز جنازہ ناجائز

مرزا قادیانی کا اپنے فوت شدہ بیٹے سے سلوک

ظیفہ قادیانی اپنے باپ کے متعلق روایت کرتا ہے:

”آپ کا ایک بیٹا فوت ہو گیا، جو آپ کی زبانی طور پر تصدیق کرتا تھا۔ جب وہ
مرا تو مجھے یاد ہے آپ ٹھلتے جاتے اور فرماتے کہ اس نے کبھی شرات نہیں کی تھی
 بلکہ میرا فرماز و اعیار رہا۔ ایک دفعہ میں پیار ہوا اور شدت مرض میں مجھے ٹھش آ گیا۔
 جب مجھے ہوش آیا تو میں نے دیکھا کہ میرے پاس کھڑے نہایت درد سے رورہا
 ہے اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ بڑی عزت کرتا تھا۔ لیکن آپ نے اس کا جنازہ نہ
 پڑھا حالانکہ وہ اتنا فرمائنا دار تھا کہ بعض احمدی بھی اتنے نہ ہوں گے۔ محمدی نیکم
 کے متعلق جب جھکرا ہوا تو اس کی بیوی اور اس کے رشتہ دار بھی ان کے ساتھ شامل
 ہو گئے۔ حضرت صاحب نے ان کو فرمایا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔ اس نے
 طلاق لکھ کر حضرت صاحب کو سمجھی کہ آپ کی جس طرح مرثی ہے اسی طرح
 کریں۔ ہا وجود اس کے جب وہ مرا تو آپ نے اس کا جنازہ نہ پڑھا۔“

(”اور خلافت“ ص 91)

فرمائیدار بیٹے سے جس گروہ کے بانی کا یہ سلوک ہو، ایسے گروہ کی مسلمانوں سے جیسی ہمدردی ہو
 سکتی ہے، اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ سبھی ظیفہ قادیانی از خود ایک سوال پیدا کر کے اس کا جواب دیتا ہے۔
 ”غیر احمدی تو حضرت سعی موعود علیہ السلام کے مکفر ہوئے، اس لیے ان کا جنازہ
 نہیں پڑھنا چاہیے لیکن اگر کسی غیر احمدی کا چھوٹا بچہ مر جائے تو اس کا جنازہ کیوں
 نہ پڑھا جائے وہ تو سعی موعود علیہ السلام کا مکفر نہیں۔ میں یہ سوال کرنے والے
 سے پوچھتا ہوں کہ اگر یہ درست ہے تو پھر ہندوؤں اور میسانیوں کے بچوں کا
 جنازہ کیوں نہیں پڑھا جاتا؟“

(حوالہ ذکر)

کسی مسلمان کا جنازہ مت پڑھو

”قرآن شریف سے تو مسلمون ہوتا ہے کہ ایسا شخص جو بظاہر اسلام لے آیا ہے لیکن حقیقی طور پر اس کے دل کا کفر معلوم ہو گیا ہے، تو اس کا بھی جنازہ جائز نہیں۔
(نامسلم یہ حکم کہاں ہے) پھر غیر احمدی کا جنازہ پڑھنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔“

(”اور خلافت“ صفحہ ۹۲)

شعاۃ اللہ کی چیک

تیرہ سال گزر چکے مگر اس قدر عرصہ میں شعاۃ اسلامی کی چیک اور انتحائی (وہیں کی کوئی شخص جو اس کے مکار و مدینہ کی فضیلت، مسلم چیز ہے۔ قرآن پاک نے صاف الفاظ میں ان مقامات کی عزت و حرمت بیان فرمائی۔ مسلمانوں کی ان مقامات سے انتحائی محبت کا آج بھی یہ حال ہے کہ اطراف و اکناف عالم سے سیکھوں نہیں، ہزاروں بلکہ لاکھوں فرزندان توحید ان شعاۃ اسلامی کی زیارت اور فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے جاتے ہیں، کیونکہ خداوند کریم نے حج کو ایک واجب (وتفیق پر فرض) قرار دیا ہے اور صاف ارشاد فرمایا ہے کہ اس میں بے شمار برکتیں ہیں مگر قادیانی کمپنی کا سرگردہ اپنے حالات کا ان الفاظ میں اکھار کرتا ہے:

”قادیان تمام دنیا کی بستیوں کی ام (ام) ہے، ہیں جو قادیان سے تعلق نہیں
رکھے گا، وہ کانا جائے گا، تم ڈروکر تم میں سے نہ کوئی کانا جائے۔ پھر یہ تازہ دودھ
کب ٹک رہے گا۔ آخر ماوں کا دودھ بھی ٹوکرہ جایا کرتا ہے۔ کیا مکار مدینہ کی
چھاتیوں سے یہ دودھ سوکھ گیا کہ نہیں۔“ (”حقیقت الرؤیا“ صفحہ ۴۶)

سالانہ جلسہ دراصل قادریانوں کا حج ہے

غیفر قادریان لکھتا ہے:
”ہمارا سالانہ جلسہ ایک حرم کا غلیق حج ہے۔“

(”اغھل“ کتبہ دسمبر 1922ء)

اب حج کا مقام صرف قادریان ہے

”ہمارا جلسہ بھی حج کی طرح ہے۔ خدا تعالیٰ نے قادریان کو اس کام (حج) کے لیے
مقرر کیا ہے۔“

(اطلب از ”برکات خلافت“ صفحہ ۵)

مسلمانوں سے انتحائی و نفعی کے ثبوت میں حسب ذیل حوالہ جات ملاحظہ فرمائیے۔

مخالفین کو موت کے گھاث اتارنا

”انتقام لینے کا زمانہ۔ اب زمانہ بدلتا ہے۔ دیکھو پہلے جو سچ آیا تھا، اسے دشمنوں نے صلیب پر چڑھایا، مگر اب سچ اس لیے آیا کہ اپنے خالقین کو موت کے گھاث اتارے۔ حضرت سُعیٰ موسوٰ نے مجھے یوسف قرار دیا ہے، میں کہتا ہوں، مجھے یہ نام دینے کی کیا ضرورت تھی، میں کہ پہلے یوسف کی جو ہٹک کی گئی ہے، اس کا میرے ذریعہ ازالہ کر دیا جائے۔ پس وہ تو ایسا یوسف تھا، جسے بھائیوں نے مگر سے لکھا تھا مگر اس یوسف نے اپنے دشمن بھائیوں کو مگر سے نکال دیا۔ پس میرا مقابلہ آسان نہیں۔“ (”عرقان الٰہی“ صفحہ ۶۴)

مخالفین کو سولی پر لٹکانا

”خدا تعالیٰ نے آپ (مرزا غلام احمد) کا نام عیسیٰ رکھا ہے۔ تاکہ پہلے عیسیٰ کو تو یہودیوں نے سولی پر لٹکایا تھا مگر آپ زمانہ کے یہودی صفت لوگوں کو سولی پر لٹکائیں۔“ (”تقریر الٰہی“ صفحہ ۲۹)

وہ فوتحیم یافتہ اور قادریانیت کی حقیقت سے نادافع مسلمان، جو قادریانیوں کے پا پیگڑا سے متاثر ہو کر، ان کے معنوی کارناموں کو بنظر احتساب دیکھنا شروع کر دیتے ہیں یا وہ مسلمان اخبارات، جو اپنی مخصوص اغراض کے لیے قادریانیوں کا پروپگنڈا کرتے ہیں، ان کے تعلق طیف قادریان کا حسب ذیل ارشاد سنئے اور اندازہ کر جئے کہ جس گروہ کا یہ خیال ہو کہ جب تک ایک شخص بکی قاتلیٰ نہ ہو جائے، اس کا اعتبارہ کیا جائے بلکہ ساری دنیا کو اپنادشمن یقین کرنے کی تاکید کرے۔ ایسے گروہ کی مسلمانوں سے ہمدردی کی کیونکہ قوع کی جاسکتی ہے۔

”ساری دنیا ہماری دشمن ہے، بعض لوگ (مسلمان) جب ان کو ہم سے مطلب ہوتا ہے تو ہمیں شاباش کہتے ہیں جس سے بعض احمدی یہ خیال کر لیتے ہیں کہ وہ ہمارے دوست ہیں۔ حالانکہ جب تک ایک شخص خواہ وہ ہم سے کتنی ہمدردی کر سکوala ہو۔ پورے طور پر احمدی نہیں ہو جاتا، وہ ہمارا دشمن ہے۔ ہماری بھلائی کی صرف ایک صورت ہے وہ یہ کہ جماعت دنیا کو اپنادشمن سمجھیں تاکہ ان پر غالب آنے کی کوشش کریں۔ وکاری (قادریانی) کو کبھی غافل نہ ہونا چاہیے اور اس امر کا برابر خیال رکھنا چاہیے کہ وکار (مسلمان) بھاگ نہ جائے۔ یا ہم پر عیٰ حلمنہ کر دے۔“

(تقریر طیف قادریان، مندرجہ ”المفصل“ 25 اپریل 1930ء)

"تم اس وقت تک امن میں نہیں ہو سکتے، جب تک تمہاری اپنی بادشاہت نہ ہو۔
ہمارے لیے امن کی ایک ہی صورت ہے کہ دنیا پر غالب آ جائیں۔"

(خطبہ ظیف قادریانی، مندرجہ "الفضل" 25 اپریل 1930ء)

ان عقائد کی موجودگی میں قادیانیوں کو کیا حق ہے وہ اتحاد و اتفاق کا ڈھونگ رچا کر اپنی مخصوص اغراض، اپنی تبلیغ کا راستہ صاف کرنے کی کوشش کر کے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی سعی کریں، اس چیز کو اور زیادہ صاف اور اجلاؤ کرنے کے لیے ہم خلیفہ قادریان کے دو اقوال نقل کرتے ہیں:
"میں متفاہت کی صلح ہرگز پسند نہیں کرتا۔ ہاں جو صاف دل ہو کر اور اپنی غلطی چھوڑ کر صلح کے لیے آگے بڑھے ہیں، اس سے زیادہ اس کی طرف بڑھوں گا۔"

("برکات خلافت" ص 27)

"صلح اس وقت ہو سکتی ہے، جب کہ یا تو جو لیتا ہو، لے لیا جائے اور جو دیتا ہو، دے دیا جائے، کیونکہ یہ مخالف کی مخالف سے صلح ہے۔ بھائی بھائی کی صلح نہیں اور یا پھر وہ زہر جو پھیلایا گیا ہو، اس کا ازالہ کر دیا جائے۔"

("مرقاۃ اللہی" صفحہ 84)

ہر دو حوالہ جات اس امر کے ثبوت کے لیے کافی ہیں کہ خود خلیفہ قادریان کے نزدیک صلح کا بہترین اصول کیا ہے۔ ان اقوال کی وضاحت کے لیے اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ صلح کے یہ اصول خلیفہ قادریان نے کیوں بیان کیے۔

مرزاںی جماعت دو پارٹیوں میں منقسم ہے (پارٹیاں تو بہت ہیں اور ان میں کئی انگیاء بھی پیدا ہو چکے ہیں مگر قابل ذکر ہیں دو ہیں) ایک قادریانی، ایک لاہوری۔ لاہوری جماعت نے ایک مرتبہ اس خواہش کا انکھار کیا کہ معمولی اختلاف سے قطع نظر کرتے ہوئے ہمیں آپس میں تحد ہونا چاہیے۔ یہ بات تھی بھی محقق۔ کیونکہ لاہوری جماعت مرزا کی تمام کتب پر ایمان رکھتی ہے۔ اس کے تمام دعاوی کو تعلیم کرتی ہوئی اسے تصحیح موعود اور مهدی موعود قرار دیتی ہے، ظاہر ہے کہ صرف مسئلہ ثبوت کو چھوڑ کر باقی تمام امور میں ایک جماعت کا تحد ہونا۔ صلح کے راستہ کو کس قدر قریب کرنے کا سوجب ہو سکتا ہے، مگر خلیفہ قادریان ان لوگوں کی صلح کو مخالف کی مخالف سے صلح بتاتا ہوا یہ شرط عائد کرتا ہے کہ صلح بھی ہو سکتی ہے جبکہ جو لیتا ہو، لے لیا جائے اور جو دیتا ہو، دے دیا جائے۔ یعنی وہ زہر جو پھیلایا گیا ہو، اسے دور کیا جائے۔ مگر کیا یہ امر سوجب حرمت نہیں کہ جب قادریانی اس جماعت سے جو مرزا کو تصحیح موعود مانتی ہے، صلح کے لیے اس وقت تک تیار نہیں ہوتا، جب تک کہ وہ اپنے پھیلائے ہوئے زہر کو دور نہ کرے، تو کیا مسلمان ہی ایسے سادے رہ گئے ہیں جو قادریانی کہنی سے یہ مطالبہ کریں گے، بھاری تم سے صلح اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ تم اس زہر کو دور کرو۔

جو تم اپنے اقوال و اعمال سے پھیلا چکے ہو۔ ایک طرف تم مسلمانوں سے بائیکات کی تحقیق کرتے جاؤ، انھی دائرہ اسلام سے خارج ہتا، ان کا یا ان کے مضمون پر تک کا جائزہ حرام سمجھو گیں ساتھ مساحہ اتحاد کی بھی دعوت دیے جاؤ۔ ہم تمہارے ہی اقوال کو دہراتے ہوئے تھیں یہ جواب دینے کا حق رکھتے ہیں کہ ہمارا تمہارا اتحاد خواہ وہ کسی معاملہ میں ہو، اس وقت تک ناممکن ہے، جب تک تم علانية اپنے ان شائع کردہ اعتقادات کو واہیں لینے کا اعلان نہ کر دو۔ ورنہ ہمیں یہ کہنے کا حق ہے کہ اتحاد و اتفاق کا وعدہ ہمیں ایک چال ہے جو مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے چلی جا رہی ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

بعض نوادرت لوگ کہا کرتے ہیں کہ ہمیں قادیانیوں کے عقائد سے کوئی واسطہ نہیں۔ ان کے خیالات سے ہمیں کوئی تعلق نہیں۔ ہمارا یہ اخلاقی فرض ہے کہ ہم اچھی بات کو اچھی کہیں۔ اگر قادیانی ایک اچھا کام کرتے ہیں تو ہم اسے اچھا کہیں، اگر وہ ایک نیک کام کی دعوت دیں تو ہمیں اس میں شریک ہوں گا چاہیے۔ مثلاً قادیانی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جلد کرتے ہیں تو ہمیں اس نیک کام میں شال ہوں گا چاہیے۔ اس خیال کی ترویج میں ہم اپنی طرف سے نہیں بلکہ خود خلیفہ قادیان کا وہ جواب تقلیل کرتے ہیں، جو اس نے اس موقعہ پر، جب کہ اس کے سامنے لاہوری جماعت سے صلح کے سوال پر اس کے ایک مرید کے، اسی حرم کے شبہ کے جواب میں دیا اور یہ جواب اس شبہ کے ازالہ کے لیے اس قدر کافی ہے کہ اس کی موجودگی میں کسی اور جواب کی ضرورت نہیں۔ سننے خلیفہ قادیان ارشاد فرماتے ہیں:

”یہ ایک مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت معاویہ کی مسیح کی نماز وہ کی۔ اس پر وہ اٹھ کر اتنا روئے کہ روئے روئے شام ہو گئی اور اس گریبہ وزاری ہی حالت میں سو گئے۔ مسیح ابھی اذان بھی نہ ہوئی تھی کہ انہوں نے رکیا میں دیکھا ایک آدمی کہہ رہا ہے انہوں نماز پڑھو۔ آپ نے دریافت کیا ”تم کون ہو؟“ اس نے کہا ”میں اٹھیں ہوں۔“ آپ نے کہا ”تم اور نماز کے لیے جگاؤ۔“ اٹھیں نے جواب دیا ”کل مجھ سے غلطی ہو گئی جو میں نے تم کو سلانے رکھا، جس پر تم اس قدر روئے کہ خدا نے کہا کر اسے ستر نمازوں کا توبہ دو۔ آج میں اس لیے جگانے آیا ہوں کہ تھیں ایک نماز کا توبہ ملے، ستر کانہ ملے۔“ تو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو چیز اچھی نظر آتی ہے وہ درحقیقت اپنے اندر برائی کا حق رکھتی ہے۔“ (”عرقان الہی“ صفحہ 83)

دیکھئے، خلیفہ قادیانی کس صفائی سے اس امر کا اظہار کرتا ہے کہ نماز جیسے نیک کام کے لیے شیطان کا حضرت معاویہ کو جگانا نیک عمل شمار نہیں ہو سکتا۔
اس حوالہ کی موجودگی میں ہر مسلمان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قادیانیوں سے ان کی منافقانہ

دھوت اتحاد کا یہ قطعی جواب دے سکے کہ تمہارا یہ اتحاد کا وعظ اور سیرت جلوں وغیرہ میں شرکت کی دھوت اپنی اغراض مخصوصہ کے لیے ہے، درنہ مسلمانوں سے حصیں قطعاً کوئی ہمدردی نہیں اور نہ ہو سکتی ہے کیونکہ تمہارے عقائد حصیں مجبور کرتے ہیں کہ تمام مسلمانوں سے دشمنی رکھو۔ اگر تمہارے قلب میں مقابلی ہے تو آڑاپنی نیک نبی کا ثبوت یوں دو کہ اپنے ان تمام تفرق اگلیز، اتحاد مکن عقائد سے بیزاری کا اعلان کر دو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توبین

چونکہ قادری کمپنی کو معلوم ہے کہ مسلمان اپنے بیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توبین برداشت نہیں کر سکتے اور ان کی کوئی تبلیغ قطعاً مورث نہیں ہو سکتی جب تک وہ مسلمانوں کو یہ یقین نہ دلاںیں کہ اُنھیں سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان ہے۔ اس لیے قادری کمپنی اپنی غیر معمولی لفاظی سے مسلمانوں پر یہ اڑاٹنے کی کوشش کرتی رہتی ہے کہ اُنھیں بھی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان ہے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے سیرت النبی کے جلوں کا بھی ذہونگ رچایا تھا گر مسلمان بھی حقیقت الامر سے واقف ہیں۔ قادری کمپنی کی تحریرات ان کے سامنے ہیں، جن کی موجودگی میں اس امر کو باور کرنے کی کوئی وجہ باتی نہیں رہتی کہ قادری کمپنی کو آقائے دو جہاں پر ذرہ بھر بھی ایمان ہے۔ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ قادری کمپنی کا مقصد نہب کے پردہ میں تجارت کرتا ہے، جس کے حصول کے لیے وہ ایک نئے نہب کی بنیاد ڈال رہے ہیں، لیکن یہ جانتے ہوئے کہ مسلمانوں سے اپنے نئے معتقدات کا یکدم منواٹ مشکل ہے، وہ نہایت گھبڑی چالوں سے اپنے دلی اعتقادات کی اشاعت کر رہے ہیں۔ ذیل کے حوالہ جات اس بات کا مبنی ثبوت ہوں گے کہ قادری کمپنی کا مقصد وحدی، مسلمانوں کے دلوں سے آقائے نامارکی عزت کو کم کرنا اور اپنے مرزا کی ثبوت کا پرچار کرنا ہے اور ان کی دلی خواہش ہے کہ (معاذ اللہ) مسلمان اپنے بیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منہ موز کر قادری نبتوں کا رخ کریں اور اس چیز کو اپنے لے سرمایہ نجات بھیں۔

قبل اس کے کہ ہم قادری کمپنی کے دلی معتقدات کو خود ان کے الفاظ میں نقل کریں، ہم ایک شبکا از الہ بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ قادری اپنے مرزا کے بعض ان اقوال کو پیش کر کے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کیا کرتے ہیں، جن میں مرزا قادری نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا اظہار کیا ہے۔ یہ درست ہے کہ مرزا قادری نے اپنی بعض کتب میں سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق و محبت کا اظہار کیا ہے گر اس کی وجہ یہ نہیں کہ اسے فی الواقعہ کوئی محبت ہے، کوئی ذرہ بھر بھی تعلق ہے بلکہ اس کا سبب صرف اور صرف یہ ہے کہ ناواقف حال مسلمانوں کو اپنے دام تزویری میں لانے کا ذریعہ یہ یہ سمجھا گیا ہے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عشق کا اظہار کیا جائے۔

احباب کرام کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ جب کبھی قادری، مرزا کا کوئی قول ایسا پیش کریں، جس

میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا اظہار کیا گیا ہو، تو فوراً اس کے اقوال پیش کر کے یہ مطالبہ کرنا چاہیے کہ ان اقوال کی یا تشرع ہے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توبین کی تھی ہے۔ اگر تم یہ حلیم بھی کر لیں کہ جو اقوالِ مرتضیٰ کر رہے ہو، ان میں فی الواقع آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا اظہار ہے، تب بھی اس کے پامثال حسب ذیل اقوال کی موجودگی میں تھیں، اس چیز کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ اور کچھ نہیں تو دورگی ضرور ہے، یہ باتاں میں تصادم ہے۔ پھر تم یہ بتاؤ کہ ہم اس شخص کے کسی قول کو قابل اعتکاف کیوں سمجھیں، جس کے بیانات میں زمین و آسمان کا فرق موجود ہو۔

یہ جواب اس صورت میں ہے جبکہ ہم مرزا کے ان اقوال کو صحیح فرض کر لیں، جن میں آقائے نامدار سے محبت کا اظہار کیا گیا ہے، ورنہ ہمارا اصل مقصود یہ ثابت کرنا ہو گا کہ مرزا قادریانی کا مقصد وحید آہستہ آہستہ ترتیب دار اپنے نئے نہب کی اشاعت کے لیے اپنے معتقدات کی اشاعت ہے۔ مرزا نے پہلے حضرت صلی اللہ علیہ السلام کو آسمان پر زندہ حلیم کیا اور 12 سال تک اسی عقیدہ پر قائم رہا۔ جب اس نے مریدوں کی ایک معمولی تعداد پیدا کر لی تو وفاتِ سُجَّ کا پرچار شروع کر دیا، مگر اس خوف سے کہ مسلمان بدک نہ جائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انتہائی عشق کا اظہار شروع کر دیا۔ (قادریانی جو اقوالِ مرزا آنحضرت کے عشق و محبت کے ثبوت میں پیش کیا کرتے ہیں، وہ عموماً اسی زمانے کے ہیں) اور صاف الفاظ میں کہا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہر ہم کی نبوت بند ہے۔ نبوت کا دعویٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دشمنی کا مترادف ہے۔ آنحضرت کے بعد مدّی نبوت کافر ہے۔ چند سال اسی چیز کا اعلان ہوتا رہا اور آخر کار 1901ء میں نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ غرضیکہ حسب ذیل اقوال سے ہم واقعات کی روشنی میں یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ مرزا کے وہ اقوال جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا اظہار کیا گیا، کچھ وقت نہیں رکھتے کیونکہ جس کے دل میں سردار و جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذرہ بھر بھی محبت موجود ہو، وہ اپنی زبان یا قلم سے ان خیالات کا اظہار نہیں کر سکتا جو ہمارے پیش کردہ حوالہ جات میں بیان کیے گئے ہیں۔

اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لیے ہم پہلے موجودہ قادریانی خلیفہ (جو مرزا قادریانی کا بیٹا ہے) کے اقوال درج کرتے ہیں جو اپنے باپ کے دلی خیالات کی ترجیحانی کماحت کر رہا ہے، کیونکہ باپ تو اپنی تبلیغ کے لیے زمین کو ہمارا کرنے کا یہ فرض سرانجام دیتا رہا۔ قادریانی خلیفہ کے نزدیک اب وہ کام ہو چکا ہے، اس لیے وہ جن خیالات کی اشاعت کر رہا ہے، وہی اب قابل توجہ چڑھے۔

رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی (نعواز باللہ) روح موجود نہیں

”دنیا میں نماز تھی مگر نماز کی روح نہ تھی، دنیا میں روزہ تھا مگر روزہ کی روح نہیں تھی،
دنیا میں زکوٰۃ تھی مگر زکوٰۃ کی روح نہ تھی، دنیا میں حج تھا مگر حج کی روح نہ تھی، دنیا

میں اسلام تھا مگر اسلام کی روح نہ تھی، دنیا میں قرآن تھا مگر قرآن کی روح نہ تھی اور اگر حقیقت پر غور کرو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی موجود تھے مگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح موجود نہ تھی۔“

(خطبہ غلیظ قادریان، مرتبہ ”الفصل“ ۱۱، مارچ ۱۹۳۰ء)

مرزا قادریانی (معاذ اللہ) سردار دو جہاں سے افضل ہے

”حضرت سعیج مسعود علیہ السلام کا وفاتی ارتقاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ تھا۔ اس زمانہ میں تدقیقی ترقی زیادہ ہوئی ہے اور یہ جزوی فضیلت ہے جو حضرت مسعود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاصل ہے۔“

(”قادیریانی روپیو“ بابت ماہ مگی ۱۹۲۹ء)

مذکورہ بالا ہر دو حوالہ جات کی تعریج و توضیح کے محتاج نہیں، جس طریق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہی استعداد کی کمی اور مرزا کی فضیلت کا انکھار کیا گیا، وہ آپ حضرات کے سامنے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح کی عدم موجودگی بیان کر کے جس توبین کا ارتکاب کیا گیا ہے، وہ بھی اس کمی کا حصہ ہے۔

اب ذیل کے دو حوالہ طاہظہ فرمائیے اور اندازہ کیجئے کہ اس کمی کے دلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کس درجہ محبت موجود ہے۔

”آپ کی طاقت کا یہ حال تھا کہ آپ نے باوجوہ عمر کے اخطاٹ کے سن کھولت میں متعدد شادیاں کیں۔ حتیٰ کہ آخری عمر میں آپ کے ازواج مطہرات کی تعداد نو تک پہنچ گئی، مگر اس سے بھی بڑھ کر حیران کن یہ بات ہے کہ حدیثوں میں آیا ہے کہ بعض مرتبہ آپ ایک ہی رات میں اپنی ساری بیویوں کے پاس سے ہو آتے تھے۔ پھر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ آپ مفک و عبر یا تقویات و حرکات کا استعمال نہیں کرتے تھے۔“

(”الفصل“ نامہ انہیں نمبر ۰۳، ۱۹۳۰ء)

اس حوالہ کے الفاظ پر غور فرمائیے۔ آہا قادریانی کمی اپنے اخبار کا خاتم انہیں نمبر شائع کرتی ہے اور مسلمانوں کو یہ حکم دینے کی کوشش کرتی ہے کہ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہے۔ اس نمبر کا نام ایسا رکھا جاتا ہے جو مسلمان پا آسانی و حکم کما سکیں مگر اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل بیان کرنے کے بہانہ وہ ناپاک حملہ کیا جاتا ہے جو ایک ہندو یا میسائی بھی نہیں کر سکتا۔ غضور۔۔۔ سلام کی جسمانی قوت بیان کرنے کے بہانہ کیا بات کمی گئی ہے، اس پر غور فرمائیے۔

دوستی کے پرده میں انتہائی دشمنی اسی چیز کا نام ہے۔ مسلمان تو اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ آپ کا ہر لمحہ حیات مخلوق خدا کے لیے اسہوے حسن ہے اور آپ نے اپنی ازواج کے حقوق بھی ادا کیے، مگر قادریٰ کمپنی اس کی پورے زور سے تزوید کرتی ہوئی یہ کہتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (معاذ اللہ) یہ غلط فرمایا ہے کہ انہوں نے اپنی ازواج کے حقوق برابر ادا کیے اور حضور کا سلوک اپنی ہر بیوی سے کیساں تھا اور حضور باری باری ہر بیوی کے ہاں رہتے تھے۔

ان واقعات کو بیان کرنے کا اصل فنا کیا ہے؟ اور قادریٰ کمپنی کن گمراہ کن خیالات کو پھیلانا چاہتی ہے؟ اور اپنے کن ناپاک افعال پر پرده ڈالنے کے لیے ان باتوں کی اشاعت کرتی ہے، یہ ایک عیلمہ طویل باب ہے جس کی یہاں مختصر نہیں۔

بہر کیف اس قول میں جس توہین کا ارتکاب کیا گیا ہے اسے ملاحظہ فرمائیے۔

دوسرا حوالہ ملاحظہ فرمائیے:

”یہ بالکل صحیح بات ہے کہ ہر شخص ترقی کر سکتا ہے اور بڑے سے بڑا درجہ پا سکتا ہے حتیٰ کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی بڑھ سکتا ہے۔“

(ڈاکٹر خلیفہ قادریان، مطبوعہ اخبار ”الفصل“ ۱۷ جولائی ۱۹۲۲ء)

اس حوالہ میں جس خیال کا اظہار کیا گیا ہے، وہ بالکل عیاں ہے۔ مقدمہ صرف یہ ہے کہ یہ خیال پیدا کیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی کوئی شخص بڑھ سکتا ہے۔ جب یہ خیال پیدا ہو جائے گا تو یہ عقیدہ با آسانی منوایا جا سکتا ہے کہ مرزا قادریٰ (معاذ اللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر ہے اور اس کا درجہ درجہ بڑھنے سے زیادہ ہے۔

اور سنئے کہ کن الفاظ میں مرزا کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برادر بتایا گیا ہے۔

”ظللی نبوت نے سچ موعود کے قدم کو پیچھے نہیں بھایا بلکہ آگے بڑھایا اور اس قدر

آگے بڑھایا کہ نبی کریم کے پہلو پہلو لا کر کھڑا کیا۔“ (”کلر حق“ صفحہ 113)

کیا ان حوالہ جات کی موجودگی میں کوئی قادریٰ یہ کہہ سکتا ہے کہ ان کے دلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذرہ بھر بھی محبت موجود ہے اور سنئے:

”میر ایمان ہے کہ حضرت سچ موعود اس قدر رسول کریم کے نقش قدم پر چلے کر وہی ہو گئے، لیکن کیا شاگرد اور استاد کا ایک مرتبہ ہو سکتا ہے۔ گوشائی علم کے لحاظ سے استاد کے برادر بھی ہو جائے۔ ہاں یہ بھی کہتے ہیں کہ جو کچھ رسول کریم کے ذریعہ سے ظاہر ہوا، وہی سچ موعود نے بھی دکھایا۔ اس لحاظ سے برادر بھی کہا جا سکتا ہے۔“

آپ نے دیکھا کہ کس طریق سے برائی کا دوستی کیا جا رہا ہے اور اپنی جبوثی محبت کے انہمار کے لئے "شاگردی" کا لفظ استعمال کر کے ایک صحیح ایجاد کی گئی ہے مگر معابد برائی کا دوستی بھی موجود ہے۔ "شاگردی" کا لفظ استعمال کر کے گراہ کن خیالات کی اشاعت کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیے۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شاگروں میں سے علاوہ بہت سے محدثوں کے ایک نے نبوت کا وجہ پایا اور نہ صرف یہ کہ نبی ﷺ نا بلکہ مطابع کے کمالات کوٹھی طور پر حاصل کر کے بعض اولو المحرم نبیوں سے بھی آگئے کلیں گیا۔"

("حقیقت المعرفہ" ص 257)

دیکھئے "شاگردی" کے لفظ سے "بعض اولو المحرم نبیوں" سے بھی آگئے کلیں جانے کے خیال کو کس رنگ میں بیان کیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کے انہمار کے پرداہ میں کچھ انحصار علیہم السلام کی توجیہ کی گئی ہے۔

کیا ان حالات کی موجودگی میں کوئی عمل مندی یہ باور کر سکتا ہے کہ قادیانی گروہ کے دلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا کوئی ذرہ موجود ہے؟ کیا اس کمی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ مسلمانوں کو سیرت کے جلوں میں شمولیت کی دعوت دیں اور اپنے اخبار کا خاتم انہیں نہ رشائخ کریں۔

خلیفہ قادیانی قل راجپال کے واقعہ پر انہمار خیال فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"قل راجپال محض نہیں دیا گئی کانتیج ہے۔ جو لوگ قانون کو ہاتھ میں لیتے ہیں وہ بھی حرم ہیں اور جوان کی پیٹھے ٹھوکتا ہے، وہ بھی قانون کا دشمن ہے۔ جو لینڈران کی پیٹھے ٹھوکتے ہیں، وہ خود حرم ہیں۔ قل دُوا کو ہیں، جو لوگ توجیہ انہیں انجام دے کرنا چاہیے اور ان کو دبانا چاہیے۔ یہ کہنا کہ محمد رسول اللہ کی عزت کے لیے قل کرنا جائز ہے، نادانی ہے۔ انہیں کی عزت کی حافظت قانون ٹھنی سے نہیں ہو سکتی۔"

(خطبہ جمع خلیفہ قادیانی، مدرسہ "الفضل" قادیان، ۱۹ اپریل ۱۹۲۹ء)

اپنے پرچہ میں آپ اپنے انہماں کا انہمار کرتے ہوئے علم الدین کو دوستی عناتے ہیں۔

"اس (علم الدین) کا سب سے بڑا خیر خواہ ویسی ہو سکتا ہے، جو اس کے پاس جائے اور اسے سمجھائے کہ دنیاوی سزا تو حصیں ملے گی ہی، لیکن قبل اس کے کہ وہ ملے حصیں چاہیے خدا سے صلح کر لو..... قبر کرو، گریب زادی کرو، خدا کے حضور گزر گزاو۔ یہ احساس ہے جو اگر اس کے اندر بیدا ہو جائے تو وہ خدا کی سزا سے بچتا ہے اور اصل سزا واقع ہے۔" (حوالہ ذکر)

ہماری اس وقت بحث نفس فعل پر نہیں بلکہ ہمیں قادیانی کمپنی کی درگی ملتا ہے۔ اس جگہ یہ وعدہ یہ تقدیس مگر اس کے بعد کے حوالہ جات میں گے کہ خلیفہ قادیانی اپنی عزت کی حفاظت کے لیے کیا کرتا ہے اور ایک قائل کو بھیجنے ملتا ہے۔ بہر کیف باپ نے مسلمانوں کے میموریل کی تھافت کی اور اس کتاب کی ضبطی کے مطالبہ کو شتاب کاری ملتا ہے۔ میئنے نے میان علم الدین شہید کے متعلق جن خیالات کا انکھار کیا، آپ نے ملاحظہ فرمایا یہ تو تصویر کا ایک رخ ہوا، اب دوسرا رخ ملاحظہ فرمائیے۔

خلیفہ قادیانی اور ”مبہلہ“

اخبار ”مبہلہ“ دسمبر 1928ء میں قادیانی سے شائع ہوا۔ قادیانی کمپنی اور اس کے لیڈر کے اندر ورنی رازوں کو طشت از بام کرنا شروع کیا اور قادیانیوں کے مسلم اصول ”مبہلہ“ (خداؤند کریم) کے حضور و فریقوں کا بالقابل بدعما کرنا) کے مطابق خلیفہ قادیانی سے مطالبہ کیا کہ اگر ”مبہلہ“ کے بیان کردہ حقائق درست نہیں تو آدمیدان مبلہ میں نکلو اور اپنی روحاں نیت کا ثبوت دینے کے لیے خداوند کریم سے فیصلہ کی دعا کرو۔

قادیانی کمپنی نے ”مبہلہ“ کے مفہامیں کو خلیفہ قادیانی کی توجیہ ملتا ہے۔ جب ماہ جون 1929ء کا پرچہ شائع ہوا تو قادیانی خلیفہ اور اس کے حواریوں نے اشتغال ظاہر کر کے ”مبہلہ“ پر دفعہ 144 کا نفاذ کر دیا۔ اس کے بعد جب جنوری فروری 1930ء کا پرچہ شائع ہوا تو خلیفہ قادیانی کی خوش قسمی سے قادیان میں تھانے قائم ہو چکا تھا اور خلیفہ قادیانی کو اپنے ولی ارمان پورے کرنے کا موقع مل گیا۔ دن دہاڑے اُسیں نہایت بے دردی سے چیٹا گیا۔ کارکنان ”مبہلہ“ کے قتل کی سازش ہوئی۔ بر وقت اطلاع ہونے پر انہوں نے اپنا مکان چھوڑ دیا مگر قادیانی سے نہ لٹکے۔ آخر کار اسپکٹر پولیس نے دھوکہ دیا کہ پر شنڈہنٹ پولیس نے اُسیں گورا سپور بیا ہے۔ جب یہ لوگ گورا سپور کے تو انہیں بتایا گیا کہ اب تم قادیان نہیں جاسکتے، اگر تم جاؤ گے تو پولیس تمہاری جانوں کی حفاظت کا ذریعہ نہیں لے سکتے۔

جب قادیانیوں کو یہ علم ہوا کہ اب یہ لوگ قادیان نہیں آسکتے تو انہوں نے کارکنان مبلہ کے مکاہات نذر آتش کر دیے۔ پولیس نے کارکنان مبلہ پر مقدمہ دائر کر دیا جو دو سال زیر سماعت رہا۔ انہیں دنوں قتل کی واردات بھی ہوئی۔ ایک کرایہ دار قائل مہیا کر کے حاجی محمد حسین صاحب شہید کو قتل کر دیا گیا۔ بعده پر قاتلانہ وار ہوا۔ قصہ مختصر یہ کہ قادیانی کمپنی نے ”مبہلہ“ کے مفہامیں کو خلیفہ قادیانی کی ہٹک اور توہین قرار دیا۔ دیکھنا یہ ہے کہ کیا اس توہین پر قادیانی خلیفہ نے خاموشی اختیار کی؟ اس کے لیے ہم ذیل میں خلیفہ قادیانی کے وہ اقوال جو اس نے خود اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمائے یا اپنے آرکن ”الفضل“ سے لکھوائے، درج کرتے ہیں۔ ان اقوال کو ملاحظہ فرمائیے اور اندازہ بکھجئے کہ قادیانیوں کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرتبہ زیادہ ہے یا خلیفہ قادیانی کا۔ عشق رسول کے دعویٰ کی حقیقت ظاہر کرنے کے لیے بھی چیز کافی ہوگی۔

"یہ سوال (مببلہ والوں کا خاتمہ۔ ناقل) ایک فرد (خلیفہ) کا سوال نہیں بلکہ جماعت کی عزت اور خلافت کے درجے کے وقار کا سوال ہے۔ جس یا تو جماعت اپنے اس حق کو چھوڑ کر بھیٹ کے لیے اس تذلیل پر خوش ہو جائے یا پھر تیار ہو جائے کہ خواہ کوئی قربانی (تقل وغیرہ) کرنی پڑے اس حق کو لے کر رہے گی۔ اگر گورنمنٹ اس موقعہ پر خاموش رہے گی تو ہم مجیدر ہوں گے کہ یہ سمجھ لیں کہ چونکہ ایسے موقعہ پر لوگ تکوار بھی اٹھا لیتے ہیں۔ آغا خان نو سے بعض لوگ باقی ہو گئے تو خخت خوزیری ہوئی، باغیوں کو جان سے مار دیا جاتا اور ہر مرنے والے کے سینے سے ایک خط مٹا جس میں لکھا ہوتا کہ یہ ہے بقاوت کا نتیجہ۔ اسی طرح بوجہوں میں بھی فسادات ہوئے۔" (یہ الفاظ خلیفہ قادیانی کے ہیں)

("الفضل" 11 اپریل 1930ء)

"اگر ضرورت محسوس کی تو ہمارا چھوٹا، بڑا، جوان، مرد، عورت جو کر سکتیں گے اس سے دربغ نہ کریں گے۔ اگر جماعت سوسائٹی میں باوقار رہنا چاہتی ہے تو اس سوال (مببلہ کی سرکوبی، ناقل) کو ہر ایک جماعت کو خواہ اپنے ہاتھ میں لیتا چاہیے۔"

(حوالہ مکروہ)

"ہماری جماعت ہر قربانی کر کے اپنا حق (عزت خلیفہ۔ ناقل) لے کر رہے گی۔ میری ہر ہی جماعت کی ہر ہی کے، اس لیے اس کا حق تھا کہ وہ بولتی۔ ایک مرجب جو شیلے احمدیوں نے ایک کاشیبل کا مقابلہ کیا۔ میں نے اس وقت کہا کہ بہت غیب کیا بلکہ اس کو اتنا ہرنا چاہیے تھا کہ وہ معافی معاگلتا۔"

(حوالہ مکروہ)

"دنیا میں اسکی کوئی مثال نہیں ملتی کہ خدا اور اس کے فرستادوں پر صدق دل سے ایمان لانے والوں نے ان کے اور ان کے جانشینوں اور محتلقین کے پیشے کی جگہ خون بہانا اور ان کی عزت و حرمت کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا ہا سعادت دارین نہ سمجھا ہو۔"

"جماعت احمدیہ کا ہر فرد جہاں یہ اقرار کرتا ہے کہ آپ کی تعلیم کے مقابلہ میں ساری دنیا کی کوئی پرواہ نہیں کرے گا، وہاں یہ بھی عهد کرتا ہے کہ آپ کی حرمت اور تقدس کے لیے اپنی جان بھی دینا پڑے گی تو دربغ نہیں کرے گا۔ اگر دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی ظالم اور جنا جو طاقت بھی اس کے عهد کا اتحان لیتا چاہے گی تو

احمدی کہلانے والا کوئی انسان بھی اس سے منزہ مہوزے گا اور مردانہ وار خوف و خطر کے مندر کو عبور کر جائے گا، خواہ اسے اپنے خون میں سے تیر کر جانا پڑے، خواہ غازی بن کر سلامتی کے کنارے پہنچنے کی سعادت حاصل ہو۔“

”ہمارے اندر عزت کا وہ مادہ موجود ہے جو ذات کے مقابلہ میں صوت کو ترجیح دیتا ہے، اب محالہ (مبلہ) آب از سرگزشت والا ہو گیا ہے۔“ (ذکرہ حالت دیکھئے) ”جماعت اپنے اندر پوری پوری فیرت رکھتی ہے۔ اب نماج کی ذمہ دار حکومت ہو گی۔ ہم اپنی حفاظت خود کریں گے۔ ہم ہر قربانی کے لیے تیار ہیں۔“

(”اختل“ 18 اپریل 1930ء)

”ہم ایسے قانون کی روح کو کھل دیں گے جو ہماری عزت کی حفاظت نہیں کرتا۔“

(حوالہ ذکرہ)

”ہم ناپاک اور گندی آوازیں زیادہ دیریکھ نہیں سن سکتے، ہم اپنی حفاظت آپ کریں گے۔ جو شخص اپنی حفاظت آپ نہیں کر سکتا وہ زیادہ دیریکھ نہیں رہ سکتا۔ تم اپنے دلوں سے خوف دور کرو اور اگر قانون ہماری حفاظت نہ کر سکتا تو ہم خود کریں گے اور اس ہاتھ لہو زبان کو روک دیں گے۔ جو ہماری عزت پر حلہ کرتا ہے۔“

(”اختل“ 18 اپریل 1930ء)

”جو قوم عبداللطیف نعمت اللہ خان (قادیانی مبلغ) چیزے بہادر شہید یادا کر سکتی ہے وہ بھی اپنی بے عزتی برداشت نہ کرے گی اور اپنے مقدس امام کی تھیف سے خیف ہٹک برداشت نہ کرے گی اور جان و مال ہٹک قریان کر دے گی۔ بد انسی، خوزیری کی ذمہ دار حکومت ہو گی۔ اگر کوئی ناگوار حادثہ رونما ہوا تو اس کی ذمہ داری بھی حکومت پر ہو گی۔“ (”اختل“ 15-23 اپریل 1930ء)

ان تحریروں میں کس دفعہ اشتعال ہے اور اپنے مریدوں کو غیرت دلانے کے لیے کیا کچھ کہا گیا ہے، اس کے ثبوت میں بغیر کسی حاشیہ آرائی کے ان کی یہ تحریروں ہی کافی ہیں۔ ہمیں اس سے بحث نہیں کر اس اشتعال اگنیزی کا کیا تجھہ ہوا اور اس اشتعال اگنیزی پر حکومت نے غلیقہ قادیان سے کوئی نوٹس لیا یا نہ لیا۔ ہمارا حصہ صرف یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضور کی ازدواج طہرات پر ناپاک محلوں سے بھرپور کتاب شائع ہوتی ہے تو مسلمانوں کے میوریں کی بھی حفاظت ہوتی ہے مگر غلیقہ قادیان کی بقول قادیانی کہنی کی ہٹک ہوتی ہے تو خوزیری کا حکم اور قتل کی واردات بھی کروائی جاتی ہے۔

دوسری چیز قابل غور یہ ہے کہ قتل راجہوال پر غازی علم الدین کی تصحیح کی جاتی ہے مگر جب

قادیانی قاتل مجھے قتل کرنے کے لیے آتا ہے اور وہ کوکہ دے کر قاتلانہ وار کرتا ہے اور حاجی محمد حسین شہید کو نجمر سے شہید کر دیتا ہے تو خلیفہ قادیانی کیا کرتا ہے۔ اس کے لیے حسب ذیل قول ملاحظہ فرمائیے۔

”ہر ایک احمدی جسے موجودہ فتن (مبلہ) کا احساس ہو، 28 اپریل سے ہر عید کے دن چالس روز تک روزہ رکھے۔ اس سارے عرصہ میں خصوصیت سے دعا میں کی جائیں اور خدا نے قادر کے حضور ایسے خصوص و خشوع سے نامیہ فرسائی کرنی چاہیے کہ اس کا فضل و کرم جوش میں آجائے۔ روحاںی جماعتتوں کی اصل بنیاد مجاہدوں پر ہی ہوتی ہے اور یہ پہلا مجاہد ہے۔“ (”الفضل“ 25 اپریل 1930ء)

نیز قاتل کا فتو شائع کر کے بعد اکثر مریدوں سک پہنچایا جاتا ہے حتیٰ کہ خلیفہ قادیانی کے آرگن ”الفضل“ 5 جولائی 1930ء میں بطور ضمیر بھی شائع ہوا۔ قاتل کو ”مجاہد“ کا خطاب دیا جاتا ہے اور اس کے جمل سے آئے ہوئے پیغام شائع ہوتے ہیں۔ (”الفضل“ 9 مئی 1930ء)

دعاؤں کی تاکید آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ قادیانی قاتل کو پہچانے کے لیے ہزارہا روپیہ خرق کرنے کے باوجود جب اسے پھانسی ہوئی تو اس کی لاش کو بہشت مقبرہ میں دفن کر کے اسے بہشت ثابت کیا گیا، اس کے جنازہ کا اہتمام ہوا، ہر زن و مرد کو اس کے چہرہ کی زیارت کروائی گئی۔ خلیفہ قادیانی نے اسے کندھا دیا۔ ہمیں اس سے بحث ہمیں کہ بہشت مقبرہ میں دفن ہونا اس کے بہشت ہونے کا ثبوت ہے یا نہیں یا یہ کہ بہشت مقبرہ کیا بلکہ ہے اور قاتل کا پھانسی چڑھتا خلیفہ قادیانی کی دعاوں، مریدوں کے روزوں، قادیانی خلیفہ کی روحاںیت اور قبولیت دعا کا درختاں شہوت ہیں۔ ہمارا مقصود صرف یہ ہے کہ ہم یہ بتائیں کہ قادیانی کمپنی مسلمانوں کو اپنے دام فریب میں لانے کے لیے عشق رسول کا دعویٰ کیا کرتی ہے۔ اپنے اخبار کے خاتم انبیاء نمبر شائع کر کے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتی ہے۔ اس لیے ہم نے مسلمانوں کو ان کے فریب سے پہچانے کے لیے اور اپنے دین کی حفاظت کے لیے یہ ثابت کرنا ہے کہ یہ کمپنی دعویٰ عشق رسول میں جھوٹی ہے۔ ان کا قول فعل متفاہد ہے۔ آپ نے دیکھ لیا کہ قادیانی خلیفہ کی ہجک پر تو اس درج انتقال انگریزی، پولیس سے اخبار پر مقدمہ چلاتا، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توجیہ ہو تو کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب ضبط نہ ہوئی چاہیے اور ایسا مطالبہ کرنے والے شتاب کار ہیں۔ غازی علم الدین اپنے جذبات پر قابو نہ پاتا ہوا ایک فعل کا ارتکاب کرتا ہے تو اسے گالیاں دی جاتی ہیں مگر اپنی عزت کے لیے ایک کرایہ دار قاتل مل جاتا ہے تو اس کے لیے دعا میں روزے اور بالآخر بہشت مقبرہ میں دفن کیا جاتا ہے۔

اس قدر حالہ جات اس امر کے ثبوت کے لیے کافی ہیں کہ قادیانی کمپنی کو سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کس قدر محبت ہے۔ اب ہم مرازا قادیانی کے وہ اقوال درج کرتے ہیں، جن میں اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی براہمی یا اپنی شان کی بلندی ظاہر کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توجیہ

کا ارٹکاب کیا ہے۔

”نم سچ زماں و نم کلیم خدا
نم محمد و احمد کہ بھتی باشد“

(”تریاق القلوب“ صفحہ 3)

”آدم	نیز	احمد	عمار
در	برم	جاس	ہم
آنچہ	داؤ	است	برنی
داداں	جام	رام	اتھام“

(”درشنا“ فارسی، صفحہ 163)

ترجمہ: میں آدم ہوں نیز احمد عمار ہوں میں تمام نکیوں کے لباس میں ہوں خدا نے جو پیالے ہرنی کو دیے ہیں، ان تمام پیالوں کا مجموعہ مجھے دے دیا ہے
”انیاء گرچہ بود اوند بے
من بعرفان نہ کترم ز کے“

(”درشنا“ فارسی، صفحہ 163)

”زندہ	شہر	نی	ہادم
ہر رسلے نہاں	ب	بھ	نہم“

(”درشنا“ فارسی، صفحہ 165)

”روضہ آدم کہ تھا وہ ناکمل اب تک
میرے آئے سے ہوا کامل بجلہ برگ و باز“

(”درشنا“ اردو، صفحہ 183)

”ل حف	لہر	لہر وان	لی غشا
لقران	لہر قان	لآخر	آخر“

(”اعجاز احمدی“ صفحہ 71)

”اس (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے چاند کا خسوف ظاہر ہوا اور
میرے لیے چاند اور سورج دونوں کا۔ اب کیا تو انکار کرے گا۔“
”تمام دنیا پر کی تخت اترے، پر تیر تخت سب سے اوپر بچھایا گیا۔“

(”حقیقت الوعی“ صفحہ 89)

"ان قلمی هله علی منار / ختم علیها کل رفعہ"

(”خطبہ الماسیہ“ صفحہ 35)

ترجمہ: ”میرا قدماں اس منارے پر ہے، جہاں تمام بلندیاں ختم ہیں۔“

”لولاک لاما خلقت الالاک“

(”استثناء“ صفحہ 85)

ترجمہ: ”اگرتو (مرزا) نہ ہوتا تو زمین و آسمان کو پیدا نہ کرتا۔“

”وَمَا أَرْسَلْنَا لِأَرْجُمَةِ الظَّالِمِينَ“

(”انعام آئم“ صفحہ 78).

”(اے مرزا) ہم نے تجھے اس لیے سمجھا ہے کہ تجھے تمام انجیاہ کے لیے رحمت
بنائیں۔“

قادریانی نبی کی ”درویشانہ“ زندگی

مرزا قادریانی نے جس طریق اور جس ترتیب سے اپنے دعوؤں کو دنیا کے سامنے پیش کیا، وہ آپ
لاحظہ فرمائچے ہیں۔ اس موضوع کا مطالعہ آپ کی معلومات میں مزید اضافہ کا موجب ہوگا۔ مرزا قادریانی
نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں کام سرانجام دیا، وہ اس امر کا بین ٹھوٹ ہو گا کہ مرزا قادریانی کا اپنے تمام
کاروبار سے اصل مقدمہ کیا تھا۔

مرزا نے اپنی وفات سے اٹھائی سال قبل 20 دسمبر 1948ء کو ایک ترکیب ”الوصیۃ“ نامی شائع
کیا، جس میں بہتی مقبرہ کی بنیاد رکھی اور مریدوں کے ڈرانے اور خوف دلانے والے بہت سے الہامات
درج کر دیے۔ بطور مسودہ ایک الہام ملاحظہ فرمائیے:

”اور آئندہ زوالہ کی نسبت جو ایک سخت زوالہ ہو گا، مجھے خبر دی اور فرمایا پھر بہار آئی
خدا کی بات پھر پوری ہوئی۔ اس لیے ایک شدید زوالہ کا آنا ضروری ہے لیکن
راست باز اس سے امن میں ہیں۔ سوراست باز بنو! اور تقویٰ افتخار کرو۔ آج خدا
سے ڈروتا کہ اس دن کے ڈر سے اس میں رہو۔ ضرور ہے کہ آسمان کچھ دکھادے
اور زمین کچھ ظاہر کرے لیکن خدا سے ڈرنے والے بچائے جائیں گے۔“

(”الوصیۃ“ صفحہ 4)

اس وقت اس سے تو بحث نہیں کہ ہمیں نبی بھی وہ ملا جو بجائے خوشخبری دینے کے ساری عمر
آن توں اور مصیبتوں کی بھی خبر دیتا رہا کیونکہ یہاں ایک دسری بحث مطلوب ہے۔ چونکہ مرزا کام الہام
پڑھنی ہوتا تھا، اس لیے بہتی مقبرہ کی بنیاد بھی الہام پر ہوئی ضروری تھی۔ چنانچہ آپ ارشاد فرماتے ہیں:

”ایک فرشتہ میں نے دیکھا کہ وہ زمین کو ناپ رہا ہے۔ تب سے ایک مقام پر اس نے بھنگ کر بھنگ کھا کر یہ تیری قبر کی جگہ ہے۔ بھر بھنگے ایک جگہ ایک قبر دکھلائی گئی کر وہ چاندی سے زیادہ جھکتی تھی اور اس کی تمام مٹی چاندی کی تھی۔ جب بھنگے کھا گیا کر یہ تیری قبر ہے اور ایک جگہ بھنگے دکھلائی گئی اور اس کا نام بہشتی مقبرہ رکھا گیا اور ظاہر کیا گیا کہ وہ ان بیرونی لوگوں کی قبریں ہیں جو بہشتی ہیں۔“

(”الوصیۃ“ صفحہ ۱۷)

مرزا قادری کا یہ روایا بھی نہایت عمدہ ہے۔ اس پر غور فرمائیں کہ چہلی قبر کی جگہ اور ہے اور چاندی کی قبر اور ہے اور بہشتی مقبرہ ایک تیری جگہ ہے۔ اگر فرشتہ بھی کہتا ہے تو چہلی قبر کو بھی مرزا کی تھاتا ہے اور جلدی ہی دوسرا قبر کو اور معا بعد بہشتی مقبرہ کی جگہ دکھاتا ہے۔ فرضیکہ تینوں جگہیں مختلف ہیں۔ چونکہ ہمیں روایا پر بحث نہیں کرنا، اس لیے ہم اس حیثیت کو بھی چھوڑتے ہیں کہ مرزا قادری کو روایا میں بھی چاندی ہی دکھائی دی، جو ظاہر کرتا ہے کہ مرزا قادری کے ذہن میں بہشتی مقبرہ بناتے وقت کیا چھڑتی ہے۔ بہر کیف آپ بہشتی مقبرہ کی پنیار رکھتے ہیں اور سریدوں کو اطمینان کے لیے فرماتے ہیں۔

”اور چونکہ اس قبرستان کے لیے بڑی بھاری بشارتیں بھجے گئی ہیں اور نہ صرف خدا نے یہ فرمایا کہ یہ بہشتی مقبرہ ہے، بلکہ یہ بھی فرمایا کہ النزل فیها کل رحمة یعنی ہر ایک حُم کی رحمت اس قبرستان میں انتاری گئی ہے۔“ (”الوصیۃ“ صفحہ ۱۸)

بہشتی مقبرہ کے متعلق آپ نے الہامات سن لیے، اب اس کام کی ابتداء ملاحظہ فرمائیے۔ ”اس لیے میں نے اپنی ملکیت کی زمین جو ہمارے باعث کے قریب ہے، جس کی

قیمت ہزار روپیہ سے کم نہیں، اس کام کے لیے تجویز کی۔“ (”الوصیۃ“ صفحہ ۱۶)

”اس قبرستان کی زمین موجودہ بطریقہ چندہ میں نے اپنی طرف سے وی ہے لیکن اس احاطہ کی سمجھیل کے لیے کسی قدر اور زمین خریدی جائے گی، جس کی قیمت اندازا ہزار روپیہ ہو گی اور اس کے خوشنما کرنے کے لیے کچھ درخت لگائے جائیں گے اور ایک کتوں لگایا جائے گا اور اس قبرستان کے شامی طرف بہت پانی شہرار ہتا ہے جو گزر رگا ہے۔ اس لیے وہاں ایک پل تیار کیا جائے گا اور ان متفرق مصارف کے لیے وہ ہزار روپیہ درکار ہو گا۔ سو کل یہ تمیں ہزار روپیہ ہوا جو اس کام کی سمجھیل کے لیے خرچ ہو گا۔ سو چھلپا شرط یہ ہے کہ ہر ایک شخص جو اس قبرستان میں مدفن ہونا چاہتا ہے وہ اپنی حیثیت کے لحاظ سے ان مصارف کے لیے چھوڑ داٹل کرے۔“

(”الوصیۃ“ صفحہ ۱۹، ۲۰)

اس حوالہ سے ہمارا مقصود صرف یہ ہے کہ بہتی مقبرہ کے کاروبار میں بطور نرم ایمیز رزا قادریانی نے ایک ہزار روپیہ دیا۔ یہ بحث ہم نہیں کرتے کہ یہ زمین تو یہی کے پاس رہن کر دی تھی، جس کی معاواد 30 سال تھی، جو رزا کی وفات تک ختم نہ ہوئی۔ اس لیے اپنی ملکیت سے زمین دینا کیا معنی رکھتا ہے نہ ہی ہمیں اس بحث کی ضرورت ہے کہ رزا قادریانی کو اپنے یا اپنی یہی کے باغ کی طرف جانے کے لیے پل کی ضرورت تھی، اس حوالہ کوتھم نے اس جگہ صرف اس لیے پیش کیا ہے کہ اس کاروبار میں ایک ہزار روپیہ کی زمین دی، اب دوسرا شرط کا خلاصہ منئے:

”دوسرا شرط یہ ہے کہ تمام جماعت میں سے اس قبرستان میں وہی مدفن ہو گا جو اپنی جائیداد کے دسویں حصہ یا اس سے زیادہ کی وصیت کر دے۔“

(”الوصیۃ“ صفحہ 19)

ابتدائی تین ہزار روپیہ کے مصارف بھی بہتی ادا کریں اور دسویں حصہ کی وصیت بھی کریں۔ اب مندرجہ ذیل حوالہ جات ملاحظہ فرماتے جائیے اور آخری نتیجہ ”قادیانی نبی کی درویشاں زندگی“ بھی ذہن میں رکھئے۔

”یہی شرط یہ ہے کہ اس قبرستان میں دفن ہونے والا تھی ہوا درحرمات سے پرہیز کرنا اور کوئی شرک اور بدعت کا کام نہ کرنا ہو۔“ (”الوصیۃ“ صفحہ 20)

اس کتاب کے صفحہ 20 پر زیر عنوان ”ہدایت“ یہ درج ہے کہ وصیت موت سے پہلے لکھ کر قادیانی بھیجی جائے۔ اس ہدایت کے یہ معنی ہیں کہ یہ بہتی مقبرہ کا کام قادیان میں محدود نہ رہے بلکہ تمام علاقوں میں شروع ہو جائے۔ اس کتاب کے صفحہ 23 سے زیر عنوان ضمیر مختلطہ رسالہ ”الوصیۃ“ میں مختلف شرطیں درج ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے:

”وصیت کے اقرار نامہ پر دو گواہوں کے وثخنا ہوں، دو اخباروں میں اس کا اعلان ہو، قانونی اور شرعی لحاظ سے وصیت درست ہو، پچھے اس میں دفن نہ ہوں گے۔ اگر کوئی مرید طاغون سے مر جائے تو دو برس تک میت امانت رہے اور 2 برس کے بعد ایسے موسم میں میت قادیان لائی جائے جبکہ اس جگہ اور قادیان میں بھی طاغون نہ ہو، اگر کوئی مرید سندر میں غرق ہو جائے تو بہتی مقبرہ میں اس کے نام کا کتبہ لگادیا جائے اور خدا تعالیٰ کے نزدیک ایسا ہی ہو گا کہ گویا وہ اسی قبرستان میں دفن ہوئے ہیں۔“

حوالہ کے لحاظ ملاحظہ فرمائیے۔ طاغون سے خوف اور غرق ہونے والے کاروباری ہاتھ سے نہ جائے بلکہ قادیان ہی آئے اور منئے:

"یہ ضروری ہو گا کہ مقام اس الجمن کا ہمیشہ قادیان رہے۔"

(الوصیۃ صفحہ 25)

ایک اور لطیف بات سنئے:

"اگر کوئی دسمت کرنے والا مخدوم ہو تو ایسا شخص اس قبرستان میں فن نہ ہو گا لیکن اگر وہ دسمت پر قائم ہے۔ (یعنی روپیہ ادا کرتا ہے) تو اس کو وہ درجہ ملے گا جو فن ہونے والے کو۔" (صفحہ 26)

معزز ناظرین! ایکھا کیا عمود شرط ہے۔ خدا کے نزویک تو مخدوم ہو یا طاغون زدہ سب ایک دفعہ رکھتے ہیں بشرطیک وہ نیک ہوں، لیکن یہ بہتی مقبرہ مخدوموں سے نفرت کرتا ہے مگر باوجود اس کے روپ یہ اس کا بھی مصلوں کرنے کی کوشش قابل دید ہے۔

یہ شرائط تو آپ نے سن لیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اپنی جائیداد کا ایک حصہ جو دسویں حصہ سے کم نہ ہو، زیادہ بیکھ ہو، قادیان کی نذر کیا جائے۔ دسمت کرنے والا نیک، متفق، پرہیزگار ہو۔ مرزا قادیانی نے اس کا روپار پر ایک ہزار روپیہ کی زمین بھی دے دی۔ (جس کی قیمت مرزا نے ہزار روپیہ تائی، جو نہیں معلوم تھی کتنے کی) مرزا نے یہ سرمایہ لکایا اور اس سے فائدہ کیا تھا؟
ہمارے لئے نہیں میں اسی کتاب میں درج شدہ آخری شرط ملاحظہ فرمائیں جو ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔

"(بیسویں شرط) میری نسبت اور میرے اہل و عیال کی نسبت خدا نے استثناء رکھا ہے، باقی ہر ایک مرد ہو یا عورت ان کو ان شرائط کی پابندی لازمی ہو گی اور فکایت کرنے والا منافق ہو گا۔" (الوصیۃ صفحہ 26)

-1
یہ استثناء کیوں رکھا؟ سنئے: اگر مرزا کا خاندان مریدوں کی طرح کم از کم 1/10 حصہ کی بھی دسمت کرتا تو بہت جلد ساری جائیداد ختم ہو جاتی۔ اس لیے مرزا قادیانی نے اپنا اہل و عیال کا استثناء رکھ لیا۔ رہے مرید، سو حساب کالیں کہ ایک خاندان اگر وہ ہزار کی جائیداد رکھتا ہے اور اس خاندان کے تمام افراد میں نہیں ہوں۔ ہر ایک اگر اپنی اپنی دسمت کر دے تو کتنے عرصہ میں اس کی ساری جائیداد قادیان کی نذر ہو جائے گی۔ آہ! نہیں نہیں بھی ملاؤ وہ، کہ زندگی میں بھی نہ چھوڑے اور بعد الموت بھی ہماری اس سے نجات نہ ہو۔

-2
اس بیسویں شرط میں "ان شرائط" کے لفاظ ہیں یعنی اپنا اہل و عیال کا استثناء صرف اس شرط سے نہیں کہ وہ اہل و جائیداد نہ دیں بلکہ ان تمام شرائط سے ہے، جن کا ذکر اور پر آپ کا ہے، جن میں ایک شرط یہ ہے کہ جتوں متفق، پرہیزگار ہو۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ اولاد کے لیے نیک ہونا

کیوں شرط نہیں، مریدوں کے لیے تو نیکی شرط ہے مگر مرزا اور اس کی اولاد کے لیے یہ شرط کیوں نہیں؟ کیا خدا کے ہاں صرف اس کی بھی نیکی کافی ہے کہ وہ مرزا کے خاندان سے ہے اور اس کے لیے دنیا کی سب برائیاں سب گناہ مغافل ہیں۔

-3
مرزا کا دعویٰ ہے کہ وہ تمام نبویوں کا مظہر ہے اور تمام انبیاء کے نام اسے دیے گئے۔ کیا کسی نبی نے اس درجہ علم غیب کا دعویٰ کیا کہ وہ اس قسم کا بہتی مقبرہ کھول دے؟

-4
نیکی و عبادت کا علم تو ظاہری اف حال سے نہیں ہو سکتا، بہتی مقبرہ کے لیے شرط نیکی رکھی گئی ہے۔ کیا ثبوت ہے اس امر کا کہ مرزا یا اس کے کارکنوں کو اس درجہ علم غیب ہے کہ وہ انسان کی نیت کا علم رکھتے ہیں اور اس کی نیکی کا خوبی دے سکتے ہیں؟

-5
جو زمین مرزا قادریانی نے بہتی مقبرہ کے لیے مقبر کی تھی وہ تو فتح ہو جکی ہے، اب بہتی مقبرہ کو اور وسیع کیا گیا ہے اور آئندہ بھی اور محققہ زمین خرید کر بہتی مقبرہ وسیع کیا جاتا رہے گا۔ اس امر کی کیا گارنٹی ہے کہ اب جو زمین خریدی جا رہی ہے وہ بھی مریدوں کو جتنی ہادیے گی؟

-6
اس امر کی کیا گارنٹی ہے کہ مرزا کے بعد جو لوگ جنت کے سڑکیت جاری کریں گے، ان کو بھی علم غیب کا وہ درجہ حاصل ہے جو مرزا کو حاصل تھا۔ اس امر کی کوئی حد بندی تو ہے نہیں کہ اتنے سالوں تک اس کمپنی میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے، جو جنت کا سڑکیت جاری کر سکتے ہیں۔

-7
بہتی مقبرہ سے متصل ایک مسلمان (جو مرزا کا مقابلہ تھا) کی زمین تھی، اس نے اپنے وارثوں کو کہہ دیا کہ وہ اس کی قبر اس زمین میں عین اس جگہ بنائیں جہاں بہتی مقبرہ کی حد تھی ہے۔ جب وہ فوت ہوا تو اس کی ہدایت کے مطابق قبر وہاں بنائی گئی۔ کچھ عرصہ بعد اس کی زمین بہتی مقبرہ کو وسیع کرنے کے لیے خرید لی گئی اور اس کی قبر بھی بہتی مقبرہ میں آ گئی۔ کیا قادریانی بتا سکتے ہیں کہ وہ شخص جتنی ہے یادوؤخی؟ کیونکہ وہ تو مرزا کی نسبت مگر مدفن ہے بہتی مقبرہ میں۔

-8
رقم الحروف بھی 18 سال قادریانی رہا اور بہتی مقبرہ کا سڑکیت (جو مقدمہ مبلغہ میں شامل مسل کر دیا گیا تھا) حاصل کیا تھا۔ اب مجھے قادریانی جنت میں جگہ تو نہ ملے گی مگر یہ تباہ کر تھا رے علم غیب کا بھی حال ہے کہ تمہیں سڑکیت جاری کرتے وقت اس بات کا بھی علم نہ تھا کہ میں قادریانیت کو چھوڑ کر مسلمان ہو جاؤں گا؟ اگر علم غیب کا بھی حال ہے تو تمہارے سڑکیتوں پر کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟

-9
اگر بہتی مقبرہ جنتیوں کا مجموعہ ہے تو یہوں کو شامل کیوں نہیں کیا جانا؟ کیا اس کا باعث صرف یہ نہیں کہ تم سمجھتے یہ ہو کہ چند گز زمین بچوں کو بلا قیمت دینے سے خسارہ پڑتا ہے۔

-10
اگر یہ بہتی مقبرہ بعض تجارتی کاروبار نہیں تو کیا وجہ ہے کہ مریدوں کے لیے تو یہاں سکنی ہے

کے ایک مرید کا روپیہ اگر قادیان والوں کو وصول ہو چکا ہے اور وہ سمندر میں غرق ہو جاتا ہے تو اس روپیہ میں اس کا بھائی بہشتی مقبرہ میں دفن نہیں ہو سکتا لیکن اپنے گھر کے لیے بھی یہ حال ہے کہ مرازا انہا ایک ہزار دے کر تو بہشت کا وارث ہو گیا مگر اس کی اولاد کے لیے بھی یہ روپیہ کفارہ ہو گیا۔ کیا کوئی مثال ایسی ملتی ہے کہ گزشتہ انبیاء علیہم السلام نے اپنی امت کو وہ حکم دیا ہو جس کے لیے وہ خود یا ان کا خاندان تیار نہ ہو۔ حضرت نوح علیہ السلام کا جیٹا بھی عذاب سے بچنے کی شرائط سے مستثنی نہ رہ سکا تو مرزائیں کون ہی خصوصیت ہے کہ اس کی اولاد مستثنی رکھی گئی۔

صاحبان! آپ نے دیکھا ایک ہزار کے سرمایہ سے کیسا کام انجاد کیا کہ اولاد مالا مال ہو گئی۔ اب لوگوں کی جائیدادیں ہیں اور مرزائی کی اولاد۔ اگر اس بات کو چھوڑ بھی دیا جائے کہ مرزانے اپنی ساری جائیداد گردی رکھ دی تھی جو کف نہیں کروائی گئی، اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ ساری چیزوں اکملیکس سے بچنے کے لیے تھیں۔ تب بھی یہ ثابت ہے کہ کل جائیداد کتنی تھی اور ماہوار آمدی کس قدر، لیکن موجودہ جائیداد کتنی ہے، اس کے لیے ذیل کا ایک نوٹ شاہد ہے کہ ذیلہ لاکھ کی زمین مرزائے کے لذکوں نے 1920ء میں خریدی کی۔ (1920ء کے بعد کی پیدا کردہ جائیدادیں علیحدہ رہیں۔)

نقل نوٹ

”مورخہ 14 اکتوبر 1929ء“

بخدمت جناب مرزا محمود احمد صاحب قادیان تحصیل بیالہ ضلع گورداپور۔

جناب من!

بہ مقدمہ مرزا عظیم بیک ہمام مرزابشیر الدین محمود احمد صاحب و مرزابشیر احمد

صاحب، مرزاشریفہ احمد صاحب حسب ہدایت مرزاعظیم بیک ولد مرزاؤاکرم بیک

صرفت مرزاعبدالعزیز کوچہ حسین شاہ لاہور میں آپ کو مفصلہ ذیل نوٹ رجتا ہوں۔

بروئے ہجتname مورخہ 21 جون 1920ء و جعلی شدہ مورخہ 5 جولائی 1920ء مرزا

اکرم بیک ولد مرزاعفضل بیک و خاتون سردار بیگم صاحبہ بیوہ مرزاعفضل بیک

ساکنان قادیان، تحصیل بیالہ، ضلع گورداپور نے کل جائیداد فیر منقولہ ارجمند سننی و

ارضیات زری وغیر زری ہر قسم اندر ورون و بیرون سرخ لکیر واقعہ موضع قادیان سع

حصہ شاطلات دیہ و حقوق داخلی و خارجی مختلفہ جائیداد مذکور آپ کے و جناب مرزا

بیش احمد و مرزاشریف احمد صاحبان کے حق میں لیچ کر دی اور زر قیمت مبلغ ایک

لاکھ اڑتا لیس ہزار روپیہ ہجتname میں درج کیا گیا ہے۔

کہ مرزاعظیم بیک پر مرزاؤاکرم بیک ہے اور بوقت بیع یعنی 21 جون 1920ء کو

-1

-2

نابالغ تھا اور وہ کیم جولائی 1910ء کو پیدا ہوا تھا اور کیم جولائی 1928ء کو بالغ ہوا تھا اور اپنے ناموں مرزا عبدالعزیز صاحب کے ہاں پرورش اور تعلیم پاتا رہا۔

-3 کہ جائیداد بیعہ مندرجہ ذیرہ (نمبر ۱) جدی جائیداد ہے اور خاتون سردار بیکم صاحب کو کوئی حق نسبت جائیداد نہ کو حاصل نہ تھا جو قابلٰ بیعہ ہوتا۔

-4 اور مرزا اکرم بیگ کو بلا ضرورت جائز جائیداد بیعہ نہ کوہ کو بیع کرنے کا حق حاصل نہ تھا۔

-5 جائیداد نہ کوہ بلا ضرورت جائز فروخت ہوئی۔

-6 کہ اداگی زر بدل کے بارہ میں سرست مرزا عظیم بیگ کو کوئی ثبوت حاصل نہیں ہوا۔

-7 مرزا عظیم بیگ جائیداد بیعہ نہ کوہ والہس لینے کا مستحق ہے اور اس غرض کے لیے آپ کو نوش دیا جاتا ہے کہ آپ جائیداد بیعہ نہ کو مرزا عظیم بیگ کو والہس کرویں۔

-8 اگر آپ نے جائیداد نہ کوہ والہس تک تو بعد ازاں اللئناء ایک ماہ قانونی چارہ جوئی کی جائے گی اور آپ خرچ مقدمہ کے ذمہ دار ہوں گے۔

-9 میں نے نوش ہذا کی ایک ایک نقل جناب مرزا بشیر و شریف صاحبان کو بذریعہ رجسٹر بھیج دی ہے۔

-10 یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ آئندہ تحریرات و اقتلالات نسبت جائیداد نہ کوہ بند کر دیے جائیں۔

۶

یہ نوش آپ نے دیکھا۔ اب سننے اس جائیداد کے علاوہ قادریان میں مرزا کا ہر ایک لڑکا جو جائیداد بنا رہا ہے، جتنی کوٹھیاں بنا رہا ہے وہ ہر شخص دیکھ دیکھا ہے۔ رہا نقدرو پیہ، اس سے ہمیں بحث نہیں۔ ہم صرف موجودہ جائیداد کو لیتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ ایک ہزار کے سرمایہ سے لاکھوں پیدا کرنے والی تجارت صرف کمی بھائی مقبرہ ہے۔ تائیے قادریانی کی درویشانہ زندگی آپ نے کیسی ملاحظہ فرمائی۔

دوسرانہ نمونہ

مرزا کی ایک شادی بچپن میں ہوئی۔

”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ بڑی بیوی حضرت مسیح موعود کے دولت کے پیدا ہوئے۔ ان میں مرزا سلطان احمد صاحب اور مرزا فضل احمد، حضرت صاحب ابھی گویا بچے ہی تھے کہ مرزا سلطان احمد ہو گئے تھے۔“

اس پہلی بھی کے بعد آپ نے دوسری شادی کی اور پہلی بھی سے جو سلوک کیا، وہ سننے:
 ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے حضرت سعی موعود
 کی اوائل سے ہی مرزا فضل احمد کی والدہ سے، جن کو عام طور پر لوگ بھیجے دی ماں
 کہا کرتے تھے، (شاہی خاندانوں میں ایسے ہی نام ہوا کرتے ہیں) بے تعلقی سی
 تھی، جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت صاحب کے رشتہ داروں کو دین سے سخت ہے
 رغبتی تھی اور اس کا ان کی طرف میلان تھا اور وہ اسی رنگ میں رنگنے تھی (خدا کی
 قدرت بخوبی نبی اپنی بھوی کو بھی اپنے رنگ میں رنگنے نہ کر سکا) اس لئے حضرت
 سعی موعود نے ان سے مبادرت ترک کر دی تھی، ہاں آپ اخراجات ہا قاعدہ دیا
 کرتے تھے۔ (اپنی صرف 15 روپیہ تہخواہ سے) والدہ صاحبہ (مرزا کی دوسری
 بھوی) نے فرمایا کہ میری شادی کے بعد (پہلے اس لیے کچھ زی تھی کہ بدنی نہ ہو
 اور دوسرا رشتہ میں رکاوٹ نہ ہو، اب دیکھنے کیا ہوتا ہے) حضرت صاحب
 (مرزا قادریانی) نے اُس کہلا بھیجا کہ آج تک وہ جس طرح ہوتا رہا، سو ہوتا رہا،
 (500 روپیہ ماہوار تہخواہ بخشی جاتی رہی) اب میں نے دوسری شادی کر لی ہے،
 اس لیے اب دنوں بیویوں میں برابری نہیں رکھوں گا تو گنگا رہوں گا (اب گناہ کا
 خیال آ گیا، ماشاء اللہ) اس میں اب دو باتیں ہیں، یا تو تم مجھ سے طلاق لے لو یا
 مجھے اپنے حقوق چھوڑ دو، میں تھسیں خرچ دیے جاؤں گا۔ (خرچ کون دے گا، یہ تو
 ایک چال ہے۔ آگے دیکھنے کیا ہوتا ہے) انہوں نے کہلا بھیجا (کرتی بھی بچاری
 کیا، دو بچوں کی ماں اب طلاق لے کر کیا کرے گی) میں اپنے باقی حقوق چھوڑتی
 ہوں (بچاری کی شرارت ملاحظہ ہو گرنی کا حال دیکھئے۔ اب طلاق دینے کے
 بہانہ کی تلاش ہو گی اور بہانہ بھی ہو گا جس کو نہ ہی رنگ دیا جائے گا) والدہ صاحبہ
 فرماتی ہیں کہ پھر ایسا ہی ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ پھر محمدی بیگم کا سوال اٹھا اور آپ کے رشتہ
 داروں نے مخالفت کر کے (رشتہ دار تو نبی کی نبوت سے واقف تھے ورنہ مخالفت
 کیوں کرتے) محمدی بیگم کا نکاح دوسری جگہ کرادیا اور فضل احمد کی والدہ نے ان
 سے قطع نہ کیا بلکہ ان کے ساتھ ہی (اس کا قصور کیا جب مرزا اس سے قطع تعلق کر
 چکا تھا، مبادرت ترک کر چکا تھا، اب اس پر ٹکوہ کیسا) تب حضرت صاحب نے
 ان کو طلاق دے دی۔ خاکسار عرض کرتا ہے (اب بینا اپنا حق ادا کرتا ہے اور اس
 دعہ کو یوں دور کرتا ہے) کہ حضرت صاحب کا یہ طلاق دینا آپ کے اس اشتہار

کے مطابق تھا، جو آپ نے 2 مئی 1981ء کو شائع کیا اور جس کی سرفی قبی: اشتہار نصرت دین و تعلیم تعلیم از اقارب مختلف دین۔ اس میں آپ نے بیان فرمایا تھا کہ اگر مرتضیٰ ارسلان احمد اور ان کی والدہ اس امر میں (محمد بنی یکم کے نکاح میں) (ایک نہ شد و شدندہ صرف یہی اس محالہ میں مختلف قبی بلکہ بیٹا بھی باپ کا مختلف تھا۔ اللہ اللہ نبی کی شان ہو تو اسی ہو، بیٹا بھی باپ کا معتقد نہیں) عالمگانہ کوشش سے الگ نہ ہو گئے تو پھر آپ کی طرف سے مرتضیٰ ارسلان احمد عاق اور محروم الارث ہوں گے اور ان کی والدہ کو آپ کی طرف سے طلاق ہو گی۔ والدہ صاحبہ فرماتی تھیں کہ فعلِ احمد نے اس وقت اپنے آپ کو عاق ہونے سے بچالیا (مرتا کیا نہ کرتا، نبی کے عذاب سے بچتے کے لیے بچارے نے کوئی ہجکنڈا اکھیلا ہوا گر بلا خروہ بھی عاق کر دیا گیا تھا)۔

(”سیرت السہدی“ صفحہ 22.23)

اب گزشتہ حوالے پھر ملاحظہ فرمائیے اور نتیجہ کا لیے کہ جائیداد کا گردی کرنا اپنی پہلی ہبی کو جائیداد سے محروم کرنے کے لیے چایا نہیں۔ کیا اخیاء اُمیں اخلاق کے مالک ہوتے ہیں۔

تیر انہموں

ویکھیے کہ اکٹھیکس سے بچتے کے لیے جائیداد کو گردی دکھانا، قادیانی نبی کا کیسا کمال ہے۔ ایک تیر سے دو ٹکار۔ اس کے ساتھ ہی ذیل کے دو حوالہ جات بھی دیکھیے کہ اب مرید کیونکہ اس نبی کی سادگی کا انہما کرتے ہیں:

”ایک دفعہ کوئی شخص آپ (مرزا) کے لیے گرگاہی لے آیا۔ آپ نے پہن لی گر اس کے لئے سید ہے پاؤں کا آپ کو پہن نہیں لگتا تھا۔ کئی دفعہ اٹھی پہن لیتے تھے اور پھر تکفیف ہوتی تھی۔ بعض دفعہ آپ کا اٹھا پاؤں پڑ جاتا تو ٹک ہو کر فرماتے: ان (انگریزوں) کی کوئی چیز بھی اچھی نہیں (اگر دوسرا طرف ہے کہ میں نے پہچاس الماریاں ان کی تعریف میں بھر دی ہیں اور ان کے احسانات بے شمار ہیں۔ دور گئی ہو تو اسی ہو) والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ میں نے آپ کی سہولت کے لیے اٹھ سید ہے پاؤں کی شناخت کے لیے نشان لگا دیے تھے مگر باوجود وہ اس کے آپ اٹھا پہن لیتے تھے۔“

(روایات مرزا اشیر، فرزند مرزا، مندرجہ ”سیرت السہدی“ صفحہ 53، حصہ اول)

”بسم اللہ الرحمن الرحيم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبد اللہ صاحب سنواری نے۔ کہا

کہ ایک دفعہ کسی شخص نے حضرت صاحب (مرزا) کو ایک بھی گھری تھنہ دی۔ حضرت صاحب اس کو رومال میں باندھ کر جیب میں رکھتے تھے۔ زنجیر نہیں لگاتے تھے اور جب وقت دیکھنا ہوتا تو گھری نکال کر ایک کے ہندسے یعنی عدد سے گن کروقت کا پڑھ لگاتے تھے اور انہیں رکھ رکھ ہندسے گنتے جاتے تھے (تاکہ بھول نہ جائیں) گھری دیکھتے ہی وقت نہ پہچان سکتے تھے۔ میاں عبداللہ صاحب نے بیان کیا کہ آپ کا جیب سے گھری نکال کر اس طرح شمار کرنا مجھے بہت ہی پیار امعلوم ہوتا تھا۔“

(”سیرت السہدی“ حصہ اول، صفحہ 264)

ان حوالہ جات کا خلاصہ یہ ہے کہ جو قی پہنچنی نہیں آتی، گھری دیکھنی نہیں آتی۔ ”مقصود انتہار کمال سادگی ہے“ مگر دوسرا طرف اکم لیکس سے پہنچنے اور چلی جوہی اور اس کے پیچوں کو جائیداد سے محروم کرنے کے لیے جائیداد 30 سال کے لیے گروی رکمی جاتی ہے اور ظاہر یہ کیا جاتا ہے کہ ایک دینی ضرورت سے یہ زمین رہن رکھی گئی۔ نیز ایک طرف کہا جاتا ہے کہ ایسے مرید ہاتھ لگ گئے ہیں کہ 50 ہزار کی ضرورت ہو تو فوراً پوری ہو جائے۔ کیا یہ کام ہوشیار آدمی کے ہیں یا اس شخص کے کہ جسے گھری بھی دیکھنی نہ آتی ہو۔

چوچھا نمونہ

گھری دیکھنی نہیں آتی، جو تا پہنچا نہیں آتا مگر دعا کر کروانے کوئی آئے تو ایک لاکھ کا مطالہ کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

”بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ پیالہ میں غلیفہ محمد صین صاحب وزیر پیالہ کے مصاہبوں اور ملاقیوں میں ایک مولوی عبدالعزیز صاحب ہوتے تھے۔ ان کا ایک دوست تھا جو بڑا امیر کبیر اور صاحب جاسیداد اور لاکھوں روپیہ کا لکھا گمراہ اس کے کوئی لاکھا نہ تھا، جو اس کا وارث ہوتا۔ اس نے مولوی عبداللہ صاحب سے کہا کہ مرزا صاحب سے میرے لیے دعا کراؤ کہ میرے لڑکا ہو جائے۔ مولوی عبدالعزیز صاحب نے مجھے بلا کہا کہ ہم تم تھیں کرایہ دیتے ہیں، تم قادیان جاؤ اور مرزا صاحب سے اس بارہ میں خاص طور پر دعا کے لیے کہو۔ چنانچہ میں قادیان آیا اور حضرت صاحب سے سارا ماجرا عرض کر کے دعا کے لیے کہا۔ آپ نے اس کے جواب میں ایک تقریر فرمائی، جس میں دعا کا لفظہ بیان فرمایا اور فرمایا کہ مخفی رکی طور پر دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دینے سے دعا نہیں ہوتی، بلکہ اس

کے لیے ایک خاص قلبی کیفیت کا پیدا ہوتا ضروری ہوتا ہے۔ جب آدمی کسی کے لیے دعا کرتا ہے تو اس کے لیے ان دو باتوں میں سے ایک کا ہوتا ضروری ہوتا ہے۔ یا تو اس شخص کے ساتھ کوئی ایسا گہر اتعلق اور رابطہ ہو کہ اس کی خاطر دل میں ایک خاص درد پیدا ہو جائے، جو دعا کے لیے ضروری ہے اور یا اس شخص نے کوئی ایسی دینی خدمت کی ہو کہ جس پر دل سے اس کے لیے دعا لٹکے مگر یہاں نہ تو ہم اس شخص کو جانتے ہیں اور نہ اس نے کوئی دینی خدمت کی ہے کہ اس کے لیے ہمارا دل پھٹلے۔ پس آپ جا کر اسے یہ کہیں کہ وہ اسلام کی خدمت کے لیے ایک لاکھ روپیہ دے یاد ہیے کا وعدہ کرے۔ پھر ہم اس کے لیے دعا کریں گے اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ پھر اللہ اسے ضرور لڑکا دے گا۔ میاں عبداللہ کہتے ہیں، میں نے جا کر یہی جواب دے دیا مگر وہ خاموش ہو گئے اور آخر وہ لا ولد ہی مر گیا اور اس کی جائیداد اس کے دور نزدیک کے رشتہ داروں میں کئی بھگزوں اور مقدموں کے بعد تقسیم ہوئی۔“

(”سیرت المهدی“ صفحہ 238، محدث بشیر احمد پیر مرزا قادریانی)

جوتا پہننا نہیں آتا، گھڑی دیکھنی نہیں آتی مگر ذیل کا پرالٹیف حوالہ طاحظ فرمائیے۔ ”بسم اللہ الرحمن الرحيم۔ میاں کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ مدت کی بات ہے جب میاں ظفر احمد صاحب کپڑ تحلوی کی پہلی یوں فوت ہو گئی اور ان کو دوسری یوں کی تلاش ہوئی تو ایک دفعہ حضرت صاحب نے ان سے کہا کہ ہمارے گھر میں دو لڑکیاں رہتی ہیں۔ ان کو میں لاتا ہوں، آپ ان کو دیکھ لیں پھر ان سے جو آپ کو پسند ہو، اس سے آپ کی شادی کر دی جائے۔ چنانچہ حضرت صاحب گئے اور دونوں لڑکیوں کو بلا کر کمرے کے باہر کھڑا کر دیا اور پھر اندر آ کر کہا کہ وہ باہر کھڑی ہیں، آپ محل کے اندر سے دیکھ لیں۔ چنانچہ میاں ظفر احمد صاحب نے ان کو رخصت کر دیا اور اس کے بعد میاں ظفر احمد صاحب سے پوچھنے لگے کہ اب تاؤ تمیں کون ہی لڑکی پسند ہے۔ وہ نام تو کسی کا جانتے نہ تھے، اس لیے انہوں نے کہا کہ جس کا منہ سبایا ہے وہ اچھی ہے۔ اس کے بعد حضرت صاحب نے میری رائے لی۔ میں نے عرض کیا کہ حضور میں نے تو دیکھا نہیں۔ پھر آپ خود فرمائے گئے کہ میرے خیال میں تو دوسری لڑکی بہتر ہے، جس کا منہ گول ہے۔ پھر فرمایا کہ جس شخص کا پھر وہ سما ہوتا ہے

وہ پتاری وغیرہ کے بعد عموماً بدلتا ہوا جاتا ہے لیکن گول چہرہ کی خوبصورتی قائم رہتی ہے۔ میان عبداللہ صاحب نے بیان کیا کہ اس وقت حضرت صاحب اور میان ظفر احمد صاحب اور میرے سوا اور کوئی شخص وہاں نہ تھا اور نیز یہ کہ حضرت صاحب ان لاکھوں کو کسی احسن طریق سے وہاں لائے تھے اور مگر ان کو مناسب طریق پر رخصت کر دیا۔ جس سے ان کو کچھ معلوم نہ ہوا۔ مگر ان میں کسی کے ساتھ میان ظفر احمد کا رشتہ نہ ہوا، یہ خدمت کی بات ہے۔“

(”سیرت المهدی“ صفحہ 240-241)

کیا ان حوالہ جات سے یہ ثابت نہیں کہ سادگی کے قصے جعلی ہیں، ورنہ مرزا کی ہوشیاری سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اجی جو شخص بہتی مقبرہ کا کام چلا جائے، اس کی ہوشیاری سے کون انکاری ہو سکتا ہے۔

پانچواں نمونہ

یوں تو مرزا کو انگیاء سے انفضل تباہی جاتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے برادری کا دعویٰ ہے، مگر واقعات کی روشنی میں حقیقت کو معلوم کیجئے۔

مرزا کی جائیداد اور سالانہ آمدنی کا حال تو آپ معلوم کر کچے ہیں مگر اب آپ ان کے اخراجات کا حال سننے۔ مرزا کے ایک مرید نے ایک ٹریکٹ ہنوان ”خلوط امام، ہمام غلام“ شائع کیا۔ اس میں مرزا کے چند خلوط اس نے درج کیے ہیں تاکہ مریدوں کو معلوم ہو کہ ملک وغیرہ وغیرہ اشیاء کے لیے مرزا قادریانی صرف اسی پر اختبار کرتے تھے۔ اس قادریانی کا مقصود تو اپنی تجارت ہے مگر آپ حضرات ان حوالہ جات کو اس نظر سے دیکھنے کہ کہاں وہ سالانہ آمدنی، جو آپ نے پیچھے ملاحت فرمائی اور کہاں یہ اخراجات۔ کیا ان اخراجات کو ماہواری آمدنی پورا کر سکتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی مرزا قادریانی کے یہ الفاظ کہ مریدوں کا روپیہ اس کے ذاتی معرف میں نہیں آتا، یاد رکھیے اگر یہ درست ہے تو روپیہ آتا کہاں سے تھا؟

1۔ ”مہلی ملک فلم ہو بھی ہے اس لیے بچاں روپے بذریعہ منی آڑو آپ کی خدمت میں ارسال ہیں۔ آپ دو تولہ ملک خالص دو شیشیوں میں علیحدہ علیحدہ یعنی تولہ تولہ ارسال فرمائیں۔“

(صفحہ 3.2)

2۔ ”آپ بے شک ایک تولہ ملک بے قیمت 36 روپے خرید کر کے بذریعہ وی۔ لی بیج دیں..... ضرور بیج دیں۔“

(صفحہ 3)

”ایک تولہ ملک عمدہ جس میں بیج جوانہ ہوا اور اول درجہ کی خوبصوردار ہو، اگر شرطی ہو تو

بہتر، ورنہ اپنی ذمہ داری پر بھیج دیں۔“

(صلوگر 3)

”آب براہ مہربانی ایک تو لمک خالص جس میں ریشہ اور جملی اور صوف نہ ہوں اور تازہ و خوشبو دار ہو بذریعہ و میوار سال فرمائیں کیونکہ یہی ملک ختم ہو چکی ہے۔“

(صلوگر 6)

”محض اونہ ہو۔ محض اونہ ہو۔“

”یہی ملک جو لا ہور سے آپ نے بھیجی تھی وہ اب نہیں رہی۔ آپ جانتے ہیں ایک تو لمک خالص جس میں محض اونہ ہو اور بخوبی جیسا کہ چاہیے خوشبو دار ہو ضرور و بیو کر کر بھیج دیں۔ جس قدر قیمت ہو مفہوم نہیں (مال مفت، دل بے رحم) مگر ملک اٹلی وجہ کی ہو۔ محض اونہ ہو اور جیسا کہ عمدہ اور تازہ ٹکل میں قیز خوشبو ہوتی ہے وہ اس میں ہو۔“ (صلوگر 6)

”ملک خالص عمدہ جس میں محض اونہ ہو، ایک تو لمک صفحہ 27 روپے کی آپ ساتھ لائیں۔“

(صلوگر 6)

مفرح غیری

اور سنئے:

”میں اپنے مولا کریم کے فضل سے اس کو بھی اپنے لیے بے اندازہ فخر و برکت کا موجب سمجھتا ہوں کہ حضور (مرزا آنجمانی) اس ناجیز کی تیار کردہ مفرح غیری کا بھی استعمال فرماتے تھے۔“

شاندار خیمے

”وی الہی کی بناء پر مکان ہمارا خطرناک ہے، اس لیے آج 260 روپے خیمہ خریدنے کے لیے بھیجا ہوں۔ چاہیے کہ آپ اور دوسرے چند دوستداروں کے ساتھ جو تحریک کار ہوں، بہت عمدہ خیمہ محتقالوں اور دوسرے سماںوں کے بہت جلد روانہ کریں اور کسی کو نیچتے والوں میں سے یہ خیال پیدا نہ ہو کہ کسی نواب صاحب نے یہ خیمہ خریدنا ہے کیونکہ یہ لوگ نوابوں سے دو چند سو چند مول لیتے ہیں۔“

یہ ہے قادریانی نبی کی درویشانہ زندگی کے چند نمونے، جو درج کیے گئے ہیں۔ بھی اس نبی کی

-4

-5

-6

زندگی کا درخشاں پہلو عیاں کرنے کے لیے کافی ہیں۔ اب غور فرمائیے کہ کبھی شخص آنحضرت کی برادری میں کھڑا کیا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہم ہیں کریں تو شاید قادریانی اعتبار نہ کریں۔ اس لیے ان کے عی القاظ درج کرتا ہوں۔ جو انہوں نے مسلمانوں کو یہ بتانے کے لیے لکھ دیے کہ مسلمان یہ خیال کریں کہ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی تعلق ہے۔ گواہی سیاسی اغراض کو پورا کرنے کے لیے اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے یہ القاظ لکھے گئے ہیں مگر ہم الراہی رنگ میں قادریانوں کے سبھی القاظ نقل کر کے مطالبة کر سکتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برادری کرنے والوں، ہمارے پیغمبر اور اپنے نبی کا مقابلہ کر کے عبرت پکڑو۔

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے۔ آپ مجرے میں تشریف رکھتے تھے۔ حضرت عمر اجازت لے کے اندر گئے، تو دیکھا کہ ایک سمجھو کی چٹائی بچائی ہوئی ہے، جس پر لیٹنے سے پہلوؤں پر ان پتوں کے نشان ہو گئے ہیں۔ حضرت عمر نے گھر کی جائیداد کی طرف تھا کی تو صرف ایک تکوار ایک گوشہ میں لٹکی ہوئی نظر آئی، یہ دیکھ کر ان کے آنسو جاری ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رونے کی وجہ پوچھی تو عرض کیا کہ خیال آیا ہے، قیصر و کسری جو کافر ہیں، ان کے لیے کس قدر حسم ہے اور آپ کے لیے کچھ بھی نہیں۔ فرمایا: میرے لیے دنیا کا اسی قدر حصہ کافی ہے کہ جس سے میں حرکت و سکون کر سکوں۔“

(متول از اخبار ”المفضل“ قادریان خاتم النبیین ہبہ مرور ۶ نومبر، ۱۹۳۲ء صفحہ ۷ کالم ۳)

حضور علیہ السلام کے اہل بیت کی حالت

”آپ جانتے تو اپنی بیویوں کو سونے چاندی کے زیورات سے لا دو دیتے اور اپنے رہنے کے لیے اہلی وجہ کے محلات (قادیانی کی طرح) بنانے لیتے۔ اپنے گروں کو قیمتی اسباب سے آرستہ رکھتے تھیں آپ نے باوجود استطاعت اور باوجود عرب کے سب سے بڑے بادشاہ اور سردار ہونے کے فقیری کو ایک بھرپور ترجیح دی۔ دنیا کا مال و دولت مجع کرنا اور اپنے گروں میں رکھنا اپنے وجہ اور مقام کی ہٹک خیال فرمایا۔“

(اخبار نکر، صفحہ ۴ کالم ۱)

”حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آل محمد (یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں اور بیٹی) کے گھر میں اس وقت تک کہ آپ نے اس جہاں سے انتقال فرمایا کسی نے متواتر تین دن تک پہیت بھر کر کھانا نہ کھایا۔“ (اخبار نکر، صفحہ ۴۰ کالم ۲)

خش کلامی

یوں تو مرزا قادریانی کی کوئی تصنیف بھی آپ لے لیں، اس میں اخلاق فاضلہ کے وہ نمونے آپ کو ملیں گے، جو کسی اور شخص کی تصنیف میں آپ کو ملنے مشکل ہوں گے، تاہم بطور مسونہ آنحضرت کے مقدس کلام سے چند حالات لفظ کرنے ضروری ہیں تاکہ ناظرین اس نبی کے اخلاق فاضلہ کا اندازہ فرمائیں۔ قادیانیوں کو یہ شوق تو ہر وقت داکن گیر رہتا ہے کہ وہ اپنے نبی کو تمام انبیاء کا مظہر ہاتا بت کریں مگر اس طرف کبھی تجھے نہیں دیتے کہ مرزا کے اخلاق بھی اس امر کا ثبوت ہم کچھ لے ہیں کہ وہ تمام انبیاء کا مظہر ہے؟

کیا اس خش کلامی کا ارتکاب دنیا کے کسی معمولی سے معمولی ریقاو مرکی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے اگر نہیں تو مرزا کو انبیاء کا مظہر ہاتا قادیانیوں کی خوش ہمیں نہیں تو کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے اور خوش کلامی کی داد دیجئے۔

”کل مسلم یقینی و یصدق دعوتی الا ذریۃ البهایا۔

یعنی ”تمام مسلم لوگ مجھ کو مانتے ہیں مگر زنا کار عورتوں کی ذریت (اوہاد) نہیں مانتے۔“

(”آئینہ کمالات“ صفحہ 547)

”ان العدی صاروا خنازیر الفلا

ازوجهم من دونهن الا كلب“

یعنی ”ہمارے دشمن جنگلوں کے سور ہو گئے اور ان کی عورتیں کتیوں سے بدتر ہیں۔“

(”جم جہنم“ صفحہ 10)

لدھیانہ کے ایک واجب الحرف بزرگ، موجد دیندار، پرہیزگار، مولوی سعد اللہ نو مسلم، جو اسلام کی خاطر اپنی قوم اور قومی تعلقات سب چھوڑ کر اسلام میں آئے۔ اتفاق حستہ یا شوئی قسم سے مرزا کے مصدق نہ تھے۔ اتنے جنم پر مرزا نے ان کو مخاطب کر کے یوں لکھا:

”اذقتی خسنا فلست بصادق

ان لم تمت بالغزی یا ابن بھاء“

”تو نے (اے سعد اللہ) مجھے تکلیف دی ہے۔ اے زانیہ کے بیٹے، اگر تو ذلت سے نہ مرے تو میں جھوٹا۔“

(ترجمہ ”حقیقت الوجی“ صفحہ 15)

اور سنئے مرزا اپنی پیش گوئی پر ایمان نہ لانے والے تمام مسلمانوں کو ولد الحرام اور حرام زادے

قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے:

”اب جو شخص اس کے برخلاف شرارت اور عناصر کی راہ سے کبواس کرے گا اور اپنی شرارت سے بار بار کہنے گا کہ (پادری آنعم کے زندہ رہنے سے مرزا قادری کی پیش گوئی غلط اور) عیسائیوں کی فتح ہوئی اور کچھ شرم اور حیا کو کام میں نہیں لائے گا اور بغیر اس کے کہا رے اس قیصلہ کا انصاف کی رو سے جواب دے گا اور زبان درازی سے باز نہیں آئے گا اور ہماری فتح کا قائل نہیں ہو گا، تو صاف سمجھا جائے گا کہ اس کو ولد الحرام بخشنے کا شوق ہے اور حلال زادہ نہیں پہنچا جائے کے لیے واجب یہ تھا کہ اگر وہ مجھے جھوٹا جانتا ہے اور عیسائیوں کو غالب اور فتح یا بقرار دیتا ہے تو میری اس جنت کو واقعی طور پر رفع کرے۔ جو میں نے پیش کی ہے درہ حرام زادہ کی سیکی نشانی ہے کہ سیدھی راہ اختیار نہ کرے۔“

(”الوار الاصلام“ صفحہ 20)

”اے بد ذات فرقہ مولویاں! تم کب تک حق کو چھپاؤ گے کب وہ وقت آئے گا کہ تم یہودیانہ خصلت کو چھوڑو گے۔ اے ظالم مولویا! تم پر افسوس کرم نے جس سے ایمانی کا پیالہ پیا، وہی عوام کا لاغام کو بھی پلا دیا۔“

(”انعام آنعم“ صفحہ 18)

”مگر کیا یہ لوگ حرم کھالیں گے؟ ہر کوئی نہیں کہونکہ یہ جھوٹے ہیں اور کتوں کی طرح جھوٹ کا مردار کھار ہے ہیں۔“

(ضییرہ ”انعام آنعم“ صفحہ 25)

”ہمارے دعویٰ پر آسمان نے گواہی دی۔ مگر اس زمانے کے ظالم مولوی اس سے بھی مکر ہیں، خاص کر رئیس الدجالین عبدالحق غزنوی اور اس کا تمام گروہ علیهم تعالیٰ اللہ الف الف مرہ۔“

(ضییرہ ”انعام آنعم“ صفحہ 46)

”اے بد ذات، خبیث، تاکار۔“

(ضییرہ ”انعام آنعم“ صفحہ 50)

”اس جگہ فرعون سے مراد شیخ محمد حسین بطالوی اور ہمان سے مراد نو مسلم سعد اللہ ہے۔“

(ضییرہ ”انعام آنعم“ صفحہ 56)

”نہ معلوم کہ یہ جاہل اور جشی فرقہ اب تک کیوں شرم اور حیا سے کام نہیں لیتا۔“ ”مخالف مولویوں کا منہ کالا کیا۔“

(ضیر ”انجام آخر“ صفحہ 58)

آپ نے مرزا کے اخلاق کا نمونہ تو ملاحظہ فرمایا، اب تصور کا دوسرا رخ بھی دیکھئے تاکہ آپ اس امر کی تصدیق کر سکیں کہ یہ فرقہ باطلہ کوئی مذہبی گروہ نہیں بلکہ تجارتی کمپنی ہے، جس کا کام وقت و قت کا راگ الٹاپا ہے۔

مرزا لکھتا ہے:

”لعنۃ بازی صدیقوں کا کام نہیں، مومن لعائیں نہیں ہوتا۔“

(”ازالہ اوہم“ صفحہ 660)

اس ارشاد عالیٰ کو ذرا گزشتہ حوالوں کے مقابلہ میں رکھ کر دیکھئے اور سنئے:

”کسی کو گالی مت دو۔ گوہ گالیاں دینا ہو۔“ (کشتی نوح)

اور دیکھئے:

”چونکہ اماموں کو طرح طرح کے اوباشوں ہستلوں اور بذریاں لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے، اس لیے ان میں اعلیٰ درجہ کی اخلاقی قوت کا ہوتا ضروری ہے تاکہ ان میں عیش نفس اور مجتوہ نہ جوش پیدا نہ ہو اور لوگ ان کے فیض سے محروم نہ رہیں، یہ نہایت قابل شرم بات ہے کہ ایک شخص خدا کا دوست کہلا کر پھر اخلاقی رذیلہ میں گرفتار ہو اور درشت بات کا ذرا بھی متحمل نہ ہو سکے۔“

(”ضرورۃ الامام“ صفحہ 8)

مشتبہ اور نامکمل الہامات

-1 ”ایلی لمسه تانی ایلی اوس۔“ (تشریح از مرزا) آخری فقرہ اس الہام کا یعنی الہل اوس بیاعث سرعت ورود (نزول) مشتبہ رہا اور نہ اس کے کچھ معنی کھلے ہیں۔
والله اعلم بالصواب۔

(”البشری“ جلد 1 صفحہ 26)

-2 ”پریش عمر پر اطوس یا پلاطوس“ (تشریح از مرزا) آخری لفظ پر اطوس یا پلاطوس بیاعث سرعت الہام دریافت نہیں اور عمر عربی لفظ ہے۔ اس جگہ پر اطوس اور پرش کے معنی دریافت کرنے ہیں کہ کیا ہیں اور کس زبان کے یہ لفظ ہیں۔“

(”البشری“ صفحہ 51)

-3 "نتیجہ خلاف مراد ہوا یا لکھا۔" حضرت صاحب خود فرماتے ہیں کہ آخر کالۃ نحیک یاد نہیں رہا اور یہ بھی پنچت پہنچ نہیں کہ یہ الہام کس کے حق میں ہے۔ ("البشری" جلد 2 صفحہ 74)

-4 "پناہی مناد من السماء۔" حضرت اقدس (مرزا) نے فرمایا کہ اس کے ساتھ ایک اور عجیب اور بمشترقہ تھا، وہ یاد نہیں رہا۔ ("البشری" جلد 2 صفحہ 76)

-5 "وَيَعْلَمُكَ (ترجمہ الہامی) تابدیر تر خواہ داشت" حضرت اقدس (مرزا) نے فرمایا کہ 18 فروری 1903ء کو یا کیا ایک مرش کا دورہ ہو گیا اور ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے۔ اسی حالت میں ایک الہام ہوا، جس کا صرف ایک حصہ یاد رہا چونکہ بہت تیزی کے ساتھ ہوا، جیسے مکلی کوئی تھا، اس لیے باقی حصہ تحفظ نہ رہا۔ ("البشری" جلد 2 صفحہ 80)

-6 "یہ بات آسان پر قرار پا جکی ہے، تبدیل ہونے والی نہیں۔" (فرمایا کہ) آج مجھ جب میں نماز کے بعد ذرا لیٹ گیا، تو الہام ہوا۔ مگر افسوس ہے کہ ایک حصہ اس کا یاد نہ رہا۔ ایک چھلی عربی کا فقرہ تھا اور اس کے بعد اس کا ترجمہ اردو میں تھا۔ وہ اردو فقرہ یاد ہے اور عربی فقرہ کچھ اس سے مشابہ تھا۔ تعهد و تعکن ہی السماء۔ مگر وہ اصل فقرہ بھول گیا اور اس نیان میں بھی کچھ ٹھٹائے الہی ہوتا ہے۔ ("البشری" جلد 2 صفحہ 81)

-7 "بلا تازل یہ حادث یا، فرمایا کہ یہ الفاظ الہام ہوئے ہیں مگر معلوم نہیں کس کی طرف اشارہ ہے یاد نہیں رہا کہ یا کے آگے کیا تھا۔" ("البشری" جلد 2 صفحہ 82)

-8 "سلم، حمد، مہتر، اسلامتی والا، حمد کرنے والا، بشارت دیا گیا۔" (تفصیل) کچھ حصہ اس الہام کا یاد نہیں رہا۔ ("البشری" جلد 2 صفحہ 82)

-9 "ایک عربی الہام تھا، الفاظ مجھے یاد نہیں تھے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ مذکوروں کو نشان دکھایا جائے گا۔" ("البشری" جلد 2 صفحہ 94)

-10

”ایک دم میں دم رخصت ہو۔“ فرمایا آج رات مجھے ایک مندرجہ بالا الہام ہوا، اس کے پورے الفاظ یاد نہیں رہے اور جس قدر یاد رہا، وہ حقیقی ہے مگر معلوم نہیں کہ کس کے حق میں ہے، لیکن خطرناک ہے، الہام ایک موزوں عبارت میں ہے، اور ایک لفظ درمیان میں بھول گیا ہے۔

(”البشری“ جلد 2 صفحہ 117)

-11

”تمن بکرے ذئع کیے جائیں گے۔“ فرمایا کہ ہم نے ظاہر پر عمل کر کے آج تمن بکرے ذئع کرادیے ہیں۔

(”البشری“ جلد 2 صفحہ 105)

-12

”عورت کی چال۔ ایلی ایلی لاما سختانی بریت۔“ یہ خیال گزرتا ہے کہ کوئی شخص زنانہ طور سے چھپا کر کوئی مکر کرے مگر یہ صرف اجتہادی رائے ہے۔ الل تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ اس کے کیا معنی ہیں۔

(”البشری“ جلد 2 صفحہ 117)

-13

”الا نشرک بہلام حلیم نالله لک۔ تجھے ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جو تمیرے لیے ناظہ ہو گا۔“ فرمایا کہ چند روز ہوئے یہ الہام ہوا۔ ممکن ہے کہ اس کی یہ تعبیر ہو کہ محمود کے ہاں لڑکا ہو کیونکہ ناظہ پوتے کو بھی کہتے ہیں یا بشارت کسی اور وقت تک موقوف ہو۔

(”البشری“ جلد 2 صفحہ 110)

-14

”رازِ کل گیا۔ اللذین اعْتَدُوا لِنَّکُم فِي الْبَسْتِ (نوٹ از مرزا) کے ساتھ کا فخرہ بھول گیا ہے۔ واللہ عالم۔“

(”البشری“ جلد 2 صفحہ 129)

-15

”..... الہام کے الفاظ یاد نہیں رہے اور معنی یہ ہیں کہ فلاں کو کپڑا اور فلاں کو چھوڑ دے۔ یہ فرشتوں کو حکم الہی ہے۔“

(”البشری“ جلد 2 صفحہ 129)

-16

”آثار صحیت۔“ (”البشری“ جلد 2 صفحہ 82) تشریح از مرزا۔ تصریح بالکل نہیں کہ الہام کس کے متعلق ہے۔

گول مول الہامات

-17

فرمین (ترجمہ) معمول آدی۔

(”البشری“ جلد 2 صفحہ 83)

(”البشری“ جلد 2 صفحہ 92)	ہماری قسمت۔ آیت وار۔	-18
(”البشری“ جلد 2 صفحہ 94)	چودھری رشم عمل۔	-19
(”البشری“ جلد 2 صفحہ 96)	قل مالک حيلة۔	-20
(”البشری“ جلد 2 صفحہ 99)	معز صحت۔	-21
(”البشری“ جلد 2 صفحہ 100)	دو شہر تیر ثوٹ مگئے۔	-22
(”البشری“ جلد 2 صفحہ 101)	رہا گوشنڈ ان عالی جناب۔	-23
(”البشری“ جلد 2 صفحہ 84)	آب زندگی۔	-24
(”البشری“ جلد 2 صفحہ 102)	زندگیوں کا خاتمہ۔	-25
(”البشری“ جلد 2 صفحہ 106)	لائف (ترجمہ) زندگی۔	-26
(”البشری“ جلد 2 صفحہ 106)	فروری کے بعد جانا ہوگا۔	-27
(”البشری“ جلد 2 صفحہ 109)	بیشرا الدولہ۔	-28
(”البشری“ جلد 2 صفحہ 107)	ایک دان کس کس نے کھانا۔	-29
(”البشری“ جلد 2 صفحہ 114)	دو چار ماہ۔	-30
(”البشری“ جلد 2 صفحہ 119)	خیر۔	-31
(”البشری“ جلد 2 صفحہ 122)	مبارک۔	-32
(”البشری“ جلد 2 صفحہ 123)	باشدہ آیا۔	-33
(”البشری“ جلد 2 صفحہ 123)	روشن نشان۔	-34
(”البشری“ جلد 2 صفحہ 124)	ایک اور خوبخبری۔	-35
(”البشری“ جلد 2 صفحہ 124)	ایک ہفتہ تک ایک بھی باقی نہ رہے گا۔	-36
(”البشری“ جلد 2 صفحہ 125)	تحفہ الملوك۔	-37
(”البشری“ جلد 2 صفحہ 126)	لاہور میں ایک بے شرم ہے۔	-38

خلیفہ قادریان کی ولپھپ خوابیں

مرزا قادریان کی خوابیں اور الہامات تو آپ نے سن لیے، اب بیٹھے کی خوابیں بھی ملاحظہ فرمائیے: ”میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص خلافت پر اعتراض کرتا ہے۔ میں اسے کہتا ہوں، اگر تم پچے اعتراض کلاش کر کے بھی میری ذات پر کرو گے تو خدا کی قسم پر لخت ہو گی اور تم تباہ ہو جاؤ گے۔“

اس خواب کی تائید میں حسب ذیل حوالہ بھی یاد رکھنا چاہیے، جس میں آپ فرماتے ہیں کہ غلطی کو غلطی کہتا بھی جرم ہے۔

”خدا کا رسول غلطی کر سکتا ہے اور ہزار فیصلوں میں سے ایک فیصلہ اس کا نادرست ہو سکتا ہے تو میرے لیے ہزار میں سو کا غلط ہوتا ممکن ہے لیکن باوجود اس کے اگر کوئی یہ کہتا پھرے کہ اس نے (خلیفہ قادیانی نے) فلاں فیصلہ غلط کیا یا فلاں غلطی کی، چاہے وہ غلطی ہو بھی بھی اسے خدا تعالیٰ کہدے گا۔“

(خطبہ بعد فرمودہ ظیفہ قادیانی، منقول از ”فضل“ موری ۴ نومبر ۱۹۲۷ء)

(فیصلہ کی غلطی تو ہوئی مگر غلطی کو غلطی قرار دینے پر موافقہ کیا گکر ہوگا)

یہ ذکر کر دینا ضروری ہے کہ خلیفہ قادیانی نے یہ وعظ اس وقت کیا، جب خلیفہ کی ذات پر بھیاک اذمات عائد کیے گئے۔

کماٹر رانچیف بننا

”قریباً تین سال کا عرصہ ہوا جو میں نے روایا میں دیکھا، کہ میں اور حافظ روشن علی صاحب ایک جگہ بیٹھے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجھے گورنمنٹ برطانیہ نے افواج کا کماٹر رانچیف مقرر فرمایا ہے اور میں سراہ مور کرے سابق کماٹر رانچیف افواج ہند کے بعد مقرر ہوا ہوں اور ان کی طرف سے حافظ صاحب مجھے مددہ کا چارچ دے رہے ہیں۔“

8

(”برکات خلافت“ صفحہ 45)

خدا عورت کی شکل میں

”کچھ دن ہوئے ایک لمحہ بات پیش آئی کہ جس کا کوئی علاج میری سمجھ میں نہ آتا تھا۔ اس وقت میں نے کہا کہ ہر چیز کا علاج خدا تعالیٰ ہی ہے، اسی سے اس کا علاج پوچھنا چاہیے۔ اس وقت میں نے دعا کی اور وہ الہی حالت تھی کہ میں نسل پڑھ کے زمین پر لیٹ گیا اور مجھے پچھ ماں باپ سے ناز کرتا ہے۔ اسی طرح میں نے کہا: اے خدامیں چار پائی پہنیں، زمین پر ہی سوؤں گا۔ اس وقت مجھے یہ بھی خیال آیا کہ حضرت خلیفہ اول نے مجھے کہا ہوا ہے کہ تمہارا معدہ خراب ہے اور زمین پر سونے سے معدہ اور زیادہ خراب ہو جائے گا لیکن میں نے کہا آج تو میں زمین پر ہی سوؤں گا، یہ بات ہر ایک انسان نہیں کہہ سکتا بلکہ خاص ہی حالت ہوتی۔“

ہے۔ کوئی چھ سات دن بھی کی بات ہے، جب میں زمین پر سو گیا تو دیکھا کہ خدا کی نصرت اور مدد کی صفت جوش میں آئی اور عورت کی محل میں متصل ہو کر زمین پر اتری۔ ایک عورت تھی، اس کو اس نے سوئی دی اور کہا اسے مار اور کہو کر چارپائی پر سو، میں نے اس عورت سے سوئی چھین لی اس پر اس نے سوئی خود پکڑ لی۔ مگر جب اس نے مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا تو زور سے سوئی گھنٹے لک لا کر چھوڑ دیا اور کہا دیکھ مہودا! میں اسی وقت کو دکھار پائی پر چلا گیا اور جا کر سورہ۔“

(”ملائکۃ اللہ“ صفحہ 70 معنف غلیفہ قادریان)

دعوت مبلله

غلیفہ قادریانی خود کو خدا کا مقرب ظاہر کرتا ہوا پیلک کو اپنی مریدی کی دعوت دیتا رہتا ہے، جس کی بناء پر ہر شخص کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اس کی لائف، اخلاق، چال چلن کو پر کئے، بدیں وجہ میں نے اور ان تمام اشخاص نے، جن پر غلیفہ قادریان کے اندرونی حالات کا راز طشت از بام ہو گیا، غلیفہ مذکور کو ماہ اکتوبر 1927ء میں پہنچ دیا کہ وہ اپنی ذات پر عائد ہونے والے الزامات کے خلاف میدان مبلله میں آئے۔ (مبلله نام ہے دو افراد یا جماعتوں کا ایک دوسرے کے خلاف یہ بعد عا کرنا کہ جھوٹے پر خدا کی لعنت ہو) اب بھی یہ پہنچ بدستور قائم ہے۔ غلیفہ قادریان نے اس دعوت مبلله سے بدیں الفاظ اکار کر دیا۔

”مجھے کامل یقین ہے اور ایک دو کی طرح یقین ہے کہ ایسے امور کے متعلق مبلله کا مطالیبہ کرنا یا ایسے مطالیبہ کو منکور کرنا ہرگز درست نہیں بلکہ شریعت کی ہٹک ہے۔ پس الفاظ قرآن کریم، ختوے رسول، عمل خلقائے رسول، اجماع امت کے بعد جو شخص ایک نیا طریق اختیار کرتا ہے، اس کی نفسانیت اور شریعت کی بے حرمتی کی وجہ سے میں اس کا تابع نہیں ہو سکتا۔“

(مکتب غلیفہ قادریان، مندرجہ جواب مبلله نمبر ۱ صفحہ 2)

غلیفہ قادریان کے ارشاد گرامی کے بعد مرزا غلام احمد قادریانی کا فتویٰ سنئے اور خیال فرمائیے کہ نفسانیت اور شریعت کی بے حرمتی کا الزام کس پر عائد ہوتا ہے اور الفاظ قرآن کریم، ختوی رسول، اجماع امت سے غلیفہ قادریان زیادہ واقف ہے یا مرزا غلام احمد؟

”سو اخراج رہے کہ صرف دوسورت میں مبلله جائز ہے۔“

اس کافر کے ساتھ جو یہ دعویٰ رکھتا ہو جو مجھے یقیناً معلوم ہے کہ اسلام حق پر نہیں اور جو کچھ غیر اللہ کی نسبت خدائی کی صفتیں میں مانتا ہوں۔ وہ یقینی امر ہے، یہ تمام خبر

تحقیقات طلب ہے۔

اس ظالم کے ساتھ جو ایک بے جا تھت کسی پر لگا کر اس کو ذمیل کرنا چاہتا ہے۔ مثلاً ایک ستورہ (عورت) کو کہتا ہے کہ میں یقیناً جانتا ہوں کہ یہ عورت زانی ہے کیونکہ بھشم خود اس کو زنا کرتے دیکھا ہے یا مثلاً ایک شخص کو کہتا ہے کہ میں یقیناً جانتا ہوں کہ یہ شراب خوار ہے کیونکہ میں نے بھشم خود اس کو شراب پیتے دیکھا ہے۔ سواں حالت میں بھی مبلہ جائز ہے کیونکہ اس جگہ کوئی اجتہادی اختلاف نہیں بلکہ ایک شخص اپنے یقین اور روہت پر بنا رکھ کر، ایک مومن بھائی کو ذلت کا چھانا چاہتا ہے، میںے مولوی اسماعیل صاحب نے کیا تھا اور کہا تھا کہ یہ میرے ایک دوست کی جسم دید بات ہے کہ مرزا غلام احمد یعنی یہ عاجز پوشیدہ طور پر آلاتِ نجوم اپنے پاس رکھتا ہے اور انہی کے ذریعہ سے کچھ کچھ آئندہ کی خبریں معلوم کر کے لوگوں کو کہہ دیتا ہے کہ الہام ہوا ہے۔ سو مولوی اسماعیل صاحب نے کسی اجتہادی مسئلہ میں اختلاف نہیں کیا تھا بلکہ اس عاجز کی دیانت اور صدق پر ایک تھت لگائی تھی، جس کی اپنے ایک دوست کی روہت پر بنا رکھی تھی۔ لیکن اگر بنا صرف اجتہاد پر ہو اور اجتہادی طور پر کوئی شخص کسی مومن کو کافر کہے یا الحد نام رکھے تو یہ کوئی تھت نہیں، بلکہ جہاں تک اس کی سمجھ اور علم تھا، اس کے موافق اس نے فتویٰ دیا ہے۔ غرض مبلہ صرف ایسے لوگوں سے ہوتا ہے جو اپنے قول کی تسلیع اور یقین پر بنا رکھ کر دوسری کو مفتری اور زانی قرار دیتے ہیں۔*

(”اٹھم“ 24 مارچ 1902ء)

مرزا غلام احمد نے ایک دوسری جگہ اسی عبارت کی ان الفاظ میں توضیح کی ہے اور اس جگہ استدلال بھی قرآن کریم کی آیت مبلہ سے کیا ہے۔

”اس کے جواب میں میاں عبدالحق صاحب اپنے دوسرے اشتہار میں اس عاجز کو یہ لکھتے ہیں کہ اگر مبلہ مسلمانوں سے بوجہ اختلافات جزویہ جائز نہیں تو پھر تم نے مولوی اسماعیل سے فتحِ اسلام میں کیوں مبلہ کی درخواست کی، سو انھیں سمجھتا چاہیے کہ وہ درخواست کسی جزوی اختلاف کی مطابق نہیں بلکہ اس افتراء کا جواب ہے، جو انہوں نے عمماً کیا اور کہا کہ میرا ایک دوست، جس کی بات پر مجھے بھکی اعتماد ہے، دو میئے سوکھ قادیان مرزا غلام احمد کے مکان پر رہ کر بھشم خود دیکھ آیا ہے کہ ان کے پاس آلاتِ نجوم ہیں اور انھیں کے ذریعہ سے وہ آئندہ کب خبریں

تاتے ہیں اور ان کا نام الہام رکھ لیتے ہیں، اب دیکھنا چاہیے کہ اس صورت کو جزئی اختلاف سے کیا تعلق ہے بلکہ یہ تو اس قسم کی بات ہے، جیسے کوئی کسی کی نسبت یہ کہے کہ میں نے اس کو پھر خود زنا کرتے دیکھا ہے یا پھر خود شراب پیتے دیکھا ہے۔ اگر میں اس سے بیاد اختراع کے لیے مبلدہ کی درخواست نہ کرتا اور کیا کرتا۔“

(”تلخ رسالت“ جلد 2 صفحہ 3)

اس جگہ ہم اسی قدر حوالہ جات پر آتفا کرتے ہیں کیونکہ ہمارا مقصود تو بطور مسونہ قادریانی عقاائد اور خیالات کا ذکر کرتا ہے، جو ان حوالہ جات سے بخوبی ثابت ہے۔

معزز ناظرین پر یہ امر واضح رہے کہ ہماری معلومات کا خلاصہ یہ ہے کہ قادریانی گروہ کوئی مذہبی جماعت نہیں، بلکہ ایک تجارتی کمپنی ہے، جسے اسلام یا مذہب سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ بھی وجہ ہے کہ ہم نے تردید مرزا یت کے لیے کتب مرزا یت کو کافی بحث کی ہوئے ہر بات خود ان کے لٹریچر سے پیش کی ہے۔ قرآن پاک یا حدیث شریف اور اقوال بزرگان تو اس گروہ کے سامنے پیش کیے جاسکتے ہیں، جسے ان چیزوں کا ادب ہو لیکن جبکہ یہ گروہ اپنی من گھرتوں تاویلات سے ثابت کر چکا ہے کہ نہ صرف قرآن پاک اور حدیث شریف سے اثار ہے بلکہ وہ اعتراضات سے بھی آ کر مسلمانوں کی ہر بزرگ ہستی کی شان میں گستاخی پر اتر آیا کرتے ہیں، تو اندر میں حالات کیا اس گروہ کے سامنے کلام پاک یا اپنے کسی بزرگ کا فرمان بیان کرنا ارتکاب گناہ کے متراوٹ نہیں؟

پس اس گروہ کے مناسب حال بھی چیز ہے کہ خود اسی کے لٹریچر سے اس کی تردید کی جائے۔



منور احمد ملک

میں ایک احمدی تھا!!

پروفیسر منور احمد ملک (ایم ائسی فرکس) سعی توہانی کے معروف سائنسدان ہیں۔ وہ سولواں یونیورسٹیٹ نائل، سولو ٹینٹ، سولو ٹائل، سولو والر کلر (والر پسپ) اور گلوبل وال کلک کے موجود ہیں۔ پرنٹ میڈیا اور الکٹریکٹ رائٹر میڈیا میں ان کے کئی انٹرویوز اور پیپر شائع ہو چکے ہیں۔ حکومت بخاک ان کو کوئی ایوارڈ دے چکی ہے۔ حال ہی میں وہ مارلٹ ایوارڈ بھی حاصل کر چکے ہیں۔ یہ سارے انعام و اکرام ان کے اسلام قبول کرنے پر اللہ تعالیٰ نے عطا کیے ہیں۔

پروفیسر منور احمد ملک پیدائشی احمدی تھے۔ 42 سال احمدی رہے۔ اس دوران خدام الاحمدیہ میں ملکی عہدوں پر فائز رہے۔ جماعت احمدیہ طلح جلم کے ہب امیر بھی رہے۔ 5 سال کی تحقیق کے بعد 1999ء میں اپنے بھائی، والد محترم سمیت 13 افراد کے ساتھ احمدیت کو ترک کر کے اسلام کے حلے میں داخل ہو گئے۔ ان کے بہت سے مظاہرین ان کی تحقیقی صلاحیتوں کے آئینے در اور جماعت کے خدیجہ گوشوں کے بارے میں شائع ہو چکے ہیں۔ جماعت احمدیہ کے متعلق ان کے تحریرات اور مشاہدات خاصے طویل ہیں۔ وہ ان کو تفصیل سے تلمذ کر رہے ہیں۔ ان کے قول اسلام کا واقع خود ان کی زبانی سے۔

میں 1957ء کو محمود آباد جلم کے ایک کٹر نامی اور احمدی گمراہے میں پیدا ہوا۔ بچپن سے ہی مذہبی اور جماعتی کاموں میں دلچسپی پیدا ہو گئی۔ جوانی میں قدم رکھا تو احمدیت کا تعلق اور سرگرم رکن بن چکا تھا۔ بی ایسی کرنے کے بعد میں جلم سے لاہور چلا گیا۔ بخاک یونیورسٹی نوکیپس میں اڑھائی سالہ دور طالب علمی میں جماعتی کاموں میں دیوانہ وار حصہ لہا۔ اسی سرگردی کا نتیجہ تھا کہ مجھے نوکیپس کے احمدی نوجوانوں کا قائد (زیم) بنا دیا گیا۔ ساتھ ساتھ قیادت ماذن ناؤن (اس وقت یہ قیادت مسلم ناؤن سے چونگی امر سدھو، ناؤن شپ اور گلبرگ تک کے علاقے پر مشتمل تھی) کا ناظم تعلیم بنا دیا گیا۔ اسی طرح خدام الاحمدیہ طلح لاہور کی قیادت میں نائب ناظر اصلاح و ارشاد بنا دیا گیا۔ جب 1982ء میں مرزا طاہر جنین کی ”بیت الہمارت“ کا افتتاح کرنے کے بعد پاکستان میں آئے تو انہوں نے ہلشن ہوٹل (اب آواری ہوٹل) میں غیر از جماعت دوستوں سے ایک اہم خطاب کیا۔ اس وقت ہوٹل کی بیرونی سکرین پر میرے ذمہ تھی: ر

20 نوجوانوں کی تیم کو میں لیڈ کر رہا تھا۔ گویا ضلع لاہور کی قیادت میں میری پہچان بن چکی تھی۔

1984ء میں راولپنڈی میں ایک سالہ سروں کے دوران راولپنڈی (ضلع جہلم، چکوال، راولپنڈی، ایک، اسلام آباد، صوبہ سرحد، شمالی علاقہ جات، آزاد کشمیر پر مشتمل علاقہ) میں عالی تعلیم ہایا گیا۔ اٹھائی سالہ چکوال کے قیام کے دوران مگر ان ضلع چکوال و ضلع جہلم ہایا گیا۔ 3 ماہ کے بھاولپور قیام کے دوران جماعت بھاولپور کی فعلی قیادت میں مجھے بھی شامل کیا گیا۔

1989ء میں جہلم اپنے آبائی گاؤں محمود آباد آیا تو مجھے جماعتی قیادت میں جمود نظر آیا۔ میں 9 سال جہلم سے باہر رہا۔ اس دوران اعلیٰ تعلیم بھی حاصل کی اور جوانی کے شہری دور کے ذخیرہ صورت سالوں کا زیادہ وقت جماعتی کاموں میں خرچ کر کے ایک نہایت مبلغ بن چکا تھا۔ مقائی جماعت میں نظام جماعت بالکل مغلظ تھا۔ 40 اطفال، 45 خدام اور 50 انصار اللہ پر مشتمل جماعت میں مجلس عاملہ تھی اور نہ تربیت کے لیے مرتبی۔ عبادت گاہ غیر آباد، عبادت گاہ کی زمین پر قبضہ گروپ کا قبضہ، چنانچہ دوسال میں مجلس عاملہ بنائی، مرتبی ملکوایا، مرتبی ہاؤس کے لیے اپنی ذاتی جگہ وقف کی۔ نمازوں میں زیادہ حاضری شروع ہوئی۔ میں نے قبضہ ختم کر دیا۔ چندہ دہنگان کی تعداد 15 سے 62 کروائی۔ ان محنت مدت تبدیلیوں کے لیے سخت سخت کرنا پڑی۔ اس کے رویں کے طور پر سخت حراثت کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ مقائی قیادت میں ایکشہوئے تو مجھے نائب صدر جماعت محمود آباد جنم لیا گیا۔ صدر کا انتخاب عین نہ ہوا تھا۔ مجلس عاملہ کے انتخاب میں بڑا عہدہ نائب صدر عین تھا جس کا انتخاب ہوا۔

اس ساری "محنت مدت تبدیلی" کے لیے مجھے بار بار مرکز (ربوہ، چناب گر) جانا پڑا۔ جماعت کی اعلیٰ قیادت سے بار بار ملاقات، گفتگو اور ڈیلیک سے کچھ اکشافات ہوئے۔ سلطان محمود الور ناظر اصلاح و ارشاد، سید احمد شاہ صاحب نائب ناظر اصلاح و ارشاد، مرزا خورشید احمد، حافظ مظفر احمد صدر خدام الاحمدیہ، ناظر بیت المال (آم) اور دیگر عہدیدار اس سے ملاقات کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ جماعت کو نظام جماعت سے کوئی غرض نہ تھی نہ ہے۔ جماعتی قواعد و معاویات (نظام، قانون) 1962ء میں تیار ہوئے۔ مرزا ناصر اور مرزا طاہر احمد کے دور قیادت میں نہ صرف اسے اپنے گریجومنس کیا گیا بلکہ اسے فن کر لیا گیا اور آج کسی بھی ضلع کے امیر جماعت سے پوچھ لیں کہ کیا آپ نے نظام جماعت یا قواعد و معاویات صدر راجح بن احمدیہ پڑھے ہیں؟ جواب نہیں میں ہو گا۔

اس محنت مدت تبدیلی کے لیے ہمیں کن مکملات کا سامنا کرنا پڑا اور اس کے رویں میں "سوراں" نے ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اس کا تذکرہ بہت لمبا ہے۔ اس کا مختصر تذکرہ میں اپنے حالات نہیں کر رہا ہوں۔ جماعت کو صرف چندوں سے دعویی ہے۔ چندہ عام، چندہ جلسہ سالانہ، چندہ تحریک۔ یہ، چندہ وقف جدید، چندہ مجلس (خدام الاحمدیہ، انصار ان، اطفال الاحمدیہ، ناصرات الاحمدیہ، بخش امام

اللہ) چندہ تیسرے ہاں، چندہ اجتماع، چندہ صد سالہ جو میں، چندہ بیشنیا، چندہ افریقہ، چندہ دش اہلیا، ”غیرہ وغیرہ“ کسی بھی احمدی کی حیثیت اس کے تقویٰ، پرہیز گاری یا جماعت کے اخلاص کی بنیاد پر نہیں بلکہ چندوں کی ادائیگی پر ہے۔ جماعت پر عملاً شہزادوں (مرزا صاحب کی فیصلی کے افراد) کا راجح ہے۔ جماعت عملاً اسلام سے بہت دور جا سکتی ہے۔ ہمیں بھیپن سے باور کروایا جاتا رہا تھا کہ احمدیت اصل اسلام ہے۔ مرزا صاحب نے اسلام کو پھر سے زندہ کر دیا ہے، یہ ان کا بہت بڑا کمال ہے۔ مگر حیثیت بالکل اس کے بر عکس تھی۔ 1990ء سے 1995ء کے دوران میں جماعتی کاموں میں بڑا چکھہ کر حصہ لیتا رہا اور محنت مند تبدیلیوں کے لیے اپنی قوانینی خرچ کرتا رہا۔ میرے ساتھ ملک بیشراحمد ولڈلصل احمد بھی تھے۔ ہم دونوں نے اکٹھے مل کر اس مشن کو آگئے بڑھایا۔ البتہ میرے بڑے بھائی ٹھیس احمد بھی ہمارا ساتھ دیتے رہے۔ 1993ء تا 1994ء میں نائب امیر جماعت طلح جہلم بنا یا کیا۔ نثارت امور عام، نثارت اصلاح و ارشاد، نثارت بیت المال کے NOC کے بعد لندن سے ”ظیفۃ وقت“ کی طرف سے نائب امیر جماعت طلح جہلم کے ہمراہ کے لیے منظوری ہوئی۔

1995ء میں، میں نے صحیح خواب دیکھا کہ ہم دو آدمی ایک غیر آباد جو میں داخل ہوتے ہیں۔ جو میں خود رہ جھاؤں اور درختوں کی وجہ سے اندر ہی رہا۔ مجھے آواز آتی ہے تم اس دروازے میں داخل ہو جاؤ۔ جو نئی میں اس دروازے میں داخل ہوتا ہوں تو اپنے آپ کو ایک بہت ہی اوپنے نیلے (پیہاڑ) پر پاتا ہوں۔ میرے سامنے دو رسیلوں گھرائی ہے۔ میرے قریب سے لے کر دور حد نگاہ تک تحریکوں والے خوبصورت پوڈوں کی کیا ریاں ہیں۔ یہ پھول اور پھلدار درخت پا قاعدہ لائنوں میں لگے ہوئے ہیں۔ ہائی سائینس سے میرے سامنے ایک سرخ مرچ پیش کی جاتی ہے اور مجھے کہا جاتا ہے کھاؤ۔ میں نے پھلکھلتے ہوئے کہا کہ یہ کزوی گھوگی؟ جواب ملا چکو تو سکی۔ میں نے تھوڑی سی توڑ کے چکھی تو وہ شہد کی طرح مٹھی تھی۔ آواز آتی جہاں کی سرخ مرچ اتنی مٹھی ہے۔ دوسری چیزیں کیسی ہوں گی۔ ”خاب تم ہو کیا۔ میری سوچیں شروع ہو گئی۔ ہم دو دوست مگر اس دروازے میں صرف میں اکیلا جاتا ہوں۔“

چندوں کے وقٹے سے دوسرا خواب آیا۔

”صح کے و بجے کا وقت ہو گا۔ سرخ تیز چمک رہا ہے۔ اس کی تیز سفید روشنی درختوں میں سے چمن چمن کرتی میرے سینے پر پڑ رہی ہے۔ میں ایک بار سرخ کی طرف دیکھتا ہوں اور ایک بار سینے پر دیکھتا ہوں۔ وہاں پر چوں کے سامنے حرکت کرتے نظر آتے ہیں۔ میں غور کر رہا ہوں کہ میرے سینے پر اتنی تیز سفید روشنی پڑ رہی ہے۔“

یہ دونوں خوابیں نہ صرف میری زندگی میں تبدیلی کا سبب ہیں بلکہ تقریباً دونوں پوری ہو چکی ہیں۔ دوسری بار بار پوری ہوئی۔ اس لیے 1995ء یعنی میں نے فیصلہ کیا کہ جہلم سے گورنمنٹ کا نئے

گوجر خاں ترانفر کروالی جائے۔ چنانچہ اگست 1995ء کو میں گوجر خاں کالج میں آگیا اور اکتوبر میں بعد نیلی گوجر خاں شفت ہو گیا۔

1995ء تا 1999ء میں جماعت احمدیہ کے متعلق کافی غور کیا۔ اس جماعت میں 42 سال کی عمر میز اڑ کا تھا۔ تجھی (تربیت و تعلیم والی) جوانی (طاقت، جوش، اور عزم والی عمر) اور اب انصار اللہ کی حدود میں داخل ہو رہا تھا (40 سال کی عمر کے بعد احمدی خود بخود انصار اللہ تعلیم میں داخل ہو جاتا ہے جو بوڑھوں کی تعلیم ہے)

1989ء میں، میں نے اپنے ناموں جو جماعت میں سیکڑی مال اور گاؤں میں نمبردار تھے، پوچھا کہ جماعت احمدیہ بچوں کے اسلامی نام کیوں نہیں رکھتی؟ وہ میری اس بات سے چونکے، اور حیرانگی سے پوچھا کیسے؟ میں نے پوچھا کہ ذرا اردوگرد کا جائزہ لے کر بتائیں کہ بچوں میں کسی کا نام محمد، ابو بکر، عمر، عثمان، علی، حسن، حسین ہوتا تھا۔ یا بچوں میں فاطمہ، خدیجہ، آمنہ یا عائشہ نام ہوتا تھا۔ وہ حیران بھی ہوئے اور میری بات کو تسلیم بھی کیا۔ میں نے جو بزرگ کیا کہ آپ اس بات کو آگے چلا کر جماعت کے افراد سے کہیں کہ وہ آئندہ ان ناموں کی طرف توجہ دیں۔ مگر اس طرف قبیل رفت نہ ہوئی۔ البتہ 1990ء میں میں نے اپنے بیٹجے کے نام کا بلدیہ میں اندر اراج کرواتے ہوئے محمد کا اضافہ کرتے ہوئے "محمد نس احمد" لکھا دیا۔

میرے دادا اور نانا دلوں مذہبی آدمی تھے۔ نانا اور دادا نے اپنے بچوں کے نام عائشہ، فاطمہ، آمنہ، محمد شریف، محمد ابراء، محمد اسماعیل اور محمد سلیم رکھے۔ تمام نام اسلام سے گہری عقیدت کے عکاس ہیں۔ مگر یہ بات 1918ء تا 1930ء کی ہے۔ جس وقت ابھی جماعت احمدیہ اسلام کے نام پر آگے بڑھ رہی تھی۔ مرزا بشیر الدین محمود احمد نے اپنے 51 سالہ دور میں جماعت کو نہ صرف مظہم کیا بلکہ انہا حد تک تھسب ہنا دیا۔ آج پاکستان میں اس سے زیادہ تھسب کوئی اور فرقہ یا مذہب نہیں ہے۔

اب صورت حال یہ ہے کہ پاکستان میں کسی بھی جماعت کے 30 سال سے کم عمر افراد کے ناموں کا جائزہ لیں 98% کے نام محمد، ابو بکر، عمر، عثمان، علی، حسن، حسین، فاطمہ، عائشہ، آمنہ، خدیجہ وغیرہ کے ملادہ ہوں گے۔ ہمارے دادا اور نانا کی اولاد نہ صرف یہاں تک احمدی تھی بلکہ مرزا بشیر الدین محمود احمد کی تربیت یافت تھی۔ لہذا ان کے کسی بچے کا نام درج بالا ناموں سے نہیں ملتا۔ جماعت احمدیہ اسلامی ناموں سے دور جا چکی ہے۔ جب کسی احمدی پر اعتراض ہو تو فوراً کہتا ہے کہ "احمد" کا نام بھی تو اسلامی ہے۔ حالانکہ مرزا صاحب نے اور بعد میں مرزا بشیر احمد اور مرزا بشیر الدین نے قرآن مجید میں آنے والے لفظ "احمد" سے مراد مرزا غلام احمد قادری لیا ہے۔ حالانکہ مرزا صاحب کا نام خدا نے "غلام احمد" رکھایا تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے باپ کے ذریعہ پہلے ان کو "غلام" بنا دیا۔ مگر افسوس کہ بعد میں یہ غلام کی چادر پھاڑ کر باہر نکلے اور خود "احمد" بننے کے دعویدار ہوئے۔ جماعت پار بار اس بات کا تذکرہ کرتی ہے کہ اسلام کے پانچ ارکان ہیں۔

کلمہ، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جوان پر عمل کرے وہ مسلمان ہے۔ لہذا ہم (احمدی) ان پر ایمان رکھتے ہیں، عمل کرتے ہیں، لہذا ہم مسلمان۔ ہاں اگر ایک رکن کو نہ مانیں تو ضرور ہم کافر کہلائیں گے۔ مگر یہ قلف قضا مرزا بیش الدین کا جوانوں نے تحریک فتح نبوت سے مقابلے کے دوران اپنی تحریر و تقریر میں دینا شروع کیا اور یہ 1934ء سے 1953ء تک رہا۔ مگر 1953ء سے 2000ء تک اگر آئیں تو اب جماعت زکوٰۃ اور حج دلوں ارکان کو چھوڑ جکی ہے۔ زکوٰۃ وہ واحد اسلامی چندہ ہے جس کے متعلق قرآن مجید میں نماز کے ساتھ ساتھ زور دیا گیا ہے۔ مومنوں اور مسلمانوں کی یہ نشانی تائی گئی ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔

زکوٰۃ سے انکار

آج اگر ایک 40 سالہ احمدی سے پوچھیں کہ آج تک آپ کے پاس کتنی دفعہ جماعتی عہد دار چندہ لینے آیا ہے اور کتنی دفعہ زکوٰۃ۔ اس کا جواب ہو گا کہ چندہ تو بے شمار وصول کیا گیا مگر زکوٰۃ ایک بار بھی نہیں۔ مرزا طاہر احمد نے اپنے 21 سالہ دور کے ایک ہزار خطبیوں میں کم از کم 20 خطبے وقف جدید کے چندہ کی اہمیت کے بارے میں، 20 چندہ تحریک جدید، 20 چندہ جلسہ سالانہ، 20 چندہ عام کے بارے میں دیے ہوں گے۔ مگر ایک خطبہ بھی زکوٰۃ کے متعلق نہیں دیا۔ ایک احمدی کی نظر میں کس چندے کی اہمیت ہو گی؟ نیکوں میں زکوٰۃ کے نظام سے احمدی باہر رہتے ہیں۔ وہاں لکھ دیتے ہیں کہ ہم احمدی ہیں، ہماری زکوٰۃ نہ کافی جائے۔ نظام جماعت میں زکوٰۃ شامل نہیں ہے۔ افرادی کے ساتھ ساتھ جماعتی سُلٹ پر زکوٰۃ عملاً اور علمائُمُثُمٰہ ہو جکی ہے۔

حج سے انکار

پانچ ارکان اسلام میں ایک رکن حج ہے۔ میں جب احمدی تھا تو فیر احمدی ہم پر اعتراض کرتے کہ آپ ربہ میں حج کرنے جاتے ہیں، اس وقت ان کے اس الزام کی مگر انہی کا اندازہ نہیں ہوتا تھا۔ مگر جب خود غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ تمیک ہی کہتے تھے۔ کیونکہ قادریان، پھر ربہ اور اب لندن کے جماعتی جلسہ سالانہ میں احمدی حج سے زیادہ عقیدت کے ساتھ شامل ہوتے ہیں۔ مرزا طاہر احمد کے 21 سالہ دور کے ایک ہزار خطبیوں میں سے کم از کم 20 خطبے جلسہ سالانہ کی اہمیت، افادیت کے متعلق ہوں گے مگر حج کے متعلق ایک خطبہ بھی نہیں ہے۔ ایک 20 سالہ احمدی نوجوان جلسہ سالانہ کو اہمیت دے گایا حج کو؟ ایک پاکستانی کے لئے کسی دوسرے ملک کا سفر کرنا اتنا مشکل نہیں ہوتا بھارت کا۔ پھر ایک سرکاری ملازم کے لئے مزید مشکل ہوتا ہے۔ مگر قادریان (بھارت) کے جلسہ کے لئے احمدی افراد (سرکاری ملازم) تمام پابندیاں تווڑتے ہوئے بغیر NOC (نیچے طور پر جعلی دستاویزات پر قادریان جلسہ پر جاتے

ہیں۔ ہر قوم کی پابندی ان کو قادریان جانے سے روک نہیں سکتی۔ یہ ہے عقیدت۔۔۔ مگر جب کسی احمدی سے حق کے متعلق بات کریں تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے حق کرنے پر پابندی ہے۔ یہاں ان کو پابندیاں نظر آتی ہیں۔ حقیقت میں ایک احمدی کی نظر میں حق کی کوئی اہمیت نہیں۔ البتہ اگر کوئی احمدی حق کر آئے تو احمدی مولوی (مربی) اسے بے عزت کرے گا کتنے وہاں نمازیں غیر احمدی (غیر مسلم) کے پیچے پڑی ہیں (خادہ کعبہ میں پڑی گی جانے والی نمازیں) وہ تمہاری نمازیں نہیں ہو سیں۔ دوبارہ پڑھو۔ 1984ء نے ربوہ کا جلسہ لندن میں ہوا رہا ہے۔ احمدیوں کی تولا نظری کلک آئی۔ ایک تو پرانے اور اصلی آقا میرزا گھنے دوسراے ”ولادت“ کے دینے کھل گئے۔ پورپ کی بھی اور الگلینڈ کے مرے لینے کا بہاذل گیا۔ ”ٹیگے نوں لات کاری آگئی“ جو حق درحق احمدی پورپ داخل ہونے لگے۔ دینے لگے۔ لندن گئے۔ واہی کاراست بھول گئے۔ دھڑا دھڑا وہاں سیاسی پناہ لینے لگے تو پابندیاں لگ گئیں۔ الگلینڈ والوں نے کہا ”تھوڑے رکھو“ جماعت حركت میں آئی۔ سیاسی پناہ کے لیے دوسراے پورپی ملکوں میں کھپایا جانے لگا۔ صورت حال یہ ہے کہ اگر 100 افراد نے لندن کے جلسہ میں شرکت کی ہے تو ان میں ایک بھی احمدی نے حق نہیں کیا ہو گا۔

1974ء میں قوی انسٹیلی کے اجلاس میں مرتضیٰ صراحت اپنے چار دینگر سرکردہ احمدی افراد کے ساتھ شامل ہو کر احمدیت کا موقف پیش کرتے رہے۔ ان پانچ سرکردہ افراد میں مرتضیٰ طاہر احمد بھی شامل تھے۔ مرتضیٰ طاہر احمد کا شامل ہونا اس بات کا ثبوت تھا کہ پاکستان کے لاکھوں احمدی افراد میں سے یہ پانچ افراد سرکردہ اور رہنماء پوزیشن میں تھے۔ یقیناً یہ مذہبی جماعت کے سرکردہ افراد ہونے کی حیثیت سے تقویٰ اور عبادات کے لحاظ سے سب سے آگے تھے۔ 1982ء میں مرتضیٰ طاہر احمد کا ”ظیفہ“ بننا تحریک اس بات کا ثبوت تھا کہ جماعت تقویٰ عبادات کے حوالے سے ان کو سب سے آگے بھیتی ہے۔ 1982ء تک مرتضیٰ طاہر احمد نے کتنے حق کیے ہوئے تھے؟

اس کے مقابل پر پاکستان کے کسی غریب علاقے کی عامی مسجد کے امام کو دیکھ لیں۔ ذرالمالی حیثیت نے اجازت دی۔ فوراً حق کر آئے گا۔ موقع مtarar ہے تو حق پر حق کرتا رہے گا اور بیت اللہ سے عقیدت اور اسلام کے بنیادی ارکان حق پر عملاً ایمان کا مظاہرہ کرتا رہے گا۔

احمدی، حقیقت میں حق سے الکاری ہو چکے ہیں۔ شاید وہ وقت آچکا ہے کہ ایک 10 یا 15 سالہ احمدی سے حق کے بارے میں پوچھیں تو وہ کہے گا کہ یہ تو مسلمان کرتے ہیں۔ اہم نہیں!! یہ جواب اب دستیاب ہے۔

مذہبی یا مالی تحریک

ایک طرف جماعت اپنی اساس مذہبی عقائد و نظریات پر رکھتی ہے تو دوسری طرف اہمیت اور ترجیح پیسے کو دیتی ہے۔ مذہبی عقیدت و تقویٰ، پرہیز گاری ٹانوی ووجہ رکھتے ہیں۔ اس کا دلچسپ عملی مظاہرہ

اس وقت سانے آتا ہے۔ جب امیر جماعت یا کسی عہد دار کے انتخاب کا وقت آتا ہے۔ تمام بالغ احمدی افراد کو جمع کیا جاتا ہے۔ ان میں سے ایسے تمام افراد جن کے ذمہ چھ ماہ سے زائد کا چندہ بھایا ہو، کو مجلس سے اٹھا کر باہر نکال دیا جاتا ہے۔ وہ نہ ووٹ ڈال سکتے ہیں اور نہ ہی عہدہ دار بن سکتے ہیں۔ ان افراد میں ایسے افراد بھی ہوتے ہیں جو تقویٰ اور پرہیزگاری اور عبادات کے حوالے سے نمونہ ہوتے ہیں۔ مگر مالی نکری کی وجہ سے تسلیم کے ساتھ چندہ نہیں دے سکتے اور اگر چھ ماہ سے زائد کا چندہ واجب الادا ہو چاہے وہ ایک روپیہ یعنی کیوں نہ ہو ووٹ اور عہدے کے حق سے محروم کرو یہ جائیں گے۔ اس کے مقابل پر ایسے افراد جن کو مذہب کے ساتھ بھی نہیں۔ کبھی کسی جماعتی اجلاس میں شامل نہیں ہوتے۔ عبادات میں شامل نہیں ہوتے۔ مگر یہی ذہن رکھنے کی وجہ سے اپنے ذمہ کا دو چار سو چندہ دے کر ووٹ اور عہدے کا حق حاصل کر لیتے ہیں۔

ایکشن کا طریقہ کاری بھی دلچسپ ہے۔ بغیر کسی تحریک کے بغیر کسی پروپیگنڈہ کے، بغیر کسی منشور کے، ایک آدمی کسی دوسرے کا نام اس کی مرمنی کے بغیر پیش کرے گا کہ فلاں عہدے کے لیے میں اس کا نام پیش کرتا ہوں۔ ایک اور آدمی اس نام درود کی حمایت کرے گا۔ اس طرح کسی اور کا نام اس عہدے کے لیے پیش ہو گا۔ پھر ان کے درمیان ووٹگ ہو گی۔ پھر جس کی برادری زیادہ ہو گی۔ جزویاً اثر و سخ والایا ڈاگ کار، جاگیردار، سرمایہ دار ہو گا اس کو ہاتھ اٹھا کر لوگ ووٹ دے دیں گے۔ دیں بھی کیوں نہ، ہر کوئی مقابلے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ ہر کوئی ووٹ نہ دے کر ہزار نشکی مول لے کر سکون سے رہ نہیں سکتا۔ اب جو عہدہ دار چتا گیا ہے۔ اس کی نہ کوئی کو الیکشن کی پابندی ہے۔ نہ نماز، روزہ یا عبادات کی پابندی ہے۔ نہ تقویٰ، پرہیزگاری شرط ہے، نہ جماعتی اخلاق اور نہ ہی علم اس کے لیے ضروری ہے۔ ایک صورت میں جو عہدے دار "وجود" میں آئے گا، وہ بے پناہ اختیارات کا مالک ہو گا۔ ایک "زمیں جماعت" کا عہدہ دار کمل طور پر غیر ملکی سانے آئے گا۔ اب وہ امیر جماعت ہے تو خدا سے کم پاڑ نہیں رکھتا۔ کیونکہ جماعتی فلسفہ کے مطابق وہ خلیفہ وقت کا ترجمان ہے اور خلیفہ وقت خدا کا نمائندہ ہے۔ اگر امیر کی بات نہیں مانو گے تو کویا خلیفہ کی بات نہیں مانی۔ اور اگر خلیفہ کی بات نہیں مانی تو کویا خدا کی بات نہیں مانی۔ اب یہ امیر جماعت خطبہ جو نمازیں اور دیگر عبادات پڑھانے کا پہلا حصہ ہے جبکہ مرتبی جو میڑک کے بعد سات سال تک نہیں علم حاصل کرتا ہے اور کمل مولوی، مرتبی میں کرفیلڈ میں جاتا ہے تو امیر جماعت کو اس کے علم کے اوپر بخادا یا جاتا ہے۔ اب ہر نہ ہی بات پہلے امیر کی مانی جائے گی۔ جس کے پاس کوئی نہ ہی علم نہیں ہے۔

یہی امیر جماعت جو کمل طور پر غیر ملکی لوگ ہوتے ہیں۔ خلیفہ وقت کا انتخاب کرتے ہیں۔ ان غیر ملکی لوگوں کے چنان سے ایک "زمیں خصیت" حکمران بنتی ہے۔ ان تقویٰ اور پرہیزگاری سے عاری افراد کے چنان سے غیر ملکی شخص ہی سانے آ سکتا ہے۔ کویا مذہب تو سکینڈری چیز ہو گئی۔ دوسری طرف جماعت کا

تمام نظام چندہ کو جمع کرنے پر لگا ہوا ہے۔ میرے تجربے اور مشاہدے نے ثابت کیا ہے کہ جماعت کو صرف اور صرف چندہ جمع کرنے سے دچکا ہے۔

خلاصہ عرض ہے کہ جماعت عملی طور پر اسلام سے دور جا چکی ہے۔ نہ زکوٰۃ اور نہ حج، نہ اسلامی ناموں سے عقیدت اور نہ ہی اسلامی شخصیات سے لگاؤ۔

احمدی حضرات جماعت احمدیہ کی بنیاد سے قبل گزرے ہوئے اسلامی بزرگوں کو بھی عزت و عقیدت نہیں دیتے۔ بعیب بات ہے کہ بر صیر کے وہ مسلمان بزرگ جنہوں نے اسلام کی تعلیم و تبلیغ میں ساری زندگی گزار دی۔ ایک احمدی ان سے بھی تصور رکھتا ہے۔ اگر یہ نہ ہی جماعت ہو یا اسلامی توبیعیہ گزرے ہوئے نہ ہی اور اسلامی بزرگوں کو عزت و عقیدت دے۔ مرزا صاحب نے جب اپنے سلسلہ کا آغاز کیا یا ”آغاز کی تیاری“ شروع کی تو اسلام کا نام استعمال کیا اور کچھ بیوں کہا۔

وہ بیشووا ہمارا جس سے ہے نور سارا

نام اس کا ہے محمد ولیبر مرا سمجھا ہے

—
مگر جب رونق لگ گئی اور ایک حلقة بن گیا۔ جماعت بن گئی۔ امام مهدی اور سعیح موجودو کے دوسرے پرانے ہو گئے تو آگے بڑھے اور کہا۔

میں کبھی آدم کبھی مویٰ کبھی یعقوب ہوں

نیز ابراہیم ہوں شلیں ہیں میری بے شمار

اور حزیر آگے بڑھے اور اہمیٰ نی کا دھوئی کر دیا۔ اب وہ کافی حد تک ”خود کفیل“ ہو چکے تھے۔

اب حضرت محمدؐ کی چھتری سے باہر نکلنے کی کوشش کر سکتے تھے۔ اس کے بعد مرزا صاحب نے شانی رسول اقدس بیان کرنے کے لیے کوئی نظم یا نعت نہیں لکھی بلکہ نثر میں بھی خاصی کی آگئی یا اعتم ہو گئی۔ مرزا طاہر احمد ایک شاعر بھی تھے۔ ہر جلسہ پر اپنی ایک دلخیس تیار کر کے پڑھواتے۔ مگر اپنی ایک سو سے زائد نظموں میں شاید ایک بھی نعت نہیں ہے۔ اگر ہوتی توبیعیہ میں اس کا مثالاً ہوں۔ کوئی احمدی مجھے دکھائے۔ جہاں تک جماعت کے عقائد کا تعلق ہے تو میرے احمدیت کے درمیں، میں اکٹھی یا سوچتا کہ اگر امام مهدی، سعیح موجود ہی سے جماعتی دعوؤں کو احادیث کے حوالے سے پرکھا جائے تو خاصی پوزیشن کمزور نظر آتی ہے کیونکہ وہ جنہوں احادیث امام مهدی اور سعیح موجود (عیسیٰ ابن مریم) کو طیبہ علمیہ ملکہ بیان کر رہی ہیں۔ جبکہ جماعت ایک اکتوپی حدیث پر تکمیل کر کے دونوں کو ایک وجود میں ظاہر کر رہی ہے تاکہ مرزا صاحب کو کسی اور شخص کی اطاعت نہ کرنی پڑے۔

کہتے ہیں ایک بوزی گی مورت کا ایکیڈٹ ہو گیا۔ لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے۔ کوئی کہتا اے ہپتال لے جاؤ۔ کوئی کہتا مرہم پیا کرو۔ کوئی کہتا اس کے گمراہوں کو خبر کرو۔ کسی دور کمزور شخص نے کہا

کہ اسے دودھ میں جلی ڈال کر دو۔ مائی نے فوراً آنکھیں کھولیں اور کہا سب اپنی اپنی باتیں کر رہے ہیں۔ اس دور کفر میں شخص کی بات بھی تو سنو۔

مرزا صاحب نے درجنوں احادیث جو امام مهدی اور عیسیٰ ابن مریم کو دوالگ وجودوں میں پیش کر رہی ہیں، کو چھوڑ کر ”دودھ جلی“، والی الکوتی حدیث کا سہارا لیا۔ اگر انی زیادہ صحیح احادیث کی حیثیت نہیں تو ایک کیا ہو سکتی ہے؟

کسی درجن احادیث کھل کر اور تفصیل سے ثقہ نبوت کا مطلب حضور نبی کریمؐ کو آخری نبی ظاہر کر رہی ہیں۔ بلکہ احادیث کا واضح مطلب نبوت کا انتظام ہے مگر ایک الکوتی حدیث جس میں حضرت عیسیٰ کو نبی اللہ کہا گیا ہے، اس سے استدلال دراستدلال کرتے ہوئے نبوت کے جاری ہونے کا راستہ کھولنے کی کوشش کی۔ حالانکہ واضح طور پر درجنوں احادیث نبوت کو حضرت محمدؐ خاتمیت تک محدود کر رہی ہیں۔ صحابہ شاہل اگر ان درجنوں احادیث سے نبوت بند نہیں ہو رہی تو ایک کمزور حدیث کے استدلال سے کیسے نبوت جاری ہوتی ہے؟

قرآن مجید کی بعض آیات کو احمدی نبوت کے جاری رہنے کے ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہیں مگر جب نبوت کا دروازہ کھول دیجئے ہیں۔ تو مرزا صاحب کو لا کر فوراً بند کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ عجیب ہے جن آیات کے زور پر نبوت کا دروازہ کھول رہے ہیں۔ مرزا صاحب کو گزار کر کس ”زور“ پر دروازہ بند کر رہے ہیں۔ اب مرزا صاحب کے بعد کسی اور نبی کے آنے کا امکان کیسے ختم ہو سکتا ہے۔ اگر پہلے سے موجود احادیث اور قرآن کی آیات دروازہ نبوت بند نہیں کر سکیں تو مرزا صاحب کے آنے کے بعد کس حدیث یا قرآن کی آئت کے زور پر دروازہ بند کیا جاسکتا ہے؟

1995ء سے 1999ء تک میں نے ان باتوں پر غور کیا۔ پھر اپنے ماٹی پر غور کیا تو عجیب شرمندگی کی ہوئی کہ میں نے اپنا بچپن اور جوانی کا سہری دور سارا جامعی کاموں اور سرگرمیوں میں ضائع کر دیا۔ حتیٰ کہ ایم ایمسی کے دوران پڑھائی پر لگایا جانے والا وقت جامعی کاموں میں لگا تاہا۔ آج مجھے کسی بھی توکری یا مقابلے میں ایم ایمسی کے نمبر یا ڈیڑھن کو سامنے رکھنا پڑتا ہے۔ جامعی کریڈٹ تو کہیں شامل نہیں ہے۔ یہ سب کچھ پیدا کی احمدی ہونے کی وجہ سے ہوا۔ یعنی جیسی تربیت بچپن میں ہوئی اس لائن کو اپنایا۔ یہ تو خدا احمدی جماعت کے سرکردہ افراد کا مجھ پر احسان ہے کہ انہوں نے مجھے سوچنے پر مجبور کیا۔

مرزا صاحب کا شعر ہے۔

کیڑا جو دب رہا ہے گوری تہ کے نیچے
اس کے گماں میں اس کا ارض دتا یہا ہے

پسر جماعت احمدیہ کے تمام افراد پرفت آتا ہے۔ یہ جماعت اب اسلام سے ناطق توڑ کرتا ہے

اسلامی فرقوں سے بغض و عادار رکھتے ہوئے، پاکستان سے نفرت رکھتے ہوئے اور پاکستان میں رہتے ہوئے بھی غیروں کے ہمدرد ہوتے ہوئے اس شعر کے بہترین مصدقہ بن رہے ہیں۔

امام مہدی کا نزول اور غلبہ اسلام

اس جماعت کو وجود میں آئے ایک سو 14 سال ہو چکے ہیں مگر ابھی تک یہ صاف پاک و ہند میں جہاں ان کے دو مراؤڑ ہیں۔ جہاں ان کے چار ”غلیفے“ رہے ہیں۔ جہاں ان کا آغاز اور بنیاد وابستہ ہے۔ یہاں ایک سو تین کروڑ کی آبادی میں سے صرف تین چار لاکھ افراد احمدی ہو سکے ہیں۔ (یہ تعداد، پاکستان، ہندوستان اور بھلکہ دلشیں کو طلا کر بنتی ہے) یہ تعداد اتنی کم ہے جو جتنا کے قابل نہیں ہے۔

کیا یہ وقت امام مہدی، سعیج موجود، مجدد اور عیسیٰ ابن مریم ہے جس کے آنے سے اسلام نے غالب آنا تھا۔ جس کے انتظار میں ٹھیں گزر گئیں۔ وہ کیا آیا کہ کانوں کا ان دنیا کو خبر نہ ہوئی۔ وہ ساری زندگی اخبارات کتابوں کے ذریعہ تمام تر کوششوں کے باوجود دنیا کو اپنا تعارف نہ کروا سکے۔ نہ کوئی انقلاب آیا نہ اسلام غالب آیا بلکہ چھارب کی آبادی میں سے ان کی زندگی میں ایک لاکھ بھی ان پر ایمان نہ لاسکا۔ یہ اس طرح ہے کہ سائنس ہزار کی آبادی میں سے صرف ایک آدمی بات مانے۔ اس مدی کو کون سچا مانے گا یا اسے کون انقلاب سمجھے گا؟

مرزا صاحب اپنی ناقدری اور نامقبولیت سے اپنے آپ کو جھوٹا ثابت کر گئے۔ مہران کے جانشیوں کے 90 سال بھی ان کی پیچان نہ کروا سکے۔ یہاں تک کہ ڈش اشیا، سجنلاعیف، فی وی، ٹیلی فون اور دیگر ذرائع ابلاغ کے استعمال کے باوجود چھارب کی آبادی میں ہے یعنی سائنس ہزار لاکھ میں سے پانچ لاکھ سے زائد نہ ہو سکے۔ ان میں سے بھی اکثر ہت پیدا ائمہ احمدی ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ دنیا ان کو قبول نہیں کر رہی بلکہ نسل درسل بات آگے جل رہی ہے جو مان چکے، ان کی اولاد پیدا ائمہ احمدی ہونے کی وجہ سے اپنے باب دادا کے ایمان کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ ان کو ماننے والوں کی 99% تعداد مسلمانوں سے آئی ہے۔ گویا اسلام کو غالب کرنے والا دعویٰ قطعاً غلط ہو گیا۔ یہ بات تو بقیٰ اگر مرزا صاحب کے آنے سے غیر مسلم اسلام میں واپس ہوتے اور یوں اسلام ترقی کرتا اور چائی پیدا ہوتا کہ ان کے آنے سے اسلام غالب آ سکتا ہے جبکہ یہاں مسلمانوں کی ایک تعداد کو اسلامی قائلے سے نکال کر اسلام کو کمزور کرنے کی کوشش کی گئی۔ مرزا طاہر احمد نے گھبرا کر اس کی کوپورا کرنے کے لیے 1982ء میں تبلیغ کے ہنگامی پروگرام ہائے۔ احمد یوں میں تبلیغ کا جون پیدا کیا گیا مگر نتیجہ صفر لکلا۔ 1984ء میں لندن جانے کے بعد تبلیغ پر حیرہ زور دینا شروع کیا۔ وہ سالہ کوششوں کے نتیجہ خیز نہ ہونے کی وجہ سے گھبرا کر مرزا صاحب نے ”کاغذی اور احمد اور شماری تبلیغ“ شروع کی۔ 1993ء سے ہر سال ڈیل کا اعلان کیا جانے لگا۔ دولاکھ سے چلنے والی سیکم 8 کروڑ تک پہنچ گئی اس دوران میں نے اس کی ساری حیثیت کھول دی کیونکہ میں خود اس نیت و رک کا حصہ

تھا۔ میر احمد مسون اخبارات کے علاوہ انٹرنیٹ پر گیا تو مرتضیٰ طاہر احمد نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مجھے بخت ہرا بھلا کہا۔ مگر یہ مسون اڑ کر گیا۔ اگلے سال 16 کروڑ کا اعلان کرنے کی بجائے صرف 2 کروڑ کا اعلان ہوا۔ اگلے سال 2003ء میں 32 کروڑ کا اعلان کرنے کی بجائے صرف آٹھ لاکھ کا اعلان ہوا۔ ان شاء اللہ آئندہ اس سیکھم کو ختم کرنے کا اعلان کر دیا جائے گا۔ یا پھر 2 یا 3 لاکھ کا اعلان کیا جائے گا اور جماعت کو باور کرایا جائے گا کہ اب کافی نئے احمدی ہو چکے ہیں اب ان کی تربیت کی ضرورت ہے، جبکہ حقیقت بات یہ ہے کہ نہ پاکستان میں نئے احمدی ہوئے ہیں نہ الگینڈ میں، نہ کینیڈ میں اور نہ جمنی میں اور نہ ہی اٹریا میں۔ جماعت کی اس موجودہ حالت، اسلام سے بیزاری، ارکان اسلام سے دوری، جماعتی سُلٹ پر جھوٹا پروگرام اور نظام جماعت کی اہتری نے مجھے سوچنے پر مجبور کیا۔ تب میری سوچ میں مرزا صاحب کے دعادی تک پہنچیں۔ پورا مختصر (ایک سو سالہ) نظروں میں گوم گیا۔ 1995ء تا 1999ء تک غور و خوض کے بعد احمدیت کو خیر ہاد کہہ کر 27 رمضان المبارک روز جمعۃ البارک 15 جنوری 1999ء کو اپنے بھائی، والد محرم، کزن سیت 13 افراد کے ساتھ حلقة بگوش اسلام ہو گیا۔ الحمد للہ



شیخ راجیل احمد۔ جرمنی

کفر کے اندر ہیاروں سے اسلام کی نورانی بہاروں تک

شیخ راجیل احمد صاحب، پیدائشی احمدی تھے، جرمنی میں ایک بے عرصے سے رہائش پذیر ہیں۔ ایک نہ سمجھ، صحیح موقف پر ڈٹ جانے والے اور سچائی کی خاطر کسی بھی نقصان کی پرواہ نہ کرنے والے، منافقت سے پاک، نہایت زندہ دل، جرأت مند، مہماں نواز اور کمری پات کرنے والے شخص ہیں اور شاید انی خوبیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو قادیانیت کی خللت سے بکال کر اسلام کی روشنی بخشی ہے۔ اپنے اللہ خانہ کے لیے مشق و الدا اور اچھے شوہر ہیں، مطالعہ کے بے حد شوقتین، ان کی ذاتی لاابریری میں سازھے تین ہزار سے زیادہ کتب ہیں، حق کو پہچاننے کے بعد 23 اگست 2003ء کو ان کا جماعت احمدیہ کو چھوڑ کر اپنے بیوی پچھل سیست اسلام قول کرنے کا اعلان جرمنی کی قادیانی جماعت کے لیے ایک اچاک دھماکے کی طرح تھا اور اس کے اثرات قادیانیوں میں بڑی دور تک محسوس کیے گئے۔ آئیے! ان سے اپنے قول اسلام کی ایمان پر رور دواد سنتے پہنچ۔

میں قادیان میں 1947ء کے آخر میں احمدیوں کے ٹھہر میں پیدا ہوا، اس کے بعد جب سے ربودہ (اب چنان گھر) آباد ہوا ہے، اس وقت سے مستقل رہائش و ہیں رہی ہے اور میرا ایک ذاتی مکان بھی دہاک ہے۔ وہیں میں سکول میں گیا اور میٹرک ربودہ سے ہی کیا۔ اس کے بعد تقریباً ایک سال تک مہان میں رہا پھر 1964 سے 1980 تک کراچی میں رہا اور وہیں پرانگی بیٹی اے کیا۔ میری دادی جان کے والد شیخ انصار علی صاحب بہمنداری، مرزا صاحب کے "صحابی" تھے اور میری دادی جان 1900ء میں پیدا ہوئی تھیں اور پیدائشی احمدی تھیں، لیکن میرے دادا جان نے تقریباً 1913ء میں بیت کی تھی۔ وہ 1930ء میں وفات پا گئے۔ ان کی وفات کے بعد میری دادی جان بجائے گوراؤالہ اپنے سرال میں جانے کے، اپنے والد کی ہدایت پر بچھوں کو لے کر قادیان میں رہائش پذیر ہو گئیں جس وجہ سے میرے والد اور تایا کا پھر آگے ہمارا بھی ہدایت پر بچھوں کو لے کر قادیان میں رہائش پذیر ہو گئیں جس وجہ سے میرے والد اور تایا اپنے خاندان سے تعلق منقطع ہو گیا ہاں البتہ میرے پرداوا شیخ نذر محمد صاحب تھانیدار، ساکن گلی شیخ جنزو، گوراؤالہ اور ان کی باقی اولاد میں سے کوئی احمدی نہیں ہوا۔ میرے والد اور تایا اپنے مرنے تک تھیں احمدی رہے، دراصل ان کی تربیت بچپن ہی سے قادیان میں ہوئی۔ لیکن یہ ہدایت خدا نے میرے نصیب میں لکھی

تھی کہ باوجود ربوہ کے ماحول میں پڑھنے کے اللہ مجھے والیں اسلام میں لے آیا۔ وما توفیقی الا
بالله العظیم

میری الہی سنجاہ ضلع کھرات کی رہنے والی ہیں (ویسے تجہاں میں آنکھوں گمراہیاں تھے، ان میں اب شاید ایک گمراہی قادیانی رہ گیا ہے اور باقی سب قادیانیت کو چھوڑ کر اسلام کی آغوش میں پناہ گزیں ہو چکے ہیں) اور ان کے دادا اور نانا بھی مرزا صاحب کے "صحابی" تھے۔ یہ جماعت کے ایک بہت بڑے عالم مولوی محمد صادق سمازی صاحب کی قریبی رشتہ دار ہیں جو کہ چالیس سال سے زیادہ اٹھونیشیا، ساڑہ، اور سنگاپور وغیرہ میں قادیانیت کے مبلغ رہے اور مشہور و معروف کتاب "قائدیت احمدیت" کے مصنف ہیں، اور ہرے کی بات یہ ہے کہ وہ شخص جو 40 سال سے زیادہ عمر حکم دوسروں کو قادیانی ہاتا رہا، اس کا اپنا ایک بیٹا جو کہ جرمی میں رہائش پذیر ہے، اپنے بیوی پھوپھوں کے ساتھ قادیانیت پر لعنت پیش کر مسلمان ہو چکا ہے اور یہی شدوم سے قادیانیت کی نئی کام کر رہا ہے، اور سب سے بڑا بیٹا رشید سمازی کراچی اور صوبہ سندھ کا انصار اللہ کا اعلیٰ عہد پدار ہے، اس کی بھی ایک بیٹی قادیانیت سے تابع ہو چکی ہے، نیز رشید سمازی کی ایک، بہن رثیا زوجہ احسان نور (ولد عبدالرحمن انور سابق پرائیوریت سکرٹری قادیانی خلیفہ سوم) کا بیٹا جو پاشا کے نام سے مشہور ہے اور اسلام آباد میں رہتا ہے بھی مسلمان ہو چکا ہے اور سلم فیصلی میں شادی شدہ ہے۔ اور انہی مولوی صاحب کی بیٹی صادق زوجہ محمد عقیل کا بیٹا ارشد جیل بدنیانی کے جرم میں پیڈبیلوڈی سے ایکسین کے عہدے سے بر طرف کیا گیا ہے اور نیب کو سات لاکھ روپیہ ادا کر کے گلوخالی کرائی ہے، حالانکہ قادیانی اپنے افسروں کی کمیانت داری کا بڑا ذہن و راضیتھے ہیں۔ اب والوں ربوہ کی زندگی کی طرف چلتے ہیں۔

شروع میں ربوہ میں لوگوں کے ساتھ جو نا انصافیاں دیکھتے تھے، ان کی کوئی مطمئن کرنے والی وضاحت بہت سی کم سامنے آئی بلکہ ان کو دین اور قست کا فیصلہ بکھر کر قبول کرنا پڑتا تھا۔ وہاں مذہبی جاگیرداروں کی گرفت بڑی مکمل تھی۔ اشرفتیت پر ایک ویب سائٹ www.ahmedi.org پر راز دان کے نام سے ربوہ کے ایک سابق بائی نے "یادیں ربوہ کی" کے نام سے جو چند حقائق لکھے ہیں، ان کو پڑھنے سے ہی ایک انسان اس ماحول کا بہت سمجھ اندمازہ کر سکتا ہے، ویسے تو اس سائٹ پر مرزا خاندان کے بارے میں بہت حقائق لکھے ہیں جو کہ پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں اور قادیانیوں کا منہ بند کرنے کا تیر بھد ف نہیں ہے۔ شروع میں نا انصافیوں اور شہزادوں کی بد معاملوں پر جماعت احمدیہ کے ستم پر اعتراضات پیدا ہوئے، لیکن ربوہ میں تربیت ایسی ہوتی تھی کہ ان اعتراضات کو اول تو انھانے کی جرأت عی نہیں ہوتی تھی اور اگر کبھی ڈھکے چھپے لفظوں میں بات کر دی تو تاویلات ایسی کہ منہ بند کرنا پڑتا تھا۔ ایک بات ربوہ میں تقریباً ہر مقرر کہتا کہ منافقوں سے ہوشیار رہو، اور یہ ایک ایسی بات تھی جس کی آڑ میں جو بھی بات کرنے لگتا منافق کا لیبل لگادیتے اور لوگ ڈر جاتے، کھل کر بات نہ کرتے۔ ایک مقولہ ہے کہ "درخت اپنے پھل سے

پہچانا جاتا ہے، ان اختلافات پر ذمہ دار ان کے جوابات و روایتے پکھ سوچنے اور تجویز کرنے کی طرف توجہ دلائی، اس توجہ سے مرزا صاحب اور ان کے بیٹوں کی کتابوں اور دوسری طرف کئی پڑھنے لکھنے لوگوں، مریزوں سے گنگوکی لبی نشستی ہوتی رہیں، اس کے علاوہ اسلامی تعلیمات اور عقائد کے ساتھ موازنہ کرنے کا موقع ملا، جس پر آخر کار اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ سُمُّ ہی نہیں بلکہ باñی جماعت کے دعویٰ جات اور تعلیمات ہی غلط ہیں۔ مجھے پہلے دنوں ایک قادریانی مرتبی صاحب کا جن سے اچھی علیک سلیک تھی فون آیا، کہنے لگے کہ مجھے آخري ملاقات میں اندازہ ہو گیا تھا کہ بات دور جا پہنچی ہے لیکن اتنی دور کا اندازہ نہیں تھا، کیا والی کی کوئی کنجائش ہے؟ صرف سُمُّ سے یا نظام جماعت سے اختلاف ہوتا تو میں یقیناً اس کا کوئی رستہ ڈھونڈ لیتا، اور نظام کے اندر رہ کر ان سے لڑتا، جیسا کہ اکثر میں نے کیا تھا۔ مجھے تفصیل مطالعہ اور تقابل کے بعد جب اس چیز کا دراک ہوا کہ مرزا صاحب کی تعلیم، اسلام نہیں بلکہ اسلام کے درخت پر آ کاس نہیں ہے تو پھر بحثیت باضیر شخص کے میرے لیے اس جماعت کے اندر رہنا ممکن تھا۔

میں اب سکول نام کی طرف جاتا ہوں، وہاں ہمارے دماغ میں ڈالا جاتا تھا کہ تم لوگ بہتر ہو، دوسروں سے افضل ہو اس لیے کہ مهدی الزمان کے ماننے والے ہو وغیرہ وغیرہ، مگر تمہاری فضیلت صرف مع مسعود کی غلامی، دوسرے تلفظوں میں خاندان مرزا غلام احمد کی اطاعت سے ہی رہے گی اور اس غلامی کی وجہ سے تم دنیا کے رہنماءو ورنہ تمہاری حیثیت اور حالت غیر احمدیوں سے بدتر ہو گی۔ آپ کسی بھی قادریانی کا تفییاتی تجویز کر لیں آپ کو مرزا غلام احمد قادری والاطیعہ عظمت کا کچھ نہ کچھ اثر ملے گا، برین واٹک کے لیے جدید ترین طریقے استعمال کئے جاتے ہیں، کوئی لمحہ ایسا نہیں کہ آپ کے کالوں میں مرزا صاحب اور ان کے خلیفوں (بیٹوں) کی کوئی بات اس طرح کان میں نہ پڑے کہ ان کی عظمت، بڑائی اور آپ کی دنیا و دنیاوی زندگی کی بقاء کے لیے ان کی اہمیت ثابت نہ ہو۔ جماعت میں جھوٹ، منافقت، دوہرا معیار، نہیں جاگیرداری اور ربوبہ کے باسیوں پر ہر وقت نہ نظر آنے والا دباؤ اور اکثر کوئی نہ کوئی نئی کہانی (سیکڑوں) سامنے آتا، جیسی باتیں مجھے غیر محسوس طریقے سے ان کے بارے میں سوچنے پر مجبور کرنی رہیں۔ مریبان کا کردار بھی منافقت میں (منافقت کرنے پر بھارے کچھ مجبور بھی ہیں) ایک سے بڑھ کر ایک ہے، میں نے ایک بار ایک میٹنگ میں ایک عمومی خای کی طرف توجہ دلائی تو وہاں ایک مرتبی صاحب نے کھڑے ہو کر اس کی تردید کر دی، جس پر سب حاضرین مسکرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے، تھوڑی دیر بعد علیحدگی میں کہنے لگے کہ اس طرح جلسے میں کمزوری چاہے اجتنامی ہو یا انفرادی تسلیم نہیں کرنی چاہیے، کیا یہ منافقت نہیں؟ مریبان کی بات چلی تو ایک مرتبی صاحب میرے پاس پیٹھے تھے ایک اور دوست بھی تشریف لے آئے، وہ بھی بے تلفظوں میں سے تھے، با توں با توں میں مرتبی صاحب نے ایک صاحب کا ذکر کیا کہ وہ ا glamam بازی میں اساتذہ کو بھی مات دے رہے تھے، اور غلطی سے ایک اہم شخصیت کے صاحبزادہ کو بھی اس راہ

پر لگا دیا، اور بات باہر بھی نکل گئی تو ان کو جامعہ احمدیہ (مبلغین تیار کرنے والا ادارہ) سے نکال دیا گیا، اس کے علاوہ اور بھی باتیں ان کے بارے میں ہوئیں، اب سوئے اتفاق سے وہ صاحب بھی تشریف لے آئے، مرتبی صاحب نے اٹھ کر ان سے ہاتھ ملایا، اور اسی لمحے ان کو انتہائی غلصہ ہابت کرنے لگ پڑے، اور وہ صاحب اس کے باوجود جرمی میں جماعت کے قضیٰ رہے اور ایک بہت بڑے رسکن کے زعیم اعلیٰ انصار اللہ رہے ہیں۔ میر اختر سوال یہ ہے کہ کیا یہ منافقت نہیں تھی؟ جب احمدی حج پر جاتے ہیں تو وہ بندوں سے، اپنے آپ سے اور خدا سے بھی منافقت سے کام لیتے ہیں۔ سب سے پہلے مسلمان کا پاسپورٹ لینے کے لیے وہ مرزا صاحب کی نبوت کا انکار کرتے ہیں، پھر ان کو اپنے اہل خانہ کو، پھر اپنے آپ کو اپنے عقیدے کے بر عکس کافر لکھتے ہیں۔ جب وہاں پہنچتے ہیں تو واضح اسلامی احکام ہیں کہ ایک امام کے پیچھے سب نماز پڑھو گر احمدی حضرات اول تو امام خانہ کعبہ کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے، لیکن اگر پڑھتے تو پھر حجی میں آ کر دوبارہ پڑھتے ہیں، اگر صرف امام کعبہ کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں اور علیحدہ نہیں پڑھتے تو پھر حجی میں کوئے کاریابی نہیں کر جو ان کا انکار کرتا ہے اور کافر جانتا ہے اس کے پیچھے نماز پڑھی جائز نہیں، ورنہ وہ احمدی نہیں رہتا؟ اور پھر خدا کے بھی اور اپنے "صحیح موعود" کے احکام کو پس پشت ڈال کر کیا ان کو یقین ہے کہ ان کا حج قبول ہو گا، پھر ان پر یہ کہ واہم آ کر اپنے احمدیوں کو کہنا کہ میں نے خیمے میں اکیلے نماز پڑھی تھی یا ہم احمدیوں نے اپنی جماعت کر لی تھی، لیکن غیر از جماعت لوگوں کو کہنا کہ میں نے امام کعبہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے کہیا ان میں سے ایک جھوٹ نہیں؟ کیا یہ منافقت نہیں؟ پھر جماعت کے بہت سارے افراد جن میں بعض اہم ہمہ دے دار بھی شامل ہیں اپنی پوری آمدن حصہ تے ہیں اور جماعت سے جھوٹ بول کر زیادہ چندہ دینے سے بچتے کی کوشش کرتے ہیں لیکن وہی ہمہ دے دار اسی منہ سے جماعت کو یہ کہہ رہے ہوتے ہیں کہ اپنی پوری آمدن پر چندہ دو، خدا تعالیٰ سب کو ہدایہ دیکھ رہا ہے اور اپنی آمدنیاں چھپا کر جھوٹ بول کر نیکیوں کو ختم نہ کرو۔ پاکستان میں، احمدی ہونے کی وجہ سے، جو لوگ مسلسل مالی، جانی، عزت، وقار اور اولاد کی قربانیاں دے رہے ہیں پچھلے سو سالوں میں بالعموم، لیکن پچھلے تیس سالوں میں بالخصوص، ان کو کب سبک جھوٹی تسلیاں دے کر بھالیا جائے گا، کہ "ہم آن ملین کے متواتر بس دریہ ہے کل یا پرسوں کی" وہرے لفظوں میں چڑھ جائیسا سولی پر رام بھلی کرے گا۔ آخر یہ ان کو حج کیوں نہیں کہتے، کہ اگر خوش قسمت ہو تو اللہ سے ہی اجر طے گا، ہم تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے، اور نہ ہی پاکستان دوبارہ کبھی میں الاؤاقی مرکز بنے گا؟ خیر یہ تو عام ہی باتیں تھیں، اصل میں اول اول مجھے مرزا صاحب کے الہامات یا کم از کم ان کی تشرییحات سے جہاں سوالات اور عدم اطمینان کا احساس پیدا ہوا وہ "پیشگوئی مصلح موعود" اور مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کو "تمن کو چار کرنے والا" قرار دینے پر اور مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے کا "قرآن الانبیاء" کا خطاب تھے۔ میں ان کے جوابات پر کبھی بھی مطمئن نہیں ہو سکا۔ لیکن چونکہ ربوہ (چاپ گر) میں سدھایا گیا تھا اس

لیے یہ سوالات مجھے نا آسودہ ہونے کے باوجود جماعت سے پرے نہیں کر سکے، کیونکہ جب کبھی ایک بات سمجھ میں نہیں آتی تو جیسا سکھایا گیا تھا کہ ضروری تو نہیں کہ ہر بات سمجھ میں آجائے کے الفاظ سے اپنے کو تسلی دینے کی کوشش کرتا۔

مصلح موعود

تمام پیغمبریاں جو اس سلسلے میں مرزا صاحب نے کیں، میں اس جگہ نہ تو تفصیل میں ان کو بیان کرنا چاہتا ہوں اور نہ ہی اتنا موقع ہے، میرا سوال یہ اسادہ تھا اور ہے!

مصلح موعود کی پیغمبری پر دونوں فریقین (قادیانی یا ربوی اور لاہوری) کی طرف سے بہت بحث ہوئی ہے۔ میں ایک عام آدمی کی حیثیت سے جس کو نہ تو وقت سے، اور الفاظ سے الجھنے کی ضرورت ہے، صرف ایک سادہ سا سوال انھماں چاہتا ہوں کہ، مرزا غلام احمد صاحب کا دعویٰ صحیح موعود کا ہے، اور ان کا کام بھی دین کی اصلاح کرتا تھا، یعنی وہ بھی مصلح تھے۔ ان کے اپنے ہوں کے مطابق وہ (1) مجدد تھے۔ (2) مخلل صحیح تھے۔ (3) بروز محمد تھے۔ (4) جرجی اللہ فی حل الانجیاء تھے۔ (5) رسول اکرم ﷺ سورج اور مرزا صاحب چاند تھے۔ (6) مہدی موعود تھے۔ (7) کبھی ابراہیم کبھی نوح۔ (8) خاتم الخلفاء تھے۔ (9) کرشن مہاراج تھے۔ (10) بیت اللہ تھے۔ (11) بلکہ محمد ﷺ سے بدھ کرتے۔ اسی (80) سے زیادہ کتابوں کے مصنف تھے۔ اور اگر مرزا صاحب کی کتابوں کو پڑھیں تو یہ تاثر ملتا ہے کہ ان کی شخصیت ہی وہ شخصیت ہے جس میں 5000 سال سے لے کر رسول کریم ﷺ تک اور ان کے بعد تقریباً تمام محدثین کرام، اولیاء کرام خبر دے گئے ہیں۔ اب آپ خود سوچیں کہ تھی عظیم الشان شخصیت تھی مرزا صاحب کہ جس کے بارے میں یہ قول ان کے خدا کی تمام پاک کتابوں میں ذکر ملا جو ہے؟ اور کتنا عظیم الشان کام ہو گا اس شخصیت کا؟ اور یہ شخصیت اپنے حصہ کی ذمہ داری پوری کر کے، مئی 1908ء کو اپنے خالق حقیقی سے جاتی، لیکن یہ کیا ہوا؟ کہ اس عظیم الشان شخص کا عظیم الشان کام جو ایک لمبے عرصہ تک چلنا چاہیے تھا وہ اتنا بودا اور ناپاسیدار لکھتا ہے کہ سات سال کے بعد ہی اللہ کو ایک نیا مصلح موعود پیش کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ اگر مرزا محمود صاحب پر موعود کا دعویٰ کرتے تو شاید اتنا غلط نہ ہوتا لیکن مرزا محمود صاحب کا دعویٰ مصلح موعود کا ہے اور بقول ان کے الہامی ہے؟ اور سوچنے کی بات یہ ہے کہ واقعی کسی مصلح موعود کی ضرورت تھی؟ کہیں سیاہی اغراض کے تحت تو اپنے اوپر یہ الہام فٹ نہیں کیا کیونکہ اس سے کچھ عرصہ قابل تک مسلسل وقائع وقائع سے ان کے قریبی ساتھیوں کی طرف سے ان پر بدکاری اور زنا کے الزام لگتے رہے اور لوگ الزام لگا کر ان کو اور جماعت کو بھی چھوڑتے رہے؟

تمن کو چار کرنے والا

صحیح موعود اس الہام کی کیا تشریع کرتے ہیں، ”بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ

حضرت سعیت موعود علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے کاموں میں بھی کیسا اخفاہ ہوتا ہے۔ پر مسعود کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ تمن کو چار کرنے والا ہو گا۔ مگر ہمارے موجود سارے لڑکے ہی کسی طرح تمن کو چار کرنے والے ہیں۔ چنانچہ والدہ صاحبہ فرماتی تھیں کہ میاں (حضرت خلیفۃ الرسولؐ) کو تو حضرت صاحب نے اس طرح تمن کو چار کرنے والا قرار دیا کہ مرزا سلطان احمد اور فضل احمد کو بھی شمار کر لیے اور بیشراول متوفی کو بھی۔ تھیں (یعنی خاکسار رقم المروف کو) اس طرح پر کہ صرف زندہ لڑکے شمار کر لیے اور بیشراول متوفی کو چھوڑ دیا۔ شریف احمد کو اس طرح پر قرار دیا کہ اپنی بھلی بیوی کے لڑکے مرزا سلطان احمد اور فضل احمد چھوڑ دیے اور میرے سارے لڑکے زندہ اور متوفی شمار کر لیے، اور مبارک کو اس طرح پر کہ میرے صرف زندہ لڑکے شمار کر لیے اور بیشراولی متوفی کو چھوڑ دیا۔

(روایت نمبر 92، سیرت المهدی جلد اول، صفحہ 73)

اب بتائیے کہ اس میں صرف مرزا محمود صاحب کی فضیلت کہاں نہیں ہے، ان کے تو درمی بھوی یعنی کہ اماں جان کے تو سارے بیٹے ہی تمن کو چار کرنے والے ہیں..... ایک اور جگہ سعیت موعود فرماتے ہیں کہ ”1883ء میں مجھ کو الہام ہوا کہ تمن کو چار کرنے والا مبارک۔ اور وہ الہام قبل از وقت بذریعہ اشتہار شائع کیا گیا تھا اور اس کی نسبت تعمیم یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ اس دوسری بیوی سے چار لڑکے مجھے دے گا اور چھوٹے کا نام مبارک ہو گا اور اس الہام کے وقت مجھلہ ان چاروں کے ایک لڑکا بھی اس نکاح سے موجود نہ ہو اور اب چاروں لڑکے بفضلہ تعالیٰ موجود ہیں..... (نژول اسحاق صفحہ 574، روحانی خزانہ جلد 18، شائع کردہ ایڈیشن ناظر اشاعت، 20 نومبر 1984ء)..... اب بتائیں کہ مرزا بیشراولیں محمود احمد صاحب اس میں کہاں فٹ بیٹھتے ہیں؟ یا کم از کم ایکی ان پر یہ پیشگوئی کیسے لاگو ہوتی ہے؟..... ہاں ایک رنگ میں تمن کو چار کرنے میں اپنے کو پیشگوئیوں کا مصدق قرار دے سکتے ہیں، کہ یہ بیویوں کی تعداد کو ”تمن کو“ چار کرتے رہے ہیں اور بار بار کرتے رہے ہیں۔“

جماعت کا چندہ سشم

یہ سمجھ ہے کہ کسی بھی تنظیم کو چلانے کے لیے چندہ ضروری ہے، اور جماعت احمدیہ میں چندہ جات کو جو اہمیت ہے، وہ کسی سے بھی خلیق نہیں، مرزا صاحب سے لے کر تمام خلفاء نے چندوں پر ہی زور دیا ہے۔ لیکن خلیفہ ہانی کے دور سے جماعت نے جس طرح عام احمدیوں کے جذبات کو اجھا کر کے، ملکیں مل کر کے نہب کے نام پر لوٹا جا رہا ہے اس کی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔

مرزا محمود صاحب کے دور میں ایک بار خوب جہاں نظای صاحب نے قادیانی اور اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ مرزا محمود احمد خلیفہ ہانی صاحب کی دعوت پر دوڑ کیا۔ اس کے بعد اپنے ایک آرٹیکل میں لکھتے ہیں ”ہم نے قادیانی میں امور عامہ کا معائنہ کیا، نشر و اشاعت اور تحریک جدید کے دفاتر دیکھے، غرض بہتی مفہوم

پہنچے تو اسے بزرہ درستہ کے اعتبار سے واقعی جنت معنوی پایا، لیکن ایک بات بڑی حیران کرنے تھی کہ اس کے تمام درختوں اور بیٹوں پر قطار اندر قطار بیٹھے ہوئے پرندے ایک ہی راگ الالہ رہے تھے چندہ۔ چندہ۔ اس بات کو لکھتے ہوئے بھی سائنس ستر سال گزر چکے ہیں، اس کے بعد سے مرزا محمود صاحب اور ان کے بیٹوں کے اداروں میں تو اس سے کہیں زیادہ غریب احمدیوں کا خون نچوڑا جا رہا ہے۔ اور اب تو ان کی بڑیاں بھی چھوٹی چارہی ہیں۔ ہر شخص اس بوجھ تسلی کراہ رہا ہے، مگر ستم اور ماحدل ایسا ہنا دیا گیا ہے کہ کوئی بول نہیں سکتا، مرزا صاحب اپنی زندگی میں ہی اس چندہ ستم کی بڑی گہری بنیادیں رکھ دی تھیں اور پہلے ظیفہ کو چونکہ اتنی ذاتی و چھپی نہیں تھی اس لیے حالمہ کچھ حد میں رہا مگر جب گدی مرزا صاحب کے بیٹوں اور پوتوں کے قبیلے میں آئی تو آہستہ آہستہ ٹکنچہ سخت کرتے گئے اور مرید غریب ہوتے جا رہے ہیں لیکن میر اربوں کی جائیدادوں کے مالک بن چکے ہیں اور مریدین رہے ہیں۔ اب جب سے مرزا صرور صاحب نے اقتدار سنبھالا ہے، ان کا بھی مطالبہ جماعت سے مرید قرباندوں کا ہے، اور سناء کے اب چندوں کے بھایا جات کی بڑی تھی سے پڑتا اور وصولی کرنے کا حکم دیا جا پڑا ہے۔ اب لویں گور خلیفہ صاحب بھی اپنے پیشو و خلفاء کی رہت پر عمل کرتے ہوئے نئی تحریک "طاہر فاؤنڈیشن" جماعت کو پیش کر دی ہے اور یہ میں نے حتی الامکان موجودہ چندوں کی مکمل فہرست پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن ممکن ہے کہ کوئی کسی رہنمی ہوتے توجہ دلانے والے کا ملکور ہوں گا۔ 1- چندہ عام۔ ہر شخص کی آمد کا سوالہ اس حصہ (لازی)۔ 2- چندہ دمیت۔ ہشتی مقبرہ میں دفن ہونے کے خواہیں مندوں کی آمد کا اور کل جائیداد کا سوالہ حصہ۔ 3- چندہ جلسہ سالانہ۔ 4- چندہ تحریک جدید۔ 5- چندہ وقف جدید۔ 6- چندہ انصار اللہ۔ آمد کا سوالہ حصہ (لازی)۔ 7- چندہ اشاعت انصار اللہ (لازی)۔ 8- چندہ سالانہ اجتماع انصار اللہ (لازی)۔ 9- چندہ خدام الاحمدیہ (لازی)۔ 10- چندہ سالانہ اجتماع خدام الاحمدیہ (لازی)۔ 11- چندہ اشاعت خدام الاحمدیہ (لازی)۔ 12- چندہ اطفال الاحمدیہ (لازی)۔ 13- چندہ سالانہ اجتماع اطفال الاحمدیہ (لازی)۔ 14- چندہ اشاعت اطفال الاحمدیہ (لازی)۔ 15- چندہ بحمد اما اللہ (لازی)۔ 16- چندہ سالانہ اجتماع بحمد اما اللہ (لازی)۔ 17- چندہ اشاعت بحمد اما اللہ (لازی)۔ 18- چندہ ناصرات الاحمدیہ (لازی)۔ 19- چندہ سالانہ اجتماع ناصرات الاحمدیہ (لازی)۔ 20- چندہ اشاعت ناصرات الاحمدیہ (لازی)۔ 21- چندہ مساجد بیرون ملک۔ 22- چندہ مساجد اندر ملک۔ 23- ایم اے اے (شم لازی)۔ 24- صدقہ۔ 25- زکوٰۃ۔ 26- یتیمت الحمد۔ 27- درویش قادریان فنڈ۔ 28- افریقہ فنڈ۔ 29- جاہی فنڈ۔ 30- غرباً فنڈ۔ 31- نصرت جہاں فنڈ۔ 32- نصلی عمر فاؤنڈیشن فنڈ۔ 33- مریم بھیڑ فنڈ۔ 34- طباء فنڈ۔ 35- بیگان فنڈ۔ 36- سو مساجد جرمی فنڈ۔ 37- سو مساجد افریقہ فنڈ۔ 38- عید فنڈ۔ (یہ فطران کے علاوہ ہے، جو عمید کی نماز سے پہلے یا بعد وصولی کیا جاتا ہے)۔ 39- فطران۔ 40- عطیہ جات برائے ہیومنیتی فرسٹ (ضروری لوث)۔ ہر ہیئتی فرسٹ کی تنظیم بظاہر انسانی

ہمدردی کی تنظیم ہے، لیکن حقیقت میں شعبہ تبلیغ کا ذیلی ادارہ ہے اور جہاں تبلیغ کے چانس ہوں وہیں ان کی انسانی ہمدردی جاؤتی ہے) 41۔ ہر دوسرے تیرے سال تی دنگوں کی تحریک، جیسے 3-2 سال قبلى پانچ سو دنگوں کی تحریک۔ 42۔ خاس تحریکات مثال کے طور پر لندن میں نئے مرکز کے لیے پانچ میٹن کے بعد مزید چندہ کا مطالبہ، دغیرہ دغیرہ۔ 43۔ ساہبہ کے لیے مقامی جماعت سے پنکھوں، قالینوں، دغیرہ دغیرہ کی تحریک۔ 44۔ بکروں کی قربانیاں غلیظہ وقت کی صحت دغیرہ کے لیے۔ 45۔ بجد کے مرکزی ارجمند / مقامی میٹنا بازار کے لیے دستکاری و دنگوں اشیاء کے عطیہ جات۔ 46۔ مقامی اخراجات کے لیے (مثال کے طور پر مقامی نماز ستر کا آدھا کرایہ مقامی جماعت ادا کرے۔ نیز مقامی تبلیغی میٹنگز کے لیے موقع کی جاتی ہے کہ مقامی جماعت بوجہ اٹھائے۔ اگر پورا نہیں تو کچھ حصہ دے) 47۔ مقامی ارجمند امرکزی طور پر جماعی / انصار / خدام / اطفال / بجد / ناصرات کے اجلاس / اجتماعات / سالانہ جلسہ / شوری / انترپیشنس جلسہ سالانہ کے علاوہ مختلف یوم، مثلاً سیرت انبی، یوم سعک موعد و دغیرہ دغیرہ، جماعت / انصار / خدام اور بجہ کے تجسس تبلیغی میٹنگز، مقامی ارجمند / امرکزی سٹوپر منعقد ہوتی ہیں، میں شمولیت کے لیے اخراجات کا حساب لگائیں تو صرف یہ اخراجات ہی ایک ہڈڑ پارٹی بن کر سامنے آئے گی۔ 48۔ وقار محل (درامل بیگار علی) کے نام پر جو جسمانی، سینئیکل، وقت کی بلا محاوذه خدمات کا اجتماعی محاوذه کا کوئی بھی حساب نہیں لگایا جا سکتا۔ اگر ہم دیش روشن شینزروڈ کے مطابق کم از کم پانچ ڈالرنی مکھنہ بھی لگائیں اور ہر احمدی جب اپنا حساب خود کاٹے کہ ایک سال میں کتنے گھنے اس نے وقار محل کیا ہے اور لکھی دور اپنا پڑول یا کرایہ خرچ کر کے گیا ہے، اور اگر اس نے اتنے گھنے کام کر کے پاکستان / افغانیا / افریقیہ میں کسی غریب رشتہ دار کی مدد کی ہوتی تو کسی غریب کو سرچ ہپنے کو ایک کرہ مل گیا ہوتا۔ یا کسی کامنہا سب علاج ہو گیا ہوتا، یا کہیں ٹھیلا لگا کر بچوں کی روٹی کا کردے سکتا۔ یا کسی غریب بیٹی کی رخصی کا خرچ ہو گیا ہوتا۔ یا کسی اندھے ہوتے ہوئے کی بیٹائی واپس لوٹ آتی، دوسرے اگر یہ واقعی "وقار محل" ہے اور بیگار محل نہیں تو مرزا خاندان کے فہزادے کیوں اس باوقار کام سے مستثنی ہیں؟ 49۔ طاہر قاؤڈ ٹریشن۔ دی گئی فہرست سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اسلام جو کہ دین فطرت ہے اس کو عام احمدیوں کی جیب سے دین کے نام پر آخری روپیہ بیک کھینچنے کی ہوں میں نظام جماعت اور اس کے کرتوں درتوں نے اسلام کو احمدیت کا نام دے کر دین فطرت کی بجائے، دین چندہ، بنا دیا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ اتنا دے ہتنا تجھے تکلیف میں نہ ڈالے، اور چندوں کی فہرست تاریخی ہے کہ احمدی تکلیف میں پڑے ہوئے ہیں یا نہیں؟ چندہ لینے کے لیے اور جو دے رہے ہیں ان سے اور زیادہ لکھانے کے لیے ہر چشم کے ذاتی، جماعتی، سماجی اور نفیقی غرضیکہ ہر جربہ استعمال ہوتا ہے۔

خیر چندے کا ذکر ضمیں طور پر آمگیا، اصل میں جب جرمی آیا اور بیہاں روحانی خزانوں کا سیٹ خریدا اور تقلیلی مطالعہ شروع کیا تو بات ہی کچھ اور نظر آئی، مثال کے طور پر مرزا صاحب کی پیشگوئیاں محضی

بیکم اور کئی دوسری میرے لیے ایک سوالیہ نشان بھی گئیں، اور کئی سوال میرے ذہن میں پیدا ہونے لگے، ان سوالوں کا کوئی تسلی بخش جواب بھی نظر میں نہیں آیا۔ حتیٰ کہ 6.5 سال پہلے میں اس نتیجے پر پہنچا کہ مرزا صاحب کے دعاویٰ جو ہیں وہ سب بے بنیاد ہیں، اب میں نے مختلف مریبان اور دوسرے جماعتی علماء سے ان معاملات پر پابندیہٹ طور پر بحث شروع کر دی، آخر لقریب اتنی سال پر محیط ان بخوش کے نتیجے میں اور دوسری بہت ساری پاؤں کا گیئیں نظروں سے جائزہ لینے کے بعد میرافیصلہ یہ تھا کہ مرزا افلاام احمد صاحب ندوہ مجدد تھے نہ عیٰ سچ و مہدی موجود تھے اور نہ عیٰ محمد علیتھے تھا نی وغیرہ تھے۔ اب ایک باخیر فحص کی طرح ان میں بیٹھنا مشکل تھا، دوسری طرف چھوڑنے کا فیصلہ کرنا بھی اتنا آسان نہیں تھا، آخر میں نے جماعت چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا مگر اپنا فیصلہ کسی کو بتایا نہیں مگر اپنے عہدوں سے صحت کی خرابی اور اپنی کاروباری مصروفیت کا عذر پیش کر کے عہدوں سے مستغنی ہو گیا اور خاموشی سے اپنے خاندان کو ڈھنی طور پر تیار کرنا شروع کر دیا، کیونکہ میں اپنے خاندان کو تقسیم نہیں کرتا چاہتا تھا اور ان کو بھی ساتھ لے کر چلانا چاہتا تھا۔ ان طرح دو سے تین سال کے اندر میرے بچے اور بڑا دادا شیخ جاوید اقبال حیار ہو گئے کہ ہم جماعت کو چھوڑ دیں گے۔ جنوری 2003ء میں میں نے محترم افتخار صاحب (سابق احمدی) سے کہا کہ اگر آپ کے پاس کچھ ایشی قادیانیت لڑپچھہ تو پڑھنے کے لیے بمحض دین کیونکہ اس سے قبل اکا دکا کتاب سرسری طور پر پڑھی تھی لیکن باقاعدہ اس نظریہ سے نہیں کہ جماعت چھوڑنی ہے لیکن اس سے قبل دوسروں کی کاوشوں پر نظر ڈال لی جائے۔ افتخار صاحب نے اگلے دن عیٰ کمی کتابیں بھی لے کر دیں۔ فروری میں ہم نے جماعت چھوڑنے کا حصی فیصلہ کر لیا اور سب سے پہلے میں نے اپنے بھترین دوست جمیش بھئی صاحب، الیکٹریکل انٹرکٹر، پاک بھریہ کو کراچی ٹیکنیکل یونیورسٹی پر اطلاع دی، اس کے بعد ڈاکٹر (فزکس) امیاز احمد صاحب، گونئیں، جمنی کو دی۔ لیکن کچھ معاملات سنجھانے والے تھے اس لیے دونوں کا مشورہ تھا کہ اعلان میں کچھ توقف کیا جائے حالانکہ جمیش نے جب میرے فیصلہ کا ناتو خوشی سے روپڑا، آخر میں فیصلہ بھی ہوا کہ اعلان میں کچھ توقف کر لیا جائے۔ میری الہیہ اس بات پر ابھی تک اڑی ہوئی تھیں کہ ماں باپ کا نہ ہب ہے میں نے نہیں چھوڑتا۔ وہ کہتی تھیں کہ مجھے کوئی دلیل نہیں آتی پر ہمارے باپ داوا پاگل تو نہیں تھے جنہوں نے مرزا صاحب کو مانا ہے، آخر میں ہم سب نے بھی فیصلہ کیا کہ اگر وہ اپنے عقیدہ پر قائم رہنا چاہتی ہیں تو رہیں، ہماری طرف سے انھیں کوئی مسئلہ نہیں آئے گا۔ میں نے انھیں کہا کہ خدا کے لیے اس جماعت کے بچھے لگ کر اپنا گمراہ نہیں اجاڑتا اور میرے لیے یا اپنے بچوں کے لیے کوئی سائل نہ کھڑے کر دینا کیونکہ یہ جماعت بھائی کو بھائی کے خلاف، اولاد اور ماں باپ کو نیک دوسرے کے خلاف، میاں یہوی کو ایک دوسرے کے مقابل نہ ہب اور دین سے وفاداری کے نام پر کھڑا کر دیتے ہیں اور جاسوئی تک رواتے ہیں، باقی آپ کی مرضی! ابھی اعلان علیحدگی نہیں کیا تھا کہ مارچ 2003ء کے آخر میں مجھے دل کی تکلیف ہو گئی جسی وجہ سے اگست کے

دریمان نک کا عرصہ گاتار، پتالوں کے قیام کی صورت میں تھا۔ اگست میں، پتال سے آنے کے ایک ہفتہ کے بعد اخخار احمد صاحب، کولون جرمنی میٹنے آئے، ان سے بات ہوئی کہ کسی دن فرائفلٹ چلا جائے اور مکرم مولانا قاری مشتاق الرحمن صاحب امیر ثقہ نبوت جرمنی سے ملاقات کی جائے۔ اس سے قبل میران کے ساتھ براد راست رابطہ بھی نہیں رہا تھا، مگر ان کو غالباً اخخار صاحب کے ذریعہ میرے جماعت چھوڑنے کے ارادہ کا علم ہو چکا تھا۔ آخر ہفتہ "اوون باخ ام نائینز" کی سجدۃ توحید میں ہم ان سے ملے گئے، وہاں جا کر ان کو ملے تو جو کچھ سنا تھا، اس کے بالکل برلکس پایا، ان کی بات چیت کا طریقہ پسند آیا، اس وقت تک اعلان کا کوئی واضح ارادہ نہ تھا، مجھے مولانا مشتاق الرحمن صاحب کہنے لگے کہ آپ کا کیا ارادہ ہے؟ میں نے کہا کہ نماز کے بعد واہیں جاؤں گا، آپ سے ملاقات کا اشتیاق تھا، اس لیے حاضر ہوا تھا، فرمائے گئے کہ آئے ہیں تو اعلان بھی کر دیں، جماعت چھوڑنے کا، عالمی طور پر آپ چھوڑتھی چکے ہوئے ہیں۔ میں نے چد لمحے سوچا اور ہاں کر دی۔ اس طرح 23 اگست 2003ء پر روز ہفتہ کو میں نے بعد نماز ظہر مولانا مشتاق الرحمن صاحب کے ہاتھ پر تقدیماً نیت چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوتے کا اعلان کر دیا اور اسی شام کو مرزا اسمرو راحم صاحب کے نام ایک خط میں جماعت احمد یہ سے اپنی علیحدگی کی اطلاع کر دی، ساتھ ہی مختلف درائع کو انفارم کر دیا تاکہ اس کی فوری اور مناسب تشبیر ہو جائے، ایک ناخونکواری بات دریمان میں آگئی کہ پہنچنیں، کس طرح مگر کسی بھی غلط جھبی کے تحت میرے ہارے میں لکھا گیا کہ جرمنی کی جماعت کے سربراہ، حالانکہ میں مرکزی سطح کا عہدیدار تو رہا ہوں مگر سربراہ نہیں۔ خیر اس طرح میں، میرے چہ نیچے، الہیہ، داماڈ اور ایک شیرخوار نواسہ یعنی کل دس افراد میں سے کسی کی صحیح غلامی میں واہیں آئے۔ ایک بڑی اہم بات جس کا تذکرہ ضروری ہے کہ جس دن میں نے مولانا مشتاق الرحمن صاحب سے ملاقات کرنی تھی، اس سے ایک دن قبل شام کو میں نے اپنی الہیہ سے کہا کہ صحیح میں مولانا صاحب سے ملنے چارہ ہوں تو انہوں پوچھا کہ کیا حال اب بہت جلد اعلان کر دینا ہے۔ وہ سخت پریشان ہو گئیں اور پریشانی کے عالم میں پورے گھر میں کافی دیر، کبھی صحن کے باٹیچے میں، کبھی تہہ خانہ میں، کبھی اوپر والی منزل پر کسی بے چین روح کی طرح گھومتی رہیں اور کسی سے کوئی بات نہیں کی۔ پھر مغرب کے وقت مصلیٰ لے کر نماز میں مشغول ہو گئیں، تقریباً دو گھنٹے رورو کر دعا کرتی رہیں۔ آخر تھک ہار کر مصلیٰ پر ہی سو گئیں۔ میں نے ان کے سر کے نیچے آہنگی سے عکیر رکھ دیا اور اپر کمل اور ٹھادیا۔ جب صحیح ہوئی تو مجھے پھر پوچھنے لگیں کہ کیا آج آپ نے اعلان کرنا ہے، میں نے کہا کہ شاید اور شاید کچھ دن بعد۔ کہنے لگی کہ میں بھی فیصلہ میں آپ کے ساتھ شریک ہوں، میں ہکا بکارہ گیا کہ یہ کیا کہہ رہی ہیں اور جب مجھے سمجھ آئی تو خدا کا شکر کیا کہ یہ تو بڑا کرم ہوا۔ اس وقت تو نہیں اگلے دن انہوں نے بتایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ "ہم میاں یہوی اور ہماری بیٹی اکٹھے کھڑے ہیں اور ایک بڑا

ہال ہے، اس کی محنت مٹی کی ہے، ہم تینوں اس محنت کو ایک طرف اکٹھا کرتے ہیں تو وہ دیکھتی ہے کہ اس محنت کے پئی سے ایک اور محنت ظاہر ہوئی ہے جو کہ کمی ہے اور اس میں چاندی کی طرح سفید چکدار سلسلہ کی پیٹاں لگی ہوئی ہیں اور یہ دیکھ کر وہ خواب میں ہی کہتی ہے کہ لوہا ہاں تو اس سے بھی زیادہ خوبصورت اور کمی محنت موجود ہے۔“ کہنے لگیں کہ مجھے خدا نے تادیا ہے کہ اب تک ہم کمی محنت کے پیٹے تھے۔ میں اب خدا تھیں کمی اور اسکی والی محنت دے رہا ہے۔ اس طرح جو آخری رکاوٹ تھی، وہ بھی خدا نے پہنچ رہت سے رہنمائی کر کے دور کر دی اور ہمارا پورا خاندان اکٹھا اسلام کی وادی میں واپس ہوا۔ الحمد للہ۔

کمی محض کے جماعت کو چوڑنے کے بعد اس کو بخ کرنے کے لیے جماعت سے جو بھی بن پڑتا ہے کرتے ہیں۔ کیا یہ غیر انسانی، غیر اخلاقی اور غیر قانونی نہیں کہ لوگوں کو جماعت سے لٹکایا کا لے ہوئے لوگوں سے لٹکے سے رکا جائے۔ بڑوں کے ساتھ یعنی نہیں بلکہ بچوں تک کی زندگیاں بھی لٹک کر تے ہیں اور اسی طرح مجھے بھی ہر طرح سے نقصان پہنچا رہے ہیں، ہر اس کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، قرعی رشتہ داروں پر حکمل طور پر قطع تعلق کرنے کے لیے دباؤ ڈال رہے ہیں۔ اس کے علاوہ آج بھوپال میں بے خاندان پر بے بنیاد اولادات و بہتانات لگائے جا رہے ہیں، یہ الام اس وقت کہاں تھے، جب تک میں نے علیحدگی کا اعلان نہیں کیا تھا؟ کہنے کو تو بہت کچھ ہے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ہیں ہمارے گا۔ ان شاء اللہ۔ اسلام قبول کرنے کے بعد ہم (میں اور میری فیلی) خوش ہیں، مطمکن ہیں بلا خصیص فرقہ، بیشار مسلمان بھائیوں نے امریکہ، آسٹریلیا، یورپین ممالک، پاکستان، سعودی عرب، عرب امارات سے، بذریعہ شیعیوں اور ذائقی طور پر تشریف لا کر مجھے مبارکہا رہیں دیں۔ کرم نواز شریف کے داماد کیمپن صدر بہت صاحب نے کہ کرمہ سے فون کر کے اپنی اور نواز شریف صاحب کی طرف سے مبارک پا دی۔ کرم محمد رفتزار صاحب سابق صدر پاکستان نے فون کر کے ازراہ شفقت مبارک دی، نیز علامہ کرام میں سے پاکستان سے محترم مولانا منظور چنیوٹی صاحب نے اور دوسرے بہت سے اکابرین فتح نبوت نے، کہ کرمہ سے محترم سہ خاتیت شاہ صاحب، کرم قاری شاکر صاحب، کرم عبد المخفیؑ کی صاحب، لندن سے محترم مولانا منظور اسٹن صاحب امیر فتح نبوت برائے پورپ، مولانا عبدالعزیز باوا صاحب، محترم مبلغ فتح نبوت مولانا سہیل باوا صاحب، کرم مولانا مشتی سہیل صاحب، مولانا سعی اللہ صاحب کرائیڈن، نہجاح القرآن کے مولانا حسن گی الدین صاحب، اور بہت سے دوسرے، ان سب نے ابھی طریقے سے اور میری توقعات سے بہت بڑا کر خوش آمدید کہا ہے اور ہر طرح سے قانون کی یونیکس کی ہے، ان میں کروڑی بھی شامل تھے اور غریب بھی، میں ان سب کا دلی ممنون ہوں، اللہ تعالیٰ ان کو جزا دے، آمين۔

احمدی دوستوں کے لیے میرا بیٹام یہ ہے کہ آپ نے مرزا صاحب کو کم و مددی رسول کریم ﷺ کی ایجاد میں مانا ہے، اگر مرزا صاحب کی تحریروں کو ہی غور سے، خیر جانبدار ہو کر پڑھیں اور ان کا موازنہ

رسول پاک ﷺ کی حیات طیبہ سے کریں گے احادیث نبویہ سے کریں گے، تو آپ کو ان کے دعوے اور ڈراوے ہوا بھرے غباروں سے زیادہ نہیں نظر آئیں گے۔ مرزا صاحب کے کردار اور خصیت کو پر بھیں، ان کی اپنی کتب، ان کے صاحبزادگان کی کتب اور ان کے اصحاب کی کتب کے مطالعہ سے آپ کو بہت کچھ نظر آئے گا۔ لیکن وہ نہیں جو یہ آپ کو پڑھانا چاہتے ہیں، بلکہ وہ پڑھیں جو یہ خود غلطی سے شائع کر چکے ہیں اور اب اس کو چھپاتے پھر رہے ہیں اور آپ خود کہہ اٹھیں گے کہ مرزا صاحب کچھ بھی ہو سکتے ہیں مگر نہیں، اور نہ یہ کسی نام اور رنگ میں اس درجے کے اہل ہو سکتے ہیں۔ مرزا صاحب کو ان کو کوئی فحش احمدی یا قادریانی تو ہو سکتا ہے مگر مسلمان نہیں، اسلام اللہ کا بتایا ہوادین ہے اور احمدیت مرزا صاحب کا بتایا ہوادین ہے۔ لہذا یہ دو الگ الگ مذہب ہیں۔

مسلمان بھائیوں کے لیے میرا پیغام یہ ہے کہ عام احمدی کو برداشت کرو اور گالی نہ دو، پیار محبت سے ان کو بلاو، کیونکہ وہ بجور ہیں، بے قصور ہیں۔ وہ صرف پڑھائے ہوئے ہی نہیں بلکہ سدھائے ہوئے ہیں۔ ان کی برین واٹک ہوئی ہے۔ ڈائیلاگ سے، حکمت سے ان میں سے کافی لوگوں کو سمجھایا جاسکتا ہے۔ ان میں کافی اچھے لوگ بھی ہیں لیکن ان کے لیے ان کا سامنی، نہیں اور نفیاتی جال توڑنا اتنا آسان نہیں۔ کئی اس جال کو توڑنا چاہتے ہیں لیکن ان کو گایہڑ کرنے والا، سہارا دینے والا نہیں ملتا، اس جال کو توڑنے میں آپ اپنے اخلاق، حکمت اور حسن سلوک سے ان کی مدد کر سکتے ہیں۔ آپ کا سخت رو یہ یا سخت الفاظ ان کو جماعت کے خول میں پناہ کے لیے واپس دھکیل سکتا ہے، لیکن آپ کی نرمی اور حسن اخلاق ان کو اسلام کی آغوش میں آنے کے لیے مل کا کام دے سکتا ہے۔ شکر پا!



محمد مالک

اسلام کی پناہ میں

خاکسار کا نام محمد مالک ہے۔ میں عرصہ دراز سے جوئی میں تھم ہوں۔ میری بیوی جو من ہے جس سے چار بچے ہیں۔ پھولوں کی دودکانیں ہیں۔ یہاں میرا ذاتی مکان ہے۔ الحمد للہ! کہ اچھی گز برہوری ہے۔ میرے ایک احمدی دوست جنس اب قادریانی کہنا زیادہ مناسب ہو گا، سے امام مہدی کا ذکر نہ تو قادریانی ہو گیا۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ وہی امام مہدی ہیں جس کا ذکر آنحضرت ﷺ نے کیا تھا۔ یہ 26 دسمبر 1998ء کا واقعہ ہے۔ مجھ پر گمراہ والوں دوستوں و رشتہ داروں کا بہت دباڑ پڑا اگر میں ثابت قدم رہا۔ میں نے ”وساجاد سکیم“ کے تحت قادریانیوں سے میں ہزار مارک کا وحدہ بھی کیا۔ جس میں سے تقریباً 16 ہزار کی ادائیگی کردی۔ ماہنہ چندہ بمعنی کے تقریباً چار سو مارک دیتا رہا۔ تقریباً ایک سال میں مجلس انصار اللہ جماعت پلی ہائیکارڈیمیں بلکہ نبی اور رسول بھی مانتے ہیں۔ وہ ایکیم جگہ یہ بھی کہتے ہیں کہ میں نے کشف میں دیکھا کہ خدا تعالیٰ میرے جسم میں داخل ہو گیا اور مجھ میں قطیل ہو گیا اور میں نے محسوں کیا کہ اب میں ہی خدا ہوں اور اس کے بعد ساری دنیا میں نے بنائی۔ وغیرہ وغیرہ!

میں نے اسی وقت جماعت سے رابطہ کیا اور کہا کہ مجھے دو کر میں رکھا گیا ہے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ ہم قرآن اور حدیث کی روشنی میں یہ سب کچھ ثابت کر سکتے ہیں۔ میں نے کہا کہ محترم مری جلال علی صاحب تشریف لائیں اور میں مسلمان علماء سے رابطہ کرتا ہوں۔ دلوں آئنے سامنے بیٹھیں جو بھی چاہو گا میں مان لوں گا۔ چنانچہ وقت اور دن طے کر لیا گیا۔ جو 15 اگست برلن میں دن کے بارہ بجے مقرر ہوا۔ میں نے ”گسی بائیخ“ کے دوپرانے دوستوں کرم جتاب متعلق بث صاحب اور جتاب افضل صاحب سے رابطہ کیا۔ انہوں نے اون بائیخ میں مسجد توحید کے خطیب حضرت مولانا متعلق الرحمن صاحب سے رابطہ کیا۔ قدرت خدا کی کہ محترم جتاب حضرت مولانا منظور احمد اسقینی صاحب برطانیہ سے تشریف لائے ہوئے تھے۔ انہوں نے بھی شرکت کرنا منظور فرمایا اور یوں خاکسار کے گمراہ وفات پر حضرت مولانا منظور احمد

احسن صاحب، حضرت مولانا مشتاق الرحمن صاحب، جتاب مشتاق بٹ صاحب، جتاب افضل صاحب چند اور دوست اور دوسری طرف سے امیر قادریانی جماعت نادر ائمہ ڈاکٹر سید بشارت احمد شاہ، مریبی سلسلہ ڈاکٹر جلال علیس صاحب، صدر جماعت پل ہائم صوفی اعجاز صاحب، سیکڑی مال جماعت پل ہائم طور صاحب، حسیب خان صاحب شاہ تھے۔ جتاب مشتاق بٹ صاحب نے مریبی اور امیر صاحب سے وذی قلم بنانے کی اجازت چاہی تو انہوں نے بخوبی دے دی۔ ہمارے پاس وذی قلم موجود ہے۔

خاکسار نے درخواست کی کہ قرآن اور سنت سے مرزا غلام احمد قادریانی کو چاہا بات کیا جائے۔ مرزا قادریانی کی کتابوں کا سیٹ روحاںی خزانہ سامنے موجود تھا۔ چار گھنٹوں کے سخت مبانی کے بعد قادریانی جماعت جب اپنے آپ کو سچا ثابت نہ کر سکی تو میں نے وہیں کفرے ہو کر قادریانیت سے تاب ہونے کا اعلان کر دیا اور الحمد للہ! میں مسلمان ہو گیا۔

خاکسار کے ساتھ میری فیملی کے تمام ممبران جن کی تعداد آٹھ ہے، مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد سب کو کھانے کی دعوت دی گئی تو قادریانی جماعت کے تمام افراد بغیر کھانا کھائے تشریف لے گئے۔ سب کے مند اترے ہوئے تھے۔ مجھے اسی شام یہ سن کر تیرت ہوئی کہ جماعت کے ان دو بڑوں نے اپنی عبادت گاہ میں جا کر یہ بے پرکی اڑائی کر میں جماعت سے پیسے ٹھنکنے کے لیے شاہل ہوا تھا۔ جب کامیابی نہیں تو والوں چلا گیا۔ اس جھوٹ سے مجھے بہت صدمہ پہنچا۔ خدا جانتا ہے میں نے قادریانیت کی خاطر اپنے سب رشتے دار اور عزیز وقار بچھوڑ دیئے تھے۔ مجھے کوئی بھی اپنے ایمان سے نہیں ہلا کسکتا تھا۔ میں قادریانیت میں موجود تھے اپنی آمنی کے ایک ایک پیسہ پر قادریانی ہدایات کے مطابق چندہ دن تارہ، جن کی رسیدیں میرے پاس موجود ہیں۔ یہ اعلان کرنے کر میں نے لندن میں مرزا طاہر احمد کو بھی ایک خط لکھا۔ جس میں مناظرے کا تفصیل ذکر کیا اور اپنی علیحدگی کا بھی بتا دیا اور ساتھ یہ بھی بتایا کہ جب پیسوں کے لیے مجھے بے عزت کیا جا رہا ہے تو میرے ادا شدہ چھوٹوں پر آپ کا کوئی حق نہیں رہا۔ لہذا مجھے میری رقم والوں کی جائے جسے میں پچے اسلام کی راہ میں استعمال کروں۔ میری رقم پر ان کا کوئی حق نہیں رہا۔ اگر اس بارے میں میں جھوٹ بولوں یا کوئی دوسرا بولے تو فیصلہ اور دالے پر ہی چھوڑتا ہوں اور صرف یہی کہتا ہوں کہ

لعنۃ اللہ علی الکاذبین!

والسلام!

خاکسار!

محمد مالک

قادیانیوں نے جناب محمد مالک کو بدنام کرنے کے لیے جو موڑ پر پیگٹھہ کیا۔ ذیل میں صرف دو رسیدوں کا عکس دیا جا رہا ہے جس سے معلوم ہو گا کہ جناب محمد مالک نے قادیانی جماعت سے رقم لی یا قادیانی جماعت کو چندہ دیا؟۔ شیوں رسیدوں سے صرف دو رسیدوں کا عکس ملاحظہ ہو:

AHMADIYYA MISSION JAMAAT DEUTSCHLAND E.V.				
Zentrale in Deutschland - Mönchengladbach 43 - D-4120 Mönchengladbach				
Tel.: (021) 55-45-01 & 55-45-17 - Fax: (021) 55-42-01				
D 123516				
MOHD. MALIK				
Wohnort Nr. PULHEIM				
Geburtsjahr: 1960				
1. Name:	DM	M	DM	M
2. Elterns Name:	313-	-	-	-
3. Elterns Name:	342-	-	-	-
4. Brüder-Schwestern:	10	-	-	-
5. Geschwister:	10	-	-	-
6. Brüder:	10	-	-	-
7. Geschwister:	5	-	-	-
8. MTA:	10-	-	-	-
9. Brüder:	10	-	-	-
10.	10	-	-	-
11.	10	-	-	-
12.	10	-	-	-
13.	10	-	-	-
14.	10	-	-	-
15. Total:	865-	-	-	-
Geburtsjahr: 1960 - 865 - Old standard method				
Geburtsjahr: 1960 - 865 - New method Buchstabenfolge: Postbank Faz. Nr. 24-04-02 000 (0,2 000 000 00) Buchstabenfolge: Postbank Faz. Nr. 11-03-0-02 000 000 000				
AHMADIYYA MISSION JAMAAT DEUTSCHLAND E.V.				
Zentrale in Deutschland - Mönchengladbach 43 - D-4120 Mönchengladbach				
Tel.: (021) 55-45-01 & 55-45-17 - Fax: (021) 55-42-01				
D 123511				
MOHD. MALIK				
Wohnort Nr. PULHEIM				
Geburtsjahr: 1960				
1. Name:	DM	M	DM	M
2. Elterns Name:	3-2-	-	-	-
3. Elterns Name:	38-	-	-	-
4. Brüder-Schwestern:	10	-	-	-
5. Geschwister:	10	-	-	-
6. Brüder:	10	-	-	-
7. Geschwister:	5	-	-	-
8. MTA:	10-	-	-	-
9. Brüder:	10	-	-	-
10.	10	-	-	-
11.	10	-	-	-
12.	10	-	-	-
13.	10	-	-	-
14.	10	-	-	-
15. Total:	855-	-	-	-
Geburtsjahr: 1960 - 855 - Old standard method				
Geburtsjahr: 1960 - 855 - New method Buchstabenfolge: Postbank Faz. Nr. 24-04-02 000 (0,2 000 000 00) Buchstabenfolge: Postbank Faz. Nr. 11-03-0-02 000 000 000				

عرفان محمود برق

نفس قادیانیت سے آ قائل اللہ کے قدموں تک

عرفان محمود برق صاحب ایک پڑھے لکھنے نوجوان بجاہد ہیں جو قادیانیت کے اندر ہروں سے کل کر اسلام کے اجالوں میں آ گئے۔ ان کی داستان بڑی غمناک ہے۔ انھوں نے اپنی والدہ اور ایک بھائی کو خدا کے فضل سے اسلام قبول کروا یا ہے۔ ان کے گھر والے اور پوری قادیانی برا دری ان کی جانی دشمن ہے۔ لیکن وہ اپنی جان کی پرواہ کرتے ہوئے انھیں دعوت و تبلیغ کرتے رہتے ہیں۔ وہ ایک صاحب طرز ادیب بھی ہیں۔ بڑی خوبصورت اور بخشنده تحریر کرتے ہیں۔ ان کا قلم ایک مست خرام عذر کی طرح چلتا ہے۔ سیرت ابنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ قلم گلگھاں، قادیانیت پر قلم شطر فشاں اور مرزا قادیانی پر یہ قلم شہابہ تائب بن جاتا ہے۔ انھوں نے قادیانیت سے اپنا پہلا اختقام ایک اچھوئی "زرالی اور منفرد کتاب" "قادیانیت اسلام و سائنس کے کثیرے میں" لکھ کر لیا ہے۔ اس موضوع پر پہلے کسی نے قلم نہیں لھایا۔ اس کتاب میں انھوں نے مصلحت کے تحت اسلامی حوالے کم اور سائنسی حوالے زیادہ دیے ہیں اور یہ سائنسی حوالے تقریباً 90% غیر مسلم ڈاکٹر اور سائنسدانوں کے ہیں۔ اس کتاب میں انھوں نے اپنے قول اسلام کی ایمان افرزو روڈاگی بیان کی ہے جو نذر قارئین ہے۔

میں ایک قادیانی گمرا نے میں پیدا ہوا۔ شعور کی آنکھ کھولی تو ہر طرف قادیانی ہی نظر آئے۔ ماں قادیانی، باپ قادیانی، بھائی قادیانی، بھینس قادیانی، دادا قادیانی، دادی قادیانی، بھیجا قادیانی، پھوپھا قادیانی، غرض کہ دور دور تک رشد داروں میں کوئی مسلمان نظر نہیں آتا تھا۔ چنانچہ میں بھی اس ارتداوی اور زندگی ماحول میں پروان چڑھتا گیا اور قادیانی عقائد میرے قلب و ذہن میں اترتے چلے گئے۔ چودہ سال کی عمر کو فکرپتے تک میں مکمل قادیانی بن چکا تھا بلکہ اب میں اپنے ہم عمروں کو گھیر کر جماعت کے کفریہ پروگراموں میں لے جاتا اور انھیں قادیانی بنانے کی کوششیں کرتا۔ مجھے بچپن سے مطالعہ کا بڑا شوق تھا۔ میں قادیانیت کے علاوہ دیگر موضوعات کو بڑی رغبت سے پڑھتا اور اس میں مسلم و غیر مسلم کی کوئی تیزید رکھتا۔ میری زندگی کا اہم موز جس نے مجھے خالی الذہن ہونے سوچئے، ختم بیوت اور رو قادیانیت کے موضوع کو پڑھنے پر متوجہ کیا، وہ میرے محلہ داروں کا میرے گھر والوں کے ساتھ سخت رو یہ تھا۔

ہمارے ہمایے کسی بھی موقعہ پر ہمارے گھر کوئی چیز نہ بھیجے۔ اگر ہم کسی ہمایے کے ہاں کوئی چیز بھیجتے تو ہمایے اسے واپس کر دیتے۔ محلہ میں کوئی بھی ہماری خوشی میں شامل نہ ہوتا۔ اگر ہم علہ میں کسی کی خوشی میں شامل ہونے کی کوشش کرتے تو ہمیں ٹکال دیا جاتا تھا۔ میری وادی اور راوا غوث ہوئے تو محلہ کا کوئی شخص بھی ان کی ٹکل سبک دیکھنے کو نہ آیا۔ لوگ ہمارے گھر والوں کو انتہائی نظرت کی نیاہ سے دیکھتے اور بعض جذباتی مسلمان گزرتے ہوئے ہمارے مکان کی طرف منہ کر کے زور سے تھوکتے۔ مجھے یوں محسوں ہوتا چیز ہے ہمارا گھر گھر نہیں بلکہ للہ تھا ذپھ بھے۔ مسلمانوں کا یہ روایہ مجھے جسمی گھروڑتا اور میرے دل پر زور زور سے دستک دھتا۔ میں خود بھی سوچتا کہ وہ لوگ جو ہم سے شدید نظرت کرتے ہیں، وہ انتہائی شریف اور بالا اخلاق لونگ ہیں۔ لیکن ہمارے لیے یہ قتلہ ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ میرے دل نے ایک انقلابی فیصلہ کیا اور میں نے تحفظ فتح نبوت اور تردید قادیانیت کے موضوعات پر مطالعہ شروع کر دیا۔ اس دوران مجاہد فتح نبوت جاتب محمد طاہر عبدالرازق سے بھی میرا رابطہ ہو گیا۔ میں کتب کی حلاش میں سرگردان ان کے گھر مل گیا۔ انہوں نے مجھے مطالعہ کے لیے بہت سی کتب ملیں۔ میں نے باقاعدگی سے تدبیر و تھریٹ میں خوب ذوب کر مطالعہ شروع کر دیا، مطالعہ سے میری آنکھیں واہوئی گئیں۔ دل کی گرہیں کھل گئیں اور میں تمہہ در تھہ حیرت میں اترتا گیا۔ میرے قلب و ذہن میں جہاں مرزا قادیانی چوڑی ہارے بیٹھا ہوا تھا، جب اس کے سر پر فتح نبوت کے دلائل کے آہنی گرد پڑے تو مرزا قادیانی جوختا چلاتا ہماگ گیا۔ میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھتا گیا۔ میری سیرت سنواری گئی۔ آنکھوں میں اسلام کی چمک آگئی۔ دل معطر ہو گیا۔ پورے بدن میں ایمان کی خوشبو چیل گئی۔ مجھے نیا جنم لگیا، نی زندگی مل گئی۔ میں نے قادیانیت پر لعنت بھیج دی اور فتح نبوت کی چوڑت کو چوم کر اسلام کے چمنستان میں داخل ہو گیا۔ ابو جہل کے بیٹے حضرت عمر بن حیثیہ یہ کہتے ہوئے اللہ کا شکر ادا کرتے "اللہ! تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے بدر کے دن مقتول نہ کیا۔" میں بھی یہ سوچ کر لرز جاتا کہ اگر اسلام لانے سے پہلے میری سوت واقع ہو جاتی تو آج میں بھی مرزا قادیانی کے ساتھ ہمینہ میں جتنا بھاگتا کہ میں ایک ایسے شخص کو نبی مانتا رہا، جسے ایک شریف آدمی بھی نہیں مانا جا سکتا۔ میں ایک ایسے بدفترت اور بدکروار کو سچ مسحود اور امام مہدی مانتا رہا ہے، جو کسی دفتر میں چڑھا کی ہونے کے بھی قابل نہ تھا۔

میرے اسلام قبول کرنے کی خبر قادیانیوں میں جگل میں آگ کی طرح چیل گئی۔ انہیں میرا قبول اسلام نہایت گزار۔ اس مسئلے کے فوری حل کے لیے انہوں نے اپنے لاہور کے سب سے بڑے سینئر اور عبادت خانے دارالذکر میں اپنے جماعتی عہدے داران، مربیوں (قادیانی پوپ) اور ہمارے گھر کے بعض ذمہ دار افراد کا اجلاس طلب کیا۔ اس اجلاس میں مختلف قادیانی پوپ کی ڈیوٹی کا دی گئی کہ وہ ہر روز مجھے میرے گھر میں جا کر اس بات کا درس دیں کہ اس دنیا میں صرف قادیانیت ہی ایک سچا نامہ ہے اور

مسلمانوں والا اسلام نہایت جھوٹا ہے۔ (نحوہ باللہ) اس اجلاس میں جماعتی عہدے داران نے میرے باپ اور بھائیوں کو بھی خوب ملامت کی کہ ان سے ایک پچھنیں سنjalala کیا۔ اگر اس کے گھر تے ہوئے عقائد کو اپنے رُعب کے پیسے تسلیم کیا جو اس کی کیا جرأت تھی کہ وہ غیر احمدیت (اسلام) قبول کرتا۔ لہذا میرے باپ اور بھائیوں کی سزا یہ تجویز کی گئی کہ اُنھیں اب ہر صورت میں مجھے قادریات کے کام لے کنویں میں دوبارہ دھکیلنا ہے، چاہے اس سلسلے میں اُنھیں سخت سے سخت اقدامات کرنا پڑیں یا بڑے سے بڑا لائج بھی دینا پڑے تو کوئی پرواہ نہیں۔ اجلاس کے فوراً بعد قادریانی پوپ اور ہمارے گروالوں نے اپنے مشن کا آغاز کر دیا۔ اب ہر روز ہمارے گرو میں کوئی نہ کوئی قادریانی پوپ آتا اور مجھے یہ سمجھانے کی سرتوڑ کوشش کرتا کہ قادریات ایک زندہ نمہب ہے جس کا نام اسلام ہے اور مسلمانوں والا اسلام ایک مردہ اسلام ہے۔ (نحوہ باللہ) اب جس نے نجات کا لباس پہنچا ہے وہ پہلے مرزا قادریانی کو اللہ کا نبی اور رسول مانتے حب اسے جنت ملے گی و گرنہ وہ کافر اور جہنمی ہی رہے گا۔ مجھ سے جہاں تک ممکن ہوتا میں قادریانی پوپ کو اس کی خرافات کا جواب دیتا اور وہ کوئی پات بنتی نہ کیکے کرواہیں چلا جاتا۔

ایک طرف قادریانی پوپ میرے ایمان کے ختنے پولوں کو ملنے کی کوششوں میں مصروف تھے تو دوسری طرف ہمارے گروالوں کے بدلتے روئیے بپری ہوئی آنحضرت بن کر میرے دل میں ختم نبوت کے روشن چماغ کو گل کرنے کی جدوجہد میں سرگرم عمل تھے۔ اس سلسلے میں کبھی تشدد کے حرbole استعمال کیے جاتے تو کبھی لائج کے اختیاروں سے کام لیا جاتا، کبھی بایکاٹ کا خوف دلایا جاتا تو کبھی جائزاد سے عاق کرنے کی دھمکیاں دی جاتیں۔ لیکن اللہ رب العزت کی عطا کردہ ثابت قدمی کے پہاڑ کے آگے ان ارتداوی آندھیوں کا کوئی زور نہ چلتا اور میرا ایمان مزید قوی ہوتا جاتا۔

میرے مسلمان ہونے کے بعد میرے والد نے بڑے بڑے مریبوں کو بلا کر مجھے قادریات میں والہیں لانے کی سرتوڑ کوششیں کیں لیکن میں مناظرہ میں ہر مرتبی کو چاروں شانے چت گرا دیتا۔ میرے والد کے سامنے مریبوں کو سانپ سوگھ جاتا اور وہ یوں چپ ہو جاتے جیسے لوہ پر مہر سکوت لگادی گئی ہو۔ جب درجنوں قادریانی مرتبی تھیں نہیں ہو گئے تو ایک دن میرا والد لاہور کے سب سے بڑے مرتبی کو بلا لایا۔ مناظرہ شروع ہوا۔ میں نے مرتبی سے پہلا سوال کیا ”آپ کبھی سینما گئے ہیں؟“

”سینما دیکھنے تو عیاش اور بد معاشر لوگ جاتے ہیں۔ میرا کیا کام“ مرتبی نے جواب دیا۔ میں نے اسے فوراً مرزا قادریانی کے نام نہاد صحابی مقنی صادق کی کتاب ”ذکر حبیب“ دکھائی جس میں لکھا تھا کہ مرزا قادریانی سینما دیکھنے جاتا تھا۔ یہ حوالہ دیکھ کر مرتبی کا رنگ زرد پڑ گیا، ہوتٹ خلک ہو گئے، ماتھے پر پسند آ گیا۔ وہ اٹھا اور میرے والد سے کہنے لگا ”یہ کس بہت خراب ہو گیا ہے اور آپ کا پچھنا قابلِ اصلاح ہے۔“ یہ کہا اور چیف مرتبی دم دبا کر بھاگ گیا۔

وہ فکر جس کے باعث میرے ماتھے پر تشویش کی سلوٹیں پڑتیں اور میں راتوں کو بے چینی سے لبریز کروٹیں پڑتا، وہ یہ تمی کہ کسی طرح ہمارے گھر والے خصوصاً میری زندگی کی سب سے عظیم ہستی میری بیاری ماں اسلام کے مکتبے گلستان میں داخل ہو جائے اور جہنم کے بھر کتے شعلوں سے بچ جائے۔ چنانچہ میں نے ہمت کر کے سب سے پہلے اپنی بیاری ماں کو اسلام کی دعوت دینی شروع کی۔ ایک تو وہ پہلے ہی مجھ سے ناراضِ حصیں اور دوسرا اس دعوت کی وجہ سے مزید ناراض ہو گئیں لیکن میں نے بھی ہمت جاری رکھی اور انھیں قادیانیوں کی کتابوں میں پچھے ان کے کفریہ عقائد سے مسلسل آگاہ کرتا گیا جن میں مرزا قادیانی کو محمد رسول اللہؐ اس کی بیہودہ گوئیوں کو وحی اللہؐ اس کی ضفول باتوں کو حدیث نبویؐ اس کی غلطی حرکتوں کوست رسولؐ اس کی فاحش بیہدوں کو امہات المؤمنینؐ اس کے گراہ خاندان کو اہل بیتؐ اس کے بدکار ساتھیوں کو صحابہ کرامؐ اس کے درجنہ صفت خلفاء کو خلفائے راشدین اور اس کے گندے شہرؐ (قادیانی) کو مدینہ منورہ اور مکہِ محظہ سے بھی افضل لکھا گیا تھا (نحوذ باللهؐ)۔ اس کا اثر میری بیاری ماں پر یہ ہوا کہ خدا کی رحمت سے وہ رفتہ رفتہ سمجھتی گئیں کہ قادیانیت، اسلام کے خلاف کتنا برا اقتدار فراہڈ ہے۔ آخر کار انھوں نے میرے ہاتھ پر پوشیدہ طور پر اسلام قول کر لیا اور مرزا قادیانی پر لعنت بیٹھ گی۔ الحمد للہ۔

قول اسلام کے کچھ عرصہ بعد انھوں نے ایک خواب دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھوں میں دو آم پکڑے ہوئے ہیں اور ایک خوفناک حسم کی کیتا ان سے وہ آم چھیننے کی کوشش کر رہی ہے۔ آپ دوڑ رہی ہیں اور وہ کیتا تو اتر آپ کا پچھا کر رہی ہے۔ دوڑتے دوڑتے آپ ایک چھنستان میں داخل ہو جاتی ہیں اور کیتا یہ دیکھ کر واہیں مڑ جاتی ہے۔ یہ خواب جب میری بیاری ماں نے مجھے سنایا تو میں نے اس کی تعبیر انھیں یہ بتائی کہ آموں یعنی ہاتھوں سے مراد بیٹھے ہیں اور کیتا سے مراد وہ قادیانی مبلغہ ہے جو ہمارے گھر میں ہمیں مرزا بیت کی تبلیغ کرنے آتی رہتی ہے۔ وہ آپ کے اور آپ کے دو بیٹوں کے پیچھے زیادہ پڑی ہوئی ہے کیونکہ اسی طرف سے زیادہ خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کے دو بیٹوں کو اس کیتا یعنی قادیانی مبلغہ سے بچالیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اللہ پاک آپ کی زندگی میں میرے ایک بھائی کو بھی اسلام کی دولت عطا فرمائے گا۔ اس خواب کے چند ماہ بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے موئی میرے ایک بھائی کی جھوٹی میں بھی گردائیے جس سے میری بیاری ماں کا ایمان، شاہین بن کر بلند ہوں پراؤ نے لگا۔

وہ وقت میں کبھی نہیں بھول سکتا جب میری آنکھوں کے انہک ساری رات میری بیاری ماں کے سرہانے میں جذب ہوتے رہے اور خدا تعالیٰ سے یہ فریاد کرتے رہے کہ وہ انھیں میری بھی زندگی دے دے۔ انھیں دل کا شدید افیک ہوا تھا اور ڈاکٹروں نے نامیدی کا انتہا کیا تھا۔ ساری رات میری بیاری ماں ہپتال میں شدت درد سے ترپتی رہیں اور میں اکیلا ان کے سرہانے دعا نیں کرتا رہا۔ لیکن انھوں کو ان کی زندگی نے ان سے وفا نہ کی اور وہ مجھے اپنی مامتا سے محروم کر کے یونہی آہیں بھرتا ہوا چھوڑ گئیں اور جھٹے

المبارک کی ایک صبح اپنے خالق حقیقی سے جا طیں۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

وقات سے ایک گھنٹہ قبل انہوں نے میرے پوچھنے پر دوبارہ اس بات کا اقرار کیا تھا کہ وہ قادریانی نہیں ہیں اور ساتھ ہی مجھے اس بات کی تجربی بھی کی کہ اگر میں مر جاؤں تو صرف مسلمان میرا جنائزہ پڑھیں اور مجھے مسلمانوں کے قبرستان میں ہی دفن کیا جائے۔ جب میں نے اپنے گمراہوں کے سامنے اپنی پیاری ماں کی اس وصیت کا ذکر کیا تو انہوں نے یقین نہ کیا اور اپنے قبرستان میں قبر کی حکماں کا آرڈر دے دیا۔ قادریانی پوچھ اور قادریانی رشتہ دار ہمارے گمراہ میں جمع ہونے شروع ہو گئے لیکن میں نے موقع کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے اپنے دوستوں اور اہل محلہ میں یہ اعلان کر دیا کہ میری ماں مسلمان تھیں اور ان کی یہ وصیت تھی کہ مسلمان میرا جنائزہ پڑھیں۔ اس اعلان کے سننے کی دریتی کہ ہماری ساری گلی مسلمان جماعتیں سے بھر گئی۔ میرے دوستوں نے ہر یہ رابطہ کر کے پورے شہر کے نامور علماء کرام کو بھی اکٹھا کر لیا۔ عظیم کالز پروان ختم نبوت برادر محدث عبدالرازاق صاحب بھی بھائی گئے۔ نامور جماعتیم نبوت جناب مولانا غلام حسین کلیالوی مذکولہ نے نماز جنائزہ پڑھایا اور میری پیاری ماں کو لاہور کے ایک قبرستان پر جو آدمیں دفن کیا گیا۔ درجنوں کی تعداد میں قادریانی پاس کھڑے یہ سارا مظہر دیکھتے رہے لیکن کسی کی جرأت نہ ہوئی کہ وہ جنائزے کی چار پائی کو ہاتھ بھی کا کے یا کسی بھی حکم کی کوئی مداخلت کر سکے۔

وقات کے بعد اکثر میری پیاری ماں مجھے میرے خوابوں میں نہایت خوشناجھوں پر لمحتی رہتی ہیں اور یہ حوصلہ دیتی رہتی ہیں کہ میرے لال مررتے دم تک ہوتا ہے اور پریشانیوں سے بھی مت گھبرانا اور اپنے گمراہوں اور دوسرے قادریانیوں کو دعوت و تلمیخ کرتے رہتا۔ اس سے اللہ تعالیٰ اور سرکار دو عالم حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہو گئے ہیں۔

میری حیات مستعار میں ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے کہ جب میں نے مرتضیٰ علام احمد قادریانی کی تعریف میں ایک مضمون قلم بند کیا تھا۔ مرتضیٰ قادریانی سے میری عقیدت کیسی کسی علمی سطح یا حقیقت شناسی کی بنا پر نہ تھی بلکہ محض وراثت کی ایک اندھی تلقید تھی جس نے میری نگاہوں سے تصویر کے دوسرا رخ کو کمل طور پر چھپا کر کھا تھا۔

اس دور میں مسلمانوں کے عواید حقوقوں سے اکثر یہ باتیں میرے کافیوں سے ہوتی ہوئیں آئینہ ذہن سے جاگنگر اتنی کہ مرتضیٰ قادریانی ایک بد میرت جھوٹا مدھی نبوت تھا جس کی ساری زندگی بدکاریوں اور سیاہ کاریوں کی دلدوں میں پھنسی ہوئی تھی لیکن ان کی گوش گزاریوں کو میں فراموشیوں کے پر کرنا لازم سمجھتا تھا، کیونکہ اس طرح کے مفترضین کے اعتراضات زیادہ تر بے بنیاد اور بلا دلیل ہوتے تھے اور اگر کوئی دلیل دی بھی جاتی تو ان قادریانی کتب سے جن کے نام ہی میں پہلی وفعہ ستاتھا۔ اس لیے یہ باتیں میری عدم توجہ کا باعث نہیں۔ تاہم اس سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ میں نے ایک روز انتہائی سوچ بچار کے بعد نگاہ و منصفانہ

سے تحقیق کا دامن پکڑنے کا فیصلہ کیا اور ان کتابوں کی علاش شروع کر دی جن سے مفترضین مرزا قادیانی کی سیرت اور اس کی تحریرات پر اعتراضات وارد کرتے تھے۔ ان کتابوں میں مرزا قادیانی کی اپنی اور اس کے مریدوں کی تحریر کردہ کتابیں شامل تھیں۔

آخر ایک مدت کی جاں فاشانگوں اور عرق ریزیوں کے بعد میں چند کتابیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ پھر خالی الذہن ہو کر مع سیاق و سبق ان کتب کا مطالعہ کیا تو میری حیرت کی اجتناب نہ رہی کہ واقعی ان کتب کی تحریرات سے بھی عیاں ہوتا تھا کہ مرزا قادیانی، اگر بیرون کا لے پالک اور جھوٹا مدھی نبوت تھا جس کی تخصیص چالبازیوں و مہکادیوں سیاہ کاربیوں اور بہت سی تحقیقی عادات کی گرد سے اپنی ہوئی تھی۔ میں جیسے مبداء فیاض کی ذرہ نوازیوں سے ان حقائق سے آگاہ ہوتا گیا ویسے ویسے مرزا قادیانی سے میری چاہت و رغبت کے تمام بخی ادھڑتے پڑے گئے اور آخر ایک دن کچھ دھاگے کی طرح بیٹھ کے لیے نوٹ گئے۔

میرے گلشنِ اسلام میں داخل ہونے کی ایک بڑی وجہ میرے وہ خواب بھی تھے جو میری دینی و دلچسپی کے لیے چراغ راہ ٹابت ہوئے، خاص طور پر ایک خواب تو مجھے اس دور میں آیا جب میں تقریباً تیرہ چودہ برس کا تھا۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ حبیب کربرا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے محلے میں تشریف لائے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ آپ کے چند صحابہ کرام ہمگی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے وست مبارک میں بھلوں کا ایک طشت اٹھائے ہوئے بعض گھروں میں پھل بانٹ رہے ہیں لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری گلی میں جلوہ افروز ہوتے ہیں تو پھل بانٹتے باشندے ہمارے گمر سے پچھلے گمر کے پاس ہی رک جاتے ہیں اور آگے نہیں بڑھتے۔ میں اپنے گمر کے دروازے میں کھڑا یہ دیکھ کر یک لخت پر بیٹاں ہو جاتا ہوں کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے تشریف کیوں نہیں لا رہے؟ پھر جیسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی نظر رحمت سے میری طرف دیکھ کر یہ فرماتے ہیں اور والہم مُرْجَاتِہ ہیں تب ساری بات میری سمجھ میں آ جاتی ہے اور میری ساری پریشانی دور ہو جاتی ہے اور میں خوش ہو جاتا ہوں۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل جاتی ہے۔

دور اخوب میں نے اس وقت دیکھا جب میں قادیانیت کے تعلق کافی تحقیق کر چکا تھا اور اس کو بہت حد تک جھوٹا گردان چکا تھا۔ اس خواب میں میں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا چٹیل میدان ہے۔ سورج کی آتشیں کرنوں سے زمین کا سینہ بہت بڑا چٹا ہے۔ بھجے سے کچھ قابلے پر آگ کا ایک بہت بڑا الاؤ روشن ہے جو مزید گری کا باعث بن رہا ہے۔ اتنے میں ایک خوفناک نئم کا فرشتہ قادیانیوں کے جھوٹے نی میں مرزا قادیانی کو اپنے باکیں ہاتھ میں پکڑے میری طرف آتا ہے اور اپنے دائیں ہاتھ سے میری کلائی پکڑ کر اس آگ کی جانب دوڑنا شروع کر دیتا ہے۔ میں اس سے اپنی کلائی چھڑانے کی بہت کوشش کرتا ہوں لیکن وہ نہیں چھوڑتا اور آگ کی طرف بجا گتا چلا جاتا ہے۔ جیسے جیسے ہمارے اور اس آگ کے درمیان فاصلہ متتا

جاتا ہے ویسے دیسے گری کی شدت بھی بڑھتی جاتی ہے۔ آخر وہ فرشتہ یک لخت مجھے چھوڑ دیتا ہے اور میں قلابازیاں کھاتا ہوا زمین پر گرد جاتا ہوں۔ گرنے کے فوراً بعد میں جیسے ہی سراخا کر اس فرشتے کی جانب دیکھتا ہوں تو وہ الاوے کے قریب ہائی کرمزا قادیانی کو اس میں پھینک دیتا ہے۔ آگ بھوکے شیر کی طرح مرزا قادیانی پر جھپٹتی ہے اور اسے اپنے اندر گھرائی میں لے جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی میرے منہ سے ایک زور دار جھپٹتی ہے اور میں گھبرا کر انھی بیٹھتا ہوں۔ میرا سارا جسم پسینے سے شرابور ہو جاتا ہے۔ بیدار ہونے کے فوراً بعد میں نے کوئی الحضائیے بغیر قادیانیت پر مستقل لخت بھی اور دل سے اسلام قبول کر لیا الحمد للہ۔

میرے قبول اسلام کے بعد جو خالق کی تیز و تندر آندھیاں چلیں اور ایمان کو خش و خاشاک کی طرح بھالے جانے والے سیلاں آئے، ان میں حائل اگر خدا نے لمبیں کی عطا کر دے تھا بت قدمی اور حضور رحمت عالیٰ مصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نکاح و فیضان نہ ہوتی تو یقیناً پیش آمدہ چیزوں دستیوں سے میرا ایمان چھانغ ہمری کی طرح ڈگنگا نے کے بعد بھی کاگل ہو چکا ہوتا۔

مندرجہ ذیل تحریر میری تصنیف ”قادیانیت اسلام و سائنس کے کثیرے میں“ کا ایک مضمون ہے جس میں مرزا قادیانی کی جھوٹی نبوت و مسیحیت کا بھائڑا پھوڑا گیا ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مرزا قادیانی کی شخصیت قادیانیوں کے لیے روحاںیت کش ہونے کے علاوہ جسمانیت کش بھی تھی اور وہ ایک بہت بڑا جاہل انسان تھا، جس پر کسی بھی قسم کا اعتماد کرنا بہت بڑی حماقت ہے۔ ملاحظہ ہو۔

مرزا قادیانی ایک جعلی حکیم خطرہ جان

حق و صداقت کی شمع سے فروزان خدا تعالیٰ کا مخبر تو اس کی رضا جوئی کے تابع رہتا ہے اور تمام علوم بھی اسی عالم الغیب سے سیکھتا ہے لیکن الہی نبوت کا استاد شیطان ملعون اور شیطان صفت انسان بنتے ہیں۔ جھوٹا مدعی نبوت، مكتب بھی جاتا ہے اپنے استادوں سے گالیاں بھی سنتا ہے اور مرغابین کر جوتے بھی کھاتا ہے جیسا کہ مرزا قادیانی جوان تمام عوامل سے گزر کر فرنگی کے اشارہ ابرو پر مدعی نبوت ہوا۔ مرزا قادیانی نے طب کی بعض کتابیں اپنے والد سے پڑھی تھیں وہ اپنی تصنیف ”کتاب البرزیہ“ میں لکھتا ہے:

”میں نے فن طبیعت کی چند کتابیں اپنے والد سے جو ایک نہایت حاذق طبیب تھے پڑھیں۔“

(کتاب البرزیہ حاشیہ ص 150)

طب جیسے حاس شنبے میں محدود معلومات کے ہوتے ہوئے مرزا قادیانی نے مرید تھم یہ ذہالیا کروہ خود مسند موالجت پر آبیٹھا اور مختلف امراض کی ادویات سازی کرنے لگ گیا۔ جہلانے سمجھا کہ شاید یہ بڑے حکیم صاحب ہیں اور غصی خبریں رکھتے ہیں، اس لیے ان کی دی ہوئی دوا ضرور اکسیر عظم کا درجہ رکھے گی۔ چنانچہ انہوں نے یہ سوچ کر مرزا قادیانی سے مختلف امراض کی ادویات لئی شروع کر دیں۔

جب تریاق الہی تریاق رسولی بن گنی

ای دوں میں ایک دفعہ ہندوستان میں طاغون کی دبای چوٹی، اس موقع پر مرزا قادریانی نے یہ پتھکوئی جماڑی کا اسے الہام ہوا ہے کہ قادریان طاغون سے حفاظ رہے گا، مرزا قادریانی کے الفاظ یوں تھے۔ ”ما کان اللہ یعلیہم وانت فیہم‘ اللہ اوی القریۃ’ ولا الاکرام لہلک المقام، خدا ایسا نہیں ہے کہ قادریان کے لوگوں کو عذاب دے حالانکہ تو ان میں رہتا ہے۔ وہ اس گاؤں کو طاغون کی دست بردا اور اس جاہی سے بچائے گا۔ اگر تیر پاس مجھے نہ ہوتا اور تیر اکرام منظر نہ ہوتا تو میں اس گاؤں کو ہلاک کر دیتا۔“ (ذکرہ ص 436)

”اور وہ قادر خدا قادریان کو طاغون کی جاہی سے حفاظ رکھے گا ہم سمجھو کہ قادریان اسی لیے پتھکوئی رکھی گئی کہ وہ خدا کا رسول اور فرستادہ قادریان میں تھا۔“ (واضح البلاء ص 4-5 مندرجہ روحاں خواں جلد 18، ص 225-226، از مرزا قادریانی)

مرزا قادریانی کی اس پتھکوئی نے ہمراونے سے صاف انکار کر دیا اور مرزا کی مزید ذات و رسولی کا سبب بن گئی۔ قادریان میں طاغون کی دبایاں زور سے جملہ آور ہوئی کہ قادریانوں کو خش و خاشاک کی طرح بھاکر لے گئی اور مرزا قادریانی سمیت اس کے اتنی بھی اٹھے۔

”اے خدا ہماری جماعت سے طاغون کو اٹھا لے۔“ (اخبار بدرا قادریان ۴، گی 1905ء)

”ایک دفعہ کسی قدر شدت سے طاغون قادریان میں ہوئی“ (طہیۃ الوقیع ص 232۔ مندرجہ روحاں خواں جلد 22، ص 244، از مرزا قادریانی)

قادریان میں طاغون کی دبای چوٹی کی وجہ سے مرزا کے گود پھر مریضوں کا ہجوم لگ گیا۔ اسی صورت میں مرزا قادریانی نے اپنی چینی جماڑی سے بچک کا گھونٹا لپی کر ایک دوائی تیار کی ہے ”تریاق الہی“ کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس دوائی کی تیاری میں مرزا نے طب سے بے بہرہ دری اور حقیقت خاشاکی کا ثبوت یوں بھی پہنچایا کہ جتنی بھی دلکشی اور انگریزی ادویات ہاتھ لگتی گئیں، اُنھیں اکٹھی کر کے کس کرواتا گیا اور آخر بہت سی فالتو، حرام، تکرہ، غیر ضروری اور مضر رسائی ادویات سے ایک بھون قاتل تیار کر ڈالا۔ مرزا قادریانی کے یہی شیر احمد قادریانی نے اس بات کا اقرار یوں کیا ہے کہ:

”ڈاکٹر میر محمد اسٹبلیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت سعیج موجود علیہ السلام (مرزا قادریانی) نے طاغون کے ایام میں ایک دوائی ”تریاق الہی“ تیار کروائی تھی۔ حضرت ظلیفہ اقل نے ایک بڑی تسلی یا قتوں کی پیش کی۔ وہ بھی سب پہوا کر اس میں ڈلوادیے۔ لوگ کو نئے پیتے تھے۔ آپ اندر جا کر دوائی لاتے اور اس میں طواتیے جاتے تھے۔ کوئی نہ کامیک بڑا اڑاکے اور وہ بھی سب اسی کے اندر لاتا دیا۔ اسی طرح وہ وکم اپنی کاک کی کر ایک بوتل لا کر ساری الٹ دی (مگر چند سطور بعد مرزا بشیر احمد قادریانی اس

بات کا بھی اقراری ہے کہ) طبی تحقیق کرنے والوں کے لیے علیحدہ علیحدہ چھان میں بھی ضروری ہوتی ہے، تاکہ اشیاء کے خواص تحقیق ہو سکیں۔ (سیرت المهدی حصہ سوم ص 218-219)

حکیم نور الدین کا اقرار

جب حکیم نور الدین خلیفہ قادریان نے مرزا قادریانی کی یہ احتقاد حركت دیکھی تو بے ساختہ اس نے بھی کہہ دیا کہ مرزا قادریانی کی یہ بنائی ہوئی دو اکسی طبی فائدے کی وجہے غیر جاندار اور بے اثر ہے۔

بلطفہ ہو۔

مرزا شیر احمد قادریانی سیرت المهدی میں لکھتا ہے کہ:

(”تریاق الہی“ میں مرزا قادریانی نے) دیکی اور انگریزی اتنی دوائیاں ملا دیں کہ حضرت خلیفہ اول (حکیم نور الدین) فرمائے گئے کہ طبی طور پر تواب اس مجموعہ میں کوئی جان اور اثر نہیں رہا۔ (سیرت المهدی حصہ سوم ص 218)

الثی ہو گئیں سب تدبیریں

مرزا قادریانی کے بنائے ہوئے اس مضر رسان نئے جسے ”تریاق الہی“ کا اعزاز حاصل تھا، لوگوں نے کیفیت تعداد میں استعمال کیا، لیکن صحت کے ان طلب گاروں کے ساتھ مرزا قادریانی کی روحانیت اور اس کے ”تریاق الہی“ نے کیا سلوک کیا؟ پڑھیے:

”اس جگہ (قادیریان) زور طاغون کا بہت ہوا ہے۔ کل آٹھ آدمی مرے تھے، اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم کرے۔“ (مرزا قادریانی کا مکتوب بحرہ 16 اپریل 1904ء)

”قادیریان میں ابھی تک کوئی نمایاں کمی نہیں ہے۔ ابھی اس وقت جو لکھ رہا ہوں، ایک ہندو بیجا تھا نام جس کا گھر گویا ہم سے دیوار بہ دیوار ہے۔ چند گھنٹے یہاں رہ کر رہی تک عدم ہوا۔“

(مکتوبات احمدیہ جلد چشم نمبر چہارم ص 116)

”نمدوی مکری اخو یکم سیٹھ صاحب سلمہ!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ.....! اس طرف طاغون کا بہت زور ہے۔ ایک دو مشتبہ وارداں میں امر تسریں بھی ہوئی ہیں۔ چند روز ہوئے ہیں میرے بدن پر بھی ایک گلٹی تکلی تھی۔“ (مکتوبات احمدیہ جلد چشم نمبر اول، مکتوب نمبر 38)

”قادیریان میں طاغون آئی اور بعض اوقات کافی خست جملے بھی ہوئے..... پھر خدا نے حضرت سعی موعود کے مکان کے ارد گرد بھی طاغون کی تباہی دکھائی اور آپ کے پڑو سیوں میں کمی موتیں ہوئیں۔“

(سلسلہ احمدیہ جلد اول ص 122)

یہ تھا کذاب قادیانی کی روحاںیت اور ”تریاق الہی“ کا فیض کہ جس شخص نے طاعون کی وبا کا شکار نہیں بھی ہوتا تھا اسے بھی طاعون نے پچھاڑ کر مرزا کا کذب اور اس کی جعلی حکمت خطرہ جان کو سب کے سامنے انشاں کر دیا۔

مرزا کی جعلی حکیمی کے مزید نمونے

مرزا قادیانی کو دستوں کی پیاری تھی جاہل سے جاہل تر نیم حکیم بھی اس بات سے آشنا ہے کہ دستوں میں دودھ کا استعمال مزید دستوں کا باعث بنتا ہے لیکن جاہلیت کے عالمی گولڈ میڈلست کا اعزاز تھی تھی قادیانی کو یہی حاصل تھا کہ وہ دستوں میں بھی دودھ کا استعمال زیادہ کر دیتا تھا جس سے اس پر دستوں کی مزید بر سات برس پڑتی اور اس کا تقریباً سارا دن لیشنین کے چکروں میں گزرتا۔

مرزا قادیانی کا پیٹا مرزا بشیر احمد قادیانی لکھتا ہے:

”دودھ کا استعمال آپ اکثر رکھتے تھے اور سوئے وقت تو ایک گلاں ضرور پیتے تھے اور دن کو بھی پچھلے دنوں میں زیادہ استعمال فرماتے تھے کیونکہ یہ معمول ہو گیا تھا کہ ادھر دودھ بیا اور ادھر دست آ گیا اس لیے بہت ضعف ہو جاتا تھا اس کے دور کرنے کے دو دن میں تین چار مرتبہ تمہوز اتھوڑا دودھ طاقت قائم کرنے کو پہلی اکر تھے۔“ (سیرت المهدی حصہ دم، ص 134)

قادیانیو! خصوصاً قادیانی ڈاکٹر و حکیمو اور میڈیکل افسرو! مرزا کے اس جاہلانہ عمل کی یادوی کرتے ہوئے تم پر بھی لازم ہے کہ جب تھیں دستوں کا مرض آ گھیرے تو تم صحت کے تمام سائنسی طبی قوانین و ضوابط کو بالائے طاق رکھتے ہوئے فوراً دودھ کا استعمال زیادہ کر دو اور لیشنین کو بار بار اپنے دیدار کا شرف بخشو اور اگر دست مزید ترقی کرتے جائیں تو مزید دودھ ملنگو تھے جاؤ پیتے جاؤ اور ساتھ ساتھ اپنے جعلی نبی کے طبی نہجوں کی بھی تحسین کرتے جاؤ۔

گرمی والوں کا علاج گرم کپڑے

”گرمی دانتے“ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ جسم پر نکلنے والے وہ ابھار جو گرمی کے باعث نمودار ہوتے ہیں۔ ساری دنیا کے ڈاکٹر و حکیم تھیں کہ ایک عام انسان بھی اس بات سے بخوبی آشنا ہے کہ اگر جسم پر گرمی دانتے نکل آئیں تو گرم لباس سے مکمل مجتنب رہنے میں ہی دلنش مندی و عافیت ہے لیکن مرزا کے قادیانی کی عقل و حکمت کی دادوچیتے کے شدید موسم گرمائیں جب گرمی والوں کا عذاب اس کے سارے جسم کو پوٹھا رہتا تو بجائے نرم و سرد لباس کے وہ مزید گرم لباس پہن لیتا۔

مرزا بشیر احمد قادیانی نے لکھا ہے۔

”بعض اوقات گرمی میں حضرت سعیج موعود علیہ السلام (مرزا قادیانی) کی پشت پر گرمی دانتے نکل

آتے تھے۔

پھر مرزا قادیانی ان گری دنوں کا علاج کیسے کرتا، مرزا بشیر احمد قادیانی ہی لکھتا ہے کہ: ”بدن پر گرسوں میں عموماً ممل کا کرہ استعمال فرماتے تھے اس کے اوپر گرم صدری اور گرم کوٹ پہنچتے تھے۔ پاجامہ بھی آپ کا گرم ہوتا تھا۔ نیز آپ عموماً جواب بھی پہنچتے تھے۔“ (سیرت المهدی، حصہ اول، ص 66)

(پھر گرم پانی سے نہاتا بھی ہو گا اور دھوپ کے نیچے بیٹھ کر آٹھ دس اٹھے ہڑپ کر کے کہتا ہو گا کہ میں خاندانی حکیم ہوں۔ ہائل)

مرغاذنگ کروا کے سر پر باندھ دیا

ایک دفعہ قادیانی میں مرزا قادیانی کا ایک عزیز سخت بخار ہو گیا، جس سے اس کا دماغ بھی کافی متاثر ہوا۔ چنانچہ اس کے گمراہ لوں نے مرزا قادیانی کو بطور معانع اس کا علاج کرنے کے لئے بلوایا۔ مرزا قادیانی نے وہاں بھی اپنی جاہلیت کا ثبوت فراہم کرتے ہوئے اس مریض کا علاج یہ تجویز کیا کہ ایک مرغا ذبح کروا کے دیسے ہی خون میں لصڑا ہوا اس بھارے کے سر پر باندھ دیا۔

سیرت المهدی میں مرزا بشیر احمد قادیانی اس واقعہ کے متعلق یہاں رقم طراز ہے:

”حضرت والدہ صاحبہ یعنی ام المؤمنین اطآل اللہ بناہما نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ مرزا نظام الدین صاحب کو سخت بخار ہوا۔ مرزا نظام الدین صاحب کے عزیزوں نے حضرت صاحب کو اطلاع دی اور آپ فوراً وہاں تشریف لے گئے اور مناسب علاج کیا۔ علاج یہ تھا کہ آپ نے مرغاذنگ کرا کے سر پر باندھا۔“ (سیرت المهدی، حصہ سوم، ص 27)

مرزا قادیانی کے متعلق اس طرح کے درجنوں حوالہ جات قیل کیے جاسکتے ہیں، جن سے وہ جعلی معانع یا نیم حکیم تو ہوئی وور کی بات ہے ایک کم فہم انسان بھی ثابت نہیں ہوتا لیکن قادیانیوں کی مرزا قادیانی کے متعلق اندر می تھی کی انتہا دیکھنے کے بجائے وہ مرزا کی ان بیہودہ اور جاہلائیہ حرکات دیکھ کر اس سے عقیدت کے تمام بندھن توڑ کر اسلام کے چہستان روح افزائش داخل ہوتے وہ اب تک اسے ”علم الطب“ کا شہنشاہ تصور کیے ہوئے ہیں۔ قادیانیوں کا روزنامہ اخبار ”الفضل“ اپنے 21 اکتوبر 2002ء کے شمارے میں لکھتا ہے:

”سیدنا و امامنا حضرت بانی سلسلہ احمدیہ (مرزا قادیانی) نے اپنی روحانی آنکھ اور چشم بسیرت سے جہاں ”علم الادیان“ پر اسکی انقلابی روشنی ڈالی کہ وہ چڑھا دیا، وہاں ”علم الابداں“ یعنی میڈیا کل سائنس اور طب کے سلسلہ میں بھی پوری عمر بے شمار روحانی تحریکات و مشاہدات کے بعد دنیاۓ طب کے لئے ایسے بیش قیمت رہنما اصول رکھے جو صرف ایک ربانی مصلح ہی کی خدامنا فحیمت سے مخصوص

ہو سکتے ہیں اور دعویٰ سے کہا جاسکتا ہے کہ آج تک طب اور سائنس کے ماہر فاضلوں کا لائزنس ان پہلوؤں کے اعتبار سے بہت حد تک خاموش ہے۔

قادیانی اخبار "الفضل" میں بھوث بولنے میں اپنے گروختیل مرزا قادیانی کو بھی مات دے گیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مرزا قادیانی نے طب کے میدان میں جوانانیت کش اور مضررساں اصول مرتب کیے ہیں ان کی نظری طب اور مذہبی مکالم سائنس کے ماہرین میں تو کیا کسی فٹ پاٹھ پر بیٹھنے ہوئے اس شخص میں بھی نہیں پائی جاتی جس کی عمل بہم وقت محض پرواز رہتی ہے۔

لیکن اگر باقی باقوں سے قطع نظر ایک لمحہ کے لیے مرزا قادیانی کو نیم حکیم بھی تسلیم کر لیا جائے پھر بھی اسلام اور جدید سائنس مرزا قادیانی کی تزوید پر کمرست نظر آتی ہے کیونکہ نیم حکیم کی گنجائش نہ دین اسلام میں ہے اور نہ ہی جدید سائنس میں، ملاحظہ فرمائیں:

جاہلِ معانِ حُلّ اسلام اور جدید سائنس کی نظر میں

اولاً اسلام نے انسانیت کے لیے حفاظان صحت کے ایسے اصول مرتب کیے ہیں کہ بندہ زیادہ سے زیادہ بیماریوں سے قبل از وقت بچا رہے۔ تاہم اگر کوئی بیماری جملہ آور ہو جائے تو اس کا مناسب علاج بھی پیش کیا ہے۔ طب کو باقاعدہ ایک فن کے طور پر پروان چڑھانے اور اس فن کے ماہرین پیدا کرنے میں نسب سے زیادہ ذہن اسلام کو حاصل ہے۔ دنیا میں سب سے پہلے ہسپتال مسلمانوں نے عی قائم کیے اور سب سے پہلے رجسٹرڈ اکاؤنٹوں اور سرجنوں کا ایک باقاعدہ نظام بھی انہی نے وضع کیا تاکہ عقلف بیماریوں کا سمجھ طبع خطوط پر علاج کیا جاسکے۔ اس سلسلے میں تاجردار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان امت مسلمہ کے لئے مشعل راہ (اور امت مرزا کے لیے باعث حق شناہی) ہے۔

ارشادِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

"وَمَنْ تَطَهَّبْ وَلَمْ يَعْلَمْ مِنْهُ الطَّبْ قَبْلَ ذَلِكَ فَهُوَ ضَامِنٌ.

ترجمہ: جس شخص نے علم الطب سے نا آگئی کے باوجود طب کا پیشہ اختیار کیا تو اس (کے علاج، معراثرات) کی ذمہ داری اسی شخص پر عائد ہوگی۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی کا واقعہ ہے کہ آپ بیمار ہو گئے۔ ان کے علاج کے لیے دو طبیب آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی موقع پر تشریف فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آپ دونوں میں سے جس کا تجوہ زیادہ ہے وہ علاج کرے۔ چنانچہ ان دونوں میں سے جس طبیب کا علم طب پر عبور اور تجوہ زیادہ تھا، اس نے اس صحابی رسول کا علاج کیا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا۔

ایکما اطب من تطب و هو لا یعرف طبا فهو ضامن۔ (ابوداؤد کتاب الطب)
 "اگر کسی نیم حکیم کی وجہ سے کوئی مر گیا تو اس کی موت کا ذمہ دار وہ ڈاکٹر اور حکیم ہو گا۔"
 اس فرمان نے جہاں لوگوں کو طب میں تشخیص کے لیے مہیز دی وہاں اسلام کی اوپرین صدیوں
 میں جعل سازوں سے پچھے کے لیے میڈیکل کالج باقاعدہ امتحانی نظام وضع کرنے میں بھی مددی۔ بھی
 وجہ ہے کہ مسلمانوں میں بڑے بڑے ماہرین طب اور سرجن پیدا ہوئے۔

دنیا میں سب سے پہلے ڈاکٹروں اور طبیبوں کے لیے امتحانات اور رجسٹریشن کا باقاعدہ نظام
 عربی خلافت کے دور میں بنداد میں وضع ہوا ہے جلد ہی پورے عالم اسلام میں نافذ کرو یا گیا۔ واقعہ یوں
 ہوا کہ ایک جعلی حکیم کے ناقص علاج سے ایک مریض کی جان چل گئی۔ اس حادثے کی اطلاع حکومت کو پہنچی
 تو تحقیقات کا حکم ہوا۔ پتہ یہ چلا کہ اس عطاکی طبیب نے میڈیکل کی مروجہ تمام کتب کا مطالعہ نہیں کیا تھا اور
 چند ایک کتابوں کو پڑھ لینے کے بعد مطب (Clinic) کھول کر بیٹھ گیا تھا۔

اس حادثے کے فوری بعد حکومت کی طرف سے معاہدین کی باقاعدہ رجسٹریشن کے لیے ایک
 بورڈ بنایا گیا، جس کی سربراہی اپنے وقت کے عظیم طبیب شان بن ثابت کے ذمہ ہوئی۔ اس بورڈ نے سب
 سے پہلے صرف بنداد شہر کے اطباء کو شمار کیا تو پتہ چلا کہ شہر میں کل 1000 طبیب ہیں۔ تمام اطباء کا
 باقاعدہ تحریری امتحان اور انتدرو یو یا گیا۔ ایک ہزار میں سے 700 معاف پاس ہوئے۔ چنانچہ رجسٹریشن کے
 بعد انہیں پرستش کی اجازت دے دی گئی اور ناکام رہ جانے والے 300 اطباء کو پرستش کرنے سے روک
 دیا گیا۔

61^م کے مشہور طبیب ابن سینہ بندادی نے اپنی مشہور کتاب "حکارات" میں مندرجات پر
 بیٹھنے کے لیے چند ضروری شرائط رقم کی ہیں اور لطف یہ کہ مرزا قادری میں ان رقم کردہ شرائط میں سے ایک
 شرط بھی نہیں پائی جاتی۔ این سہیل بندادی لکھتے ہیں کہ:

اس معاف پر اعتماد کیا جانا چاہیے جس نے علم طب کی تعلیم اپنے وقت کے بڑے بڑے اساتذہ
 فن سے کی ہوا اور عملی مشق و تجربہ کے لیے ایک مدت دراز تک ماہرین کی خدمت میں رہا اور ان کی گمراہی
 میں مریضوں کی دیکھ بھال اور علاج معاملہ کیا ہوا اور ان بزرگوں سے سندھ بھارت حاصل کی ہو تب جا کر
 بیماریوں کی طرف رجوع کرے۔"

اسلام اور مسلمان اطباء کی ان ہدایات سے آج عالمی ادارہ صحت (World Health Organization) کی تنظیم بھی تحقیق ہے اور قانوناً مطالبہ کرتی ہے کہ تمام غیر مندرجہ عطائیوں
 (Quacks) کی پرستش کو مسدود کر دیا جائے۔

یورپ میں عطا بیت کے خاتمے کے لیے سب سے پہلا قانون 1821ء میں مرض وجود میں آیا۔ اس کی رو سے ہر دھنس جو علاج محتاج کا دعویٰ ہر ہے لیکن اس کے پاس کسی مستند مکمل کاغذ یا اثیبوٹ کی سند یا اجازت نہیں تو قانوناً ایسے دھنس کو پریش کرنے کی قطعی اجازت نہیں اور اگر ایسے محتاج سے کسی مریض کو تھان پہنچنے تو اس کا تاداں محتاج کو ادا کرنا پڑے گا۔

قادیانیو! سوچو کہ اگر مرتضیٰ قادری آج کے اس دور میں زندہ ہوتا تو یقیناً ایک مجرم کی حیثیت سے اس پر مقدسہ چلتا اور وہ جعل سازی کرنے اور لوگوں کو موت کے گھوڑے پر سوار کرنے کے جرم میں پھانسی کے پہنڈے پر لٹکا دیا جاتا پھر تم سب افسوس غنی ملتے رہ جاتے کہ کاش ہمارانی طب و حکمت کے میدان میں قدم نہ رکتا تو شاید پھانسی کے پہنڈے سے فک جاتا اور یہ ذلت درسوائی دیکھنا لیسب نہ ہوتی۔



مظفر احمد مظفر

راہی منزل مراد پاتا ہے

(یہ انودی قوم نبوت اکیڈمی لندن کے ذریکر جاتب عبد الرحمن بادا نے کیا)

شیخ راحیل احمد اور شیخ جاوید اقبال کی بیان ال خانہ دیانتی جماعت سے علیحدگی کی خبریں ابھی گرم تھیں کہ جرمی کے شہر حرم (ہبہرگ) سے تعلق رکھنے والے ایک نہایت قائم پیدائشی احمدی مظفر احمد مظفر نے اپنی اہلیت کے ہمراہ مسجد تو حید آفی بارخ میں مولانا مشاق الرحمن امیر عالیٰ مجلس تحفظ ختم نبوت جرمی کے ہاتھوں اسلام قبول کرتے ہوئے جماعت احمد یہ سے اپنی علیحدگی کا اعلان کر دیا۔ مظفر صاحب ہبہرگ جماعت میں مختلف اداروں میں بطور بینل سیکڑی تجدیدِ صحت اور وقارِ عمل کے شعبوں میں جماعتی خدمات سر انجام دیتے رہے۔ وہ ایک اعلیٰ پائیے کے شاعر بھی ہیں، انہوں نے مختلف جماعتی مقابلہ جات میں گولڈ میڈل اور بہت ساری تحریکی اسناد بھی حاصل کر رکھی ہیں۔ انہوں نے ایک نہایت عین شاندار اور پر وقار ترقیب جس کا انعقاد وہاں کی مقامی تحریک نے کیا تھا، سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہیرے اس روڈ کے پچھے سات سال کی سبب بینی کے علاوہ ذاتی مشاہدات، جماعت کا داخلی کروار، سنت نبوی سے جماعت کا اہتناب اور جماعت کے غیر فطری وغیر شرعی شعار بھی شامل ہیں۔ ترقیب میں مولانا مشاق الرحمن کے علاوہ پہلے سے جماعت چھوڑنے والے جانب انحصار احمد اور جانب شیخ راحیل احمد نے بھی انہمار خیال کرتے ہوئے کہا کہ پڑھے لکھے بلطفہ کا جماعت احمد یہ چھوڑنا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ جاہاں نہ سوچ والی اندری عقیدت کے دن قوم ہو رہے ہیں اور بکھدار لوگ اب حقیقت پسندانہ راست اختیار کرتے ہوئے اسلام قبول کر رہے ہیں۔ انہوں نے ان تمام احمدیوں کو جو ایک انجانے ڈرکی وجہ سے کہ کہیں وہ اکیلے نہ رہ جائیں اور جماعت کو جو جو نا سمجھتے ہوئے بھی اس کے ساتھ چھٹے رہنے پر بجور ہیں پیغام دیا کہ وہ بہت سے کام لیں اور مرزا غلام احمد قادریانی کی غلائی کا طوق گلوں سے اتار پھیک کر حضرت محمد مصطفیٰ تھیقہ کی غلائی میں آ کر اپنی آخرت سنواریں، ہماری اور ہمارے تمام مسلمان ہمایوں کی بانیں آپ کو گلے لگانے کے لیے ہر وقت کلی ہیں۔

مظفر احمد مظفر کو مبارکبادوں کے فون کرنے والوں میں بہت ساری اعلیٰ شخصیات کے علاوہ سابق صدر پاکستان جانب رفق تاریز بھی شامل تھے۔ مظفر صاحب نے گذشتہ سال کی ریسرچ کا حوالہ دیا ہے، یہ دعیٰ عرصہ ہے جب جموں یہتوں کا ایک طوفان بدشیری اپنے جو بن پر تھا۔ دنیا کو یہ توف بنا نے کے پچھر میں جماعت خود اوبن گئی اور جو وقت تربیت کر کے احمدیوں کو سدھانے کا تھا، جھوٹ کے پچھے

بھاگ کر ضائع کر دیا گیا اور عام احمدی کو خود اپنی سوچ سوچنے کا وقت مل گیا جس کے نتیجہ میں نہ تو جھوٹی بھیں رہیں بلکہ اپنے بھی ہاتھ سے جانے لگے۔ قادریانی خلیفہ مرزا طاہر جرمی کی لاکھوں جھوٹی بیجنوں کو اپنے سر لے کر عبرت کا سامان بنا جکب جرمی کی قیادت چالیس پچاس بھیں بھی نہ بچا سکی۔ چند درجن غیر ملکی افراد جو جماعت میں موجود ہیں وہ صرف اس لیے کہ جماعت نے انہیں اپنی بھیں یا پیشان لکھوں میں دے رکھی ہیں یا پھر ان کو مقول مشاہروں پر ملازم رکھ لیا گیا ہے۔ اس جھوٹ نے خود احمدیوں کے ایمان حڑوں کیے۔ ایک اچھے خاصے احمدی بزرگ یہ کہتے سنے گئے کہ جب دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ شخص عبداللہ و اکس ہاؤزر ہمارا امیر ہو تو پھر ہمارے عقیدے کی سچائی خود بخوبی ملکوں ہو جاتی ہے۔

موجودہ قادریانی خلیفہ مرزا اسرور احمد صاحب یہ سب کچھ دیکھنے کے باوجود یا تو بالسری بجا رہے ہوں گے اور یا پھر نیز جاوید سے نیا خبلہ لکھوا کر یاد کر رہے ہو گئے ورنہ یہ سب کچھ جانتے کے بعد اتنے بڑے جھوٹ اور فراڈ کا اعتراف کرتے ہوئے وہ جھوٹوں کو نشان عبرت بنا چکر ہوتے۔ اب اس سابقہ تعلص اور شدائدی احمدی کا ایمان پر اثر دیو پڑھئے اور غور فرمائیے کہ قادریانی جماعت کس مقام پر کھڑی ہے؟

بہادر پٹھانوں کے علاقے، صوبہ سرحد کے خوبصورت شہر نو شہر کے باسی، مظفر صاحب مسکراتے چہرے کے ساتھ مخاطب سے دل مودہ لینے والے انداز میں بات کرتے ہیں۔ وہ ایک اچھے شاعر اور سابق پیدائشی احمدی ہیں۔ چہ بہن بھائیوں میں تیسرا نمبر ہے ان کا۔ جماعتی خدمات میں ایکثوڑے ہیں، ان کو شاعری میں جماعت نے کئی سریشیکیت بھی دیئے ہیں وہ گولڈ میڈلست ہیں۔ نو شہر میں سکول گئے اور اس شہر کو نیچلے آف سائنس کی ڈگری لینے کے بعد چھوڑ کر دنیادیکھنے کی لگن میں زندگی اور جرمی پہنچ لوئیں کے ہو رہے۔ ان کے ایک خوبصورت شعر سے اثر دیو کا آغاز لگاتے ہیں۔

کل سے مظفر کر رہا ہے بہن بیکی مُفتکو

آج سے لکھ دو اسے بھی دوستو کفار میں

نماشندہ سائسٹ: السلام علیکم مظفر صاحب، خوبصورت شعر ہے، آپ کو کفار میں سے بھیں یا؟

مظفر احمد مظفر: علیکم السلام، شکریہ (بنتے ہوئے) آپ مجھے مسلمان ہی سمجھتے۔

نماشندہ سائسٹ: معاف سمجھنے گا شروع میں کچھ ذاتی سوال کروں گا، کیا آپ پیدائشی احمدی ہتے؟

مظفر احمد مظفر: جی! امیرے پر دادا اگر ای قدر نے مرزا غلام احمد صاحب کی بیعت کی تھی۔

نماشندہ سائسٹ: مختصر ساختہ اپنی پس مختار اگر آپ کو اعتراض نہ ہو؟

مظفر احمد مظفر: پلیز بے تکلفی سے پوچھئے! ہم پائیں بھائی اور ایک بہن ہے۔ والد صاحب نیشنل

بینک آف پاکستان میں واکس پر نیز نہیں اور بعد ازاں بینک کے چیف آڈٹ آفیسر صوبہ سرحد تھے۔

کیا آپ شادی شدہ ہیں؟ اور آپ کے ماشاء اللہ کتنے بچے ہیں؟

مظفر احمد مظفر: بی امیری شادی الگینڈ میں پچاس سانچے سال سے آباد جاںدار کے راجپوت خاندان میں ہوئی ہے اور میرے ماشاء اللہ تم پیچے ہیں جن میں سے دو بیٹے احمدیت سے تاب ہونے کے بعد اللہ نے انعام کے طور پر عنایت کیے ہیں!

نماشندہ سائیت: کیا آپ کی والدہ حیات ہیں اور آپ کے قول اسلام کے بعد ان کا اور دوسرا افراد خاندان کا رویہ آپ کے ساتھ کیا ہے؟

مظفر احمد مظفر: والد صاحب فوت ہو چکے ہیں، والدہ صاحبہ حیات ہیں اور باوجود کی وہ اس فیصلہ سے خوش نہیں ہیں لیکن ان سے تعلق برقرار ہے۔ ایک بہن اور ایک بھائی نے کامل طور پر تعلق تعلق کر لیا ہے اور دوسروں کے ساتھ بھی رابطہ ہونے کے رہا ہے!

نماشندہ سائیت: آپ کے خاندان میں کوئی جماعتی ذمہ داریوں پر بھی فائز ہے یا تھا؟

مظفر احمد مظفر: ویسے تو ہمہ دار میں بھی رہا ہوں اور گھر کے دوسرے افراد بھی کچھ نہ کچھ جماعت میں ایکٹھو ہیں لیکن اگر آپ جماعت کی ملازمت کے ہارے میں پوچھ رہے ہیں تو میرے تیا مولانا محمد شفیق اشرف ناظر اصلاح و ارشاد تھے، اور احمدی جانتے ہیں کہ یہ ایک بہت اہم ہمدرد ہے جماعت میں!

نماشندہ سائیت: آپ نے کن جماعتی عہدوں پر کام کیا ہے؟

مظفر احمد مظفر:

تراشا تھا مظفر ٹو نے جو بت عہد ظھلی میں

خدا کے داسٹے ایسے خدا کی بات رہنے دو

لیکن آپ کی بات کا جواب۔ از پہنچ تا قادریانی جماعت چھوڑنے تک، بیشاز عہدوں پر کام کیا ہے۔ اول عمر میں ناظم صحت، بعد ازاں ناظم وقار عمل، ناظم تحریک، ناظم اطفال، سیکریٹری مال، نائب قائد مجلس خدام الاحمدیہ، قائد مقامی وغیرہ

نماشندہ سائیت: کیا آپ نے سب قادریانی خلفاء کی بیعت کی؟

مظفر احمد مظفر: بی نہیں، موجودہ خلیفہ میری تائب ویراءت کے بعد اقتدار میں آئے۔

نماشندہ سائیت: آپ کا بغیادی اختلاف مرزا صاحب کی تعلیمات پر ہوا یا نظام پر پیاس کی عہدے دار سے ذاتی اختلاف پر جماعت چھوڑی؟

مظفر احمد مظفر: میرا کسی سے کوئی ذاتی اختلاف نہیں تھا، لیکن نظام جماعت سے اور مرزا صاحب کی تعلیم سے، دونوں سے مجھے اختلاف ہوا۔

نماشندہ سائیت: کوئی تعلیمات آپ کے نزدیک غلط تھیں؟

مظفر احمد مظفر: مرزا قادریانی کی تعلیمات کے دو حصے کے جا سکتے ہیں، اول وہ حصہ جو 1901ء

سے پہلے کا ہے اور دوسرا وہ حصہ جو اس سے بعد کا ہے! مرزا صاحب کے افکار و نظریات دونوں حصوں اور ادوار میں مختلف ہیں، یعنی پہلے حصہ میں اندازِ قلم اور رنگ میں ہے، اس حصہ میں مرزا صاحب دعویٰ نبوت سے اٹھا کری ہیں اور مدعاً نبوت پر لخت فرمائے ہیں اور دوسرا حصہ میں یعنی 1901ء کے بعد صریح رنگ میں دعویٰ نبوت کے اقراری ہیں۔ مرزا صاحب کی تعلیمات میں اول درجے کا تضاد اور تاویلات ملتی ہیں جو مرزا صاحب کی تعلیمات کو گوشہ نکلوک میں دھکیل دیتی ہیں اور دماغی خلل پر دلیل لخت بن جاتی ہے!!!

نماہنندہ سائنس: آپ مرزا صاحب کے دعے کو حقیقی طور پر کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

مظفر احمد مظفر: وہی جو پوری امت مسلمہ کی مشترک رائے ہے، جو واضح طور پر اپریل 1974ء میں مکمل کردہ میں رابطہ عالم اسلامی تمام مسلم ٹیکسٹوں کی آواز سے آواز طلتے ہوئے اور بعد میں اس کی تائید میں 7 ستمبر 1974ء کو پاکستان کی قومی اسمبلی میں ظاہر کی گئی۔

نماہنندہ سائنس: اب میں آپ سے سوال کرتا ہوں مرزا صاحب کے خلفاء کے متعلق ان کے بیان اور خلیفہ ہائی مراہ بیشیر الدین محمود کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

مظفر احمد مظفر: اس موضوع پر تاریخی اور اقتصادی گواہ ہیں اور ان تاریخی حالات اور شواہد پر میرا پورا اعتقاد ہے۔

نماہنندہ سائنس: آپ تو عہدے دار تھے اور آپ بتا سکتے ہیں کہ مرزا طاہر کی یہ توں کی حقیقت کیا تھی؟

مظفر احمد مظفر: دیکھیں یہ سراسر دروغ گوئی ہے اور اس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں! یہ محض افراد جماعت کا مورال بلند کرنے، ان میں بھیتی ہوئی حدت ہایمان کی چنگاری کو ہوادیئے، جماعت میں امنگ پیدا کرنے اور کامیاب خلافت کے جھنڈے بلند کرنے کی ایک کار آمد کوشش تھی، جو حقیقی طور پر افراد جماعت میں ذودِ مایوسی کو رفع کرنے میں ایک کام کر گئی اور عامِ ہم سادہ لوح آدمی اس زمانے اور دھوکے میں آگیا کہ اب دنیا میں جماعتِ احمدیہ کے انقلاب اور فتح کے ترانے پڑھنے کا وقت آگیا لیکن عملی طور پر یہ کاوشیں اور دعوے سے سمندر کی جہاؤ کی طرح بیٹھے گئے اور احمدی خود حقیقت کا سامنا کر کے لرزہ براعمام و ششد رہ گئے!!

نماہنندہ سائنس: قادریانی جلسوں میں اکثر غیر ملکی یعنی یورپیں افراد آتے ہیں، کیا وہ سب احمدی ہیں یا وہ بھی کوئی دھوکہ ہے؟

مظفر احمد مظفر: نہیں نہیں! یہ جماعت کا دلیلہ رہا ہے کہ ایسے موقعوں پر تمام غیر ملکی سفارت خانوں کو دعوت نامے بیچ دیتے جاتے ہیں، یہ افراد ان دعوت ناموں کا پاس کرتے ہوئے ”ویک ایڈ“ میں بیچ جاتے ہیں، یہ احمدی نہیں ہوتے صرف وہی آئیں جیسے کہ طور پر دعوے ہوتے ہیں۔ دیکھئے والا فوراً مغرب ہو

جاتا ہے کہ اس قدر غیر ملکی افراد احمدی ہو گئے ہیں، ورحقیقت یہ سب غیر ملکی سفارت خانوں کے کارکن ہوتے ہیں۔

نماشندہ سائنس: قادریانی حضرات کہتے ہیں کہ اسلام کی کمی قسمیں ہیں۔ آپ نے کون ہی قسم کو گئے لکھا ہے؟

مظفر احمد مظفر: وہ اسلام ہے مرزا صاحب نے اپنی اغراض مخصوصہ اور مقاصد خاصوں کے لئے روکر دیا تھا، جسے مردہ اسلام کہا تھا، جسے باسی دودھ سے تشبیہ دی، جسے مولویوں کا اسلام کہا، میں نے اس اسلام کو قبول کیا ہے!!!

نماشندہ سائنس: آپ کے خیال میں جماعت سچائی یا جماعت، کس معیار پر کمزی ہے؟ اور اس جماعت کی کوئی اہمیت ہے؟

مظفر احمد مظفر: یہ دنیا دار الفتن ہے، نت نئے فتنے آئے دن سراغدار ہے ہیں۔ زمانہ قدیم میں جبریہ، قدریہ، محزلہ اور کرامیہ چیزے فتنے پیدا ہوتے رہے، وہ بھی اصل اسلام کے دعویدار تھے۔ انہوں نے صحابہ کرام کے عقائد و مسلک سے بہت کرنے موافق اور عقائد کمزی لیے تھے۔ آپ جانتے ہیں کہ صحابہ کرام کی جماعت کو قرآن کریم نے بھی معیار قرار دیا ہے، لہذا جوان سے الگ ہوا، قرآن کریم سے الگ ہو گیا۔ اب دیکھیں کہ صحابہ کرام کے عہد میں ہی الگ ہوا اپنا کام دکھا چکے تھے۔ یہ حدیث کی جیت سے دست بردار ہوتا چاہتے تھے۔ غرض فتنے پیدا ہوئے اور ہوتے رہیں گے، ان کے لیے معیار سچائی کا تھیں کہ میرے نزدیک تسلیح اوقات ہو گا۔ سو ایسے قیل و قال سے کیا چاہل!

نماشندہ سائنس: جیسا کہ آپ نے کہا کہ یہ سلسلہ تحریری نہیں تو اس کا نقصان عالم اسلام پر کیا پڑتا ہے؟

مظفر احمد مظفر: حکیم الامت علامہ اقبال نے بڑے واضح رنگ میں بروقت فرمادیا تھا کہ ”قادیانی اسلام اور طرت و نون کے غدار ہیں“ اور پھر ایک اور جگہ فرماتے ہیں ”قادیانیت یہ بودھت کا چہہ ہے“ پھر فرماتے ہیں ”قادیانیت کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ ایک غیر مسلم اسے اسلام سمجھ کر قبول کر رہا ہوتا ہے اور الیہ یہ ہو گا کہ وہ ایک کفر سے نکل کر دوسرے کفر میں جا رہا ہوتا ہے۔“

نماشندہ سائنس: علمائے اسلام قادریانیوں کا تعاقب کر رہے ہیں، کیا آپ ان کے کام سے مطمئن ہیں؟

مظفر احمد مظفر: الحمد للہ! مرزا صاحب کی وفات کے بعد جماعت ایک منظم تحریک کی صورت اختیار کر گئی ہے، اگرچہ علماء نے مرزا صاحب کی زندگی میں ہی اس جماعت کا تعاقب شروع کر دیا تھا جو اب تک جاری ہے۔ سب سے پہلے علمائے لدھیانہ نے اس کی علیحدگی شروع کی، بعد ازاں وہی علماء نے اس کی

تقلید کی، جن علماء نے ان کا ہر میدان و محاذ پر بخارہ و حاصرہ کیا، ان میں سرفہرست مولانا محمد عالم آئی۔ مولانا شاہ اللہ امر ترسیٰ، مولانا سعد اللہ دھیانوی اور حضرت چیرہ علی شاہ گلزاری تھے۔ بعد میں محدث الحصر حضرت سید انور شاہ صاحب شمسیری شیخ الحدیث دارالعلوم دینہ بند بھی متوجہ ہوئے اور انہوں نے جامائی طور پر مقابلہ کی طرح ڈالی۔ انہوں نے مجلس احرار کے سرخیل خلیفہ ہند حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے ہاتھ پر بیعت کر کے انہیں امیر شریعت مقرر کیا اور ان کی پوری جماعت کو مقابلہ لاکھڑا کیا۔ اسی طرح علامہ اقبال نے مولانا ظفر علی خاں کو اس طرف متوجہ کیا۔ تعمیم ہند کے بعد احمدیوں کا سابقہ قائم قادریان حضرت مولانا محمد حیات سے پڑا۔ اس کے بعد مولانا منظور احمد چینوی 1951ء سے ان کے پیچے گئے ہوئے ہیں اور جھنوں نے مرزا محمود سے لے کر مرزا مسروٹک سب خلیفوں کو مبلغہ کا چیلنج اور دعوت اسلام دیتے آ رہے ہیں۔ میں ان تمام حضرات کا احترام کرتا ہوں۔

تمانندہ ساخت: قادریانی کہتے ہیں کہ آپ مرتد ہو گئے ہیں۔ آپ کا کیا جواب ہے؟
منظور احمد مظفر: میں ایسے افراد کی دماغی محت مند و شرمند قرار دوں گا۔ مرتد کے لفظی معنی ہیں کافر ہو جانا، بلکہ ہو جانا، اسلام سے پھر جانا، لیکن کفر سے برامت کا اعلان کرنے والے کو کفر سے تاب ہونے والے کو مرتد نہیں بلکہ مسلمان کہتے ہیں۔ میرے نزدیک تو اس سلسلہ کے پہلے مرتد خود مرزا صاحب ہوئے کہ اپنے نسوم عقائد کے نشہ میں خارج از دائرہ اسلام ہوئے۔ لہذا ایسا کہنے والا احمدی خود اپنے ماتھے پر اس لفظ مرتد کی مہر تصدیقی ثبت کرتا ہے۔

تمانندہ ساخت: آپ کے بقول مرزا صاحب جھوٹے ہیں لیکن احمدی حضرات کا کہتا ہے کہ چونکہ خدا کی نصرت ہمارے ساتھ ہے اس لیے ہم ترقی کر رہے ہیں، لیکن جھوٹوں کے ساتھ تو خدا کی نصرت نہیں ہوتی؟

منظور احمد مظفر: دنیا کا خارج ہی ایسا ہے کہ یہاں خبر و شرکوں میں پھولنے کے لیے یہاں ماحول فراہم ہے، بلکہ شرکی تشمیث و تبلیغ زیادہ سہل و تیزی سے ہوتی ہے، ہم جسے پاگل خیال کر رہے ہوتے ہیں عوماں اس کی لگاؤ میں باقی سب پاگل ہوتے ہیں۔ اندر ہے کوہر طرف اندر صراحتاً کامی و دیتا ہے، بہرے کو چار سو سناٹا محسوس ہوتا ہے، اسی طرح احمدیوں کا گمان بھی غلط ہے کہ وہ کروڑوں تک بیکنگ کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ آئنے میں نہ ک کے برابر بھی نہیں، ان لکیر کے فقیروں کو جو کہا جائے یا جسمی لکیر کسی خیجی دی جائے یہ اس پر مل نکلتے ہیں لیکن اصل حقائق کچھ اور ہیں!

تمانندہ ساخت: قادریانوں کا کہتا ہے کہ اگر 1974ء والی قوی اسیلی کی کارروائی نشر ہو جائے تو سارا پاکستان احمدی ہو جائے گا، آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟
منظور احمد مظفر: تقویہ۔ تجویہ کر کے دیکھ لیں۔ مگر میری پیش گوئی ہے کہ اس سے سارے احمدی

مسلمان ہو جائیں گے اور جماعت چھوڑ دیں گے !!!
 نمائندہ سائنس: قادریانی کہتے ہیں کہ چونکہ تمام فرقوں نے مل کر ہمیں کافر قرار دیا ہے، اس طرح ہم ایک ہی فرقہ ناجیہ رہ جاتے ہیں؟
مظفر احمد مظفر: اسیلی نے ایک نہیں دو فرقوں کو غیر مسلم قرار دیا ہے۔ لاہوری احمدی اور قادریانی احمدی، دونوں پر علیحدہ علیحدہ جرج ہوئی اور دونوں خود کو ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ سمجھتے ہیں، اس طرح یہ دو فرقے ہوئے ایک نہیں !!!

نمائندہ سائنس: قادریانیوں کے لیے کوئی پیغام اگر آپ دینا چاہیں تو وہ کیا ہو گا؟
مظفر احمد مظفر: احمدیوں سے صرف اتنی گزارش ہے کہ مرزا صاحب کی کتابیں کم از کم تین بار ضرور پڑھیں اور یہ مرزا صاحب کا بھی ارشاد ہے اور میری گزارش بھی۔ اگر ممکن نہ ہو تو جناب محمد متن خالد کی کتاب "ثبوت حاضر ہیں" ضرور پڑھیں اور وہی مسلمان برادری سے ثقہت و خمارت کی بلند فصلییں توڑ کر اصل دین حق کو پہچانیں جو چودہ سو سال پہلے سے اس روئے زمین پر موجود و محفوظ ہے، جس کی کفرت ہی اس کی حقانیت پر دال ہے۔

مظفر تبغ اتنا تو نہیں تھا قصہ الفت
 تو دھراتا تو ہے پر تجھ سے دھرا لیا نہیں جاتا



عبداللہ رینول

سراب کا سحر ٹوٹتا ہے!

میرا نام عبد اللہ رینول (Rinol) ہے۔ میں البانوی انسل، مقدونیہ کا باشندہ ہوں اور اس وقت بیل جیم میں زیر تعلیم ہوں۔ بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح میں بھی قادریانیت کے دجالی جال میں پھنس گیا تھا۔ دراصل لوگوں کی ایک قلیل تعداد کوئی قادریانیت کے جھوٹے ہونے کا علم ہے، کیونکہ مشرقی یورپ میں یعنی والے مسلمان کیونٹ حکومتوں کے زمانے میں نہیں آزادی سے قطعاً محروم تھے اور ان کے لیے نہیں تعلیم کا حصول ممکن نہ تھا، اس لیے وہ اپنی کم علمی کی ہنا پر قادریانیت کا آسان ہدف ہیں۔ یہ سب تاتا نے کا مقصد یہ ہے کہ میں بنیادی طور پر مشرقی یورپ کا باشندہ ہونے کی ہنا پر قادریانیت کے جھوٹا ہونے سے لاعلمی کے سبب قادریانیت کے خلاف مراہم نہ ہو سکا۔

2000ء میں ایک قادریانی نے قند قادریانیت کو اسلام کا ایک فرقہ کہتے ہوئے مجھے حوار فرمایا۔ اس قادریانی طالب علم نے مجھے بتایا کہ قادریانی مشن ہاؤس میں قادریانیت کے بارے میں البانوی زبان میں کئی کتب موجود ہیں۔ چونکہ میں نے اپنے بیل جیم میں ہونے کی ہنا پر ایک طویل مریض سے اپنی زبان (البانوی) میں کتب نہیں پڑھی تھیں اس لیے زیادہ تر اپنی مادری زبان کو پڑھنے کے موقع دستیاب ہونے کی فطری وجہ کی ہنا پر میں البانوی زبان میں قادریانی لزبیج کی طرف راغب ہوا۔ فی الواقع اس طور پر نوجوانوں کو قادریانی ڈاکٹروں سے رابط کے لیے آمادہ کیا جاتا تھا۔ ان ڈاکٹروں کو اپنے مشرقی یورپ کے مسلمان نوجوانوں کی نہیں حالت سے خصوصی واقفیت کی ہنا پر مشرقی یورپ کے مسلمان نوجوانوں کی برین واٹک کی خصوصی مہارت حاصل تھی۔ یہاں میں یہ وضاحت کرتا چلوں کہ قادریانی مشن کے ساتھ مسلک افراد اپنی نمکورہ بالا تمام تر مہارت کے باوجود مغربی یورپ میں مقیم مشرقی یورپ کے مسلمانوں میں اپنے نہب کی اشاعت میں قطعاً ناکام رہے۔ ابتداء میں قادریانی نہب کو اسلام کا فرقہ سمجھ کر اسے قبول کرنے والے مسلمان بھی اس کے علیحدہ اور جھوٹا نہب ہونے کی آگاہی پر اسے ترک کر دیتے حتیٰ کہ میں بھی صرف 5 ماہ ان میں شامل رہا۔

اس تفصیل میں جائے بغیر کہ مجھے کیسے پھنسایا گیا، میں یہ ضرور بتانا چاہوں گا کہ میں ان کے جال سے لکا کیسے؟ مجھے یہ احساس ہونے لگا تھا کہ میں کسی خطرناک قسم کے جال میں پھنس چکا ہوں۔ قادریانیت کی اصطلاحوں سے تدریسجا واقفیت کی بنا پر قادریانیت کے بارے میں میری معلومات میں اضافہ ہونے سے مجھ پر واضح ہونا شروع ہو گیا کہ کچھ گزیدہ ہے۔ نہیں مجھے قادریانیوں میں ان کے بانی کی موت کے فوراً بعد تفریق کے بارے میں کچھ علم تھا اور نہ میں یہ جانتا تھا کہ قادریانی مسلمانوں کے از لی ڈھن یہودیوں کے ساتھ بھائی چارہ رکھتے ہیں۔ مجھے بعد میں علم ہوا کہ قادریانیوں کے نزدیک یہودی غیر قادریانی مسلمانوں کی نسبت بہتر لوگ ہیں، جبکہ وہ غیر قادریانی مسلمانوں کو کافر گردانے ہیں۔ قادریانیوں کے نزدیک ایک غیر قادریانی مسلمان کی اقتداء میں نماز بگی ادا نہیں کی جاسکتی۔

میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ حضرت میسیٰ علیہ السلام کو ہلاک کرنے کی کوشش کرنے والے اور ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جگ کرنے والے (یہودی) اپنے آپ کو مسلمان کھلوانے والے کسی گروہ کے لیے پسندیدہ کیسے ہو سکتے ہیں؟ خصوصاً جب قرآن میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر تواردیا ہے کہ یہودی اسلام کے ڈھن ہیں۔

قادیری لٹریچر کے مطالعہ سے یہ بات بھی میرے علم میں آئی کہ قادریانیوں کے انگریزوں سے بہت بہت اچھے تعلقات رہے ہیں۔ قادریانیت کے بانی آنجمانی مرزا قلام احمد کے بیٹے نے اپنی کتاب "دھوت الامیر" میں اس بات کا خصوصی طور پر ذکر کیا ہے کہ اس کے باپ نے پہلی جگہ عظیم میں انگریزوں کی قیمتی دعا کی تھی۔ انگریز بر صیر پاک و ہند میں بطور استعماری قوت کے داخل ہوئے تھے۔ اس طور پر اپنے ڈلن کو استعماریت کا نشانہ بنانے والوں کی لذت کی دعا کرنا زیادہ منطقی بات تھی لیکن مرزا قادریانی کے اس کے برکش عمل سے ثابت ہے کہ برطانوی استعمار اور قادریانیوں میں باہم تعلق تھا۔ بعد ازاں مجھے ایک

Ahmadiyya Movement: British - Jewish Connections by Bashir Ahmad پڑھنے کا اتفاق ہوا جس کے مصنف نے ناقابل تردید دلائل سے یہ ثابت کیا کہ قادریانیت فی الحقيقة انگریزوں کے مقابلے کے تھنڈے کے مقاوات کے تھنڈے کے تھنڈے کے لیے قائم کی گئی ایک تحریک ہے اور اس کا یہودیوں کے ساتھ بھی گمراحتعلق ہے۔ ان تمام معلومات نے مجھے قادریانیت کو ایک اسلامی گروہ سمجھنے کی پر فریب حالت سے نکلنے میں بہت مددوی۔

قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے۔

ترجمہ: "اے ایمان والو! نہ ہنا یہود اور نصاریٰ کو (اپنا) دوست (و مددگار) وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جس نے دوست ہایا اُنھیں تم میں سے سوہہ اُنھیں میں سے ہے۔"

بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دینا ظالم قوم کو۔“ (الماندہ: 51)

قادیانی بنے سے 6 ماہ قبل میں نے ایک واضح خواب دیکھا۔ اس خواب میں میں نے نبی کریم حضرت محمد ﷺ کی زیارت کی۔ ان کے ہتھیارے بغیر ہی مجھے یقین تھا کہ وہ تجسس بر اسلام ﷺ ہی ہیں۔ میں خود کو بڑا خوش نصیب محسوس کر رہا تھا۔ مجھے یقین ساقا کہ مجھے کوئی اچھی خبر دی جائے گی۔ میں نے اس سے قبل ایسا واضح خواب نہیں دیکھا تھا۔ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے چند ععودی سرمی لائنوں والا خوبصورت سفید باب رزیب تن کر رکھا تھا۔ ان کے گیور ازاں اور چہرہ انور بہت پیارا تھا۔ انہوں نے میری مادری زبان البانوی میں مجھے بشارت دی۔ اس کے لیے آپ ﷺ نے لفظ گارٹھ (garth) استعمال کیا۔ میں نے اس سے پہلے یہ لفظ کبھی نہیں سنا تھا۔ میری آنکھ کھلی تو میں نے اپنے انکل سے جو اپنے کام پر جا رہے تھے، اس لفظ (garth) کے معنی دریافت کیے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ لفظ گمراہ بھیروں اور دوسرے جانوروں کے باڑے کے گرد گاتی جانے والی باڑ ہے۔ میرے بڑے بھائی نے بھی اس لفظ کا بھی مطلب بتایا تاہم اس نے اضافہ کیا کہ یہ اپنے اندر حفاظت کا مفہوم بھی رکھتا ہے۔ قادیانیت میں مشویت کے وقت یہ خواب میرے ذہن میں نہیں تھا۔ بعد ازاں جب میں نے اس خواب کے بارے میں مشن کے لیڈر اور واعظ کو بتایا تو انہوں نے بار بار یہ کہا کہ میں نے مرزا غلام احمد قادیانی یا ان کے 4 خلفاء میں سے کسی ایک کو دیکھا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ میرا کامل یقین ہے کہ وہ حضرت محمد ﷺ ہے۔ جب میں نے یہ خواب دیکھا تھا۔ اس سے پیشتر میں اپنے ساتھی طالب علم کی وجہ سے تقریباً قادیانی ہو چکا تھا۔ اس نے حضرت امام مہدی کے ظہور کے بارے میں میرے ذہن میں کچھ ٹھکوں و شبہات بھی ڈال دیئے تھے۔ جب میں نے اس سے اس خواب کے حوالے سے قادیانیت کے بارے میں اپنے ٹھکوں و شبہات کا انکھار کیا اور اسے یہ بھی بتایا کہ میرے شبہات کی بنیاد میرا خواب ہے، تو اس نے مجھے لکھا کہ دراصل وہ خواب تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قادیانیت کی جانب را نہماں کی غرض سے تھا۔ یعنی وہ خواب اللہ تعالیٰ نے جسمیں اس لیے دکھایا کہ تم قادیانیت کے دائرہ میں داخل ہو جاؤ اب اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ اس خواب کی یہ تعبیر درست نہیں تھی تو ہم تمہیں ہماری بجاۓ اللہ تعالیٰ کو (نحو ز باللہ) سورہ الزام نہ رہانا چاہیے۔

میں نے قادیانی طالب علم کی منذ کردہ بالا تحریر کے جواب میں لکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ خواب دکھائے اور حضرت محمد ﷺ کو خواب میں دیکھا ایک بڑی سعادت ہے۔ یہ درست ہے کہ میں نے قبل از اس اسلام سے اخراج کیا لیکن یہ قطعاً عارضی تھا اور اس عارضی اخراج سے مجھے قادیانیت کا اصلی چہرہ دیکھنے کا اتفاق ہوا اور مجھے پہنچہ چل گیا کہ قادیانیت سراسر گراہی ہے۔ اس طور یہ میرا مقدر تھا کہ میں تمہارے حلقة میں شامل ہو جاؤں اور مجھے یقینی طور پر یہ پہنچہ چل جائے کہ قادیانیت مطلقاً غلط ہے۔

مرزا غلام احمد قادریانی نے ایک کتاب بعنوان "اسلامی اصولوں کی فلاسفی" لکھی تھی۔ جب میں نے قادریانی مبلغوں سے قادریانی مذهب کے بانی کی لکھی ہوئی کچھ کتب فراہم کرنے کی درخواست کی تو شوریٰ کے صدر نے مذکورہ بالا کتاب پڑھنے کی تجویز دی۔ اللہ کی رحمت سے اس چھوٹی سی کتاب نے اسلامی اصولوں کو توڑ مزدود کر پیش کرنے والے کذاب کی نشاندہی کے لیے کافی مواد فراہم کیا۔ اس کتاب کے انگریزی ترجمے میں سورہ الحکار کی 8 آیات ہیں۔ مرزا غلام احمد نے جان بوجہ کرائی ذائقہ تشریع کو تقویت پہنچانے کے لیے آیات قرآنی کا غلط ترجیح کیا ہے۔ بلکہ آخر میں انہوں نے "تم اپنے اعمال سے جہنم کو جان جاؤ گے" کا اضافہ کیا ہے۔ ایسا کہنا ایک خوناک جرم ہے۔ قرآن پاک میں تحریف کرنے کا جرم کوئی بہت ہی خالق غصہ کر سکتا ہے۔ مجھ پر یہ ثابت ہو گیا کہ مرزا غلام احمد قادریانی ایک دجال تھا اور ان کی جماعت اسلام دشمن ہے۔ یہ وہ مرحلہ تھا جب میں قادریانی فتنے سے کل گیا۔



علمان پیری

قادیانیت سے فرار

میری بیوائش آرٹش کی تھوڑک والدین کے ہاں ہوئی۔ مطالعہ قائم ادیان میں میری دلچسپی تقریباً 25 سال کی عمر میں ہوئی۔ مراکش اور بھارت میں کافی سال گزارنے کے بعد اسلام کی طرف کھینچا چلا گیا۔ اسلام کے ہارے میں میری پسندیدگی اسے اپنائے کی خواہش میں تبدیل ہونے کے ساتھ ہی مجھے مسلمانوں کی رفاقت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ڈنارک کے دار الحکومت کوپن ہائیکن میں قیام کے دوران میں فون کی ورق گردانی سے مجھے صرف ایک ہی مسجد "احمدیہ اسلامک مشن" ملی۔ اس کا مطلب تھا کہ کسی بھی سکول اور کالج کے لیے جو اپنے طلباء کو مسجد کا دورہ کرانا چاہتے تھے یا مجھے میں نو مسلم کے لیے صرف "احمدیہ مسلم مشن" کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ گو بعد ازاں مجھے معلوم ہوا کہ ترکوں، مراکشوں اور پاکستانیوں کے پاس اسی چھبیس حصیں حصیں وہ بطور مسجد استعمال کرتے تھے۔ یہ احمدیہ جماعت کے ساتھ میرا پہلا تعارف تھا، جس کا انہمار سہلاست میں ویران اور متعدد زبانوں میں شائع ہونے والے جرائد میں ہوا۔ مسجد آنے والے پاکستانیوں، ڈنیش نو مسلموں اور ایک معروف امریکی موسیقار شہاب صاحب نے میرا خیر مقدم کیا۔ میں ان دونوں خود بھی موسیقی سے وابستہ تھا۔ گو کہ میں نے ہیئت ان میں شمولیت اختیار نہیں کی مگر انھوں نے مجھے نماز پڑھنا سکھائی اور مطالعہ کے لیے مجھے متعدد کتب دیں۔ جن میں قرآن حکیم کا ترجمہ بھی شامل تھا۔ یہ ترجمہ مجھے بہت دلچسپ لگا۔ اس سے قبل میرے پاس صرف ڈنیش اسلام گریجوگ سل (Greoge Sale) کا لکھا ترجمہ تھا۔ 6 ماہ تک کوپن ہائیکن کے قادیانیوں کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد لندن لوٹنے پر مجھے یہ دیکھ کر ماہی ہوئی کہ برلنگم کی قادیانی برادری کوپن ہائیکن سے سنجیدگی، ذہانت اور لفظ میں کم ترقی۔ مسجد کے لیے ان کا انتظام انتہائی گھٹایا تھا جس میں بہت کم لوگ نماز کی ادائیگی کے لیے آتے تھے۔ اس سیٹ اپ کے سر کے نوٹنے کے بعد میں نے برلنگم کی مرکزی مسجد جانا شروع کر دیا۔ یہاں مجھے جیکا کے متعدد لوگ ملے جن کا تحریر بھی مجھے جیسا تھا۔ انھوں نے بھی احمدیہ جماعت کو مسلمان سمجھتے ہوئے اس میں شمولیت اختیار کی تھی مگر بچائی جانے کے بعد اسلام قبول کر لیا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کسی نے مجھے احمدیت اور اسلام کے درمیان فرق کے ہارے میں بتایا تھا۔ تاہم میں ابھی گوگوکی کیفیت میں تھا۔ مجھے سے رابطہ رکھنے والے قادیانیوں نے

میرے مسلمانوں کی برلنگام مسجد جانے کا سخت برائنا ہے۔ مجھے صاف طور پر کہہ دیا گیا کہ ایسی نماز قابل قبول نہیں ہو گی۔ احمد بول نے کہا کہ صرف دینی حقیقی مسلمان اور صرف انہی کے گروپ کو احصال پسند نظریات کے باعث مغرب قبول کرتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے مقابلوں میں ایک طرف تو قبروں کی پوجا کرنے والے سنی اور دوسری جانب بمیٹنے والے بنیاد پرست ہیں۔ سبھی وہ وقت تھا جب مرزا قادریانی کی اطاعت کا حلف نامہ مجھے دستخط کرنے کے لیے پہنچ کیا گیا، جس پر میں نے دستخط کر دیے۔ گوکدھ تو میں دل سے آمادہ تھا اور نہ شراب چھوڑنے کے علاوہ میرا موسیقارانہ طرز زندگی تھدیل ہوا تھا۔ دسمبر 1981ء میں لندن میں قادریانیوں کے سربراہ مبارک احمد نے مجھے ربوہ میں سالانہ جلسے میں شرکت کی ہدایت کی اور مجھے کراچی سکن کے فضائی سفر کا لمحت دیا۔ میں کراچی اور لاہور سے ہوتا ہوا ربوہ پہنچا۔ جہاں میں ایک یادوگر بول سمیت پوری دنیا سے آئے مختلف قادریانیوں سے ملا۔ میں نے اپنا وقت یورپ سے آئے ہوئے ایک جرمن اور دوسرے برطانوی قادریانی کے ساتھ گزارا۔ دو قوں کو قادریانی خواتین سے شادی کر کے موثر امداد میں قابو کیا گیا تھا۔ خوش تھی سے چونکہ میں پہلے سے شادی شدہ تھا، لہذا اس نفے سے محفوظ رہا۔ مجھے بھی ترغیب دی گئی کہ چونکہ میری الہیہ میرے نسبت کی راہ میں حائل ہے، لہذا میں اسے چھوڑ کر خوبصورت قادریانی لوکی سے شادی کر لوں۔ میری تین بیاری سی بیٹیاں تھیں اور میرا ان کو چھوڑنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

مرزا غلام احمد قادریانی کی اگریزی میں ترجیح کی تھی کتب نے مجھے بہت پریشان کیا۔ ان میں ایک دو تھی جس میں اس سچ موعود نے خواب میں ایک درخت پر بہت سے سفید پرندے پیشے دیکھے تھے۔ پھر اس نے آواز سنی جس نے اگریزی میں کہا کہ میں تھیں اسلام کی ایک بڑی جماعت دوں گا۔ مجھے بڑا تجھب ہوا کہ سچ، خوبصورت اور اغلاف سے پاک عربی میں ترقی کریم اتارنے والا خدا اگر انگری کی رو سے درست جملہ نہیں اتنا سکتا۔ جب میں ربوہ میں تھا تو یہ دوی پھر میرے ذہن میں تازہ ہو گئی۔ ہم تین پورپی باشندوں کو تھی کے پرندوں کے طور پر پیش کیا گیا۔ ربوہ میں قادریانی جماعت کے اعلیٰ عہدیداروں سے بھی ملا۔ میں نے اُنھیں انتہائی چب زبان اور ناقابل اعتبار پایا۔ ان کی بد طبعی یوں ظاہر ہوئی کہ وہ ربوہ کے ارد گرد رہنے والے چھوٹے قادریانی کا مشکاروں کو تعلیم دلاتے (انھیں اسکیوار دو ماہی یعنی سیجا جاتا جہاں تعلیم تھی) اور پھر وہ اس بوزٹھے شکر گزار کا مشکار جس کا بیٹا سخت محنت میں اس کا ہاتھ بٹانے کے لیے نہیں رہا تھا، کی زمین بطور عطیہ قول کر لیتے۔ اس طریقے سے ”مقدس خاندان“ جیسا کہ اُنھیں کہا جاتا ہے، کی سلطنت پہنچی جا رہی ہے۔ جلسہ کے بعد مجھے نہیں ضرورت کے تحت قادریان میں مرزا قادریانی کی قبر پر مجبوراً حاضری دینا پڑی۔ وہاں میں نے لوگوں کو سخت ناشائستہ اور غیر منصب پایا اور مجھے وہاں سے نکل کر بہت خوش ہوئی۔ ہم تین سفید پرندوں نے اس وقت کے خلیفہ مرزا ناصر احمد سے بھی ملاقات کی۔ اس کے پاس ایک کمیرہ میں ہر وقت موجود ہوتا جو کسی بھی قابلی ذکر شخصیت کے مرزا ناصر سے مصافی کرتے ہوئے کی

تصویر کھلتا۔ میں قادریانی جماعت کے چوتھے سربراہ مرزا طاہر احمد سے بھی ملا جس نے طویل پتھر میں ہمیں بتایا کہ مغرب میں اخلاقیات کے سوا ہر چیز بہت زبردست اور شاندار ہے اور مغرب کو اپنا اخلاقی سنوار نے کے لئے ربوہ سے رہنمائی لیتا ہوگی۔ مجھے تو یہ بجید از قیاس ہی لگتا تھا۔ میری ملاقات جن لوگوں سے ہوئی تھی، میرے نزدیک ان کا شارونوں میں سے ایک کنگری میں ہوتا تھا۔ ایسے جالیں جن کو اپنے گرد و پیش آنے والے حالات کا بالکل اندازہ نہیں تھا یا ان کا شمار ایسے بدمعاشوں میں ہوتا تھا جو اپنے اسلام کے نام پر کیے جانے والے فرماڑ سے آگاہ تھے اور بدنتی کے ساتھ اپنی جماعت کی کرپشن میں شریک تھے۔

قصہ غھر میں اس بے الہمان اور سازشی نہب سے ایسا ہیز ارہوا کہ میں نے جلد از جلد اس سے جان چڑانے کا فیصلہ کر لیا۔ میں اس نتیجے پر بھی چکا تھا کہ اگر احمدت ہی حقیقی اسلام ہے تو ایسے اسلام سے توبہ ہی بھلی۔ میں نے نماز، دینی مطالعہ اور اسلام قول کرنے کا خیال ہی دل سے کالا دیا۔ میں نے موسیقی چھوڑ کر آڑ لینڈ میں ایک فارم لیز پر لے لیا، کئی سال میں نے اسلام کے بارے میں شاذ و نادر ہی سوچا۔ پھر رب طیل کی مہربانی سے ڈبلن میں، میں مسلمان برادری کے چند لوگوں سے ملا اور ہم دونوں میاں یہوی نے 1984ء میں ڈبلن میں اصلی اور حقیقی اسلام قول کر لیا۔ الحمد للہ۔



انٹرویو: نصیر احمد آزاد

ندامت کے آنسو

خوش قسمتِ مسلم رانا محمد رفق کی قادریانی ندہب اور نظام کے بارے میں انکشافاتی گنگو

4 جون 2004ء کو مرکزی جامع مسجد ریلوے کالونی فیصل آباد میں جمعۃ السارک کے اجتماع میں نعروں کی گونج میں قادریانیت سے تائب ہونے والے رانا محمد رفق خان نے معروف عالم دین خطیب صحافی اور دانشور جناب صاحبزادہ طارق محمود کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ بعد ازاں مشرف پر اسلام ہونے والے رانا محمد رفق کے اعزاز میں ڈوٹو عصرانہ دی گئی اور ان کا انٹرویو یونیکارڈ کیا گیا۔ یہ انٹرویو قارئین کی وجہ پر اور قادریانیت کے چکل میں پہنچے ہوئے افراد کو ڈوٹو اسلام کے عناء نظر سے پہنچ کیا جا رہا ہے۔

سوال: رانا صاحب آپ کا خاندانی ہسٹری کیا ہے؟ اور آپ کس طرح قادریانیت کے چکل میں پہنچے؟
جواب: میرا تعلق راجحہ خاندان سے ہے۔ تقسم سے قبلي ہمارے بڑے خلیع جاندھر تھیں نواں شہر اور موضع کریام کے رہنے والے تھے۔ ہماری زمینیں تھیں، ہمارے خاندان کے دو تین افراد مزرا غلام احمد قادریانی کا شہرہ سن کر قادریان گئے۔ خدا جانے وہ کیوں قادریانی ہو گئے؟ دیکھا دیکھی باقی خاندان والے بھی قادریانی ہو گئے۔ اب میرا پورا خاندان اور سرال والے قادریانی ہیں۔

سوال: آج کل آپ کہاں رہائش پذیر ہیں؟
جواب: ہم پہلے فیصل آباد رہا کرتے تھے۔ پھر ۸۸ ج سیاہانہ فیصل آباد میں منتقل ہو گئے۔ آج کل ہماری رہائش ۲۳۳۔۵ آفیسر کالونی نمبر فیصل آباد میں ہے۔ میں محکمہ واسائیں ملازمت کرتا ہو۔

سوال: کیا آپ قادریانی عقاں اور مزرا غلام احمد قادریانی کے دعویٰ جات سے مکمل طور پر آگاہ تھے؟
جواب: جس طرح مسلمان کے گھر میں پیدا ہونے والا بچہ اپنے ندہب کو سچا سمجھتا ہے۔ اسی طرح میں بھی قادریانیت کو اس لحاظ سے حقیقی سمجھتا تھا۔ کیونکہ میں پیدائشی قادریانی تھا۔ باقی قادریانیت پر میرا کوئی خصوصی مطالعہ نہیں تھا۔

سوال: پھر یہ انقلاب کیسے آیا؟ آپ قادریت سے کیوں بیزار ہوئے اور بالآخر مذہب سے تائب ہو گئے؟

جواب: میں نے عرض کیا کہ میرا قادری مذہب کے حوالے سے وست مطالعہ نہیں تھا۔ بس جمعہ پڑھ لیتا تھا۔ یا پھر قادریانی جماعت کی اجتماعات میں شریک ہوتا تھا۔ ظاہر ہے وہاں وہ حسن اخلاق اور بڑی شرط سنتگو کرتے۔ کسی کے خلاف ہوتے نہیں کا اظہار کرتے۔ نہ کسی کو تعمید کا نشانہ بناتے اصلاحی، تبلیغی انداز اور خوش فلقی کا مظاہرہ کرتے جس کے باعث اندر کی قادریت میں جماں کر دیکھنے کا بھی موقع ہی نہ ملا۔ میرے ایک دوست نے مرزا غلام احمد قادریانی کے حوالے سے ایک کتاب پڑھنے کو دی۔ ان کا ایک خطرناک دعویٰ نظر سے گزرا توہن نے جھک دیا۔ کیونکہ مرزا غلام احمد قادریانی بھی ہے ہم حضرت صاحب کہہ کر پکارتے تھے۔ ہمارے ذہنوں میں ان کا ایک تقدس تھا۔ جب ہر یہ دعوے سامنے آئے تو جسم میں جھبر جھری محسوس ہوئی۔ پھر جب غیر جانبدارانہ طور پر ان دعوؤں پر غور کیا تو مرزا صاحب کی ذات کے حوالے سے تقدس اور عقیدت کے آسمانیں چکنا چور ہو گئے۔

سوال: مرزا غلام احمد قادریانی کے وہ کونے دعوے تھے جن کے باعث آپ تنز ہوئے؟

جواب: میرے ایک کاشیبل دوست نے ایک بار مجھ سے کہا کہ آپ کے مرزا صاحب پر وحی لانے والے فرشتہ کا نام ”پُتھی پُتھی“ تھا جو اکثر مرزا صاحب کے پاس آتا تھا۔ میں چونکہ لا علم تھا۔ میں فوراً اس کی تردید کر دی اور کہا یہ بات من گھڑت ہے۔ کیونکہ ہمارے مرزا صاحب پڑھ کرھے آدمی تھے۔ اُنکی بات بیہودہ آدمی ہی کر سکتا ہے۔ اس جواب پر میرے دوست نے شرط لگا نے کہ کوہا۔ عب میں نے حوالہ طلب کیا۔ ایک اور طازم طاعت خان صاحب ”حقیقت الوعی“ کتاب لائے۔ جس میں ”پُتھی پُتھی“ کا ذکر موجود تھا۔ مجھے اس پر بہت ندامت ہوئی۔ جلد ہی ”حقیقت الوعی“ میں مرزا صاحب کا یہ دعویٰ کہ ”اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام انجیاء کا مظہر شہر لایا ہے“ اور ہر یہ یہ دعویٰ کہ ”میں آدم ہوں“ میں شیٹ ہوں“ میں نوح ہوں“ میں ابراہیم ہوں“ میں اسحاق ہوں“ میں اسماعیل ہوں“ میں یوسف ہوں“ میں مویٰ ہوں“ میں داؤد ہوں“ میں محمد اور احمد ہوں۔“ (تذکرہ صفحہ 630) پڑھ کر میں بہت حیران ہوا اور سوچا کہ پھر اللہ کو اتنے نبی سینجھ کی ضرورت کیا تھی؟ ایک مرزا صاحب علی کافی تھے۔ اس کے بعد مرزا صاحب کے دیگر دعویٰ جات پڑھتا گیا تو مجھ پر ان کی اصل حقیقت آشکار ہوئی تھی۔ قرآن مجید کی بعض آیات کو مرزا صاحب نے اپنے اوپر منتسب کیا۔ ومارہمت اذ رہمت ولكن اللہ و ما يأْتی هم میں خصوصاً کرہتے تھے کی ذات کے حوالے سے نازل ہوئی تھی۔ کہ اے میرے محبوب دشمن کو پتھر آپ نے نہیں بلکہ ہم نے مارے تھے۔ میں نے سوچا کہ مرزا صاحب نے کس جنگ میں حصہ لیا تھا۔ جہاد کو دیے ہی دیے

انہوں نے حرام قرار دیا ہے۔ اس قسم کے حوالوں نے میری آنکھیں کھول دیں۔ ”ایک غلطی کا ازالہ“ مرزا صاحب کی تصنیف کردہ کتاب پڑھا۔ جس کے صفحہ 6 پر انہوں نے لکھا ہے ”محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم۔ اس وحی الہی میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی۔“ مرزا صاحب کی ”نزول سچ“ کتاب پڑھ کر تو مجھے کسی وضاحت طلب کرنے کی یا مزید غور و فکر کی ضرورت کی مجبانش ہی باقی نہ رہی کہ جب انہوں نے اللہ کا نام اور رسول ہونے کا دعویٰ کیا۔ اپنی وحی کے بارے میں کہا وہ ایسی ہی پاک وحی ہے جیسے دوسروں نبیوں پر نازل ہوتی ہے۔ مرزا صاحب نے قرآن مجید کو اپنے مند کی باتیں قرار دیا۔ مرزا صاحب کا یہ دعویٰ کس قدر راغب ہے کہ قرآن مجید قادریان کے قریب نازل ہوا۔ یہ تمام حوالے پڑھ کر میرا خیر جاگ اٹھا۔ میں نے کسی کی تبلیغ سے یا کسی کی ترغیب سے اسلام قول نہیں کیا۔ بلکہ اللہ کے فضل و کرم سے ضمیر کی آواز اور دل کی پکار نے مجھے اسلام قول کروایا ہے۔

سوال: مرزا بیت کو چھوڑ کر اسلام کو قول کرنے کے بعد آپ کیا محبوس کرتے ہیں؟

جواب: میں نے تقریباً گزشتہ دس ماہ خود ہی قادیانی مذہب پر غور و خوض کیا۔ اب میں اپنے آپ کو صحیح مسلمان سمجھتا ہوں۔ جس دن سے اسلام قول کیا تھی میں اپنے آپ کو ہلاکا محبوس کرتا ہوں۔ یعنی کریں پہلے ضمیر بوجمل تھا۔ اب روحانی سکون اور آسودگی میر آئی ہے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے اسلام پر استقامت عطا فرمائے۔ (آمن)

سوال: راتا صاحب آپ کو مرزا غلام احمد قادیانی کے مجموعے دعویٰ نے جنمورا اور آپ نے سچا دین اختیار کر لیا۔ باقی قادیانی اس طرح کیوں نہیں ہو چکے؟

جواب: اصل بات یہ ہے کہ پہلی آئشی مذہب والے اکثر اپنے مذاہب پر کم ہی غور کرتے ہیں۔ جس مگر میں آنکھیں کھولیں وہی مذہب اپنایا۔ اختیار کیا اور اسے کی جان لیا۔ دوسرا بات یہ ہے کہ آج کا دور مشتمل ہے۔ لوگوں کے پاس اتنا وقت نہیں کہ وہ اپنے مذہب پر حقیقت کریں۔ مذہبی کتابیں بہت کم لوگ پڑھتے ہیں۔ اسی طرح نئی نسل بھی ہم کی قادیانی ہے۔ اگر بالفرض وہ اپنے مذہب پر غور بھی کریں تو ان کو جتنی مراعات حاصل ہیں اور بطور اقلیت وہ اتنے مظلوم ہیں کہ کسی قادیانی کا کوئی کام نہیں رکتا۔ جبکہ مسلمان دھنکے کھاتے پھرتے ہیں۔

سوال: قادیانیوں کی نئی نسل کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: نئی نسل کو ان سے خاص شغف نہیں۔ وہ اچھا روزگار، اچھا معیار زندگی دیندی آسانی اور مuron میلہ چاہتے ہیں۔ سمجھ جو ہے قادیانیوں کی نئی نسل یورپ، امریکہ، مغربی یورپ و دنیا کا رخ کے پھرتی ہے۔ البتہ اگر نئی نسل کو قادیانی عقائد اور بالخصوص مرزا غلام احمد قادیانی کی خرافات سے آگاہ کیا جائے اور وہ اخلاص سے اس پر غور کریں تو انہیں دائرہ اسلام میں لا یا جا

سکتا ہے۔

سوال: راتا صاحب قادریانی جماعت بہت پر اپیگنڈہ کرتی ہے کہ ہماری تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے اور لوگ قادریانیت میں داخل ہو رہے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: یہ بالکل غلط ہے۔ قادریانی جماعت جس طرح دعویٰ کرتی ہے، اس طرح اب تک تو آدمی دنیا کو قادریانی ہو جانا چاہئے تھے۔ یعنی پر اپیگنڈہ کی حد تک ہے۔ حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

سوال: آپ کو یاد ہو گا مرزا طاہر بیرون ملک بھاگ گئے تھے۔ انہوں نے برطانیہ میں ہلاوطنی کی زندگی گزاری۔ مرزا طاہر کیوں فرار ہوئے تھے؟

جواب: آپ نے بہت اچھا سوال کیا۔ میری اطلاع کے مطابق ان کے خلاف قتل کا مقدمہ درج تھا۔ حکومت انہیں گرفتار کرنا چاہتی تھی۔ مرزا طاہر جماعتی مشن دینی مقدمہ یا اپنے نمہہب کی تبلیغ یا خدمت کے لئے بیرون ملک نہیں گئے تھے بلکہ اپنی جان بچانے کی خاطر فرار ہوئے تھے۔ اسی سے آپ اندازہ لگائیں کہ وہ اپنی اقلیت اور نمہہب کے معاملے میں کتنے غلصے تھے؟ جzel محمد ضیاء الحق نے اتنا قدریانیت آرڈیننس نافذ کیا تھا۔ لیکن مرزا طاہر اپنی اقلیت کو بے یار و مدد گار چھوڑ کر بھاگ گئے۔

سوال: راتا صاحب اب یقیناً آپ نے قادریانی جماعت کے اندر وہی نظام پر غور کیا ہو گا۔ آپ کے قادریانی جماعت کے بارے میں کیا تاثرات ہیں؟

جواب: رائل فیلی کی حکومت ہے۔ کوئی ان کے خلاف بول نہیں سکتا۔ وہ جو چاہیں کریں۔ کوئی گرفت نہیں۔ جماعت کا نظام آمرانہ اور جامرانہ ہے۔ جماعت کی قیادت کے خلاف آواز اٹھانے والوں کو دبا دیا جاتا ہے۔ بس قادریانی جماعت کا مشور چندہ کا حصول اور مسلمانوں کو گمراہ کرنا ہے۔ ہر قادریانی اپنی آمنی کا دس فیصد جماعت کو دینے کا پابند ہے۔ کہا جد ہے کہ رائل فیلی بیش و عشرت کی زندگی برس کرتی ہے۔

سوال: آپ یہ بتائیں کہ قادریانی مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے کونے طریقے استعمال کرتے ہیں؟

جواب: پہلے تو وہ نارگٹ بنتاتے ہیں کہ کس کس مسلمان کو اپنے جاں میں پھسانا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ ان سے تعلقات اور دوستی بڑھانا شروع کرتے ہیں۔ اپنائی اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

جواب میں زی کو دیکھ کر گمراہ مراسم بھی پیدا کرتے ہیں۔ انہیں اپنے ہاں دھوت پر مدعا کرتے ہیں۔ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے شکار کو چاپ گمراہ میں لے جائیں۔ وہاں خوب آؤ بھکت ہوتی ہے اور خاطر تو اپنے کی جانی ہے۔ پھر وہ اپنی تبلیغ شروع کرتے ہیں اور طرح طرح کے ذور ہے ڈالتے ہیں کہ آپ ہمارا بیعت فارم پر کر دیں۔ جماعت آپ کی ہر طرح مدد کرے

گی۔ گھر میں کوئی نوجوان بے روزگار ہے تو یہ لامتحب دیں گے کہ لڑکے کو اپنی طازہ مت یا یہ دن ملک پہنچ دیا جائے گا۔ اس طرح عقائد حشم کی ترتیبات، تحریص اور لامتحب دے کر مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

سوال: راتا صاحب کیا آپ یہ بتانا پسند کریں گے کہ گمراہ قادریانیوں کو کس طرح وہیں اسلام سے وابستہ کیا جاسکتا ہے؟

جواب: اس میں شک نہیں کہ قادریانی جماعت کے پاس بہت وسائل ہیں۔ بے دریغ دولت ہے۔ لیکن نہ ہب اخلاص اور کروار سے پہلیتا ہے۔ الیہ یہ ہے کہ قادریانیت کو اسلام کے لبادہ میں پیش کیا جاتا ہے۔ اگر قادریانیت کو قادریانیت کے نام سے پیش کیا جاتا تو یہ جھوٹا نہ ہب کب کا فتح ہو گیا ہوتا۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر مسلمان ختم نبوت کا مبلغ بنے۔ اپنے دفتر میں، محکمہ میں، اپنی آبادی میں جہاں جہاں قادریانی ہیں۔ مسلمان ان کو ملیں، مرزا قادریانی کی کتابیں اور حوالہ جات دکھائیں۔ اسلام کے خلاف انجیاء کرام کے خلاف، صحابہ کرام اور اہل بیت کے خلاف ان کی خرافات اور ان کے جھوٹے دعوے اپنیں دکھائے جائیں۔ بہت محنت کی ضرورت ہے۔ امید ہے ان کی محنت اور اخلاص ضرور رنگ لائے گا۔

سوال: چونکہ آپ کسی کی تبلیغ سے مسلمان نہیں ہوئے۔ تو پھر آپ نے قبول اسلام کے لئے اس مرکز کا خصوصاً صاحبزادہ طارق محمود صاحب کا انتخاب کیوں کیا؟

جواب: مولانا تاج محمود حرموم کا نام بہت سن رکھا تھا۔ بلکہ قادریانی کہا کرتے تھے یہ مولوی ہمارے لئے بہت خطرناک ہے۔ ہوا یہ کہ دل میں جب مسلمان ہونے کا فیصلہ کر لیا تو اتفاقاً تمہرے ایک دوست خانی ڈوگر صاحب جو کے لئے مجھے یہاں لے آئے۔ صاحبزادہ طارق محمود کا سیرت اتنی پر بیان تھا۔ جس نے مجھے بہت متاثر کیا۔ دل نے فیصلہ دیا کہ اسی مرد مجاهد کے ہاتھ پر اسلام قبول کروں گا۔ چنانچہ اگلے جمعہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ سعادت بخش دی کہ قادریانی قلعہ کی بنیادوں کو ہلا دینے والے مجاهد ختم نبوت مولانا تاج محمود کے جاشین صاحبزادہ طارق محمود صاحب کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ میں شکر گزار ہوں مولانا اور نمازوں کا جنہوں نے میرے ساتھ اس قدر محبت و پیار کا مظاہرہ کیا اور جس قدر میرا اکرم کیا گیا، میں ساری زندگی نہیں بھول سکوں گا۔

سوال: راتا صاحب آپ کا بہت شکر یہ کہ آپ نے جیتی وقت نکال کر ہمیں فتنہ قادریانیت کے ہارے میں بہترین معلومات فراہم کیں۔

جواب: آپ کا بھی بے حد شکر یہ۔



سید راشد علی

مرزا قادیانی کے ایک عقیدت مند کی بغاوت

میر عباس علی لدھیانوی حضرت شاہ سلیمان تونسویؒ کے مرید تھے۔ ان کی وفات کے بعد میر صاحب نے ایک اور مرشد کی حلاش شروع کر دی۔ یہ 1880ء کا زمانہ تھا اور انہی دنوں میں مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کی طرف اپنا سفر ابھی شروع کیا تھا۔ جب مرزا قادیانی نے ان کی کتاب ”براہین احمدیہ“ اور ان کے کشفی دعوؤں کے متعلق سناتو مزید تحقیق کیے بغیر مرزا غلام احمد کو اپنارہنمایلیں کر لیا۔ یہ تعلق 1882ء میں اس وقت شروع ہوا جب مرزا قادیانی نے ”براہین احمدیہ“ کا تیسرا حصہ ابھی شائع کیا تھا۔ غالب امکان ہے کہ میر عباس صاحب ان کے پہلے مرید تھے۔ ابھی تک کسی نے مرزا قادیانی کی بیعت نہیں کی تھی۔ مکتبات احمدیہ کی چہلی اور سب سے ختم جلد ان خطوط پر مشتمل ہے جو مرزا غلام احمد نے میر عباس کو لکھے۔ میر عباس نے اسکی وقارواری اور تابعداری کا مظاہرہ کیا کہ وہ تمام احمدیوں پر سبقت لے گئے۔ آئندہ سالوں میں متعدد ایسے واقعات ہوئے جب میر عباس کے پکے بیٹیں کو دھچکے لگے تاہم انہوں نے عقیدت مندی ترک نہ کی۔ بالآخر 9 سال تک تاریکی میں جھکنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور میر صاحب نے احمدیت کی تمام زنجیریں توڑ دیں اور دوبارہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ حسب دستور جماعت احمدیہ کے بانی مرزا غلام احمد اور ان کے پیروکاروں نے میر صاحب کے خلاف غلیظ الزحمات کی بوجھاڑ کر دی گرہ میر صاحب کے پائے استقامت میں لغوش نہ آئی بلکہ انہوں نے مرزا غلام احمد کو کھلا جیتھیج دیا کہ انہی نبوت ثابت کرنے کے لیے اُسیں حضرت محمد ﷺ کی زیارت کرائیں ورنہ مرزا کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے وہ حضور کا دیدار کرائیں گے۔ لیکن مرزا غلام احمد برہ راست ان کا مقابلہ نہ کر سکے۔

مرزا غلام احمد کی طرف سے میر صاحب کی تعریف

اپنے مختلف خطوط میں مرزا غلام احمد قادیانی نے میر صاحب کی تعریفوں کے میں باندھے ہیں۔ انہوں نے لکھا۔

☆

وہ لاقافی ذات جس نے آپ کو یہ خلوص دیا ہے وہی ہے، جس نے خود آپ کو چھا ہے۔ (خط تاریخ 21 ستمبر 1883ء مکتوبات احمد یہ جلد اول)

☆

الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو میرا انتہائی قریحی انصار بنا لیا ہے۔ فدوی کو آپ کی موجودگی پر غفرنہ ہے۔ میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خواہ در حرم کی کامل تبیہ سمجھتا ہوں (خط تاریخ 29 اکتوبر 1883ء مکتوبات احمد یہ جلد اول)

☆

وہ خوش قسمت ہے جس میں اچھائی غالب ہے۔ یہ لوگ وہ ہیں جو بحکمت نہیں۔ ان کے اندر کی روشنی ان کو شیطانی تاریکی سے بچائی ہے۔ مگر ایسے لوگ قلیل تعداد میں ہیں اور الحمد للہ میں آپ کو ان چند افراد میں سے اول درجے پر دیکھتا ہوں۔ (خط تاریخ 1 کم جنوری 1884ء مکتبات احمد یہ جلد اول)

☆

آپ کا خلوص اور عشق اپنی صراحت کو بھی چکا ہے۔ یہ اللہ کا فعل ہے۔ وہ انہی کو عطا کرتا ہے جن کو وہ چاہتا ہے۔ (خط تاریخ 15 اپریل 1885ء مکتبات احمد یہ جلد اول)

☆

آپ نے مذہب کو پھیلانے اور اسلام کا نام سر بلند کرنے کے لیے جو مشقت کی ہے اللہ آپ سے اسی طرح راضی ہو جس طرح وہ اپنے بندوں سے راضی ہے۔ (خط تاریخ ۳ مارچ معلوم مکتبات احمد یہ جلد اول)

مزید موالی اپنے ان قریحی ساتھیوں کا تعارف کرتے ہوئے، جوان کا پیغام پھیلانے کے لیے تیار تھے، مرزا غلام احمد اپنی کتاب "ازالہ اوہام" میں لکھتے ہیں:

"جی فی اللہ میر عباس علی لودہ انوی یہ میرے اول دوست ہیں جن کے دل میں خدا تعالیٰ نے سب سے پہلے میری محبت ڈالی اور جو سب سے پہلے تکلیف سزا اٹھا کر اہم ار اخیار کی سنت پر بعدم تحریر یہ محنن اللہ قادریان میں میرے ملے کے لیے آئے۔ وہ بیکی بزرگ ہیں۔ میں اس بات کو بھی نہیں بھول سکا کہ ہرے پچھے جو شوون کے ساتھ انہوں نے وقاری و کھلائی اور میرے لیے ہر ایک حرم کی تکلیفیں اٹھائیں اور قوم کے مند سے ہر یک حرم کی باتمی سنیں۔ میر صاحب نہایت عمده حالات کے آؤں اور اس عاجز سے روحانی تعلق رکھنے والے ہیں اور ان کے مرتبہ اخلاقیں کے ثابت کرنے کے لیے یہ کافی ہے کہ ایک مرتد اس عاجز کو ان کے حق میں الہام ہوا تھا۔ اصلہ ثابت و فرعہ فی السماء۔ وہ اس مسافر خانہ میں محض متوكلا نہ زندگی بر کرتے ہیں۔ اپنے اوائل ایام میں وہ میں برس تک اگر بیزی و فقر میں سرکاری ملازم رہے مگر بیاعث غربت و دروسی کے ان کے چہرہ پر نظر ڈالنے سے ہرگز خیال نہیں آتا کہ وہ اگر بیزی خواہ بھی ہیں۔ لیکن دراصل وہ بڑے لائق اور مستقیم الاحوال اور درستی انہیں ہیں مگر باہمہ سادہ بہت ہیں۔"

(ازالہ اوہام ص 791 مدرجہ روحانی خواائن میں 527-528 ج 3 از مرزا غلام احمد قادریانی)

میر صاحب کی ثابت قدی:

اوپر میر صاحب کی تعریف میں جو کچھ کہا گیا ہے، مجھے یقین ہے کہ اس کی ہر قادیانی کی نظر میں بہت اہمیت ہے تاہم اس کے علاوہ بھی مرزا غلام احمد نے میر صاحب کے بارے میں بہت کچھ کہا ہے حتیٰ کہ مرزا غلام احمد کو میر عباس کے خلوص کے بارے میں (میں) وہی بھی اتری۔

مطلوب وہی ہے کہ میر صاحب اپنے عقیدے کے اس قدر پکے اور ثابت قدم ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے بارے میں ان کے عقیدے میں لغزش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مگر جب میر صاحب مرزا سیت سے تائب ہو کر دوبارہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تو مرزا کے بیویوں نے مرزا غلام احمد سے استفسار کرنا شروع کر دیا کہ یہ کیوں ہوا؟ اور جب خدا تعالیٰ نے حضور (یعنی مرزا غلام احمد) کو بتایا تھا کہ اس درخت کی جڑیں زمین میں منبوذی سے جی ہوئی ہیں تو پھر یہ کیسے اکھر گئیں؟

میر صاحب کی جماعت چھوڑنے کی وجہ:

میر عباس صاحب کی مرزا سیت چھوڑنے کی کمی و جوہ تھیں۔ وہ روحانی سر بلندی کے خواہاں تھے اور اس مقصد کے لیے وہ مرزا غلام احمد کے ساتھ ۹ سال تک رہے۔ انہوں نے ایک پر خلوص ہیر و کار اور خادم بننے کے لیے ہر ممکن کوشش کی جیسا کہ متذکرہ بالآخر یہیں ثابت کرتی ہیں۔ تاہم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ بجائے روحانی سر بلندی کے حصول کے زیادہ تر فکر و شبہات اور وہنی پر آنکنگی کا شکار ہوتے چلے گئے۔ مرزا غلام احمد نے ان کے جماعت چھوڑنے کی دو وجہے بیان کیں۔

☆
وہلی کے مباحثوں کا میر صاحب کے دل پر انداز۔ ۶

ان کے دل میں راغع یہ غلط خیال کہ میں تپھری ہوں، مجرموں سے الکاری ہوں، شب مراج کی تروید کرتا ہوں، نبوت کا دعویدار ہوں، تپھبروں پر بہتان تراشی کرتا ہوں اور اسلامی عقائد سے الکاری ہوں۔ (تلخیخ رسالت جلد دو صفحہ 82)

قارئین یہ جان جائیں گے کہ مرزا غلام احمد نے مختلف تپھبروں کے مجرموں کو جھٹلایا تھا۔ انہوں نے یہ واقعی تحریر کیا تھا کہ نبی کریمؐ اپنے جسم اور روح کے ساتھ شب مراج کو نہیں گئے تھے۔ انہوں نے اللہ کے تپھبروں پر بہتان باندھا، نبوت کا دعویٰ کیا اور واقعیتاً کثیر اسلامی عقائد سے منہ موڑا۔

مرزا صاحب کے حالات زندگی کا مطالعہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف نجپڑتے کی طرف مائل تھے بلکہ ان کی ہر ادائیں تفریغ اور مضریت کی شان ہو یہا تھی۔ مرزا صاحب نے میر صاحب کے جس اشتہار کا ذکر کیا ہے وہ انہوں نے دہبہ اقبال ربی پرس لدھیانہ میں چھپوا یا تھا۔ میر صاحب نے اس میں لکھا تھا کہ میں اس نیطے پر بچا ہوں کہ مرزا صاحب قطعی تپھری ہیں۔ مجرمات انیما اور کرامات اولیاء کے

قطعی مکر ہیں۔ معمولات اور کرامات کو سریز م قیاد، قواعد طب یا دستکاری پر منی جانتے ہیں۔ ان کے نزدیک خرق عادت جس کو تمام الٰل اسلام خصوصاً الٰل تصوف نے مانا ہے کوئی چیز نہیں۔ سرستہ احمد خان اور مرزا غلام احمد کی نسبت میں بجز اس کے کوئی فرق نہیں کہ وہ ہماس جیکٹ و ہمتوں ہیں اور یہ ہماس جبہ و دستار اور صوفیانے عظام کے دفتر کو درہم برہم کرنے والے۔ (اشلۃ السن، جلد 13، ص 382)

یہاں ضمناً یہ ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ حضرت مرزا صاحب نصاریٰ کی طرح پرده نسوں کے بھی قائل نہ تھے۔ چنانچہ حسب بیان میاں بشیر احمد صاحب ایک مرتبہ "حج" صاحب کسی سفر میں تھے۔ اشیش پر پہنچے تو ابھی گاڑی آنے میں دریق تھی۔ آپ (اگر یہ اور اس کی نیم کی طرح) یہوی صاحب کے ساتھ شیش کے پیٹ قارم پر بٹھنے لگے۔ یہ دیکھ کر مولوی عبدالکریم سیالکوٹی جن کی طبیعت غیور اور جو شیخ تھی حکیم مولوی نور الدین صاحب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ بہت لوگ اور بھر غیر لوگ اور ادھر پھرتے ہیں۔ آپ حضرت سے عرض کر دیں کہ یہوی صاحب کو کہیں الگ بخادیا جائے۔ مولوی نور الدین صاحب نے کہا کہ میں تو نہیں کہتا آپ خود کہہ کر دیکھ لیں۔ ناچار مولوی عبدالکریم صاحب خود حضرت کے پاس گئے اور کہنے لگے۔ حضورِ الگ بہت ہیں یہوی صاحب کو کسی جگہ الگ بخادیجئے۔ حضرت نے فرمایا جاؤ گی میں ایسے پردوے کا قائل نہیں ہوں۔ مولوی عبدالکریم سر جھکائے مولوی نور الدین کی طرف آئے۔ انہوں نے کہا مولوی صاحب! جواب لے آئے؟ (سیرۃ المهدی، جلد اول، ص 49)

یہ میر صاحب کی بصیرت تھی کہ انہوں نے مرزا غلام احمد کی جانب سے صریح الفاظ میں ان دعووں سے قبل ہی 1892ء میں بھاپ لیا تھا۔ وہ واقعہ جس نے بالآخر ان کی آئندیں کھول دیں اور مرزا نیت سے تائب ہونے کا حوصلہ دیا۔ وہ یہ تھا کہ ایک بار لدھیانہ میں ایک مسلمان شعبدہ باز آیا۔ انہی دنوں مرزا غلام احمد نے سچے موعود ہونے کا دعویٰ کرنا شروع کیا تھا۔ وہ شعبدہ باز مرزا غلام احمد کے پاس آیا اور کہایا تو آپ مجھے کوئی کرتب دکھائیں ورنہ میں آپ کو اپنا کرتب دکھاتا ہوں۔

مرزا غلام احمد نے جواب دیا کہ تم اپنا کرتب دکھاو۔

اس پر شعبدہ باز نے ایک چاقو کی مدد سے زمین میں ایک چھوٹا سا سوراخ کیا۔ اس میں چند بیٹے اور بھر سوراخ بذرک کے اس پر پانی چڑک دیا۔ کچھ ہی دیر بعد زمین سے چند پوے پھوٹ پڑے جو دیکھتے ہی دیکھتے تقریباً ڈیڑھ لفٹ اونچے ہو گئے۔ پھر ان میں سے ہر ایک پر 5 سے 7 مختلف قسم کے پھول کمل گئے اور ان میں سے ہر ایک کی خوشبو الگ الگ تھی۔ اس شعبدے کا لکھارہ کرنے والے تمام لوگ بہہوت رہ گئے۔ شعبدہ باز نے ایک بار بھر مطالہ کیا۔

"مجھے کوئی مجرمہ دکھائیے اور بھر میں آپ سب کو حرید شعبدے دکھاؤں گا۔"

مرزا غلام احمد نے جواب دیا۔

"میں صرف دعا کرنا جانتا ہوں، اس کے سوا میں کچھ نہیں جانتا۔" بعد ازاں مرزا غلام احمد نے میر عباس سے کہا "تھیں یہ شعبدہ ضرور سکنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ چاہے اسے سکنے کے لیے 100 یا 200 روپے ہی کیوں نہ خرچ کرنا پڑیں۔"

یہ تابوت میں آخر کیلئے تھی۔ اس بات نے میر صاحب کے دل میں مستقل گردہ ڈال دی۔ انہوں نے سوچا کہ یہ کس قسم کے سیجا ہیں۔ یہ تو صرف ایک مادہ پرست شخص ہیں۔ اگر ان کا دل اللہ تعالیٰ کی ذرہ برائی محبت سے بھی منور ہوتا تو وہ اس شعبدہ باز کے شعبدے سے متاثر نہ ہوتے۔

میر صاحب کا مرزا غلام احمد سے اپنی نبوت کا ثبوت پیش کرنے کا مطالبہ

جب میر صاحب نے جماعت احمدیہ کو چھوڑنے کا ارادہ کیا تو حسب معمول مرزا غلام احمد اور ان کے بیوی و کاروں کی جانب سے وضاحتوں اور میر عباس صاحب پر الزامات کی بوچاڑ کر دی گئی۔ مرزا غلام احمد نے میر صاحب کی تعریف و توصیف میں اتنے والی مسیند وحی کے بارے میں طویل وضاحت کی۔ انہوں نے لکھا کہ کسی پوشیدہ شخص اور کمزوری کے باعث میر صاحب تکلیف میں جلا ہو گئے ہیں اور اس تکلیف کے باعث ان کا جذباتی لگاؤ روحانی قبیض میں بدلتا ہے، جس سے نکل ہر ایجمنیت پیدا ہوئی۔ پھر میر احرام بھی ختم ہو گیا اور احرام کے ختم ہونے سے ان کے دل پر قفل پر گیا جس سے بُنصبی نے جنم لیا اور اس بُنصبی کے باعث بہتان باندھنے بے عزت کرنے اور مجھے کم تر ثابت کرنے کا ارادہ کیا۔ (آہلی فیصلہ روحانی خزانہ جلد 4 صفحہ 345)

ایک اور جگہ مرزا غلام احمد نے یوں وضاحت کی ہے:

"بالآخر ہم ناظرین پر ظاہر کرتے ہیں کہ میر عباس علی صاحب نے 12 دسمبر 1891ء میں مختلف انداز طور پر ایک اشتہار بھی شائع کیا ہے جو ترک ادب اور تحقیر کے الفاظ سے بھرا ہوا ہے۔ سوان القاظ سے تو ہمیں کچھ غرض نہیں، جب دل بگڑتا ہے تو زبان ساتھ ہی بگڑ جاتی ہے لیکن اس اشتہار کی تمن پاتوں کا جواب دینا ضروری ہے۔"

اول: یہ کہ میر صاحب کے دل میں ولی کے مباحثات کا حال خلاف واقعہ جم گیا ہے۔ سواس و سوسہ کو دور کرنے کے لیے میر ایکی اشتہار کافی ہے بشرطیکہ میر صاحب اس کو غور سے پڑھیں۔

دوئم: یہ کہ میر صاحب کے دل میں سراسر قاش غلطی سے یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ گویا میں ایک نچپڑی آدمی ہوں، مجرمات کا مسکر اور لیلۃ القدر سے انکاری اور نبوت کا مدعا اور انیماء علیہم السلام کی اہانت کرنے والا اور عقائد اسلام سے من پھیرنے والا۔ سوان ادھام کے دور کرنے کے لیے

میں وعدہ کر چکا ہوں کہ عنتریب میری طرف سے اس بارہ میں رسالہ مستقلہ شائع ہوگا۔ اگر میر صاحب تجہے سے اس رسالہ کو دیکھیں گے تو بشرط توفیق ازی اپنی بے بنیاد اور بے اصل بدظنیوں سے ختم نہ است اٹھائیں گے۔

سوم: یہ کہ میر صاحب نے اپنے اس اشتہار میں اپنے کمالات ظاہر فرمایا ہے کہ گویا ان کو رسول نمائی کی طاقت ہے۔ چنانچہ وہ اس اشتہار میں اس عاجز کی نسبت لکھتے ہیں کہ اس بارہ میں میرا مقابلہ نہیں کیا۔ میں نے مرزا صاحب سے کہا تھا کہ ہم دونوں کی ایک مسجد میں بینے جائیں اور پھر یا تو مجھ کو رسول کریمؐ کی زیارت کرائے کہا کہ دعاوی کی تصدیق کر ادی جائے اور یا میں زیارت کرائے کہ اس بارہ میں فعلہ کر ادیں گا۔

(آسمانی فعلہ میں 37 مندرجہ روحاںی خواں میں 347 ج 4 از مرزا غلام احمد قادری)

اگر واقعی میر صاحب نے صحیح قادریاں کو اس قسم کا کوئی پختگی دیا تھا تو معلوم نہیں میر صاحب نے مرزا قادری کی اس تحریر کا کیا جواب دیا ہو گا لیکن ظاہر ہے کہ جب میر صاحب لوہی سال کی طویل مدت تک اسلام سے منقطع ہو کر مرتد ہونے والے تھے تو یہ کس طرح ممکن تھا کہ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس خواب میں قدم رنجھ فرمائے تھے اُخرب جب میر صاحب نے وادی کفر سے کل کر ریاض اسلام میں قدم رکھا تو رہیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سعادت یا رسول نمائی ہو کر آئی۔

حسب معمول مرزا غلام احمد نے اس پختگی کو قبول کرنے کی بجائے بہانہ بازی شروع کر دی۔ پھر مرزا غلام احمد نے میر عباس صاحب کو مشورہ دیا کہ وہ ان کی محمدی بیگم سے شادی کی پیش گوئی پوری ہونے کا انتظار کریں۔

مرزا قادریاں نے لکھا:

”پیشگوئیوں کے منتظر ہیں جو ظاہر ہوں گی۔ ازالہ اوهام کے صفحہ 855 کو دیکھیں۔ ازالہ اوهام کے صفحہ 635 اور 396 کو بغور مطالعہ کریں۔ اشتہار وہم جولائی 1887ء کی پیش گوئی کا ناظار کریں۔ جس کے ساتھ یہ بھی الہام ہے ویسٹلونک الحق ہو قل ای وربی اله لحق و ما انتم بمعجزین۔ زوجنا کھلا لا مبدل لکلماتی۔ و ان یروایۃ یعرضا و یقولوا سحر مستمر۔ اور تھوڑے سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ بات حق ہے کہ کہ کہاں مجھے اپنے رب کی تم ہے کہ یہ حق ہے اور تم اس بات کو قوع میں آنے سے روک نہیں سکتے۔ ہم نے خود اس سے تیرا عقد نکاح باندھ دیا ہے۔ میری باتوں کو کوئی بدلا نہیں سکتا۔ اور نشان دیکھ کر منہ پھر لیں گے اور قبول نہیں کریں گے اور کہیں گے کہ یہ کوئی پاک فریب یا پاک جادو ہے۔

1-10-14-23-7-14-11-34-23-34-5-1-7

2-14-1-5-7-1-2-7-14-1-16-11-34-7-1-28-5-14

7-1-28-2-14

(آہلی فیصلہ میں 40 مسند درجہ روحانی خواائن میں 350 جن 4 اور مرزا غلام احمد قادریاں)

قارئین! یہ دیکھیں کہ مرزا غلام احمد نے کس خوبصورتی سے حضور ﷺ کو دیکھنے یا ان کی بشارت کرنے کے معاملے سے کتنی کثراتی ہے۔ مرزا غلام احمد نے ایک بار بھر صاحب کو اپنی پیش گوئیوں اور نمبروں کی سیکھی میں پھانسے کی کوشش کی۔ مرزا غلام احمد کی محمدی یتیم سے شادی کبھی نہ ہو سکی۔ کوئی بھی حقیقت کہ مرزا غلام احمد قادریاں خود بھی نمبروں کی اس سیکھی کا مطلب نہیں جانتے تھے۔



مولانا تاج محمد

مرزا قادیانی اپنے جلیل القدر ”مرید“ کی نظر میں

ڈاکٹر عبدالحکیم خاں صاحب پیالوی، وہ مشہور و معروف شخصیت ہیں جو قریباً 25 برس تک مرزا غلام احمد قادریانی کے خاص اخاق، جلیل القدر مریدین میں شمار ہوتے رہے۔ مرزا صاحب کو آپ سے بے پناہ محبت تھی۔ اللہ چارک و تعالیٰ نے ڈاکٹر صاحب پر اپنا فضل و کرم فرمایا کہ 25 برس بعد مرزا ایت سے تائب ہو گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے مرزا ایت کے زمانے میں قرآن کریم کی ایک تفسیر بام ”تفسیر القرآن بالقرآن“ لکھی۔ مرزا غلام احمد کے نزدیک ڈاکٹر صاحب کا کیا مقام تھا؟ اس کے لیے مرزا صاحب کے درج ذیل ارشادات ذہن میں رکھیے:

”حدیث صحیح میں آپ کا ہے کہ مہدی موجود کے پاس ایک جمی ہوئی کتاب ہوگی، جس میں اس کے تین سو تیرہ اصحاب کا نام درج ہوگا۔ یہ پیشکوئی آج پوری ہو گئی..... بوجب مثنا حدیث کے یہ بیان کر دینا پہلے سے ضروری ہے کہ یہ تمام اصحاب خصلت صدق و صفا رکھتے ہیں اور وہ یہ ہیں [اگر اس سے آگے مرزا صاحب تین سو تیرہ اصحاب کا نام درج کرتے ہیں، جن میں نمبر 159 پر ڈاکٹر عبدالحکیم خاں صاحب کا نام ہے]۔“ (انجام آخرت ص 324، فہرست ص 40)

مرزا صاحب نے اپنی کتاب ”ازالہ اوہام“، مطبوعہ لاہور ص 808/404 پر ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے کہ ”جسی فی اللہ میاں عبدالحکیم خاں جوان صالح ہے۔ علمات رشد و سعادت اس کے چہرہ سے نمایاں ہیں۔ زیرک اور فہیم آدمی ہیں۔ اگریزی زبان میں عمدہ مہارت رکھتے ہیں۔ امید رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی خدمات اسلام ان کے ہاتھ سے پوری کرے گا۔“

ڈاکٹر صاحب نے اپنے مرزا ایت کے زمانہ میں قرآن مجید کی جو تفسیر لکھی تھی۔ اس کے متعلق مرزا صاحب لکھتے ہیں:

”ڈاکٹر صاحب کی ”تفسیر القرآن بالقرآن“ ایک بے نظیر تفسیر ہے۔ جس کو ڈاکٹر عبدالحکیم خاں صاحب نے کمال محنت کے ساتھ تصنیف فرمایا ہے۔ نہایت عمدہ

شیریں بیان ہے۔ اس میں قرآنی نکات خوب بیان کیے گئے۔ یہ تفسیر دلوں پر اثر

کرنے والی ہے۔” (اخبار بد، شمارہ 38، جلد 9، ۱۹۰۹ء تیر ۱۹۳۰ء، بحوالہ فسانہ قادریان)

چونکہ ڈاکٹر صاحب کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ کو خدمت اسلام لینا منکور تھا، اس لیے 25 برس مرزا یتیت میں ضائع کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب کو توبہ کی توفیق ملی۔ ڈاکٹر صاحب کے مرزا یتیت سے تابع ہونے کی اصل وجہات کیا تھیں؟ اس کا تذکرہ تو آگئے گا۔ پہلے ہم مرزا صاحب پر بھر ان کے طاری ہونے کی حالت کا ذکر کرتے ہیں، جو ڈاکٹر صاحب کے مرزا یتیت کو چھوڑنے پر طاری ہوئی۔ لکھتے ہیں:

”ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب کا اگر تقویٰ صحیح ہوتا تو وہ کبھی تفسیر لکھنے کا نام نہ لیتا کیونکہ وہ اس کا اہل ہی نہیں تھا۔ اس کی تفسیر میں ذرہ بھر روحانیت نہیں اور نہ ہی ظاہری علم کا کچھ حصہ۔“ (اخبار بد، 7 جون 1906ء، بحوالہ فسانہ قادریان)

سوچنے کا مقام ہے۔ ڈاکٹر صاحب جب تک مرزا کی رہے، ان کی تفسیر ایک بنے ظاہر تفسیر تھی اور عمدہ شیریں بیان تھیں، دلوں پر اثر کرنے والی تھی۔ جب مرزا یتیت سے تابع ہوئے تو مرزا صاحب نے ان کی نعمت شروع کر دی کہ ایسا تھا، ویسا تھا، گنجائی تھا، لکھڑا تھا، لولا تھا۔ تفسیر لکھنے کا نا اہل تھا، روحانیت نزدیک نہ پہنچی، ظاہری علم سے کچھ حصہ نہ پایا۔

حقیقت یہ ہے کہ اکشاف صداقت اور قبول حق کے لیے خدا کی طرف سے ایک وقت مقرر ہوتا ہے چونکہ جب تک فضل خداوندی انسان کے شامل حال نہ ہو، صراط مستقیم اور راہ ہدایت کا میسر ہونا ناممکن ہے۔ اس لیے کہ ”انسان اپنی عمل میں غلطی کر سکتا ہے، لیکن خدا تو اپنی راہنمائی میں غلطی نہیں کر سکتا۔“ تاریخ اسلام میں اس قسم کے متعدد واقعات موجود ہیں کہ تخبیر آنحضرت مسیح ﷺ کے بعد مرزا قادریانی کی طرح کئی مدعاوں نبوت باطلہ پیدا ہوئے۔ جن پر ہزاروں نہیں، بلکہ لاکھوں مردوں اور اذلی انسانوں نے ایمان لا کر اپنی عاقبت کو بر باد کیا۔ ان جموجھی نبوویں پر ایمان لانے والوں میں بعض بڑے بڑے لائق و قابل تھے۔ یعنی بظاہر اس قدر لائق و قابل کہ قادریانی نبوت اور خلافت ان کے سامنے کوئی چیز ہی نہیں ہے اور بھر ان کے دباؤوں اور دجالوں کو کافی ترقی اور عروج حاصل ہوا۔

چنانچہ مرزا قادریانی کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

”حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ایک خطرناک زمانہ پیدا ہو گیا تھا۔ کئی فرقے عرب کے، مرتد ہو گئے اور جموجھی تخبیر کمزے ہو گئے تھے۔

خدا نے حضرت ابو بکر کے کاموں میں برکت دی اور نبوویں کی طرح اس کا اقبال چکا۔ اس نے مفسدوں اور جموجھی نبوویں کو خدا سے قدرت اور جلال پا کر قتل کیا۔

آنحضرت کے بعد چند شریروگوں نے تخبیری کا دعویٰ کر دیا۔ جن کے ساتھ کئی

لاکھ بدجنت انسانوں کی جمیعت ہو گئی اور دشمنوں کا شمار اس قدر بڑھ گیا کہ صحابہ کی جماعت ان کے آگے کچھ بھی چیز نہ تھی۔ جس شخص کو اس زمانہ کی تاریخ پر اطلاع ہے۔ وہ گواہی دے سکتا ہے کہ وہ طوفان ایسا طوفان تھا کہ اگر درحقیقت اسلام خدا کی طرف سے نہ ہوتا تو اس دن اسلام کا خاتمه تھا۔” (”تخت گلزاریہ“ ص 93-95)

”غور کا مقام ہے کہ جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبوت حق کی تبلیغ کر رہے تھے، اس وقت مسیلمہ کذاب اور اسود عسیٰ نے کیا کیا فتنے برپا کر دیے تھے۔ ایسا ہی امن صیاد نے بہت فتنہ ڈالا تھا اور یہ تمام لوگ ہزار ہالوگوں کی ہلاکت کا موجب ہوئے تھے۔“ (”کتبات احمدیہ“ جلد ہجوم، نمبر 2، ص 113)

پس مرزا صاحب کے ان ہر دو نو کورہ بالاحوالوں سے روز روشن کی طرح ثابت ہو گیا کہ غیر اسلام عکیل کے بعد چند شریروں اور بدمعاش اٹھے، جنہوں نے نبوت و رسالت کا دعویٰ کیا اور ان کی بیت کرنے والے بدجنت لاکھوں کی تعداد میں پیدا ہو گئے۔ اسی طرح مرزا صاحب نے بھی نبوت و رسالت کا دعویٰ کیا۔ چنانچہ مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ ”ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں۔“

(”دفیع البلاہ“ ص 10-11، ”بدر“ 5 مارچ 1908ء)

شاید کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ وہ جھوٹے غیر، مگر اسلام تھے اور مرزا ای بظاہر صدق اسلام ہیں۔ سو اس کا منظر جواب یہ ہے کہ جو نویعت، دعویٰ اسلام کی اس وقت مرزا یہوں کی ہے، وہی نویعت ان کی تھی۔ یعنی جس طرح مرزا ای، مرزا قاویانی کے انکار کی وجہ سے تمام مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ اسی طرح وہ بھی مسلمانوں کو اپنے خانہ ساز غیربروں کے انکار کی وجہ سے کافر سمجھتے تھے۔ ورنہ اسلام کے دعویٰ اور بھی تھے۔ چنانچہ اس امر کا اعتراف خود امت مرزا یہو کو بھی ہے۔ ملاحظہ ہو:

”مسیلمہ کذاب مع اپنی جماعت کے بظاہر اسلام میں داخل ہو چکا تھا۔ اعمال حمریہ وغیرہ میں اس کو بڑا داخل تھا۔ مسیلمہ کذاب کے ساتھ بہت کثیر آدمی ہو گئے تھے۔“

(”ربیع“ جلد 7، نمبر 6-7، ما جون و جولائی 1908ء، ص 226 قادریان)

مگر باوجود ان تمام ناقابل رہائی، ایمان ربا دل فریبیوں اور باطل پرستیوں کے، پھر بھی ان گرفتاران الحاد و ضلالت میں بعض اشخاص موجود ہوتے ہیں کہ جن میں فطرتی طور پر کوئی نہ کوئی نسلی اور خوبی پوشیدہ ہوتی ہے، جس کی بدولت کبھی نہ کبھی ایسے گراہ انسان بھی خداوندان عالم کی رہنمائی میں صداقت ابدی یعنی نور اسلام کی طرف رجوع کر لیتے ہیں۔

ان میں سے ایک ہمارے ڈاکٹر عبدالحکیم خان صاحب بھی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کافی

عرصہ مرزا قادیانی کے مرید رہے۔ آخر ہادی بحق نے ان کی رہنمائی کی اور ان کو شیخ ہدایت سے منور فرمایا۔
ذلک فضل اللہ یوقیہ من یشاء۔

چونکہ ڈاکٹر صاحب صدق و صفا کی خصلت رکھتے تھے اور رشد و سعادت کی علامات ان کے چہرے سے نمایاں تھیں۔ نیز خدا تعالیٰ کو مخمور تھا کہ ان سے اسلام کی خدمات لی جائیں؛ اس لئے ترک مرزا ہدایت کے بعد ڈاکٹر صاحب موصوف نے نہایت تحدی کے ساتھ یہ اعلان کیا کہ خداوند عالم نے یہ ریحہ الہام مجھے اطلاع دی ہے کہ میں صادق ہوں اور مرزا قادیانی کاذب، میں حق پر ہوں اور مرزا قادیانی باطل پر اور میرے صادق ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ مرزا قادیانی میری زندگی میں ہی ہلاک ہو گا۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے خدا کی طرف سے یہ الہام ہوا کہ

”مرزا سرف، کذاب اور عیار ہے۔ صادق کے سامنے شری ہلاک ہو گا۔“

(”اعلان الحق و اقام الحجۃ“ ص ۵۶ و ”تلخیص رسالت“ جلد ۱۰، ص ۱۱۵)

ڈاکٹر صاحب کا کیما وضیح اور صاف الہام ہے کہ صادق کے سامنے شری ہلاک ہو گا۔ اب اس میں کسی تاویل وغیرہ کی منجاوش نہیں ہے۔ جو کاذب اور شری ہو گا، وہ پہلے مرے گا۔

اب مرزا صاحب نے دیکھا کہ وہ شخص جس کوئی نہیں نے کل وینا کے سامنے اپنے دھوئی مہدویت میں بطور ایک دلیل کے پیش کیا تھا، آج وہ شخص نہ صرف مجھ سے مغرب ہی ہو گیا ہے، بلکہ میری مہدویت پر ضرب کاری لگاتا ہوا اور اس کو باطل کرتا ہوا نہایت تحدی ہے یہ بھی اعلان کرتا ہے کہ وہ صادق اور میں شری ہوں اور اپنی صداقت کا معیار پیش کرتا ہے کہ میں اس کی زندگی میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ اب مرزا ہمی نے ”ملاؤں باشد کہ چپ نہ ہوؤ“ کی حوالہ کے طبق ڈاکٹر مہدی الحکیم خان کے مقابلے میں جواب شائع کیا۔ مگر کرشمہ قدرت دیکھئے کہ وہ جواب بھی برقرار آسمانی میں کر مرزا ہمی کے خانہ ساز دھوئی مہدویت اور نبوت کو خاکستر کر کے رکھ گیا۔

اب جواب ملاحظہ ہو۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں:

”اس امر سے اکٹ لوگ واقف ہوں گے کہ ڈاکٹر عبدالحکیم خان صاحب، میں یہ میں کسی میرے مریدوں میں داخل رہے۔ چند برس سے مجھ سے برگشت ہو کر سخت مخالف ہو گئے ہیں اور اپنے رسالائیں الدجال میں میرا نام کذاب، بیکار، شیطان، دجال، شری، حرام خور کھا ہے اور مجھے خائن، ہلکم پرست، لفس پرست، مخدود، مفتری اور خدا پر افتخار کرنے والا قرار دیا ہے اور کوئی ایسا عیب نہیں ہے جو میرے ذمہ نہیں لگایا۔ گویا جب سے وینا پیدا ہوئی ہے۔ ان تمام بدیوں کا جگہ میرے سوا کوئی نہیں گزرا اور میرا اس پر کلفاہت نہیں کی بلکہ بتخاب کے ہڈے ہڈے شہروں کا دورہ کر کے میری عیب شماری کے پارہ پیچر دیے اور الواقع و اقسام کی بدیاں عام جلوں

میں میرے ذمہ لگائیں اور میرے وجود کو دنیا کے لیے ایک خطرناک شیطان سے بدتر ظاہر کیا اور پھر میاں عبدالحکیم صاحب نے اسی پر بس نہیں کی بلکہ ہر ایک پیغمبر کے ساتھ یہ پیش گوئی بھی صدھا آدمیوں میں شائع کی کہ مجھے خدا نے الہام کیا ہے، کہ یہ غص قین سال کے عرصہ میں فتا ہو جائے گا، کیونکہ وہ کذاب اور مفتری ہے۔ میں نے اس کی ان پیشین گوئیوں پر صبر کیا مگر آج جو 14 اگست 1906ء ہے۔ پھر اس کا خط آیا ہے۔ اس میں بھی لکھا ہے کہ 12 جولائی 1906ء کو خدا تعالیٰ نے اس شخص کے ہلاک ہونے کی خبر مجھے دی ہے کہ اس تاریخ سے قین بر سک ہلاک ہو جائے گا۔ جب اس حد تک نوبت پہنچ گئی تو اب میں بھی اس بات میں کوئی مضائقہ نہیں دیکھتا، کہ جو کچھ خدا نے اس کی نسبت میرے پر ظاہر فرمایا ہے، میں بھی شائع کروں۔ کیونکہ اگر درحقیقت میں خدا تعالیٰ کے نزدیک کذاب ہوں، تو اس صورت میں تمام پدر کرداروں سے بڑھ کر مزا کے لاک ہوں تاکہ لوگ میرے فتنے سے نجات پائیں۔

وہ پیش گوئی جو خدا کی طرف سے میاں عبدالحکیم خان صاحب استثنی سرجن پٹیالہ کی نسبت مجھے معلوم ہوئی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں خدا کے مقبولوں میں قبولیت کے نمونے اور علامتیں ہوتی ہیں، ان پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ رَبِّ فَرْقَ
لَهُنَّ صَادِقٌ وَّ كَادِيبٌ۔“

(الشہر مرزا غلام احمد سعیج مسعود قادریانی، 16 اگست 1906ء، "تبیغ رسالت" جلد 10 ص 113)

مرزا قادریانی نے کہا کہ خدا نے مجھے فرمایا:

"میں رحمان ہوں، میری مدد کا مختصر رہ اور اپنے دشمن کو کہہ دے کہ خدا مجھ سے مواخذہ لے گا اور پھر فرمایا کہ میں تیری عمر کو بھی بڑھا دوں گا۔ یعنی دشمن جو کہتا ہے کہ صرف جولائی 1907ء سے چودہ میں نکل تیری عمر کے دن رہ گئے ہیں۔ میں اس کو جھوٹا کروں گا اور تیری عمر کو بڑھا دوں گا تاکہ معلوم ہو کہ میں خدا ہوں، یہ عظیم الشان پیش گوئی ہے، جس میں میری فتح اور دشمن کی کلکست کا بیان فرمایا ہے اور دشمن جو میری موت چاہتا ہے، وہ خود میری آنکھوں کے روپ و اصحاب میل کی طرح ناہو د اور جاہ ہو گا۔" (غاکسار مرزا غلام احمد، 5 نومبر 1907ء، "تبیغ رسالت" جلد 10، ص 131)

"آخر دشمن اب ایک اور پیدا ہوا ہے۔ جس کا نام عبدالحکیم خان ہے اور وہ ڈاکٹر ہے اور وہ ریاست پٹیالہ کا رہنے والا ہے۔ جس کا دعویٰ ہے کہ میں اس کی زندگی

میں 4 اگست 1908ء تک ہلاک ہو جاؤں گا اور یہ اس کی سچائی کے لیے ایک نشان ہو گا۔ یہ شخص الہام کا دعویٰ کرتا ہے اور مجھے دجال اور کافر اور کذاب قرار دیتا ہے... اس نے یہ پیش گوئی کی ہے کہ میں اس کی زندگی میں ہی 4 اگست 1908ء تک اس کے سامنے ہلاک ہو جاؤں گا۔ مگر خدا نے اس کی پیش گوئی کے مقابل پر مجھے خبر دی ہے کہ وہ خود عذاب میں جلا کیا جائے گا اور خدا اس کو ہلاک کرے گا اور میں اس کے شر سے محفوظ رہوں گا۔ سو یہ وہ مقدمہ ہے جس کا فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ بلاشبہ یہی بات ہے کہ جو شخص خداقویلی کی نظر میں صادق ہے۔ خدا اس کی مدد کرے گا۔“

(”چشمہ صرفت“ مصنف مرزا غلام احمد قادری، ص 321 مندرجہ روحاںی خزانہ ج 23 ص 337)

حق و ہاصل کا فیصلہ کن محرکہ آپ کے سامنے ہے۔ جناب ڈاکٹر عبدالحکیم خان صاحب کا یہ الہام کے صادق کے سامنے شری ہلاک ہو گا۔ حرف پورا ہوا اور مرزا ماجی کا الہام کہ میرا وٹن یعنی ڈاکٹر عبدالحکیم میری آنکھوں کے سامنے ہلاک ہو گا اور خدا میری عمر کو بڑھادے گا، از سرتا پا غلط ثابت ہوا۔ چنانچہ مرزا صاحب 26 مئی 1908ء بمقام لاہور بمرض ہیضہ ہلاک ہو گئے۔

(دیکھو ”درز“ 2 جون 1908ء و ”حیات ناصر“ ص 14)

اور جناب ڈاکٹر صاحب موصوف 1919ء کو اپنی طبعی موت سے انتقال فرمایا پہنچے ہوئے۔

ڈاکٹر صاحب نے مرزا میت سے تائب ہونے کے وجوہات ”تفہیر القرآن بالقرآن“ کے آخری ایڈیشن میں صفحہ 244 تا صفحہ 290 یا عیسیٰ انی متوفیک کی تغیر کے تحت تحریر فرمائے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا بیان درج کرنے سے پیشتر مولوی دوست محمد شاہد مولف ”تاریخ احمدیت“ کا بیان بھی پڑھ لیجئے، جو ”تاریخ احمدیت“ جلد چہارم، ص 178 پر درج ہے کہ

”ڈاکٹر عبدالحکیم پیالوی نے جو اپنے عقیدہ کی وجہ سے کنجات کا دار و مدار صرف ایمان تو حیدر و قیامت پر ہے جماعت سے خارج کیا گیا۔“

”تاریخ احمدیت“ جلد چہارم، ص 8 7 1 کی مندرجہ بالا عبارت ہی دراصل اس مضمون کی محک ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے مرزا میت سے تائب ہونے کے وجوہات خود ان کی زبانی سنئے۔ لکھتے ہیں:

”عرصہ 25 سال تک میرا بھی عقیدہ رہا کہ سچ علیہ السلام جو رسول تھے فوت ہو چکے ہیں اور بڑی ارادت کے ساتھ میں مرزا صاحب کا مرید رہا۔ ان کے عیب اور خطاؤں کو بشری کمزوریوں پر محمول کرتا رہا۔ عالم قرآن اور مزکی طلق ہونے کی

نسبت خالی دعوے ستارہ مکرہ بھی قرآنی مشکل ہی ان کی طرف سے حل ہوئی نہ کوئی نکتہ معرفت ایسا ناجوئی ہے اپنے طور پر معلوم نہ ہوا ہو، نہ ان کی صحبت میں تزکیہ نفس اور رجوع الی اللہ کے خاص تاثیر دیکھی، جو غیبت میں میراثہ آئی۔ پھر بھی حسن عقیدت کے طور پر قربیا میں روپے ماہوار سے حتی الامکان ان کے لئے، سکول، اخبارات اور کتب وغیرہ کی امداد کرتا رہا۔ اردو، انگریزی تفاسیر اور تذکرہ القرآن ہزاروں روپے کے صرف سے ان کی تائید میں شائع کرتا رہا۔ حسن عقیدت کے غلبہ نے کبھی کچھ سوچتے نہ دیا۔ ذکر مرزا کی وجہ سے عام مسلمان میری تفاسیر اور دینی رسائل سے کچھ فائدہ نہ اٹھا سکے۔ اکثر منصف حراج اور غیر متھسب اشخاص جنہوں نے میری دینی تصانیف کو پڑھا تو وہ ان سے بہت مستفید اور محفوظ ہوئے اور میرے نام لکھتے رہے کہ مرزا صاحب کے متعلق جو مضمائن ان تفاسیر میں ہیں، ان کو نکال دیں تاکہ عام مسلمان اس سے مستفید ہو سکیں مگر میں نے ان کی تحریریوں پر کچھ خیال نہ کیا۔

جماعت احمدیہ میں مرزا کے اذکار کا جوش ایسا غالب ہو گیا کہ شیع تقدیس اور تمجید تجدید باری تعالیٰ قریب قریب مفتود ہو گئے یا شخص برائے نام رکی طور پر رہ گیا اور سوائے اس ایک مسئلے (حیات و وفات مسیح علیہ السلام) کے اور تمام قرآنی تقطیعوں کا چرچا جاتا رہا اور جس ایک ہی مسئلہ کا مذاق رہ گیا کہ گویا پرستش باری تعالیٰ کی بجائے مرزا صاحب کی پرستش قائم ہو گئی اور عملی طور پر ان کا کلمہ الا العرزا ہو گیا کیونکہ الامم معبود و مطلوب وہی ہے۔ جس قدر میں اس بات پر زور دیتا تھا کہ کوئی شخص کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ قرآن مجید کے تمام مسائل پر علی المحتساب زور نہ دیا جائے ایک ہی مسئلہ (حیات و وفات مسیح) پر تن جانا اور اسی کو تمام امور پر غالب اور مقدم کرنا ایک قسم کا جنون اور سخت فسادات کی ہنا ہے۔ مگر وہ مرزا کے دیوانے کب سنتے تھے۔

جن ہمارے پر میں عقیدہ مسیحیت و مہدویت و مجددیت مرزا صاحب سے تائب ہوا ہوں، وہ مختصر احسب ذیل ہیں:-

تمام مسلمانوں کو جو مرزا صاحب کونہ مانیں، خارج از اسلام اور جہنمی قرار دیا جا اور ان کے ساتھ تعلق رکھنے کو حرام بتانا۔

جب اہلیان سیالکوٹ نے ایک تحریک پیش کی کہ لکر کی آمد و خرچ کے اہتمام کے واسطے ایک کمیٹی مقرر ہوئی چاہیے و آپ (مرزا) نے طیش میں آ کر جواب دیا کہ

میں کسی کا خزانہ نہیں ہوں۔

-3 جب یہ تحریک پیش ہوئی کہ انگر کا انتظام توجہ طلب ہے۔ مہماںوں کو تکلیف ہوتی ہے تو از خود رفتہ ہو کر جواب دیا کہ کیا میں بھیماری ہوں؟

-4 یہ (مرزا غلام احمد) ایمان، ملک یوم الدین کا محض لکندا ہے کیونکہ نجات مرزا غلام احمد کے مانے پر ہی محصر ہے۔ غور کرو مساوات جریہ پر

خدا کا مانا + اعمال صالح + مرزا پر ایمان = نجات

خدا کا مانا + اعمال صالح - مرزا پر ایمان = نجات

خدا کا مانا + اعمال صالح = یعنی یقین

-5 پس آپ کا کلمہ یہ ہوا لا اللہ الا العرزا۔ کیونکہ نجات اللہ کے مانے اور اعمال صالح پر نہیں بلکہ مرزا کے مانے پر ہے۔ خدا کا مانا اور اعمال صالح سب یقین ہیں۔ آپ تو تمام دنیا کو جہنمی بنا نے کے لیے اتنا بھی نہیں پوچھتے کہ تم سے پاس ہم پر ایمان لانے کے لیے کافی دلائل پہنچے یا نہیں۔ پھر تو کس وجہ سے مخالف ہے۔ کیوں نہ ہو آسمانی حکم جو ہوئے۔ کچھ تو سوچو۔ خداوند عالم، قرآن مجید اور اسلام کو کیوں ذیل کرتے ہو۔ براہ خدا ایک دفعہ تو اپنے گریبان میں منڈال کر دیکھو کہ کیا تمام دنیا پر آپ خود ہمیشہ کر پکھے یا آپ کے مرید ہر فرد بشر کو آپ کی مسیحیت کا قائل کر پکھے، نہیں ہرگز نہیں بلکہ عدم ہمیشہ کے مجرم آپ اور آپ کی جماعت میں جو ایسے احکام کو دبائے ہوئے گھر بیٹھے ہیں اور تمام دنیا کو سرسوش اور کافر بیمار ہے ہیں۔

-6 مرزا صاحب کا یہ مسئلہ کہ میرے مانے کے بغیر نجات نہیں۔ رب العالمین کی ربویت عامہ اور الرحمن الرحیم کی رحمانیت و رحمیت تامہ کو پاہل کرنے والا اور کل عالم کی سعید فطرتوں اور نیک عملوں پر چھاؤ پھیرنے والا ہے۔ یہ مسئلہ کہ خدا کا مانا اور اعمال صالح اس وقت تک یقین ہیں جب تک کہ مرزا کو مدارنجات نہ مانا جائے۔

مخفف قرآن و حدیث اور عقل سليمہ کے خلاف ہے۔

-7 قرآن، حدیث اور تیرہ سو سالہ اسلام کو مردہ قرار دیتا۔

-8 سید المرسلین اور خلفائے راشدین کی سخت تو چیز ہے کہ ان کے مدفن تو بہشتی مقبرہ نہ بنیں اور غلام احمد کا مدفن بہشتی مقبرہ بن جائے۔

-9 بے چارے مولویوں کو، جو مخفف اسلام کی خاطر آپ کے خلاف کر رہے ہیں، ان کو ولد الحرام، خنازیر، کورچشم، شیطان، حرامزادہ، او باش، لومڑی، دجال، چھپڑے

چھار، سور اور بندر زندگی قرار دینا، کیا یہ عمل مرزا صاحب کا واجب الاطاعت ہے۔ ہم دن رات لوگوں کو فرش گالیاں نکالا کریں یا قرآن کریم کی اطاعت کریں۔ اس امر میں کیا مرزا صاحب کی متابعت ہائی یا احکام قرآنی اور ارشادات سید المرسلین کی اطاعت، جن میں حج کی بابت سخت تائید ہے۔

-10- کیا سب مسلمان ایسا ہی کریں یا احادیث صحیح کی تہذیب سے ڈریں۔ اپنی کتابوں کے لیے رقم زکوٰۃ طلب کرنا اور کتابوں کی قیمت اصل معارف سے سہ چند اور چھار چند روپ کران کا لفظ اپنے صرف میں لانا۔

-11- ”ازالہ اوہام“ میں سُجع علیہ السلام کی پیش گوئیوں پر طڑا کہا گیا ہے کہ یہ بھی کچھ پیش گوئی ہے کہ زلزلے آئیں گے، مری پڑے گی، لڑائیاں ہوں گی، قحط پر قحط پڑیں گے۔ پھر اسکی پیش گوئیوں کو عقیم الشان بتایا جا رہا ہے۔ سُجع علیہ السلام کے مجموعات کو سریز مکر شے تایا۔

-12- البدر 23 جنوری میں شائع کیا کہ ہر ایک بیت کتنہ پر فرض ہے کہ حسب تفہیق ماہواری یا سہ ماہی انگر خانہ میں چندہ روانہ کرتا رہے۔ ورنہ ہر تین ماہ کے بعد اس کا نام بیت سے خارج ہو گا۔ کیا تمام انبیاء ایسے ہی بیٹ کگزار اکرتے تھے۔ اس حساب سے جو بے چارہ نادار چندہ نہ دے سکے وہ گویا اسلام سے خارج اور جنم میں جھوٹا جائے گا۔

میں نے چند ضروری تجویز پر ایک ضروری خط و کتابت پر شروع کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرزا قادریانی نے مجھ کو اپنی جماعت سے خارج کر دیا۔ یہ خط و کتابت میحمدہ بیان الحکم نمبر 4 شائع ہو گئی ہے۔ چونکہ 13 مئی کو میں نے ایک خواب کی ہبہ پر یہ بھی شائع کر دیا تھا کہ جب تک مرزا صاحب اپنی موجودہ زیادتوں کا علاج کر لیں، میں اپنی بیت و اہل لیتا ہوں۔“

مختصر قارئین کرام! یہ تھیں وجوہات جن کی وجہ سے ڈاکٹر عبدالحکیم خان صاحب پیالوی مرزا سیت سے تائب ہوئے۔ ہمارے خیال میں علاوه ان وجوہات کے سب سے بڑی وجہ جو اختلافات کا باعث ہی، وہ یہ تھی کہ مرزا غلام احمد مسلمانوں کو کافر کیوں کہتا ہے؟

مرزا غلام احمد کے بیٹے مرزا بشیر احمد ایم۔ اے نے ”کلمۃ الفصل“ ص 49 پر تمیک لکھا ہے کہ ”حضرت سُجع موعود نے عبد الحکیم خان کو جماعت (مرزا یہ) سے اس واسطے خارج کیا کہ وہ غیر احمدیوں کو مسلمان کہتا تھا۔“





۷۰ و حکم فیصلے جن کا بروکلین میں، ہر سڑ رہا تھا اور براہمپول میں۔

۷۱ وہ نارنج ساز فیصلے جنہوں نے سلطنت کی بے زمام ناد کو بخوبی بھیج دیئے گئے، مگر وہ کوئاں نہیں۔

۷۲ و شفاف فیصلے جو کوکب کو مدافعت کا آئینہ کھاتے ہیں۔

۷۳ و محمد آفریں فیصلے جنہوں نے اس اصل کے امین خلافتیہ کی کرکٹ کیا۔

۷۴ «پاس فیصلے جنہوں نے جعل بھوت کے ہر کاروں کے چہروں پر پستہ طلاشی کی کہ جنہوں کو اشتدا۔

۷۵ وہ آئینہ صفت فیصلے جس میں قابوی کاروں اور زاخاڑا اور اس کے ہر دو کاروں اصل چہروں کو کھلما آئے۔

۷۶ وہ دو لوک فیصلے جنہیں تحریر کرتے ہیں کہ مل صحن کے قلم شمشیر صد لائی اور دو قاروق کا روپ دھار کے۔

۷۷ «میں لے لیں گے اسکے لئے کوئی بھی کام کے لئے لے لیں گے۔

۷۸ وہ ایمان پر فیصلے جو ہر سجن کے لئے کوئی بھی کام کے لئے لے لیں گے۔

۷۹ وہ جرم اتنا نہ فیصلے جو دن بھر میں دعویٰ کر دیتے ہیں کہ اسکے لئے پہنچا بیان رکھنے کر رکھنے کر رکھنے ہے۔

۸۰ قادر احمد کی زبردی ساری عوام اور اتر جنوبی ایشیا میں کیا رہا تھا جو دوسرے دوسرے ہے۔

۸۱ قابلین کی طرف سے شاین، سالٹ میں تو ہیں، تران، بھیدا، کلکھیہ میں تحریر ہے، شاہزادی کا تحریر آپنی کاروں اور کاروں کی خلاف دنہیں کا دھانق نہ ہے جس نے ہر ڈیانی کو سوچ دیا گی اور سلطان رشدی "تران" بے پا۔

۸۲ ہم سے مدد اور، آئینہ شاہسوں، بکیل، بحالیوں، دا شور دن، بخاء، اور طالب علموں کے لئے ایک راجہا کتاب کا کام دیں گے۔

قادیانیت

اُس بazar میں

تہذیب تحریر

یہ کتاب محض ایک روانی کتاب نہیں.... یہ کوزے میں سمندز اور قطرے میں دجلہ کی مظہر ہے۔ یہ کتاب قادیانی جماعت کے بانی مرزا قادیانی، اس کی اولاد نام نہاد خلیفوں اور دیگر قادیانیوں کی مستند تصنیف اور انہی کے اخبارات و رسائل میں طبع ہوئی تھیں اور ریکٹ و کریمہ حماقتوں کے ناقابل تردید عکسی و دستاویزی شواہد لیے ہوئے ہے۔ قادیانی جرائم کے ثبوت اتنے واضح ہیں کہ دنیا کی کسی بھی عدالت میں ان عکسی دستاویزات کی صداقت کو پہنچ کرنا کسی بھی قادیانی کے لیے ممکن نہیں ہے۔ میں اس کتاب میں درج تمام حوالہ جات اور عکسی شواہد کی شفاهت کی ذمہ داری قبول کرتا ہوں۔ قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا طاہر احمد سیست دنیا کے تمام قادیانیوں (بیشول لاہوری گروپ) کو پہنچ کرتا ہوں کہ اگر اس کتاب میں موجود کوئی بھی عکس غیر حقیقی یا ایک بھی حوالہ من گھڑت پایا جائے تو مؤلف ہر قسم کی سزا پانے کے لیے تیار ہے! بصورت دیگر انھیں ضد اور ہٹ وھری کی تاریک را چھوڑ کر اسلام کی کشاہد آخوش میں آجانا جائے۔

اس وسیع و عریض کرہ ارض پر ہے کوئی
جگہ دارقا و مانی جو اس چیلنج کو قبول کرے!

علم اسلام کی تاریخ میں اپنی نویت کی نعمتوں کا باب ثبوت حاضر ہیں!

تلذیحوں کے بدترین کفر پر عقائد و عوام پر منی عکسی شہادت

تاریخی تحقیق:

تاریخی تحقیق تاریخی تحقیق

یہ ایک ایسی تاریخی و تحقیقی کتاب ہے



جوت اور بیوں کو اسلام کے خلاف جزو ساختہ اعلیٰ اور انہیں
کوستھ دستہ تھیں جو ہوتے ہیں جو شہادت ہے۔

جسکے سال کی شہادت نے انکل منٹ کے بعد کل کل گیا ہے
جس جو کا ادالی تسبیح اور اخلاق و مسائل کے ۵۰ ہزار سے نزدیک
لکھائی کے لحاظات میں کوئی خود ہم تکہ فہرست اور کوئی ثبوت کیا
گردی ہے کہیں۔

جس کے طبق سے تولیدی اپنے ہم تکہ اور کب تصور و کہ کر
لاد ہلات ہا سکتا ہے۔

جس سال میں مسلمانوں کو فتحتہ اسلام کیلئے کے لیے ایک روز
پڑھیا تھا جو کتنی ہے۔

جس کے سال میں مسلمانوں کو کلام احمد مسلمانوں کو فتحتہ اسلام کیلئے
جنگی طبقے کیلئے جو کوئی مدد و مدد کرنے کے لئے گئے۔

جس تحریک کے خلاف جو ایسی تندیز ہشدار مذکور ہے حال
کی تھیت سے جس کیا ہا سکتا ہے۔

جس تمام کا تھا کہ کچھ ملک کو اپنا اسلامیہ خداوند کی خواہ
سر کرتی ہے تھا کیا یا۔

ایسا کو درستہ جو جس قدر مذکور ہے اسکے لئے انتظار ہے
یاد ہے اور الحمد للہ تھا جو ہوتا ہے۔

صفحات 300 قیمت 872/-

علم و فتن سلسلہ

134: لاہور - فون: 7352332 - 7232336
E-Mail: ilmoirtanpublishers@hotmail.com

حقوق انسانی

کی آزمیں

اسلام خالق اور پاکستان دشمن
این جی اوز کا بھیا عکس کردار



نا مور سکالرز اور دانشوروں کے انکشافاتی قلم سے چیختے حقوق

پاکستانی تاریخ کے سب سے راز بھلی بار بھی مقاب ہوتے ہیں!

- انسانی حقوق کی نام نہاد طلب بردار این جی اوز نے امریکہ، اسرائیل، روس اور بھارت وغیرہ کی طرف سے عالم اسلام کے خلاف روارکی جانے والی بھیا عکس ساز شوں اور ہولناک جنگوں پر ٹھرمانچپ کیوں سادہ رکھی ہے؟
- پاکستان کے ائمہ پر ڈرام کروں یہی کرنے، افواج پاکستان کا انتیج سمجھ کرنے، جسیں پاکستان ڈاکٹر فدیری کی علمائی تبریزتاء، بھارتی ائمہ و حماکوں پر خوشیاں منانے اور اسرائیل کو تسلیم کرانے کی گھنادی سازی میم کے پس پر دہ کون ہے؟
- آئین پاکستان میں موجود اسلامی شقوں، مسلم سلام اقدار، تاب آموز شرقی روایات اور مریبوط خاندانی نظام کی نجگانی کس کی شہ پر کی جا رہی ہے؟
- غیر ممالک سے مطلع اداروں روپے کے فرد دس کس پر دہ نہیں نے کیسے خرد بردا کیے؟
- انسانی، علاحتائی، مسلکی اور ہمپاؤی تعصیات کی پر چارک کٹ پلی این جی اوز کی ڈوری کون ہلا رہا ہے؟
- چالانہ لیبری کی آزمیں وطنی عزیز کی مستحکم معیشت و تجارت کو تباہ کوئی نہ کرے کے در پر دہ مقاصد کیا تھے؟
- کن این جی اوز کے دفاتر اور اعلیٰ عہدیداروں کے گھر مکمل وغیر مکمل شخصیات کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے خانوں اور قبیہ خانوں کا روپ دھارتے رہے؟
- استقطاب حمل کو عورت کی صحت و حسن کا ضامن، کنڈوں کلپر کو ایکسیں صدی کا شخص اور ہم جنس پرستی کو شخصی آزادی قرار دینے کی تحریک کے پس پر دہ کون سے عوامل و عناصر کا فرمایاں؟
- طوائف کو "آداب و تہذیب" کی "محلہ" اور "حضری وفت کش" کے لقبات دینے اور "کوشا گلپر" کو "فردع شافت" کا نام دینے کے در پر دہ مقاصد کیا ہیں؟

پاکستان کے دشمنوں کو پہچانا اور ان کے عز امام
کونا کام بناتا ہر محبت وطن پاکستانی کا فرض ہے

یہ کتاب یقیناً آپ کی رہنمائی کرے گی!!!

DAILY Mirror Newsweek TIME BIBIC CNN
Guardian

Alameda Tribune

Washington Post

The Sunday Independent

rd.co Readers Digest CRAYON

پاکستان کے کھلائیں

روزگار مفتین نہاد

- پوپ جان پال نے تھائی میں ملاقات کے دوران امریکی صدر بیش سے کیا درخواست کی؟
- عیسائیوں کے کون کون سے اعلیٰ مذہبی عہدیدار ایڈیز میں جلا ہیں؟
- قتل، زنا، اسقاط حمل اور چوری کے گناہ گروں میں پادری کتنی اداگی پر معاف کردیتے ہیں؟
- کون کون سے نامور پادری ہم جنس پرستی میں جلا ہیں؟
- شیطانی کرتوں اور بھی سیاہ کاریوں کے باوجود پادریوں کے خلاف کارروائی کیوں نہیں ہوتی؟
- کون سے بڑے بشپ فنڈر کی خودرو، طوائفوں کی سرپرستی اور فضیلت کے وحدے میں بلوٹ جیں؟
- کس نیچوں کے ساتھ جنسی زیادتوں کی گھاؤنی وارداتوں کے مرکب پادریوں نے "متاثرین" کو ترقی دی اواکی؟
- کتنی راہبائیں (Nuns) اسقاط حمل کے نتیجے میں بلاک ہوئیں؟
- اننزیٹ پر نیچوں کی برہنہ تصاویر چاری کرنے کے چیچے اصل حرکات کیا تھے؟
- کس کس پادری کے کتنے ناجائز بچے کہاں کہاں ہیں؟
- پوپ کا ناجائز بیٹا اس طرح اعلیٰ مذہبی عہدے سک بچا؟
- "ویلناں نؤے" کی اصل حقیقت کیا ہے؟
- تمہلکہ اگریز اکشافات... ہوش زبا تفصیلات... چلی بار منظر عام پر